مشائخِ احمد آباد

جس میں شہر کی تاسیس سے لے کر نویں صدی
تک کے بزرگوں کے حالات مذکور ہیں

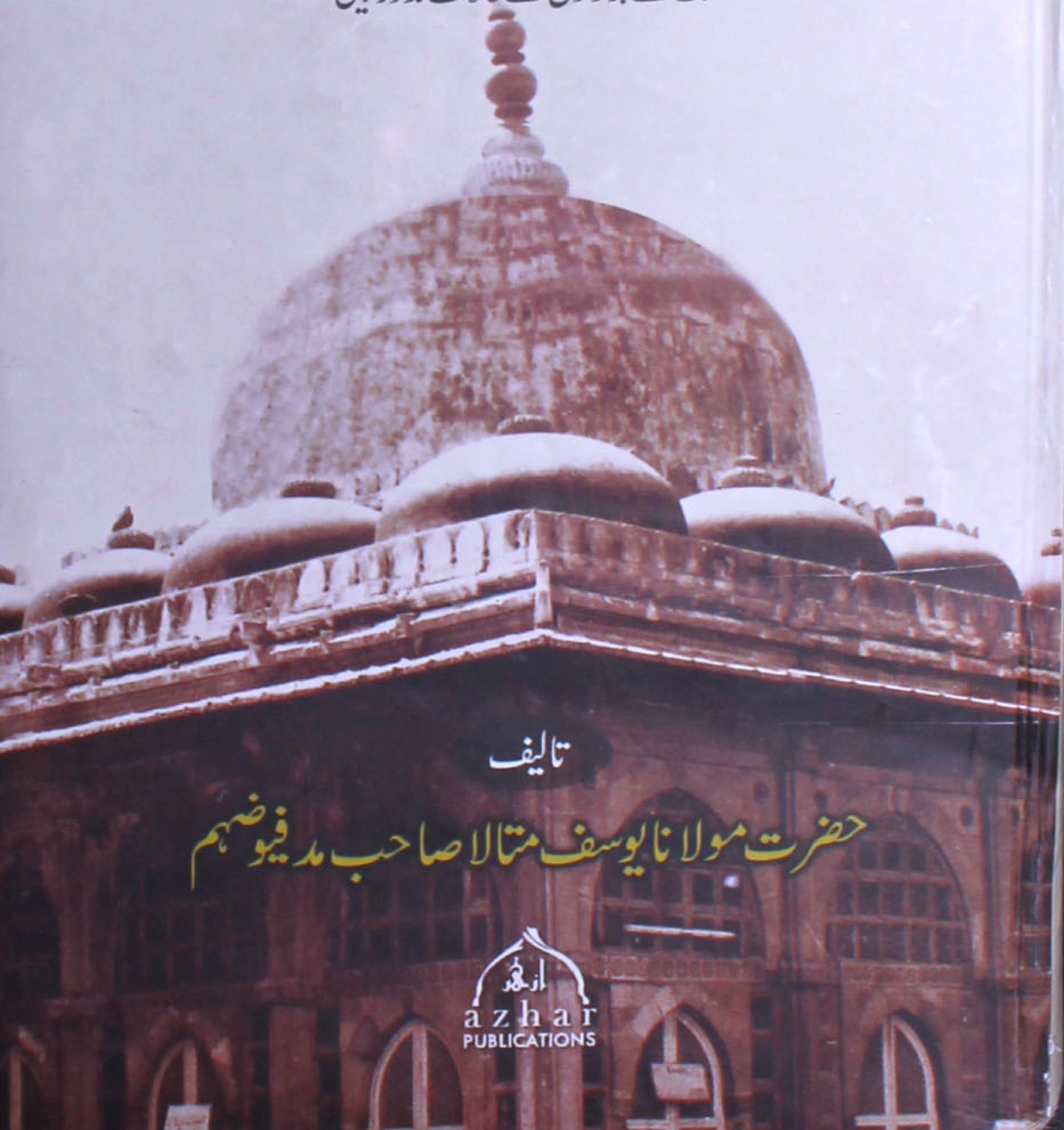

تالیف

حضرت مولانا یوسف متالا صاحب مدفیوضہم

azhar
PUBLICATIONS

مشائخِ احمد آباد

جس میں شہر کی تاسیس سے لے کر نویں صدی
تک کے بزرگوں کے حالات مذکور ہیں

نام کتاب ______ مشائخ احمد آباد

تالیف ______ حضرت مولانا محمد یوسف مُتالا خادم دار العلوم

سن اشاعت ______ اول ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۹۹۳ء

سن اشاعت ______ دوم ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۰۱۱ء

موضوع ______ سوانح

صفحات ______ چارسو اکسٹھ ۴۶۱

تعداد ______ ۱۱۰۰

کتابت ______ انظر الحسن قاسمی، بھاگلپوری

زیر اہتمام

ازہر

azhar
PUBLICATIONS

ناشر مکتبۃ الحرمین
الحمد مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
۰۴۲_۳۷۲۲۸۰۱۳

باسمہ تعالیٰ الکریم

بخدمت حضرت حافظ صغیر احمد صاحب مدفیوضکم

سیّدی قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہ کا علمی، عوامی ہر طرح کی تصانیف کے سلسلہ میں یہ معمول تھا کہ اپنے معاصرین میں سے کسی کی نظر ثانی کو اس پر ضروری سمجھتے تھے چاہے وہ حضرت کے شاگرد ہی کیوں نہ ہوں۔ اس پر عمل کا ارادہ جب میں نے مشائخ احمد آباد کے سلسلہ میں کیا تو چونکہ یہ صدیوں پہلے کے اہل علم کے احوال تھے جن میں صوفیاء، محدثین، مفسرین شعراء ہر قسم کے حضرات تھے اس لیے سوچا کہ کسی علمی شخصیت کی نظر سے یہ کتاب گذر جائے تو بہت اچھا ہوگا۔ چنانچہ تصنیف بلکہ کتابت کے بعد طباعت کو موقوف رکھا گیا یہاں تک کہ مدینہ طیّبہ قیام کے دوران مفتی اعظم حضرت مفتی محمود حسن صاحب عمرہ کے لیے تشریف لائے تو مفتی صاحب کے وہاں قیام کے دوران احقر انہیں یہ کتاب سناتا رہا کیونکہ مفتی صاحب ان دنوں لکھنے پڑھنے سے معذور تھے اور بحمد اللہ جلد اوّل معتدبہ حصّہ سن کر حضرت نے تشجیعی کلمات بھی فرمائے۔ مگر پھر بھی طباعت کی ہمّت نہ ہوئی کہ کاش کوئی صاحب علم بنظر اصلاح پوری کتاب دیکھ لیتا۔ اللہ کا کرم کہ مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اوکسفورڈ اسلامک سینٹر کی دعوت پر برطانیہ تشریف لائے اور ہماری دعوت پر دارالعلوم ہولکمپ بری بھی تشریف لائے۔

اس سفر میں حضرت کے ساتھ پروفیسر خلیق احمد نظامی ڈائریکٹر شعبہ تاریخ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی بھی تھے جو مشائخ چشت پر وقیع کتب کے مصنف تھے اور اس

سفر میں حضرت مولانا علی میاں صاحب نے نظامی صاحب کے متعلق یہ کلمات بھی فرمائے کہ "ایشیا کی اسلامی تاریخ پر نظر میں اس وقت ان کی نظیر نہیں"۔

چنانچہ احقر نے مشائخ احمد آباد کی دونوں جلدیں بقصد اصلاح و تصحیح نظامی صاحب کو پیش کیں اور انہوں نے کتاب کو ملاحظہ فرما کر ذیل کا مکتوب ارسال فرمایا۔

مگر ان کی تمنا اور خواہش کے مطابق اس پر تفصیلی مقدمہ نہ لکھ سکے یا کوئی تحریر لکھی ہو اور اس کی ترسیل سے قبل معذوری اور بالآخر وقت موعود آپہنچا۔ اللہ تعالےٰ انہیں اس شفقت تعلق اور محبت کی بے حد جزائے خیر دے۔

محمد یوسف
خادم مدرسہ
دارالعلوم ہولکمپ بری
برطانیہ

تقریظ

باسمہ تعالیٰ

پوسٹ باکس ۱۹، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڈھ، ۱۳ اگست ۱۹۹۲ء

حضرت مولانائے محترم زید لطفہ۔۔۔ السلام علیکم ورحمہ اللہ۔

گرامی نامہ باصرہ نواز ہوا جس کے ساتھ ہی آپ کی کتاب کے بعض حصے بھی منسلک تھے، نوازش اور کرم فرمائی کے لئے ممنون ہوں، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔

آپ کے جو مضامین آئے تھے وہ سب چھپ گئے ہیں، انہیں روکنے کا وقت ختم ہوگیا۔ اب ان شاء اللہ جو تازہ مضامین بھیجے ہیں، انہیں حسب سہولت اور گنجائش شائع کیا جائے گا۔

معارف کے خاص نمبر کی اشاعت سے معذوری ہے، علاوہ ازیں اس طرح کی نئی اشاعت کے لئے مجلس انتظامیہ سے منظوری بھی ضروری ہے، معلوم نہیں اس کا کیا رویہ ہو، میرے خیال میں وہ بھی اشاعت کی اجازت نہ ہوگی۔ پھر جب آپ کی کتاب چھپ رہی ہے جس کے لئے ایک صاحب آمادہ بھی ہوگئے ہیں تو میرے خیال میں اس کی ابتدا کردیجئے۔۔۔۔۔

والسلام محتاج دعاء

ضیاء الدین

تقریظ

ضیاء الدین ڈیسائی

باسمہ سبحانہ

۱۴ خورشید پارک احمد آباد

۳۸۰۰۵۵

محترمی ومکرمی مولانا دام مجدکم بعد سلام مسنون

کافی دن ہوئے جناب عالی نے تحریر فرمایا تھا کہ مشائخ احمد آباد کی جلد اول کتابت کے لئے بھیج دی گئی ہے اور طباعت کے بعد ایک کاپی مجھے بھجوانے کی مہربانی فرمائیں گے، کتاب کا انتظار ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ ڈاکٹر باقر علی مرحوم کے انگریزی پی ایچ ڈی کے مقالے گجرات کا عربی ادب کی نقل میں آپ کو ارسال نہ کر سکا، میرے مرحوم دوست پروفیسر احمد قریشی صاحب جن کو میں نے نسخہ اس کا دیا تھا ان کے ہاں ان کی اہلیہ کی پاکستان سے واپسی کے بعد میں نے ان کی کتابوں میں دیکھا تو وہ ٹائپ شدہ مسودہ نہیں ملا، نہ یہ پتہ چلا کہ اس کا کیا ہوا، میں خود اکتوبر ۱۹۹۲ء میں پاکستان گیا تھا وہاں بھی باقر علی صاحب مرحوم کے بھائی مرحوم جاوید علی ترمذی کے خانوادے میں تفتیش کی ان کے پاس بھی نسخہ نہیں ہے۔

بمبئی یونیورسٹی میں اس کا نسخہ ہے لیکن وہ لوگ اس کی نقل کی اجازت نہیں دیتے، ویسے میں نے اس مقالے کو دیکھا ہے اور یہ گجرات کے عربی دان علماء کی عربی ادب میں تالیفات سے

متعلق ہے, البتہ ان میں چند مشائخ بھی حضرت شاہ عالم بخاری یا شیخ حسن محمد چشتی وغیرہ مذکور ہیں جن کی عربی تالیفات ہم تک پہنچی ہیں, لیکن مشائخ کے لئے یہ بہت زیادہ کام نہیں دیتی, البتہ جیسا کہ میں نے اپنے گذشتہ خط میں لکھا تھا احمد آباد کی خانقاہ چشتیہ میں منجملہ تقریباً ایک ہزار مخطوطات میں اس کے مشائخ اور بزرگوں کا تذکرہ موسوم بہ مخبر الاولیاء ہے, اس میں احمد آباد کے بزرگوں کے بارے میں نہایت اہم اور نادر معلومات ہیں لیکن اس کی نقل حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے برابر ہے۔

اس کا نہایت ہی ناقص اور غلط نسخہ تقریباً ۱۹۰ صفحوں کا بمبئی ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں ہے, لیکن وہاں سے بھی اس کی نقل کی میری کوشش بار آور نہیں ہوئی, ابھی ابھی مجھے پتہ چلا ہے مخبر الاولیاء کا احمد آباد والا نسخہ ۹۰۰ صفحات پر محتوی ہے اور آخر کے کچھ یا ایک دو اوراق غائب ہیں, اگر چہ یہ نسخہ تیرھوی صدی ہجری کے اسی چشتیہ خاندان کے ایک بزرگ رشید الدین لالا چشتی نے لکھا ہے یعنی کافی بعد کی چیز ہے, تاہم اس میں جو معلومات ہیں وہ کسی اور جگہ نہیں ملتیں۔ دوسرے انہوں نے مکرراً انہی کے خاندان کے بزرگوں کے حالات کے لئے چار چھ کتابوں کے حوالے دیئے ہیں وہ کتابیں بھی غالبًا ان کے ہاں ہوں گی, یہ دیکھنے کو مل جائیں تو ہماری معلومات میں اضافہ ہو۔ ویسے میری کوشش جاری ہے کہ اس کتاب کی نقل نہیں تو کچھ یادداشتیں نقل کرلوں۔ اب دل کے عارضے کے شکار کی وجہ سے میری نقل وحرکت پر کچھ پابندی ہے اور دوڑ دھوپ کے قابل نہیں ہوں, بہر حال دیکھئے اللہ کو کیا منظور ہے۔

ویسے میں ان شاء اللہ مئی کے ۱۵ کے لگ بھگ لندن چار چھ روز کے لئے آرہا ہوں، میں ۲۵

اپریل کو ان شاء اللہ بمبئی سے امریکہ جا رہا ہوں، وہاں میرے ایک امریکن دوست جو پروفیسر ہیں ان کے ساتھ تاریخ شاہجہاں کے پروجکٹ کے سلسلے میں لندن آنا ہوگا۔لندن سے ہی دونوں ان شاء اللہ ہندوستان ساتھ واپس ہوں گے۔لندن میں برٹش لائبریری اور ملکہ ایلزبتھ کے ذاتی کتب خانے ونڈسر پیلیس میں بادشاہ نام کا نسخہ دیکھنا ہے۔

پتہ نہیں میرا قیام کہاں ہوگا، گذشتہ مرتبہ ہم دونوں ایک ہوٹل میں ٹھہرے تھے۔یہ بھی پتہ نہیں کہ جناب کے دارالعلوم کی جائے وقوع لندن سے کتنے فاصلے پر ہے۔اگر زحمت نہ ہو تو اس خط کی رسید اور بالکمب کی جائے وقوع کے بارے میں مطلع فرمائیں۔میرا پتہ مندرجہ ذیل ہے:

جناب والا کے مراسلے کا انتظار رہے گا۔اگر نیاز حاصل کرنے کی کوئی صورت نکل آئی تو ان شاء اللہ بالمشافہ تفصیل سے گفتگو ہوگی۔

طالب دعا

ضیاء الدین ڈیسائی

جناب ڈیسائی صاحب مرحوم کے شاید دیگر تاریخی مکاتیب
بھی اسی طرح کے مل گئے تو شائع کریں گے باذن اللہ۔

تقریظ

باسمہ سبحانہ وتعالی

مخدومی المکرم محسن المعظم ذوالمجد والکرم اطال اللہ ظلال برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج والا بعافیت ہوں گے اور خدائے پاک ہمیشہ بایں فیوض و برکات بصد ہزار عافیت رکھے۔ یہ ناکارہ بھی بدعاء آنمخدوم بحمد اللہ واحسانہ تعالی بخیر ہے۔

جناب والا کی تالیف تاریخ مشائخ احمد آباد کی کتابت قریب بتکمیل ہے، اس کے مقدمہ اور سرورق کا انتظار ہے۔ امید کہ جلد ارسال فرما کر احسان فرمائیں گے۔

جامعہ محمودیہ کے لئے جو سامان ارسال فرمایا تھا بحمد اللہ سب پہنچ گیا۔ مادی معنوی اعلی ترقیات بسہولت وعافیت تمام ضروریات کی تکمیل اور تمام شرور وفتن ومکارہ سے حفاظت کی دعاء کی درخواست ہے، خود یہ نکارہ جناب والا کی دعاء وتوجہ کا بہت محتاج ہے۔ اخلاص و استقامت اور قبولیت کی دعاء فرما کر کرم بالائے کرم فرمائیں۔۔۔

آنانکہ خاک را کیمیا کنند ۔۔۔ آیا بود گوشۂ چشمے بجا کنند

جناب والا کی کریم ذات سے امید ہے کہ محروم نہیں فرمائیں گے۔

والسلام مع الاکرام

العبد فاروق غفرلہ ۔۔۔ ۱۴۱۲/۱۰/۸ھ

جامعہ محمودیہ

مشائخ احمد آباد کی پہلی طباعت کی تیاری کا اس مکتوب میں ذکر ہے۔

تقریظ

باسمہ سبحانہ وتعالی

۳۱ جولائی ۱۹۹۳ء

محترم المقام مولانا متالا صاحب مدفیوضہ, سلام مسنون

"مشائخ احمد آباد" کی دونوں جلدیں پہونچ گئیں۔ عرصہ سے میں ان کے لئے چشم براہ تھا۔ رسید لکھنے میں دیر کا سبب طبیعت کی ناسازی تھی۔ میرے بلیڈر میں پتھر ہیں جن کی وجہ سے پچھلے کچھ دنوں سے شدت کا درد ہونے لگا ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالی شفا عطا فرمائے۔ آمین۔

میں عرصہ سے "مشائخ احمد آباد" کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ان جلدوں کو دیکھ کر طبیعت خوش ہوگئی۔ علم, تعلق اور جذبہ نے مل کر اس میں عجیب دلکشی پیدا کر دی ہے۔

۱۔ میرا خیال ہے کہ جلد ایک ہی رہنی چاہئے۔ چونکہ صرف ایک طرف عکس لیا گیا ہے, اس لئے دو جلدوں کا حجم ہو گیا ہے۔ طبع ہو کر حجم ایک جلد کا ہو جائے گا جو نہایت مناسب رہے گا۔

۲۔ کتابت اوسط درجہ کی ہے۔ لیکن دوسری کتابت کی قطعاً ضرورت نہیں۔

۳۔ تصحیح کتابت کا کام احتیاط سے ہو جائے تو بہت اچھا ہو۔

۴۔ آپ مجھ سے کس نوعیت کی تحریر چاہتے ہیں اور اس کو کس طرح استعمال کرنا ہے۔ مقدمہ, پیش لفظ, ریویو یا کیا۔

آپ نے غالباً "یاد ایام"} مصنفہ مولانا حکیم سید عبدالحیؒ رحمہ اللہ{ پر میری تحریر دیکھی ہوگی۔ بہرحال تعمیل ارشاد ہوگی۔

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ میری بڑی خواہش تھی کہ آپ کے دورہ؟ حدیث میں شرکت کروں، لیکن علالتوں کی وجہ سے ممکن نہ ہوسکا۔ بیوی کی طبیعت بفضلہ بہتر ہے۔ وہ بعد سلام آپ کی پرسش احوال کا شکریہ ادا کرتی ہے۔

والسلام

مخلص خلیق احمد نظامی

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	تقریظ	۳
	عرض مرتب	۴
۱	قدوم صحابہ کرام سب سے پہلے گجرات میں	۷
۲	سلطنت گجرات	۱۴
۳	زین البلاد احمد آباد	۱۶
۴	بانیٔ احمد آباد، سلطان احمد شاہ	۱۹
۵	بناء احمد آباد	۲۳
۶	مساجد	۲۹
۷	پورہ جات	۲۹
۸	چہار دیواری کی تعمیر	۳۱
۹	پورہ جات کا تعارف	۳۴
۱۰	تعمیرات	۳۸
۱۱	اٹھانوے گنبد کی مسجد	۴۱
۱۲	احمد آباد کی جامع مسجد	۴۱
۱۳	سیدمیراں کی تعمیرات	۴۳
۱۴	باغات	۴۳
۱۵	دل کش باغات	۴۶
۱۶	باغ فتح	۴۸

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۴۹	جہانگیر بادشاہ کی مؤلف مرآۃ سکندری کے باغ کی سیر	۱۷
۵۰	گلاب کی کاشت	۱۸
۵۱	جہانگیر کا تالاب کاکریہ کے کنارے قیام	۱۹
۵۲	اس تالاب کی ساخت	۲۰
۵۳	کارخانے	۲۱
۵۴	مبارک نام کا اثر	۲۲
۵۹	جہاز سازی	۲۳
"	بہادر شاہی توپ	۲۴
"	بندوق	۲۵
"	تلوار	۲۶
۶۰	احمد آباد کے مدارس	۲۷
"	مدرسہ سیف خاں	۲۸
"	مدرسہ شیخ الاسلام	۲۹
۶۱	مدرسہ سرخیز	۳۰
"	مدرسہ وجیہ الدین	۳۱
"	مدرسہ عثمان پور	۳۲
۶۲	ولی اللہ کا مدرسہ	۳۳
"	دارالارشاد	۳۴
۶۳	صنعتی مدارس	۳۵
"	علمی مراکز اور کتب خانے	۳۶

نمبرشمار	عنوان	صفحہ
۳۷	عثمان پورہ کا کتب خانہ	۶۴
۳۸	خانقاہ سرخیز کا کتب خانہ	۶۴
۳۹	شاہ عالم کا کتب خانہ	۶۵
۴۰	شاہ جہاں کا کتب خانہ	۶۶
۴۱	مدرسہ ہدایت بخش کا کتب خانہ	〃
۴۲	مدرسہ ولی اللہ کا کتب خانہ	〃
۴۳	شیعہ بوہرون کا کتب خانہ	۶۷
۴۴	احمدآباد کے محکمۂ قضاۃ کا کتب خانہ	〃
۴۵	شیخ حضرمی کا کتب خانہ	۶۸
۴۶	اعتماد خاں گجراتی کا کتب خانہ	〃
۴۷	قاضی برہان الدین کا کتب خانہ	۶۹
۴۸	مدرسہ شیخ الاسلام کا کتبخانہ	〃
۴۹	بعض دیگر کتب خانے	۷۰
۵۰	ولی اللہ کا کتب خانہ	۷۱
۵۱	کتبخانہ آصف خاں	〃
۵۲	صحیح مسلم کا سب سے قدیم نسخہ سلطان محمود کے کتبخانہ میں	۷۲
۵۳	(۱) نسخہ صاحب الجلودی	۷۴
۵۴	(۲) نسخہ مغربیہ	۷۵
۵۵	(۳) نسخہ حافظ اسمٰعیل اصفہانی	〃
۵۶	(۴) نسخہ حافظ عبدالغنی مقدسی	〃
۵۷	(۵) نسخہ مکیہ	〃

نمبر شمار	عنوان		سن	صفحہ
۵۸	نسخے کے سرورق پر حسب ذیل تحریریں اور مہریں ثبت ہیں			۷۶
۵۹	اردو اور گجرات			۷۸
۶۰	دکن پر اثر گجرات			۸۰
۶۱	قدیم اردو فقرے			۸۲
۶۲	جہانگیر کی اردو ترجمہ کی فرمائش			۸۵
۶۳	اہلسنت کا احمد آباد			۸۶
۶۴	علماء و مشائخ کی قدر دانی			۸۷
۶۵	موسیقی			″
۶۶	سادات احمد آباد			۸۸
۶۷	احمد آباد کی آخری جھلک			۹۰
۶۸	دولت			۹۱
۶۹	مغلوں کے ہاتھوں بربادی			۹۲
۷۰	وہ تاریخی کتب جو گجرات پر لکھی گئیں			۹۳
۷۱	حضرت شاہ شیر دانی چشتی	م	سنہ ۷۴۹ھ	۹۵
۷۲	شیخ علامہ کمال الدین قدس سرہٗ	″	سنہ ۷۵۶ھ	۹۶
۷۳	شیخ رضی الدین عثمانی گنج علم	″	سنہ ۷۷۰ھ / سنہ ۱۳۶۸ء	۹۷
۷۴	صاحبزادہ جمال الدین خنداں رو		سنہ ۷۲۵ھ / سنہ ۱۳۲۲ء	۹۸
۷۵	سلسلۂ راقم الحروف بمخدوم جہانیاں			۹۹
۷۶	حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت		سنہ ۷۸۵ھ / سنہ ۱۳۸۲ء	۱۰۰
۷۷	سیر و سیاحت			۱۰۱
۷۸	مخدوم جہانیاں کا لقب			۱۰۲

نمبر شمار	عنوان	سن	صفحہ
۷۹	شیخ سمار الدین	م سنہ ۹۰۱ھ/ سنہ ۱۴۹۶ء ۱۱۹	۱۰۸
۸۰	خرقۂ خلافت		۱۱۰
۸۱	سفرِ گجرات		۱۱۱
۸۲	معمولات		۱۱۳
۸۳	سید صدرالدین راجو قتال	،، سنہ ۸۲۷ھ/ سنہ ۱۴۲۴ء	۱۱۵
۸۴	سید تاج الدین		۱۱۷
۸۵	بابا اسحاق مغربی اور حضرت شیخ احمد کھتوی سرکھیجی	،،سنہ ۷۶۳ھ،،	۱۱۸
۸۶	شیخ وجیہ الدین (یوسف ثانی)		۱۱۹
۸۷	شیخ احمد کھتو ملقب بہ گنج بخش		۱۲۰
۸۸	سفرِ حج		۱۲۴
۸۹	حجاز سے واپسی		،،
۹۰	مسجد خانجہاں میں		،،
۹۱	تیمور کا حملہ		۱۲۵
۹۲	سفرِ سمرقند		،،
۹۳	سلاطین سے تعلقات		۱۲۹
۹۴	شیخ احمد کھتو کی سوانح		،،
۹۵	وصال		۱۳۵
۹۶	گجراتیوں کی مرغوب غذا کھچڑی		۱۳۷
۹۷	عرف بابو کا قدیمی استعمال		،،

نمبر شمار	عنوان	سن	صفحہ
۹۸	جہانگیر بادشاہ کی شیخ احمد کھٹو کے مزار پر حاضری		۱۳۷
۹۹	آپ کا مدرسہ		۱۳۸
۱۰۰	آپ کا کتب خانہ		〃
۱۰۱	شیخ کھٹو کی سلطان گر اور پیر گر بھی		۱۴۱
۱۰۲	مخدوم شیخ صلاح الدین		۱۴۲
۱۰۳	غوث الوری حسن فقیہ		۱۴۴
۱۰۴	ابوالبرکات سراج الدین سید محمد		〃
۱۰۵	شاہ عالم کا نکاح		۱۴۵
۱۰۶	سلاطین کے تعلقات		۱۴۶
۱۰۷	اوصاف وکمالات		〃
۱۰۸	شاہ عالم کا لقب		۱۴۷
۱۰۹	جہانگیر کی شاہ عالم کے مزار پر فاتحہ خوانی		۱۵۰
۱۱۰	شاہ عالم کا فیض احمدآباد سے بہار تک		۱۵۱
۱۱۱	مدرسہ شاہ عالم		۱۵۲
۱۱۲	شاہ عالم کا کتب خانہ		〃
۱۱۳	حلیہ اور زبان		۱۵۳
۱۱۴	شاہ عالم کا خاندان اور اسکی متعلقہ عمارتیں		۱۵۵
۱۱۵	شیخ محمد		۱۵۶
۱۱۶	شاہ محمد راجو		۱۵۷
۱۱۷	سید محمد شاہ عالم کے پوتے		〃

نمبر شمار	عنوان	سن	صفحہ
۱۱۸	میاں قطب الدین		۱۵۹
۱۱۹	شاہ بھیکن		۱۶۰
۱۲۰	سید محمد مقبول عالم		″
۱۲۱	ملک عبداللطیف داور الملک	م ۸۸۹ھ / ۱۴۸۴ء	۱۶۱
۱۲۲	شیخ الاسلام خواجہ احمد بن دوسن	″ ۸۸۵ھ / ۱۴۸۰ء	۱۶۳
۱۲۳	حضرت مولانا محمد صدیق	″ ۸۸۰ھ / ۱۴۷۵ء	۱۶۴
۱۲۴	ملک محمد اختیار اور شیخ کبیر الدین		۱۶۵
۱۲۵	احمد میاں مخدوم	م ۸۸۲ھ / ۱۴۷۷ء	
۱۲۶	قاضی سید اسماعیل اصفہانی	″ ۸۶۵ھ / ۱۴۶۱ء	۱۷۰
۱۲۷	مولانا صدر جہاں حسام الدین		۱۷۲
۱۲۸	صدر جہاں کا مدرسہ		۱۷۷
۱۲۹	شیخ احمد	″ ۸۹۰ھ	۱۷۸
۱۳۰	سید جلال الدین ابو محمد ماہ عالم	″ ۱۰۰۳ھ	۱۷۹
۱۳۱	سید جعفر بدر عالم		۱۸۰
۱۳۲	ابو المجد محمد بن جعفر محبوب عالم	″ ۱۱۱۱ھ	۱۸۱
۱۳۳	تفسیر شاہیہ		۱۸۲
۱۳۴	سید جلال حمید عالم	″ ۱۱۰۴ھ	″
۱۳۵	جعفر مجید عالم	″ ۱۱۰۹ھ	۱۸۳

نمبر شمار	عنوان	سن	صفحہ
۱۳۶	سید محمد محمود عالم	" ۱۱۴۹ھ	۱۸۳
۱۳۷	سید محمد مراد		۱۸۴
۱۳۸	شیخ نورالدین	" ۱۱۵۵ھ / ۱۷۴۲ء	"
۱۳۹	شیخ نورالدین کا مدرسہ		۱۸۸
۱۴۰	کتب خانہ مدرسہ ہدایت بخش		۱۹۱
۱۴۱	نور العرفان		"
۱۴۲	مدرسہ ہدایت بخش کا مطب		"
۱۴۳	بہاؤالدین ابن نورالدین		"
۱۴۴	شیخ محمد صالح عرف پیر بابا ابن نورالدین		۱۹۲
۱۴۵	قاضی محمد رکن الحق خاں بن نورالدین		۱۹۳
۱۴۶	شیخ فخرالدین ابن نورادین		"
۱۴۷	قاضی شمس الدین شیبانی	" ۸۰۹ھ	"
۱۴۸	شیخ علم الدین	" ۸۰۹ھ	۱۹۴
۱۴۹	شیخ محمد بن ابوبکر دمامینی	" ۸۲۷ھ	۱۹۵
۱۵۰	تصانیف		۱۹۶
۱۵۱	تعلیق للمصابیح ابواب الجامع الصحیح		۲۰۱
۱۵۲	ابی فراس بن حمدان کے چند اشعار		"
۱۵۳	علامہ بدرالدین دمامینی کے چند اشعار		۲۰۴
۱۵۴	شیخ غوث الدین	م ۲۲ صفر ۸۳۵ھ	۲۰۶
۱۵۵	ملا جعفر	۱۲ صفر ۸۴۶ھ	"

نمبر شمار	عنوان	سن	صفحہ
۱۵۶	سید محمد خدا بخش	" ۵/جمادی الثانیہ ۸۴۷ھ	۲۰۷
۱۵۷	شیخ حاجی رجب		۲۰۸
۱۵۸	شیخ عزیز اللہ مندوی	" ۲۲/صفر ۸۵۲ھ	"
۱۵۹	شاہ موسیٰ سہاگ	۸۵۳ھ	۲۰۹
۱۶۰	شیخ کبیر الدین ناگوری	" ۱۷/ذیقعدہ ۸۳۵ھ/۸۵۶ھ	۲۱۱
۱۶۱	قطعہ تاریخ		۲۱۲
۱۶۲	شیخ کمال الدین کرمانی	" ۸۶۵ھ	۲۱۳
۱۶۳	شیخ حسن بن محمد اساولی	" ۱۲/شوال ۸۷۰ھ	۲۱۴
۱۶۴	بی بی خوند کاردی		"
۱۶۵	شیخ خوند میر	" ۱۰/ربیع الثانی ۸۷۰ھ	۲۱۵
۱۶۶	سید یعقوب چشتی		۲۱۹
۱۶۷	شیخ محمود بن عبداللہ بخاری	" ۸۸۰ھ	۲۲۰
۱۶۸	شاہ جلال الدین	" ۸۸۱ھ	۲۲۱
۱۶۹	شیخ احمد بن برہان الدین	۲۲/ربیع الثانی ۸۸۲ھ	۲۲۲
۱۷۰	مخدوم العالم محمد بن اسمٰعیل بن ابوالقاسم	۱۳/جمادی الاولیٰ ۸۸۲ھ	۲۲۳
۱۷۱	بن ابوجعفر بن ابویوسف بن یعقوب نہروالی		
۱۷۲	مخدوم بن برہان الدین	" ۸۹۰ھ	۲۲۴
۱۷۳	سیّد غوث الدین بغدادی قادری	م ۲۲/صفر ۸۹۵ھ	"
۱۷۴	حضرت شیخ محمود راجن بن علیم الدین عمری	" ۹۰۰ھ	۲۲۶
۱۷۵	شیخ محمد فلادہ قدس سرہٗ	" ۹۰۰ھ	۲۲۷

نمبر شمار	عنوان	سن	صفحہ
۱۷۶	شیخ رزق اللہ	م ۲۰ ربیع الاول ۹۸۹ھ	۲۲۹
۱۷۷	شیخ سعد اللہ	" ۸۵۱ھ / ۹۱۷ھ	۲۳۰
۱۷۸	خواجہ حسین ناگوری	" ۹۰۰ھ	۲۳۱
۱۷۹	مؤلف تاریخ مظفر شاہی		۲۳۴
۱۸۰	شیخ یوسف	۸۴۹ھ	۲۳۵
۱۸۱	شیخ قاسم بن داؤد		"
۱۸۲	قطب عالم سید برہان الدین ابو محمد	" ۸۵۷ھ	۲۳۶
۱۸۳	عبد اللہ بخاری		
۱۸۴	سید شرف الدین مشہدی سے ملاقات		۲۳۸
۱۸۵	سید گیسو دراز سے ملاقات		۲۳۹
۱۸۶	سلاطین سے تعلقات		"
۱۸۷	قطب العالم کی زبان		۲۴۰
۱۸۸	حضرت شاہ عالم		۲۴۲
۱۸۹	مولانا سید جیو		۲۴۳
۱۹۰	ابن قطب عالم		۲۴۴
۱۹۱	شیخ محمد عثمان الملقب بہ شمع برہانی	" ۸۶۳ھ / ۱۴۵۹ء	۲۴۶
۱۹۲	عثمان پورہ کا کتب خانہ		۲۴۸
۱۹۳	سوز	م ۱۲۱۳ھ	۲۵۲
۱۹۴	شیخ محمد عبد اللہ حسینی بخاری	" ۸۹۲ھ / ۱۴۸۷ء	۲۵۳

نمبر شمار	عنوان	سن	صفحہ
۱۹۵	مخدوم شیخ محمود دریا نوش	,, ۸۸۴ھ / ۱۴۷۹ء	۲۵۳
۱۹۶	شیخ عبداللطیف	,, ۸۸۵ھ / ۱۴۸۰ء	۲۵۴
۱۹۷	شیخ سراج خلیفہ قطب عالم		۲۵۶
۱۹۸	سید محمد زاہد بن قطب عالم بخاری	۸۹۲ھ / ۱۴۸۷ء	۲۵۸
۱۹۹	شاہ محمد امین		۲۶۰
۲۰۰	مصطفیٰ		۲۶۱
۲۰۱	سید جعفر شیرازی		,,
۲۰۲	شیخ احمد بن سید جعفر شیرازی	م ۹۳۲ھ / ۱۵۲۵ء	۲۶۲
۲۰۳	سید احمد مخدوم جہاں شاہ	,, ۹۹۰ھ	,,
۲۰۴	ملک شرف الدین شاہ شہباز		۲۶۴
۲۰۵	شاہ حماد ابن قاضی محمد		۲۶۶
۲۰۶	علامہ وجیہ الدین علوی	,, ۹۹۸ھ	۲۷۱
۲۰۷	شیوخ سے تعلق		۲۷۲
۲۰۸	شاہ محمد غوث کے حلقۂ ارادت میں آنے کا سبب		۲۷۳
۲۰۹	اوصاف و کمالات		۲۷۶
۲۱۰	مدرسہ کا قیام		,,
۲۱۱	زہد و قناعت		۲۷۷
۲۱۲	کرامات		
۲۱۳	تلامذہ		۲۷۹
۲۱۴	ملفوظات حضرت وجیہ الدین		,,

نمبر شمار	عنوان	سن	صفحہ
۲۱۵	ملفوظات کے اس مخطوطہ میں		۲۸۲
۲۱۶	شاہ وجیہ الدین کا کتب خانہ		۲۸۳
۲۱۷	شیخ وجیہ الدین مصنفین کی نظر میں		۲۸۴
۲۱۸	شیخ غوث اور شیخ وجیہ الدین		۲۸۹
۲۱۹	شیخ وجیہ الدین کا شیخ غوث سے والہانہ تعلق		״
۲۲۰	شیخ وجیہ الدین کے مدرسہ کا فیض اور عمارتیں		۲۹۱
۲۲۱	وجیہ الدین علوی گجراتی کی تصانیف باعتبار فنون		۲۹۲
۲۲۲	شیخ برہان الدین علوی		۲۹۶
۲۲۳	قاضی علی بن اسد اللہ	م سنہ ۱۰۷۰ھ	״
۲۲۴	سید صبغت اللہ بھروچی شطاری	״ سنہ ۱۰۱۵ھ	۲۹۷
۲۲۵	محمد عبدالرحمن بیجاپوری	״ سنہ ۱۰۸۳ھ	۲۹۹
۲۲۶	شیخ کمال محمد عباسی	״ سنہ ۱۰۱۳ھ	۳۰۰
۲۲۷	شیخ ابو تراب لاہوری	״ سنہ ۱۰۱۷ھ	۳۰۱
۲۲۸	شجرۂ نسب		۳۰۲
۲۲۹	شیخ وجیہ الدین کی بیعت		״
۲۳۰	خرقۂ خلافت		۳۰۳
۲۳۱	شیخ وجیہ الدین		״
۲۳۲	شاہ گدا کا شجرۂ طریقت		״
۲۳۳	شجرۂ قادری		״
۲۳۴	شجرۂ شطاریہ		״
۲۳۵	لاہور میں مسکن		

نمبر شمار	عنوان	سن	صفحہ
۲۳۶	خلفائے سید ابوتراب		۳۰۴
۲۳۷	" مبارک صدیقی شطاری	" سنہ ۱۰۱۰ھ	۳۰۵
۲۳۸	محمد رضا لاہوری	" سنہ ۱۱۱۹ھ	"
۲۳۹	محمد بن فضل اللہ برہانپوری	" سنہ ۱۰۳۵ھ	۳۰۶
۲۴۰	سید یٰسین سامانوی		۳۱۳
۲۴۱	شیخ یوسف بنگالی		۳۱۴
۲۴۲	قاضی عبداللہ بیجاپوری		"
۲۴۳	جلال الدین ملتانی	م سنہ ۹۹۹ھ	۳۱۵
۲۴۴	مولانا عثمان سنبھلی	" سنہ ۹۸۰ھ	"
۲۴۵	قاضی عبدالعزیز	" سنہ ۹۸۲ھ	۳۱۶
۲۴۶	قاضی عبدالعزیز کے والد شیخ عبدالکریم		"
۲۴۷	قاضی عبدالعزیز کے دادا		۳۱۷
۲۴۸	شیخ عبداللہ صوفی شطاری	" سنہ ۱۰۱۰ھ	۳۱۸
۲۴۹	مولانا محمد غوثی بن حسن بن موسیٰ شطاری		۳۲۱
۲۵۰	گلزار ابرار		۳۲۶
۲۵۱	سید شاہ ہاشم حسن علوی	" سنہ ۱۰۵۹ھ	"
۲۵۲	شیخ حاجی حمید	" سنہ ۹۶۷ھ	۳۲۸
۲۵۳	اصحاب شطاریہ	سنہ ۹۷۰ھ	۳۳۰
۲۵۴	شیخ محمد غوث گوالیاری	" سنہ ۹۷۰ھ	۳۳۱
۲۵۵	رسالہ معراجیہ		۳۳۵

نمبر شمار	عنوان	سن	صفحہ
۲۵۶	محققین کی رائے		۳۳۶
۲۵۷	مریدین		۳۳۷
۲۵۸	تصانیف		۳۳۹
۲۵۹	وفات		〃
۲۶۰	حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری کے خلفاء کرام		۳۴۳
۲۶۱	مرزا شیخ بہلول		۳۴۴
۲۶۲	شیخ نورالدین ضیاء اللہ	〃 سنہ ۱۰۰۶ھ	۳۴۵
۲۶۳	شیخ عبداللہ گوالیاری	〃 سنہ ۱۰۲۱ھ	۳۴۸
۲۶۴	شیخ صالح بن محمد		〃
۲۶۵	شیخ اویس بن محمد گوالیاری		۳۴۹
۲۶۶	شیخ علی شیر بنگالی	〃 سنہ ۹۷۰ھ	〃
۲۶۷	شیخ لشکر محمد عارف قدس سرہٗ	〃 سنہ ۹۹۳ھ	۳۵۱
۲۶۸	شیخ طاہر محمد سندھی	〃 سنہ ۱۰۰۴ھ	۳۵۶
۲۶۹	تعلیم		〃
۲۷۰	خاندان کی ذمہ داری		〃
۲۷۱	احمد آباد میں آمد		۳۵۷
۲۷۲	حضرت غوث گوالیاری سے ارادت		〃
۲۷۳	برار میں آمد		۳۵۸
۲۷۴	برہان پور میں قیام		۳۵۹
۲۷۵	تصانیف		〃

نمبر شمار	عنوان	سن	صفحہ
٢٧٦	تفسیر مجمع البحار		٣٦٠
٢٧٧	شیخ سراج محمد بنبانیؒ	م سنہ ١٠١٠ھ	٣٦١
٢٧٨	شیخ برہان الدین	" سنہ ٩٨٥ھ	٣٦٢
٢٧٩	سید حسین بن سید محمد ترمذی	" سنہ ٩٩٢ھ	"
٢٨٠	شیخ ودود اللہ مالوی	" سنہ ٩٩٣ھ	٣٦٣
٢٨١	شیخ داؤد ممنڈوی		"
٢٨٢	شیخ عزیز اللہ متوکل	" سنہ ٩١٢ھ	٣٦٤
٢٨٣	محدث شیخ علی متقی صاحب کنز العمال	" سنہ ٩٧٥ھ	٣٦٥
٢٨٤	کنز العمال		٣٦٦
٢٨٥	ابنِ حجر اور علی متقی		"
٢٨٦	شیخ علی متقی گجرات میں		٣٦٧
٢٨٧	دعوتِ وزیر پر شرائط		٣٦٨
٢٨٨	ذوقِ علم		"
٢٨٩	گجرات میں دوسری آمد		٣٦٩
٢٩٠	بشارتِ نبوی		"
٢٩١	علی متقی علمار کبار کی نظر میں		٣٧٠
٢٩٢	علامہ شعرانی شیخ علی متقی کی خانقاہ میں		٣٧١
٢٩٣	محدث عبدالحق دہلوی کی استدعار		٣٧٢
٢٩٤	تحمل مزاجی		"
٢٩٥	کثرتِ عبادت		"

نمبر شمار	عنوان	سن	صفحہ
۲۹۶	شیخ علی کی کرامت		۳۷۳
۲۹۷	وسوسہ کا علاج		۳۷۵
۲۹۸	شدائد سکرات		〃
۲۹۹	جنّات کی آمدورفت		۳۷۶
۳۰۰	پہلا خط		〃
۳۰۱	دوسرا خط		〃
۳۰۲	قبل از وفات		۳۷۷
۳۰۳	ذکر بالجہر		۳۷۸
۳۰۴	تصانیف		〃
۳۰۵	مہدوی تحریک		۳۸۲
۳۰۶	طریقت کے چند اصول		۳۸۳
۳۰۷	شیخ علی اور صحبتِ شیوخ		۳۸۴
۳۰۸	شیخ محمد طاہر پٹنی		۳۸۵
۳۰۹	انتقال کے چودہ سال بعد		〃
۳۱۰	وفات		〃
۳۱۱	حسام الدین ملتانی (شیخ علی متقی کے استاد)	۹۶۱ھ	۳۹۸
۳۱۲	شیخین شیخ عبداللہ و شیخ رحمت اللہ		۴۰۱
۳۱۳	شیخ عبدالوہاب متقی	۱۰۰۱ھ	۴۰۲
۳۱۴	مخدوم جیو قادریؒ سے شیخ عبدالوہاب متقی کی عقیدت		۴۱۴
۳۱۵	شیخ اولیاء بن شیخ سراج		۴۱۶

نمبر شمار	عنوان	سن	صفحہ
۳۱۶	سید ابراہیم غیاث پوری		۴۱۶
۳۱۷	خواجہ نظام الدین احمد بخشی	سنہ ۱۰۰۳ھ	۴۱۷
۳۱۸	طبقات اکبر شاہی کے متعلق		۴۲۲
۳۱۹	شیخ حسن علی موصلی		۴۲۳
۳۲۰	میر محوی	سنہ ۹۸۰ھ "	۴۲۴
۳۲۱	ملا حالتی		۴۲۵
۳۲۲	صرفی ساوجی		۴۲۶
۳۲۳	بقائی		"
۳۲۴	لطفی منجم		۴۲۷
۳۲۵	خانخاناں مرزا عبدالرحیم		۴۲۸
۳۲۶	فیاضی		۴۳۰
۳۲۷	ادبی سرپرستی میں زرپاشی		۴۳۱
۳۲۸	کتب خانہ خان خاناں		۴۳۲
۳۲۹	خوش نویس		۴۳۳
۳۳۰	جانان بیگم	سنہ ۱۰۷۰ھ	"
۳۳۱	مولانا نظیری	سنہ ۱۰۲۰ھ	۴۳۴
۳۳۲	مولانا محمد رضا شکیبی	سنہ ۱۰۲۰ھ	۴۳۷
۳۳۳	ملا محمد حسین ہروی		۴۳۹
۳۳۴	مولانا صوفی	سنہ ۱۰۳۴ھ	۴۴۰
۳۳۵	میر باقی ماوراء النہری		

نمبر شمار	عنوان	سن	صفحہ
۳۳۶	ملا محمد مومن		۴۴۱
۳۳۷	ملا عبدالباقی مصنف مآثر رحیمی	۱۰۴۲ھ	〃
۳۳۸	مولانا شکیبی بن ظہیر الدین عبداللہ امامی اصفہانی	۱۰۲۳ھ	۴۴۲
۳۳۹	ملا خوشحالی		۴۴۴
۳۴۰	مولانا شتابی جنایری		۴۴۵
۳۴۱	مولانا کمال الدین جسمی		۴۴۶
۳۴۲	حکیم روح اللہ		۴۴۸
۳۴۳	مولانا مقصود علی تبریزی		۴۵۰
۳۴۴	میر محمد ہاشم قصہ خواں		۴۵۱
۳۴۵	مولانا شرقی		۴۵۲
۳۴۶	میر دوستی سمرقندی		〃
۳۴۷	مولانا نادمی		۴۵۳
۳۴۸	میر محمد یوسف طبعی		〃
۳۴۹	مولانا وامق بلخی		۴۵۴
۳۵۰	مولانا نصیری		۴۵۵
۳۵۱	غازی خاں بدخشی		〃
۳۵۲	ابراہیم حسین دیر		〃
۳۵۳	حکیم مشہدی		۴۵۶
۳۵۴	مولانا شعری		〃
۳۵۵	مولانا حیدری		۴۵۷

نمبر شمار	عنوان	سن	صفحہ
۳۵۶	مولانا صیدی		۴۵۸
۳۵۷	مولانا نسبتی		۴۵۹
۳۵۸	میر عہدی		″
۳۵۹	شاہ نظر بیگ اصفہانی افشاری		″
۳۶۰	آقا جلال		۴۶۰
۳۶۱	ملا حزینی		″
۳۶۲	مولانا محمود		۴۶۱

تقریظ

فقیہ الامت جامع المعقول والمنقول جامع الشریعۃ و الطریقہ حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی زید مجدہم

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد! اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے اخلاقِ فاضلہ کے حامل بندوں کو بھیجا کسی نے یکسوئی کی زندگی گذاری اور مدت معینہ پر رخصت ہو گئے۔ کسی نے آہ و بکا کے ساتھ گذارہ کیا کسی نے تلامیذ بہت سے چھوڑے۔ الغرض ہر ایک کی زندگی میں کچھ اوصاف تھے جو ان کے ساتھ ساتھ ختم ہو گئے۔ پھر بعد کے لوگوں نے ان کے حالات کو قلمبند کیا۔ اور بہت کچھ خود بھی فائدہ اٹھایا اور مخلوق کو بھی فائدہ پہنچایا۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ زیر نظر کتاب ہے، پڑھنے والوں کو اس سے بہت کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جزائے خیر دے حضرت الحاج مولانا یوسف منالاؒ صاحب کو کہ انہوں نے مشائخ احمد آباد کے حالات اخلاق و اعمال، خدمات کو جمع کیا، اور امت کے سامنے پیش کر دیا اور اس کا نام بھی مشائخ احمد آباد تجویز کر دیا، احمد آباد ایک مدت دراز تک سفینۂ علم وعمل رہا ہے۔ ان کے احوال پڑھنے والوں کو بہت فائدہ ہو سکتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو بے حد قبول فرمائے اور مفید و نافع بنائے۔ آمین۔

فقط والسلام

املاہ العبد محمود غفرلہ

چھتہ مسجد دارالعلوم دیوبند ۲۴/۴/۱۴۱۳ھ

عرضِ مُرتّب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ اِمَامِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ:

گجرات میں مقیم قبائل اور خاندانوں کے جو نام مسلمانوں میں رائج ہیں مُتارا تلی اُملا وغیرہ انکی اصل اور معانی کی تلاش کا خیال ہوا ، مختلف زبانوں کی لغات ڈکشنریاں دیکھنے کے بعد بھی کوئی رہنمائی نہ مل سکی تو روضۂ شریفہ کی حاضری پر صلوٰۃ وسلام کے بعد اس کام کی صحیح سمت کی طرف رہنمائی اور تسہیل کے لئے راقم السطور نے دعاء وتوجہ کی درخواست کی ۔

جس کے فوراً بعد ہی عرض ومعروض قبول ہو جانے کے آثار اس شکل میں ظاہر ہوئے کہ "مُعْجَمُ الْقَبَائِلُ الْعَرَبِیَّۃ"، میں وہ تمام قبائل نکل آئے جو اس وقت گجرات میں انہی عربی ناموں کے ساتھ معروف ہیں ۔ اور چارٹ کی شکل میں اس کو طبع کیا گیا ۔ یہ تھی آپ کے زیرِ نظر کتاب کے لئے کاوش کی ابتداء ، اس کے بعد کام کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا ۔

ذخیرۂ کُتب کا مطالعہ کرکے مشائخ کے احوال کو جمع کرنے کی کوشش کی معتد بہ حصہ جمع ہو جانے کے بعد اشاعت کے لئے ترتیب یہ سوچی گئی کہ متعدد جلدوں میں اس کو شائع کیا جائے ۔ چنانچہ مشائخ احمدآباد آپ کے ہاتھوں میں ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمادے ، ان حضرات علماء ، مشائخ کے معارف وعلوم کو عام فرمادے اور عالم کو ان سے مستفید فرمادے ۔ اٰمین یارب العالمین ۔

اس کتاب میں ایسے حضرات کا تذکرہ بھی ہے جنکا طویل قیام نہیں رہا بلکہ اثناءِ سفر میں وقتی طور پر قیام کیا ہوگا۔ مگر پھر بھی ہم نے یہاں ان کا ذکر اس لئے کر دیا ہے کہ علمی اور روحانی سلسلے ایسے ہیں جس کے لئے اتنا قیام بھی صدیوں تک سلسلہ کی ترویج واشاعت کے لئے بنیاد بن جاتا ہے۔

اہلِ علم وفضل ومشائخ میں سے احمد آباد کے واردین وصادرین تک کو بھی ہم نے اس میں ذکر کیا ہے۔ کیونکہ احمد آبادی (منسوب بہ احمد آباد) حضرات کا ذکر صرف مدِّ نظر نہیں کیونکہ کسی جگہ کی طرف نسبت کے لئے یا تو مولد، مدفن دونوں شرط یا دونوں میں سے ایک ضروری یا جیسا کہ عبداللہ بن المبارک کا قول ہے کہ چار سال وہاں کا قیام ضروری ہے۔ تب اس مقام کی طرف نسبت کی جاسکتی ہے۔ (تدریب الراوی ص ۵۳۳)

چونکہ یہ کتاب برطانیہ میں ترتیب دی گئی جہاں مراجع ہندوستان کی طرح بسہولت میسّر نہیں اس لئے جتنے حضرات کے احوال مل سکے ان پر اکتفا کیا گیا۔ استیعاب کے ارادے سے کتاب کی اشاعت کی تاخیر کی رائے نہیں ہوئی اسی لئے بعض حضرات کے ذکر وتذکرے پر یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ اس میں جن اساتذہ اور تلامذہ کا ذکر ہے ان کے احوال مذکور نہیں۔

اسی بنا پر بعض بہت مشہور حضرات کے احوال میں بھی تشنگی محسوس ہوگی۔ راقم الحروف کا نشو ونما گجرات میں ہونے کے باوجود احمد آباد کی زیارت نہ ہوسکی حالانکہ ہزاروں دفعہ سڑکوں پر نصب کیا ہوا کتبہ کہ احمد آباد یہاں سے اتنے میل ہے نظروں سے گذرتا رہا۔ دیہاتی پن کا غلبہ یا بے ذوقی کہئے کہ ایسے تاریخی شہر کی زیارت سے محرومی رہی۔

ایک دفعہ زیارت کا شوق ضرور رہا جب میں نے ایک دوست سے

پوچھا کہ آپ کو یہ قبور کے مکاشفہ کی ابتداء کیسے ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ شاہ احمد کھٹوؒ کے مزار پر حاضری کے ساتھ ہی یہ سلسلہ انکی ہم کلامی کے شرف سے شروع ہوا۔

قارئین میں سے جو حضرات تاریخ داں ہیں وہ بقصد اصلاح مطالعہ فرمائیں اور راقم الحروف یا ناشرین کو اغلاط سے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ کی اشاعت میں ان اغلاط کی اصلاح کرلی جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان قدسی صفات اولیاء کے مجاہدات اپنانے کی اور ان کے علمی روحانی سلاسل سے وابستہ رہنے کی ہم سب کو توفیق عطاء فرمائے۔ انکی طرح سے عشق الہٰی اور عشق محمدی کی دولت سے ہمیں بھی سرشار فرمائیں۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تعالیٰ عَلیٰ خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وصحبہ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

یوسف متالا

جمعۃ المبارک ۱۳ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ

قدومِ صحابۂ کرام سب سے پہلے گجرات میں

امیر المومنین سیدنا عمر بن خطابؓ نے ۔ ۱۵ھ/۶۳۶ء میں جب حضرت عثمان بن ابی العاص رضؓ کو بحرین اور عمان کا گورنر بنا کر بھیجا تو انہوں نے اپنے بھائی حکم بن ابی العاصؓ کو فوج دے کر گجرات روانہ فرمایا۔ بمبئی کے قریب تھانہ اور بھروچ وغیرہ فتح کرکے یہ فوج سالم و غانم واپس گئی اور دوسری مرتبہ حکم بن ابی العاص رضؓ نے بھروچ وغیرہ کے ساحلی علاقوں پر حملہ کیا اور اپنے بھائی مغیرہ بن ابی العاص رضؓ کو دیبل (یا دیول) جو بندر لاہری سے پانچ میل کے فاصلے پر واقع ہے اس پر حملے کے لئے بھیجا اور دونوں جگہ کامیابی حاصل ہوئی۔

پھر امیر المومنین سیدنا عثمان رضؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ہندوستانی علاقے پر برابر توجہ مرکوز رکھی اور گورنر عراق عبداللہ بن عامر بن کریز کو اس کا حکم دیا جنہوں نے تحقیق کیلئے حکیم بن جبلہ العبدی کو بھیجا۔

امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے ۳۹ھ/۶۵۹ء میں حارث بن مرہ عبدی کو اس طرف بھیجا اور انہوں نے کامیابی حاصل کی اور وہ ۴۲ھ/۶۶۲ء) میں شہید ہوئے۔

سیدنا حضرت معاویہؓ کے دور میں (۴۴ھ/۶۶۴ء) میں مہلب ابن ابی صفرہ نے اس علاقے میں جہاد کے تسلسل کو جاری رکھا۔ والی سجستان عباد بن زیاد ۵۳ھ میں سندھ اور کچھ فتح کرتے ہوئے گجرات کی بندرگاہ قندھار (گندھارا) آئے سخت مقابلہ ہوا۔ یاقوت حموی نے لکھا ہے۔ وفتحھا بعد ان اُصیب رجال من المسلمین (معجم البلدان صفحہ ۱۶۲)

یہاں تک کہ ۸۶ھ / ۷۰۵ء میں ولید بن عبدالملک کے دورِ خلافت

میں چونکہ حجاج بن یوسف عراق کا گورنر تھا۔ اس لئے اس نے حضرت محمد بن قاسم کو سندھ و ہند پر مامور فرمایا۔ اور ۹۳ھ/ ۷۱۱ء بروز جمعہ محمد بن قاسم دیبل (سندھ) پہنچے۔ اور راجمیر کے قریب تک کے سارے گجرات کے علاقے کو فتح کرلیا۔ اسی لئے جب محمد بن قاسم نے راجہ داہر کو مارا ہے بھروچ میں اس وقت مسلمانوں کی آبادی اس قدر تھی کہ انہوں نے اس فتح کی خوشی میں اپنے یہاں بھروچ اور کھیڑہ میں راجہ داہر کے قاتل مسلمان مجاہد اور مقتول راجہ داہر (یادہر) دونوں کا مجسمہ بطور یادگار نصب کیا۔ ؎

اور ایک روایت یہ ہے کہ بھروچ اور کھیڑہ میں راجہ داہر اور اس کے قاتل قشعم بن ثعلبہ اور محمد بن قاسم تینوں کی یادگاریں قائم کی گئیں۔ مگر مقدر کہ حضرت محمد بن قاسم کو صرف تین سال ملے ورنہ اسی وقت سے یہاں مضبوط و مستحکم حکومت قائم ہو جاتی۔

جب ۹۶ھ میں خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے حکم سے آپ معزول کر کے واپس بلا لئے گئے تو آپ کے بعد یزید ابن ابی کبشہ سکلی پھر حبیب بن مہلب پھر عمر بن مسلم باہلی اس علاقے میں آئے۔ اس کے بعد ۱۰۷ھ میں جنید بن عبدالرحمن مری نے سندھ میں استحکام کے بعد گجرات کا رخ فرمایا۔ اور مارواڑ اور وہاں سے مانڈل جو ویرم گاؤں کے قریب ہے وہاں سے اور وہاں سے بھروچ تشریف لائے۔ اور خود جنید مالوہ کی طرف چلے گئے۔ اور حبیب بن مرہ کو اجین کی طرف بھیجا اسی سفر میں بھرمد اور بھیل مان کے گجراتی علاقے بھی فتح ہوئے (یہ وضع نہروالہ پٹن سے آگے رادھن پور کے قریب آباد تھا۔)

جنید بن عبدالرحمن کے بعد تمیم ابن عتبی پھر حکم بن عوانہ وغیرہ دوسرے حضرات

؎ خلافت امویہ اور ہندوستان ص ۲۸۵۔

اس علاقے پر مامور ہوتے رہے ۔ یہاں تک کہ عباسی دور شروع ہوا اور ۱۴۲ھ کے لگ بھگ خلیفہ منصور عباسی کی طرف سے ہشام بن عمرو تغلبی حاکم سندھ نے عمر بن جمل کو گجرات کی طرف خبر گیری کے لئے بھیجا ۔ وہ بھروچ کے قریب باربد (بھاڑبھوت) پر لنگر انداز ہوئے ۔ اور خود ہشام بن عمرو نے ایک بحری بیڑا گندھار (گندھارا) کیلئے روانہ کیا جو ایک بڑا شہر اور مشہور بندرگاہ تھی ۔

اہلِ بیت میں سے الاشتر عبداللہ بن محمد اپنے والد کے شہید کئے جانے کے بعد کوفہ آئے وہاں سے بصرہ پھر منصورہ سندھ ہوتے ہوئے یہاں قندھار پہنچے تھے ۔ ؎

ابن بطوطہ بھی اپنے سفر میں کاوی سے جہاز میں سوار ہو کر یہیں اترے تھے ۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ یہاں کے راجہ کا نام جالنسی ہے وہ بادشاہِ اسلام کے ماتحت ہے ۔ اور ہر سال خراج ادا کرتا ہے ۔ جب ہم قندھار پہنچے تو وہ ہمارے استقبال کو باہر آیا تعظیم کی اور اپنا محل خالی کر دیا ۔ ہمیں اس میں اتارا ۔ غرض ہشام بن عمرو تغلبی فاتحانہ قندھار میں داخل ہوئے اور ایک بدھ مدرسے کی جگہ مسجد تعمیر کروالی ۔

خلیفہ مہدی عباسی نے ۱۵۹ھ/۷۷۵ء میں عبدالملک بن شہاب مسمعی کو جہاد کے لئے بھیجا جن کے ساتھ فوج کے علاوہ منتطوعین (والنیٹر VOLUNTEER) علماء و مشائخ کی ایک جماعت بھی تھی ۔ یہ مجاہدین بھروچ کے قریب بھاڑبھوت شہر میں اترے اور یہاں فتح پائی مگر یہاں کے قیام میں وبا پھیلی جس میں فوج کے کافی مجاہدین شہید ہو گئے ۔ جن میں ابو بکر، ربیع ابن صبیح سعدی بھی ہیں ۔ جو جلیل القدر تابعی اور عظیم محدث ہیں ۔

؎ مقاتل الطالبین ص ۳۱۱ ۔

اس کے تقریباً چالیس سال بعد مامون کے دور خلافت میں فضل بن ماہان نے بمبئی اور سورت کے درمیان "سندان" نامی ساحلی شہر فتح کیا جس کے متعلق فتوح البلدان میں ہے۔

کان الفضل بن ماهان مولی بنی سامة فتح سندان وغلبها و بعث الی المامون بفیل وکاتبه و دعا له فی مسجد جامع اتخذه بها۔

بنو سامہ کے غلام فضل بن ماہان نے سندان فتح کرکے اس پر غلبہ حاصل کرلیا۔ اور خلیفہ مامون کی خدمت میں ہاتھی بھیجا اور اس سے خط وکتابت جاری کی اور اس کے لئے جامع مسجد میں دعا کی جسے اس نے سندان میں تعمیر کیا تھا۔

(فتوح البلدان ص۴۳۳)

"سندان" اس قدر اہمیت کا حامل تھا کہ بنو ہبار کے دارالسلطنت منصورہ کے چار دروازوں میں سے ایک کا نام "باب سندان" تھا۔ سندان کی یہ حکومت اس قدر مضبوط تھی کہ فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ "ان کے یہاں ایک بہت بڑا بحری بیڑا بھی تھا۔ چنانچہ لکھا ہے:

فلما مات قام محمد بن الفضل بن ماهان مقامه فسار فی سبعین بارجة الی میدالهند فقتل منهم خلقا وافتتح فالی ورجع الی سندان وقد غلب علیها اخ له۔

(فتوح البلدان ص۴۳۲)

فضل بن ماہان کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا محمد بن فضل بن ماہان جانشین ہوا۔ اور ستر جہازوں کا بیڑا لے کر ہندوستان کے بحری ڈاکوؤں کی سرکوبی کے لئے نکلا اور اور ان کی بڑی تعداد کو ختم کردیا۔ نیز اس نے پالی (پالی تھانہ) کو فتح کیا اور جب سندان واپس آیا تو اس کا بھائی

سندان پر قبضہ کر چکا تھا۔

سندان کی حکومت کا حلقہ ابن خرداذبہ ------ کی روایت کے اعتبار سے دہنج، پالی، اور بھروچ تک پھیل گیا تھا۔ پالی گھوگہ بندرگاہ کے قریب واقع ہے یہاں پالی تھانہ کا جینیوں کا مندر بھی بہت مشہور تھا۔

بحری قزاقوں کی سرکوبی کر کے محمد بن فضل واپس آئے تو ان کے بھائی ماہان بن فضل بن ماہان قابض ہو چکے تھے۔ گو عوام کی حمایت کی وجہ سے اس کو تو ہٹا کر سولی دے کر ہلاک کر دیا گیا لیکن یہ نوخیز حکومت اس اختلاف کی متحمل نہ ہوئی اور مقامی غیر مسلموں نے دوبارہ سندان پر قبضہ کر لیا البتہ جامع مسجد اور اس کے اندرونی انتظام کو اپنے حال پر رہنے دیا۔

فتوح البلدان میں ہے۔

" وغلبوا علی سندان فترکوا مسجدها للمسلمین یجمعون فیه ویدعون للخلیفة ۔"

آپس کے اسی اختلاف کو ابوالعناهیہ (م ۲۱۱ھ / ۲۱۳ھ) نے ان اشعار میں ذکر کیا ہے۔ ؎

ما علی ذا افترقنا بسندان وما هکذا عهدنا الاخاء

ہم نے کس بات پر سندان میں باہمی افتراق و اختلاف کیا ہم نے تو اس طرح کی بھائی بندی نہیں دیکھی تھی۔

تضربوا لناس بالمهند البیض علی غدرهم وتنسی الوفاء

تم لوگوں کو انکی بے وفائی پر ہندوستان کی شمشیر براں سے مار رہے ہو اور ان کی وفاداری کو بھول گئے ہو۔ (الاغانی ص ۵۳ ج ۲ طبع بیروت ۱۹۵۵ء)

بعد میں سندان (سنجان) ولہب رائے گجرات کے راجہ کی حکومت کا حصہ بن گیا۔ ابوالحسن، علی بن حسین مسعودی ۳۰۳ھ/ ۹۱۵ء میں ہندوستان آئے اس وقت سندان ولہب رائے کے ماتحت تھا۔ مسعودی لکھتے ہیں کہ :" یہاں سونے اور چاندی کی کانیں ہیں اور لین دین اسی سے ہوتا ہے۔ اور میں ہند کے ضلع لار (بھروچ سے تھانہ تک) کے شہر میمور (چیمور) میں داخل ہوا جو ولہب رائے کی سلطنت میں داخل ہے۔ اور یہ واقعہ ۳۰۴ھ/ ۹۱۶ء کا ہے۔ آجکل چیمور پر جو بادشاہ ہے وہ جاج (جھانجھ) کے نام سے مشہور ہے اور اس وقت یہاں دس ہزار مسلمان ہیں جن میں بیاسرہ کے علاوہ سیراف، بصرہ، بغداد نیز دیگر ممالک کے لوگ ہیں۔ (اگر اسی ایک شہر کے دس ہزار مسلمانوں کا حساب کیا جائے اور چھ سو سال تک المضاعف کیا جائے کہ ہر تیس سال میں آبادی دوگنہ ہو جاتی ہے تو کروڑ سے زیادہ تعداد ہو جائے گی۔ نتیجہ نکلے گا کہ گجرات میں مقیم مسلمان انہیں عربوں کی نسل سے ہیں)۔ جنہوں نے شادیاں کرکے اسی ملک کو اپنا وطن بنا لیا ہے۔ یہاں تاجروں کی جماعت میں بڑے بڑے لوگ موجود ہیں جیسے موسیٰ، اسحاق، سید ابوری اور رہزمند کے عہدے پر آجکل ابوسعید ہیں جو ابن زکریا کے نام سے مشہور ہیں اور رہزمند اس عہدے کا نام ہے جس پر تمام مسلمان متفق ہو کر ایک شخص کو اپنے میں سے جو بڑے پائے کا ہو مقرر کرتے ہیں پھر اس کے حکم کے تابع رہتے ہیں گویا وہ امیر قوم ہوتا ہے۔

ابوریحان بیرونی ۴۰۸ھ/ ۱۰۱۷ء نے بھی اپنی کتاب "الہند" میں سندان کو بڑے شہروں میں ذکر کیا ہے۔

گجرات کے مشہور شہر بیرونی نے یہ گنوائے ہیں۔

۱۔ انہل واڑہ ۲۔ سومنات ۳۔ لار دیش یعنی بھروچ ۴۔ رہن جوڑ یعنی راندیر

۵ کچھ ۶ کھمبایت ۷ اساول ۸ سندان ۹ سوپارہ ۱۰ تھانہ ۱۱ دوارکہ ۱۲ بھیلمان ۔

ان علاقوں میں آباد مسلمانوں کی (نوابی طرز کی) چھوٹی چھوٹی حکومتیں محدود ہو کر رہ گئی تھیں جنہیں چاروں طرف کی بڑی غیر مسلم حکومتیں ستاتی رہتیں چنانچہ ان غیر مسلم حکومتوں کی گوشمالی اور ان کے مظالم کے انسداد کے واسطے عباسی خلیفہ کا اشارہ پاکر سلطان محمود غزنوی ؒ نے اس علاقے کے متعدد بار دورے فرمائے اور فتح کی اطلاع بغداد بھیجی اور عباسی خلیفہ کی طرف سے خلعت آئی ۔

ان کا مقصد مظلوم مسلمانوں کی نصرت تھا خود شہر پٹن گجرات میں بھی انکی آمد کے وقت بعض مشائخ اور علماء تھے ۔ اسی لئے انہیں نہر والہ پٹن بہت پسند آیا ۔ آپ کا ارادہ غزنی پر شہزادہ مسعود کو متعین کر کے خود دوسرا پایۂ تخت پٹن کو بنا کر اس میں قیام کا تھا مگر اراکین حکومت نے اتفاق نہ کیا ۔

یہاں کے مسلمانوں اور مشائخ کے بلانے پر آپ آئے تھے کیونکہ شیخ محمد بن حسن بن علی عراقی (متوفی ۴۱۶ھ) جو محمود شاہ منگرولی کے نام سے مشہور رہیں ان کے پاس ایک بڑھیا فریاد لے کر آئی کہ میرا اکلوتا بیٹا مارا گیا شیخ محمد ابن حسن نے غیر مسلم حکام سے فریاد کی مگر شنوائی نہ ہوئی تب آپ نے اس بڑھیا کی معرفت سلطان محمود کو خط بھیجا جس میں یہاں کے مسلمانوں کی مشکلات بتا کر لکھا کہ تم ہندوستان پر حملے کرتے ہو مگر خاص پٹن کے مسلمانوں کو جو تکالیف ہیں ان کو دور نہیں کرتے چنانچہ سلطان محمود خط پڑھتے ہی چل پڑے گو احمد آباد کی بناد تعمیر نویں صدی ہجری کے ابتدائی سالوں میں ہوئی مگر وہاں ۱۴ ربیع الاول ۴۴۵ھ کا مسجد کا ایک کتبہ ملتا ہے جو سلطان محمود غزنوی کے چند ہی سال کے بعد کا ہے ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان یہاں بھی

قدیم زمانہ سے آباد تھے ۔ کتبہ کی عبارت یہ ہے ۔

هذا المسجد فی الرابع والعشرین من ربیع الاول سنة خمس واربعین واربعمائة ۔

مولانا ابوظفر ندوی تاریخ گجرات میں لکھتے ہیں کہ !

اساول جو احمدآباد بسنے کے بعد اس سے ملحق ہوگیا ایک مرکزی اور تجارتی مقام تھا مسلمانوں کی بڑی آبادی تھی ۔ ایک مسجد کا کتبہ برآمد ہوا ہے اس پر ہے هذا المسجد فی الرابع **والعشرین من** ربیع الاول سنة خمس واربعین واربع مائة سنہ ۴۴۵ھ آجکل کانج کی مسجد جمال پور میں کتبہ موجود ہے ۔ [1]

اس کے بعد کے قریبی دور میں علماء، محدثین بھی ملتے ہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵۴۴ھ سے پہلے گجرات میں تصنیف وتالیف کا کام جاری تھا۔ مولانا ابوظفر ندوی نے بھروچ کے محکمۂ قضاء کے کتب خانہ کی جن کتابوں کو دیکھا اس میں عین الوفار بھی ہے وہ لکھتے ہیں : عین الوفار فی ترجمۃ الشفار، شفار قاضی عیاض (متوفی ۵۴۴ھ) کی سیرت نبوی میں مشہور اور مستند کتاب ہے، عین الوفار کے نام سے ابوبکر بن احمد بھروچی نے خود مصنف کے اشارہ سے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی عیاض اور ابوبکر بھروچی دونوں ہم عصر ہیں ۔

سلطنتِ گجرات

سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں ہندوستان کے نظم ونسق میں جو ابتری پھیلی اس کا اثر گجرات پر بھی پڑا ۔ گجرات کے گورنر نظام مفرح راستی خاں نے

---

[1] معارف ، تاریخ گجرات ص ۲۵۲ ۔

علم بغاوت بلند کیا محمد تغلق ایک کمزور حکمراں ثابت ہوئے۔ وہ اس بغاوت پر قابو نہ پا سکے بالآخر انہوں نے اپنے ایک امیر ظفر خاں کو گجرات کا گورنر نامزد کیا۔

ظفر خاں حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت کے عقیدت مند اور مرید تھے۔ اور حضرت والا نے انہیں بادشاہت کی دعا سے سرفراز فرمایا تھا۔ اگرچہ انکی طبیعت میں ہوس اقتدار کو مطلق دخل نہیں تھا تاہم جب ۸۰۱ھ میں امیر تیمور گورگان نے دہلی پر حملہ کرکے تغلق خاندان کی حکومت کا خاتمہ کردیا تو اس انتشار اور خانہ جنگی کے ماحول میں ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا کہ صوبہ گجرات میں ایک مضبوط حکومت کی بنیاد رکھیں۔ چنانچہ حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ کی دعا کی یہ تاثیر تھی کہ علماء و مشائخ کے مشورے اور امراء دربار کے اصرار پر ۸۱۰ھ میں انہوں نے مظفر شاہ کا لقب اختیار کرکے گجرات کی خود مختار بادشاہت کا اعلان کردیا۔

سلطان مظفر خاں بانیٔ سلطنت گجرات کا انتقال ۸۱۴ھ میں ہوا۔ ان کے مرنے کے بعد ان کے پوتے احمد شاہ تختِ سلطنت پر متمکن ہوئے وہ بھی اس خانوادہ بخاریہ کے انتہائی عقیدتمند تھے۔ اور حضرت مخدوم کے پوتے حضرت قطب العالم برہان الدینؒ کے دامنِ ارادت سے وابستہ تھے۔ حاجی دبیر آصفی ملکی نے جن کا اصل نام عبداللہ محمد بن عمر ہے۔ ایک کتاب سلطان مظفر خاں والیٔ گجرات اور انکی اولاد احفاد کے بارے میں ظفر الوالہ بمظفر وآلہ کے نام سے ترتیب دی۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں!

وسبقت الاشارۃ فی ترجمۃ مظفر سلطان گجرات الی البشارۃ لہ بالسلطنۃ من القطب الربانی مولانا جلال الدین المخدوم جہانیاں قدس سرہٗ [1]

یعنی گجرات کے سلطان مظفر کے حالات میں یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے کہ

---

[1] ۹۱۲ مطبوعہ لندن۔

ان کو سلطنت کی خوشخبری حضرت قطب ربانی مولانا جلال الدین مخدوم جہانیاں جہانگشت نے دی تھی ۔ [1]

زینُ البلاد احمد آباد

کچھ نام کے بارے میں: بانیوں اور باشندوں نے تو اس شہر کو احمد آباد نام دیا، اسی نام پر شعراء نے بناء و تاسیس کی تاریخ بتانے والے اشعار کہے مگر شہنشاہ جہانگیر مسلسل سفر یا کسی وجہ سے احمد آباد پہونچکر بیمار ہو گئے تو انہوں نے کچھ اور نام بھی دئے ۔ وہ خود فرماتے ہیں ۔

مجھے حیرت ہے کہ اس شہر کے بانی کو اس نامبارک مقام میں کونسی خوبی اور لطافت نظر آئی تھی کہ اُس نے یہاں شہر بسایا ۔ پھر اُس کے جانشینوں پر بھی آفریں ہے کہ انہوں نے بھی اپنی عمریں اس خاکدان میں گذار دیں ۔ اس کی ہوا مسموم ہے ، زمین ریگ زار ہے ، پانی کمیاب ہے ، گرد و غبار کی کثرت ہے ، پانی نہایت برا اور ناگوار ہے ، شہر کے کنارے جو نالہ بہتا ہے ۔ برسات کے دنوں کے علاوہ ہمیشہ خشک رہتا ہے ، کنویں کا پانی کھارا بلکہ کڑوا ہے ۔ شہر کے جو تالاب ہیں وہ دھوبیوں کے کپڑا دھوتے رہنے کیوجہ سے صابون کی جھاگ سے اس قدر بھرے رہتے ہیں کہ انکا پانی بچی لسّی کی طرح دکھائی دیتا ہے ۔ حیثیت رکھنے والے لوگوں نے اپنے گھروں میں پانی کے ذخیرے بنائے ہوئے ہیں جنہیں برسات کے دنوں میں بارش کے پانی سے بھر لیا جاتا ہے ۔ اگلی برسات تک انہی ذخیروں سے پانی لے کر پیا جاتا ہے ۔ لیکن ایسا پانی جس تک ہوا کا گذر نہ ہو اس کے مضر اثرات ظاہر ہیں ۔ شہر کے باہر سبزہ و گل کے بجائے تھوہروں کی

---

[1] خطہ پاک اوچ ص ۳۳۱ ۔

جھاڑیاں لگی ہوئی ہیں ۔ ایسی ہوا جوان ٹھوھروں پر سے ہو کر آتی ہو اس کے اثرات کیا ہوں گے اس کا قیاس کرنا آسان ہے

اے تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم

میں نے اس سے پہلے احمد آباد کو گرد آباد کا نام دیا تھا اب سمجھ میں نہیں آتا کہ اُسے سموم ستان کہوں یا بیمارستان ، ٹھوہر آباد کہوں یا جہنم زار جوان سب اوصاف کا حامل ہے ۔ اگر برسات کا موسم رکاوٹ کا باعث نہ ہوتا تو ایک دن بھی اس مصیبت کدہ میں ٹھہرنا گوارہ نہ کرتا ۔ [1]

سبحان رائی نے غلطی سے خلاصۃ التواریخ ص۴۵۵ میں اس کو اکبر کے الفاظ میں پیش کیا ہے بلکہ جہانگیر کا یہ سفر احمد آباد اکبر کا سفر بنا کر لکھ دیا ہے ۔

یہ کل آٹھ نام شہنشاہ جہانگیر نے بیماری سے تنگ ہو کر اس شہر کو دیئے ہیں اگرچہ اورنگزیب عالمگیر احمد آباد کو ھندوستان کی زیب و زینت کہا کرتے تھے ۔ [2]

شاید اس میں اس بات کو بھی دخل ہو کہ اورنگزیب پیدائشی گجراتی ہیں ۔ اس لئے کہ آپ کی جائے ولادت دوحد (داھود) گجرات ہے ۔ چنانچہ توزک جہانگیری ص۵۲۰ پر لکھا ہے ۔

: ہفتہ ۱۱ ماہ آبان کو دوحد پرگنے میں نزول اجلال کیا ۔ اتوار ۱۲ ماہ آبان سن ۱۲ جلوس کو بمطابق ۱۵ ذیقعدہ ۱۰۲۷ھ طالع میزان کے نوے درجہ کے مطابق اللہ تعالی نے آصف خاں کی لڑکی کے بطن سے شاہجہاں کو ایک فرزند عطا کیا ۔ امید ہے کہ اسکی پیدائش اس سلطنت کے لئے مبارک ثابت ہوگی ۔ پرگنہ دوحد کی منزل میں تین دن قیام رہا ،

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح بھی سال بھر گجرات میں مقیم رہے انکے نام فیضی کا خط ہے جسمیں وہ ۔

---

[1] توزک جہانگیری ص۴۵۸　[2] مرآۃ احمدی جلد اول ص۳۲۷ ۔

احمدآباد کو رشکِ گلشنِ فردوس کے نام سے موسوم کرتے ہیں ۔ ان کے اشعار یہ ہیں ؎

منم کہ کشتۂ گجراتیاں بیدادم — خرابِ عشوۂ خوبانِ احمدآبادم
سہی قدی ز سرِ ناز جلوۂ نمود — کہ ہم چو سایہ بدنبالِ آن نیفتادم
بہر طرف کہ خرامید سرو آزادی — غلام او شدم و خطِ بندگی دادم
چو رشکِ گلشنِ فردوس احمدآباد ست — از و مباد برونم کنند چوں آدم!
بروں نرفتن از آں جا تصور یست محال — چرا بروں نروم من ہم آدمی زادم
بحسنِ مردمِ گجرات یاد نیست ولے — نمیروند جوانانِ دھلی از یادم
حدیثِ عشق تو فیضی کہ نقلِ مستان است — بزمِ جرعہ کشِ دھلوی فرستادم

ایک شاعر یہاں کی آب و ہوا کی تعریف اس طرح کرتا ہے ؎

ہوایش معنبر چو بادِ بہار — نسیمش معطر چو مشکِ تتار
بصورت نمودار باغِ بہشت — ہمہ خاک او مشک و عنبر سرشت
ریاضش مفرح تر از بوستان — و زد بوستان ارم بوستاں
شدہ صیت او در بسیطِ زمین — ز ملکِ عرب تا بسرحدِ چین

اخبارالاخیار میں شاہ عالم کے حالات میں شیخ لکھتے ہیں !

آپ قطب عالم کے بیٹے تھے ، آپ کا نام شاہ منجھن لقب شاہ عالم تھا. آپ کی قبر احمدآباد میں ہے . آپ کا روضہ اس علاقہ کے رہنے والے لوگوں کی زیارت گاہ ہے اور ایک ایسے پاکیزہ ، بلند لطیف اور نظیف علاقہ میں واقع ہے جو بہت کشادہ اور وسیع خطّہ ہے ۔ جمعرات کو شہر کے اچھے اور برے سبھی لوگ آپ کے مزار پر جاتے اور رات بھر وہیں رہتے ہیں .

مشہور ہے کہ شاہ عالم کی تصوف اور سلوک میں کچھ عجیب سی حالت تھی اکثر اوقات آپ پر مستی کا عالم چھایا رہتا تھا کبھی کبھی ریشمی لباس بھی پہن لیا

کرتے تھے، اور ملامتیہ فرقے کے پیرو کار نظر آتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ کی ولایت پر کھلے اور واضح دلائل موجود تھے، اور شیخ احمد کھٹو آپ کی تربیت وارشاد کے ذمہ دار تھے، آپ کثیر الکرامات بزرگوں میں تھے، ۸۰۰ھ میں آپ نے وفات پائی جس کے عدد کو لفظ "فخر" ظاہر کرتا ہے، شیخ قطب عالم اور شاہ عالم کے کچھ خلفاء بھی احمد آباد میں مدفون ہیں۔ گجرات کے مشہور شہر پٹن میں خاص طور پر شیخ نظام الدین اولیاء کے مشہور خلیفہ شیخ حسام الدین ملتانی کا مزار بہت مشہور ہے جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ یہ علاقہ ایسا ہے کہ یہاں سے عشق ومحبت کی خوشبو آتی ہے اور اس کے جنگلوں اور کھنڈروں سے ولایت کی برکت کے انوار درخشاں معلوم ہوتے ہیں۔ یہ شہر ہمیشہ اہل دل کی آماجگاہ ہے اسلئے آج بھی ایسے اہلِ دل بستے ہیں۔ ؎

بہر زمین کہ نسیمے ز زلف او زدہ است　　　ہنوز از سر آں بوئے عشق می آید

غرضیکہ آپ اپنے وقت کے علماء اور مقبولان درگاہ رب العلیٰ لوگوں میں سے تھے اور آپ کی برکت کے اثرات ابھی تک اس شہر میں نظر آتے ہیں۔

بانیٔ احمد آباد

سلطان احمد شاہ

سلاطین گجرات کے یہاں ہمیشہ یہ ضابطہ اور طریقہ رہا کہ اپنی اولاد کے لئے وہ خاں کا لفظ بڑھاتے تھے۔ اور جب تخت سلطنت پر پہنچتے تو اپنے لئے سلطان کا لقب اختیار کرتے۔ اس لئے جب سلطان مظفر شاہ کا انتقال ہوگیا تو ۱۴ ار رمضان المبارک ۸۱۳ھ میں ان کے صاحبزادے احمد خاں نے سلطان احمد شاہ کا لقب اختیار کیا اور سلطان احمد کے لقب کے

ساتھ تخت سلطنت پر بیٹھے ، سب سے پہلا فتنہ جو آپ کے دورِ سلطنت میں اٹھا وہ مودود فیروز خان کی طرف سے تھا جو بڑودہ کے امراء میں سے تھے ۔ اس کو فرو کیا گیا ۔ بھروچ سے واپسی میں اساول پہنچ کر آپ کو اسا بھیل کی بیخ کنی کا خیال پیدا ہوا ۔

اسی سال میں بدر المحققین شیخ احمد کھٹو گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی رخصت اور اجازت سے آپ نے احمد آباد شہر کی آبادی کے لئے اس کی بنیاد رکھی ۸۱۴ھ میں آپ نے ایدر کے راجہ پر فوج کشی کی اور اس نے فرار کی راہ اختیار کی اور بعد میں نادم ہو کر معافی مانگی اور معتد بہ رقم کی پیشکش کی تو سلطان نے اس کو معاف کر دیا

پہلے سلطان علاء الدین نے ایک خطِ طولانی اسلامی گجرات میں کھینچ دیا تھا جو پٹن سے لے کر بھروچ تک تھا جس سے اسلام کی روشنی ظاہر ہوتی تھی اور یہ اسلامی علاقہ بن گیا تھا لیکن ابھی اطراف و جوانب میں کفر کی ظلمت باقی تھی جس کو سلاطین گجرات نے بتدریج آہستہ آہستہ اچھی طرح صاف کیا ان میں سے بہت سی جگہوں سے کفر کی ظلمت دور کرنے میں یہ سلطان احمد خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ انہوں نے ۸۱۷ھ میں گرنار کے کفار کے خلاف عَلَم جہاد بلند کیا جو سوراشٹر میں تھے ۔ راجہ مندلیک کو شکست دی وہ قلعہ بند ہوا ۔ اسی طرح گرنار پہاڑ کے دامن میں جوناگڑھ نامی جو قلعہ تھا ۔ اس پر سلطان نے قبضہ کیا سوراشٹر کے اکثر زمیندار آپ کے مطیع و فرمانبردار ہوئے ۔

۸۱۹ھ میں قصبہ دھار کی جانب آپ نے فوج کشی کی ۔ ۸۲۱ھ میں سوکٹرہ پر حملہ کیا اور اس کو فتح کر کے ۸۲۲ھ میں سوکٹرہ کا حصار اور قلعہ آپ نے تعمیر کیا وہاں عظیم الشان مسجد آپ نے تعمیر فرمائی ۔ اسی سال میں سوکٹرہ کے مضافات میں مانکنی نامی جگہ میں آپ نے شہر پناہ بنائی ۔

آپ کے حکم کے بموجب اسی مدت میں شمس خاں دندانی جو سلطان کے عم زاد بھائی تھے اور ناگور میں حاکم تھے وہ اجازت لے کر واپس آ گئے۔ ان کو دندانی اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے دندانِ رباعیہ معمول سے زیادہ طویل تھے۔

۸۲۳ھ میں خاص طور پر آپ نے مملکت کے تمام اطراف میں نظم و ضبط کی بحالی کے لئے کوشش کی اور جہاں کہیں تھوڑی سی بے انتظامی دیکھی اور سرکشی و بغاوت کو دیکھا تو اسے ختم کیا۔ باغیوں کے تمام مراکز کو گرادیا اور ان کی جگہوں پر مساجد تعمیر کی گئیں، قلعے بنائے گئے، محافظین متعین کئے گئے، سب سے پہلے اس سلسلے کا قلعہ چتوڑ میں تعمیر کیا گیا اس کے بعد قصبہ دھاھود جو کوہستان کے درمیان میں ہے اس کو آباد کیا گیا، وہاں قلعہ و شہر پناہ تعمیر کی گئی۔ اسی طرح اس کے بعد کاریٹھ کا قلعہ تعمیر کیا گیا اس لئے کہ سلطان علاؤ الدین خاں نے ۷۰۴ھ میں اس کو تعمیر کیا تھا وہ مرمت طلب ہو گیا تھا، اس کی مرمت کی گئی۔ ۸۳۰ھ میں ایدر کے راجہ کی طرف سے عہد شکنی کی بنا پر فوج کشی کی گئی وہ بھاگ کر کوہستان چلا گیا۔

ایدر سے دس کوس پر سلطان احمد شاہ نے گجرات کی سرحد پر احمد نگر نامی شہر آباد کیا اور شہر کا سارا قلعہ پتھر سے تعمیر کرایا اور خود اس کو اپنی اقامت کا شرف بخشا۔ اس کے بعد ۸۳۱ھ میں کہی کو فتح کیا گیا۔ اس کے بعد دو سال تک دارالسلطنت میں رہ کر ملک کا نظم و ضبط درست کیا خاص طور پر آپ نے فوجیوں کی تنخواہ وغیرہ کے معاملے پر توجہ دی اور ان کے لئے نصف تنخواہ کی جاگیر اور نصف تنخواہ نقد دینے کا فیصلہ کیا جو سلطان بہادر کے دور تک اسی طرح چلتا رہا۔

ملک کو مستحکم کرنے کے بعد ہر سال سلطان کبھی ایدر کی جانب فوج کشی

کرتے اور کبھی نصیر خان اسیر کے راجہ پر فوج کشی ہوتی، کبھی سلطان احمد بہمنی کی تادیب کی جاتی کبھی میواڑ یعنی میوات کی جانب فوج بھیجی جاتی کبھی خود تشریف لے جاتے کبھی فوجیوں کو بھیجا جاتا۔

پوری آپ کی مدتِ سلطنت میں کہیں آپ کو شکست نہیں ہوئی ہمیشہ لشکرِ گجرات فتح یاب رہا جیسا کہ منڈو، دکن اور میوات وغیرہ پر ہمیشہ فوج کشی میں کامیابی رہی یہانتک کہ ۸۴۵ھ میں آپ نے احمد آباد میں داعی اجل کو لبیک کہا اور آپ کو مانک چوک میں واقع قبرستان میں جامع مسجد کے سامنے دفن کیا گیا ہے۔ آپ ۷۹۳ھ ۱۹ ر ذی الحجہ میں پیدا ہوئے تھے اور بیس سال کی عمر میں آپ تخت سلطنت پر بیٹھے اور بتیس سال چھ مہینے اور بائیس دن سلطنت کرکے اللہ کو پیارے ہوگئے۔ آپ کی عمر باون سال اور چند ماہ ہوئی۔ آپ شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے جن کو شیخ رکن الدین کان شکر کہا جاتا ہے جو عدل و تقوی اور سخاوت و بزرگی میں بے نظیر تھے۔

سلطان کے داماد نے جوانی کے نشے میں کسی کو ناحق قتل کر دیا۔ سلطان نے اس کو قاضی کے سامنے بھیجا قاضی نے مقتول کے ورثاء کو دیت پر راضی کر لیا مگر جب سلطان کے پاس قصہ پہنچا تو سلطان نے کہا کہ مجھے دیت منظور نہیں اس لئے کہ اس طرح تو ارکانِ سلطنت ناحق قتل وخون پر دلیر ہو جائیں گے۔ تو یہاں دیت کی بہ نسبت قصاص اولیٰ ہے اور حکم دیا کہ قاتل سے سر بازار اس کا قصاص لیا جائے اور سولی پر لٹکا دیا جائے۔ چنانچہ اسی کے بموجب چوبیس گھنٹے ان کی لاش لٹکتی رہی دوسرے دن آپ نے حکم فرمایا اور اس کو دفن کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان کے اُمراء اور فوجیول اور سپاہیوں میں سے کسی نے ناحق خون کی ہمت پھر نہیں کی۔ اس کے

قریب ایک دوسرا قصہ آپ کے متعلق منقول ہے کہ ایک دفعہ سلطان سابرمتی کے کنارے محل کے بالاخانے پر بیٹھے دریا کا نظارہ کر رہے تھے اتنے میں دیکھا کہ کوئی سیاہ چیز پانی پر تیرتی ہوئی آ رہی ہے آپ نے حکم فرمایا پھر اس کو لایا گیا دیکھا کہ ایک مٹکا ہے اس میں کسی مردہ شخص کی لاش رکھی ہوئی ہے آپ نے شہر کے تمام کلالوں کو اور مٹی کے برتن بنانے والوں کے متعلق حکم دیا پھر انہیں حاضر کیا گیا۔ آپ نے پوچھا کہ یہ مٹکا کس نے بنایا ایک نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں نے اور مجھ سے احمد آباد کے اطراف میں فلاں شخص رہتا ہے اس نے بنوایا تھا۔ اس کو حاضر کیا گیا تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ اس نے کسی بقال کو مار کر اس میں ڈال کر پانی میں پھینک دیا تھا۔ تو سلطان نے اس سے بھی قصاص لیا۔ ان دو ناحق خون کے سوا آپ کے ۳۲ رسالہ بلکہ ۳۳ رسالہ دور سلطنت میں تیسرے قتل کا قصہ پیش نہیں آیا۔

سلطان احمد شاہ اچھے شاعر بھی تھے۔ آپ نے سید برہان الدین قطب العالم رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں یہ شعر کہے ہیں۔ ؎

قطب زمانہ ما برہان بس است مارا
برہان او ہمیشہ چوں نامش آشکارا [1]

بنا احمد آباد

سلطان مظفر خاں کی وفات کے بعد ان کے پوتے سلطان احمد تخت نشین ہوئے وہ بھی شیخ احمد کھٹوی کے مرید ہو گئے تھے ان سے ایک [2] دن سلطان احمد نے التماس کی کہ حضور مجھے حضرت خضر سے ملا دیجئے۔ آپ نے فرمایا

---

[1] مرآت احمدی جزو اول صفحہ ۳۵٫۵ [2] خزینۃ الاصفیا ج ۲ ۔

میں حضرت خضر سے پوچھتا ہوں ۔ اگر وہ مان گئے تو بہتر ۔
انہوں نے پوچھا تو حضرت خضر نے کہا انہیں چالیس دن تک عبادت خداوندی میں رہنا چاہیئے ۔ چنانچہ سلطان ایک ماہ تک چلہ میں رہے پھر حکم ہوا کہ دو چلے مزید کاٹیں تین چلے مکمل کر لیئے گئے تو سلطان احمد حضرت شیخ احمد کے حجرے میں بیٹھے تھے کہ نماز صبح کے بعد حضرت خضر تشریف لائے ۔ دورانِ گفتگو سلطان احمد نے درخواست کی حضور مجھے عجائبات دنیا سے کوئی حیران کن چیز دکھائیں آپ نے فرمایا ؛ دریائے سابرمتی کے کنارے پر جہاں آجکل صحرا ہے ایک شہر آباد تھا، اس شہر کا نام تھا باداں باد ۔ وہاں کے لوگ بڑے خوشحال اور امیر تھے ایک دن مجھے بھوک لگی میں اس شہر میں گیا ۔ ایک حلوہ فروش کی دکان پر پہنچا اور تین تنکہ دے کر حلوہ خریدنا چاہا دکاندار نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا تم مجھے درویش دکھائی دیتے ہو ۔ میں تم سے پیسے نہیں لونگا ۔ ہاں حلوہ جس قدر چاہو کھالو ۔ کچھ عرصہ بعد میں پھر وہاں سے گذرا تو وہاں شہر والوں بازاروں اور محلات کا نام ونشان نہیں تھا ۔ ان کھنڈرات پر ایک ڈیڑھ سو سالہ بوڑھا بیٹھا نظر آیا ۔ میں نے اس سے شہر کے حالات دریافت کیے تو کہنے لگا ۔ شہر کا حال تو مجھے بھی معلوم نہیں ہے ہاں میں نے اپنے بوڑھوں سے سنا ہے کہ یہاں ایک شہر تھا ۔ جس کا نام باداں باد تھا ۔ سلطان نے حضرت خضر سے اجازت لی کہ اگر آپ چاہیں تو میں اسی مقام پر ایک شہر آباد کرنے کا حکم دوں ۔ حضرت خضر نے کہا ہاں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن ایک شرط یہ ہے کہ سارے ملک سے ایسے چار اشخاص لائیں جائیں جن کا نام احمد ہو ۔ انہوں نے اپنی (شعوری) عمر میں نماز عصر کی سنتیں بھی قضا نہ کی ہوں ۔ اور وہ اس شہر کا بنیاد رکھیں اور اس کا نام احمد آباد رکھا جائے ۔ چنانچہ

چار ایسے آدمی تلاش کرنے کا حکم دیا گیا۔ سارے ملک گجرات میں صرف دو اشخاص احمد نامی ملے۔ ایک قاضی احمد اور دوسرے ملک احمد تھے۔ لیکن ان دونوں کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ملتا۔ حضرت شیخ احمد نے فرمایا تیسرا احمد میں ہوں، سلطان احمد یہ سنکر کہنے لگا چوتھا احمد میں ہوں۔ مجھ سے آج تک عمر کی سنتیں قضا نہیں ہوئیں۔ چنانچہ چاروں ملکر دریائے سابرمتی کے کنارے پہنچے حضرت خضر نے جس جگہ کی نشاندہی کی تھی وہاں بتاریخ سات ذیقعدہ ۸۱۳ھ میں احمدآباد کی بنیاد رکھی۔ تین سو ساٹھ محلے بنائے گئے ہر ایک محلہ ایک پورا قصبہ تھا۔ (موجودہ دور میں کالونی کی تعمیر اسی طرز پر ہو رہی ہے)

مرآۃ سکندری میں لکھا ہے کہ گجرات کے سلطان احمد نے احمدآباد کی بنیاد ڈالی اس کی تعمیر کا آغاز ذیقعدہ ۸۱۳ھ / ۱۴۱۱ء اور اختتام ۸۱۶ھ / ۱۴۱۳ء میں ہوا۔ احمد نام کے چار آدمیوں نے اس کی بنیاد رکھی یعنی قطب المشائخ شیخ احمد کھٹو، سلطان احمد (رسی کا ایک سرا سلطان نے پکڑا اور دوسرا شیخ احمد نے) شیخ احمد اور ملا احمد۔

اس طرح ۸۱۰ھ / ۸۱۳ھ میں شہر احمدآباد کا سنگ بنیاد آپ کے مبارک ہاتھوں سے رکھا گیا۔

شیخ احمد کھٹو جب سنگ بنیاد رکھنے کے لئے تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں ایک بزرگ کو بیٹھا دیکھا۔ ان بزرگ نے آپ کو آواز دی۔ آپ ان کے پاس گئے تھوڑی دیر تک دونوں بزرگ بیٹھے رہے۔ پھر آپ ... ان بزرگ سے اجازت لے کر رخصت ہوئے اور پھر احمدآباد کا سنگ بنیاد رکھا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت شیخ احمد کھٹو سے کسی خادم نے دریافت کیا کہ وہ

بزرگ کون تھے ۔ حضرت نے بتایا کہ وہ حضرت خضر تھے ۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ جاؤ بنیاد رکھو بہت اچھا شہر ہوگا ۔ [۱]

خاتمہ مرآۃ احمدی میں ہے کہ : وہ چار احمد نامی حضرات جو احمدآباد کی تعمیر کا سنگ بنیاد رکھتے وقت موجود تھے ۔ اور بارہ بابا جو قلعہ احمدآباد کی تعمیر میں مؤید اور معاون تھے وہ یہ ہیں (۱) شیخ احمد کھٹو ، جن کا مزار سرکھیج میں ہے ۔ (۲) سلطان احمد بادشاہ بانی احمدآباد ۔ (۳) ملک احمد جن کا مزار کالوپور دروازے کے پاس ہے ۔ (۴) قاضی احمد بجہرکہ ان کا ذکر پٹن کے بزرگوں کے حالات کے ساتھ ہے ۔

بارہ بابا میں سے :۔

۱ باباخوجو ، ۲ بابالارد ، ۳ اوربابا کرامت ۔ یہ تینوں دھولقہ میں مدفون ہیں ۔ ۴ بابا علی شیر ، ۵ بابا محمود ۔ یہ دونوں بزرگ سرکھیج میں مدفون ہیں اور وہیں مقیم تھے ۔

بابا علی شیر :۔ یہ صاحبِ جذب و حال تھے اور برہنہ رہتے ۔ جس وقت حضرت گنج بخش احمد کھٹو ملاقات کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو ہندی (گجراتی) زبان میں فرماتے ۔ لوگر ول لاؤ ۔ لوگروں لاؤ شرع ناکون آوے یعنی کپڑا لاؤ کہ حصار شرع آرہے ہیں ۶ بابا توکل نصیرآباد میں مدفون ہیں ۔ ۷ بابا لوٹی ۔ جن کو بابو محمد کہتے تھے ۔ منجھوری میں مدفون ہیں ۔ ۸ بابا احمد بنگوری جو نعلبندی کے نام سے مشہور تھے یہ خود تو نعلبند نہیں تھے ۔ نخاس چوک میں مسجد نعلبند سے متصل جو کہ پرانی مسجد ہے اور نام نعلبند روزانہ وہیں بیٹھتے ہیں اسمیں آپکی بیٹھک تھی ۔ اس سبب سے

---

[۱] مرآۃ سکندری ص ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۸ ، بحوالہ تاریخ ادبیات ج ۴ ص ۵۴۹

لقب بھی نعلبندی پڑ گیا ۔ سلطان نظام الدین اولیاء سے بواسطہ آپ کو خرقہ ارادت ملا ۔ ۹ بابا لدھا ۔ جو کھرکی کے نزدیک مدفون ہیں ۔ ۱۰ بابا دھوکل جو دہلی دروازہ اور شاہپور دروازہ کے مابین مدفون ہیں ۔ ۱۱ بابا سیاح جو بیرم کا نم میں مدفون ہیں ۔ ۱۲ بابا کمال کرمانی ۔ ان کی قبر بہرام پور ایک مینار والی مسجد سے متصل واقع ہے ۔ اس میں اختلاف ہے ۔ بعض کہتے ہیں کہ بابا کمال کرمانی اس جگہ مدفون ہیں ، بعض کہتے ہیں کہ بابا کمال مالوی وہاں مدفون ہیں ۔ اس بزرگ کو بھی سلطان نظام الدین اولیاء کے سلسلہ سے خرقہ ارادت ملا تھا ۔

بابا ٹوٹوی حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے مرید ہیں بابا دھوکل ۔۔۔ بابا توکل کے مرید ہیں ۔ اور بابا توکل نظام الدین اولیاء کے مرید ہیں ۔ شاہ ولایت جو دھولقہ میں مدفون ہیں نظام الدین اولیاء کے خلفاء میں سے ہیں ۔ جن کو مخصوص طور پر گجرات کی جانب آپ نے رخصت فرمایا تھا ۔

مذکورہ بزرگوں ، باباؤں میں سے اکثر اس بزرگ کے ہمراہی تھے اور یہ شاہ ولایت ظفر خاں کی حکومت کے دور میں احمدآباد آئے تھے ۔ چونکہ ایک دوسرے کے ہم وطن تھے ۔ اس لئے ایک دوسرے کے ساتھ عزت واحترام سے پیش آتے تھے ۔ اور انہوں نے ان کو جگہ بھی دی اور ان کی خدمت کی اور اخیر عمر تک وہ یہیں رہے اور یہیں انتقال کیا ۔ [1]

خاتمہ مرآۃ احمدی میں ہے کہ !

اور ۸۱۵ھ میں تین سال کی مدت میں حصار یعنی احمدآباد کا قلعہ تعمیر کیا گیا ۔ جس کے بارہ دروازے تھے ۱ دروازہ سہارنپور ، ۲ دروازہ کالوپور ۳ دروازہ اسلوریہ ، جو دروازہ بند اور دروازہ رائے پور کے

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی ص ۹۲ ۔

درمیان تھا، ۴ دروازہ خانپور، ۵ دروازہ رائے گڑھ، ۶ دروازہ خانجہاں،
۷ دروازہ شاہ پور، ۸ دروازہ ایدریہ، جس کو دہلی دروازہ بھی کہتے ہیں۔
۹ دروازہ دریاپور، جو دروازہ شاہ پور اور ایدریہ کھڑکی کے درمیان تھا۔
۱۰ دروازہ جمال پور، ۱۱ دروازہ بند اور ۱۲ دروازہ رائے پور۔

جس کی یہ سمتیں تھیں مشرق میں دروازہ سہارنپور، دروازہ کالوپور اور دروازہ اسلوریہ جو دروازہ بند اور دروازہ رائے پور کے درمیان واقع تھا۔ مغربی جانب سے کے دریائے سابرمتی کے کنارے پر واقع تھی۔
دروازے یہ ہیں۔ ۱ دروازہ خانپور، ۲ دروازہ رائے گڑھ اور ۳ دروازہ خانجہاں

شمالی دروازے یہ ہیں، ۱ دروازہ شاہ پور، ۲ دروازہ ایدریہ جس کو دہلی دروازہ بھی کہتے ہیں ۳ اور دروازہ دریا پور۔

جنوبی دروازے یہ ہیں ۱ دروازہ جمال پور، ۲ دروازہ بند، اور دروازہ رائے پور۔

صاحب مرآۃ احمدی مرزا محمد حسن کتاب ہفت اقلیم کے مصنف سے نقل کرتے ہیں کہ: احمد آباد شہر لطافت کے اعتبار سے اور آبادی کی کیفیت کے اعتبار سے دنیا بھر کے تمام شہروں پر ترجیح رکھتا ہے عمارتوں کی نزاکت و نزاہت کے اعتبار سے دوسرے شہروں سے مستثنیٰ ہے اگر یوں کہا جائے کہ عالم کے کل شہروں میں اس عظمت اور راستگی کا دوسرا شہر موجود نہیں ہے تو یہ مبالغہ نہیں ہوگا۔

اس کے بازار دوسرے شہروں کی بنسبت نہایت وسیع اور پیراستہ اور مرد و عورت یہاں کے بہت خوبصورت حق یہ ہے کہ اس خوبی کا شہر بہت کم ہی ہوگا اسی لئے اس کو زین البلاد اور عروس مملکت بھی کہتے ہیں۔

سترہ(۱۷) چکلے یعنی چوراہے تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ نمبر۱ چکلہ بازار، نمبر۲ ترپولیہ، نمبر۳ مانکچوک، نمبر۴ دھیکو، نمبر۵ لیمڑی، نمبر۶ بہندری پور، نمبر۷ اژدر پور، جس کو اپر پور بھی کہتے ہیں۔ اور عرف میں اس کو کھاریہ کہتے ہیں، نمبر۸ رائے پور نمبر۹ اسلوریہ، نمبر۱۰ جمال پور، نمبر۱۱ رائے گڑھ، نمبر۱۲ خانپور، نمبر۱۳ شاہ پور، نمبر۱۴ ایثریہ، نمبر۱۵ دریاپور، نمبر۱۶ صدر جہاں نمبر۱۷ اور جوہری باڑہ۔

یہاں ہر چوراہے پر چبوترے بنے ہوئے تھے اور محافظ دستے یہاں متعین رہتے تھے۔

مساجد

چار سو پچاس، اور ایک روایت میں پانچ سو عالیشان مسجدیں بنائی گئیں تھیں۔ جو دور دور سے سنگ خارا لاکر اس پتھر کے ذریعے تعمیر کی گئی تھیں، جو سلاطین، شہزادوں اور حتیٰ کہ خواتین حرم کے نام سے منسوب تھیں۔

پورہ جات

اژدر پور	سمیع پور	ملتان پور
کالوپور	غیاث پور	دریا پور
تاج پور	شیخ پور	مقصود پور
جمال پور	عثمان پور	ماہ پور
عیسن پور	شاہ پور	منیر پور
میتھی پور	قاضی پور	لودی پور
سور پور	حاجی پور	سکندر پور
اساروہ و آس پور		

احمد پورہ	بیکن پور	رحمت پور
ہیبت پورہ	طوغان پور	سید پور
بکلی پور	راجپور	چنگیز پور
ہری پور	گومتی پور	کینکو پور
ہرہر پور	مریم پور	کنکال پوری
روپ پور	عالم گنج وارہ	ہیر پور
....	پور بہاذالدین پور	فرخ پور
رسول پور	کانسکی وارہ	زورآور پور
غالب پور	دلال پوری	رسول آباد
سیدآباد عرف سرس پور	گوپال پوری	رول پورہ
برسپور	معظم پور	حامد پورہ
میتھا پور	منجھن پور	عثمان پور
جمنا پور	بابی پور	عبدل پور
صاحب پور	شاہ گنج	فیروز پور
سلیم پور	نواپورہ	صلابت پور
کھیم پور	سلطان پور	شرق پور
نصیر پور	کشور پور	شادمان پور
رسول پور	معصوم پور	عادل پور
پرما پور	مراد گنج	سلطان پور
سارنگپور	مین پور	قاسم پور
افضل پور	بیگم پور	فتح پور

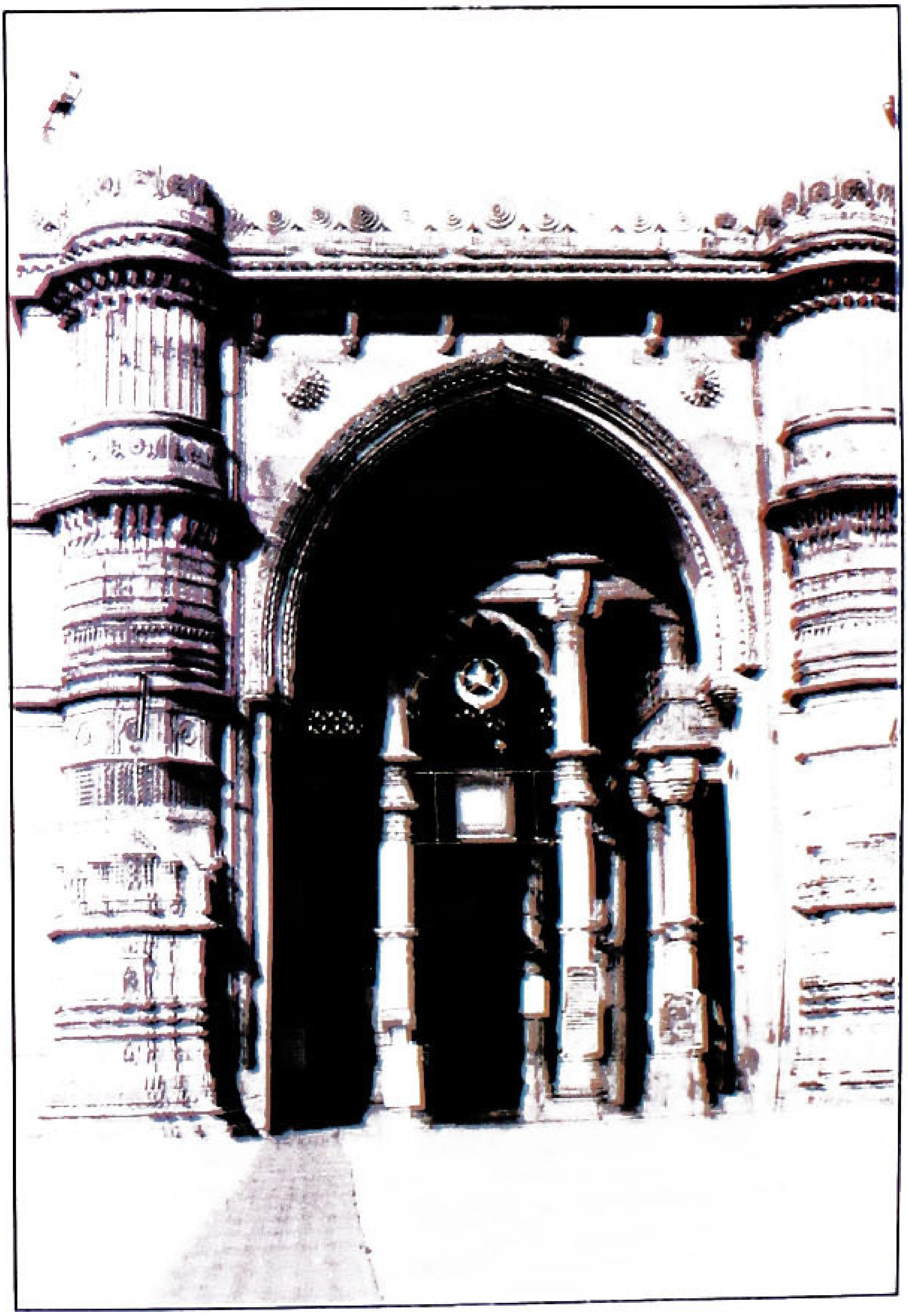

جامع مسجد جدید، سلطان احمد شاہ اول، مانک چوک، احمد آباد

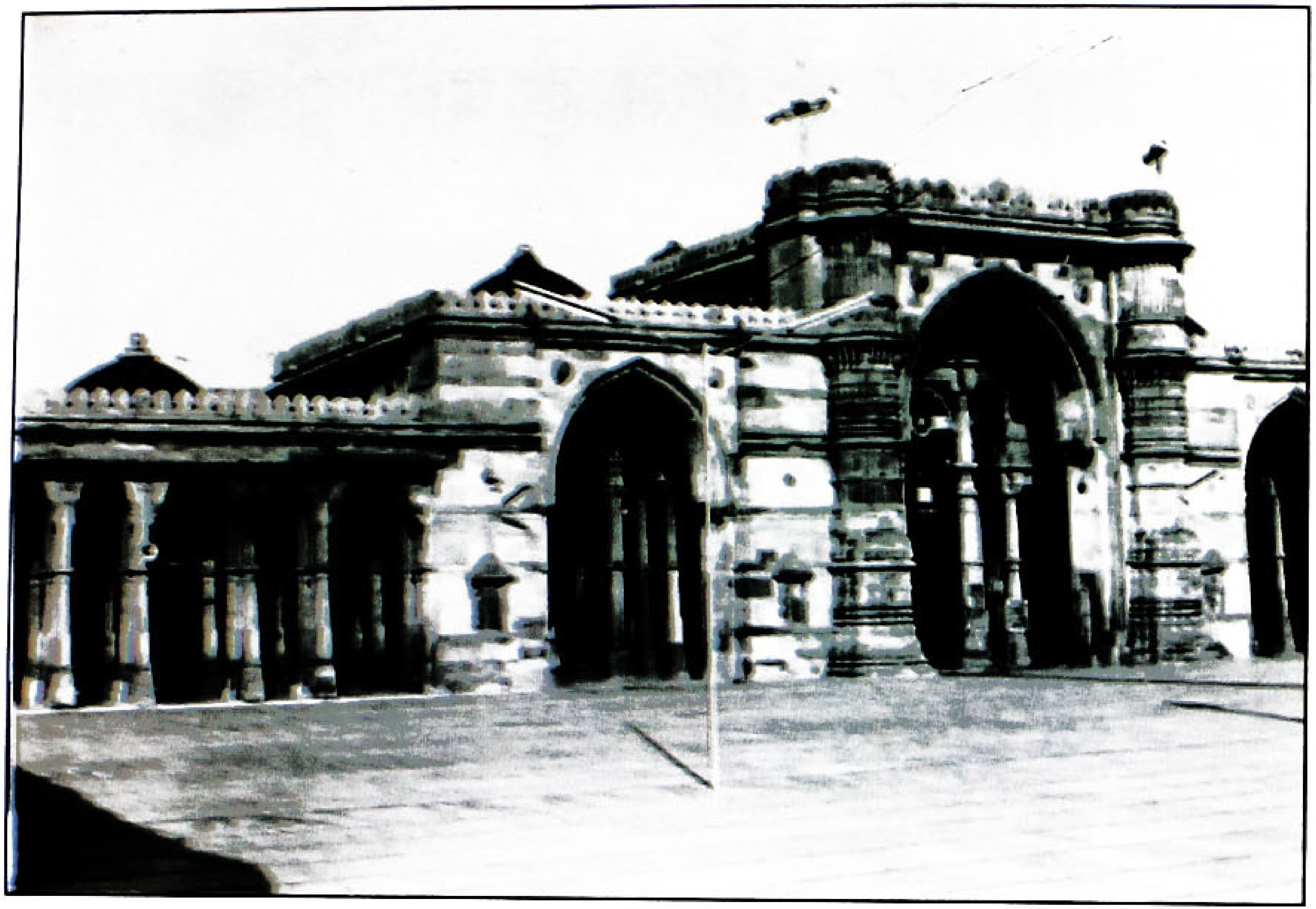

جامع مسجد جدید، سلطان احمد شاہ اول، مانک چوک، احمد آباد

اندرونی منظر، شاہی مسجد۔ سرخیز، احمد آباد

شاہی مسجد کا اندرونی زاویہ و گنبد مزار حضرت شیخ گنج احمدؒ (حضرت شیخ احمد کھٹوؒ)

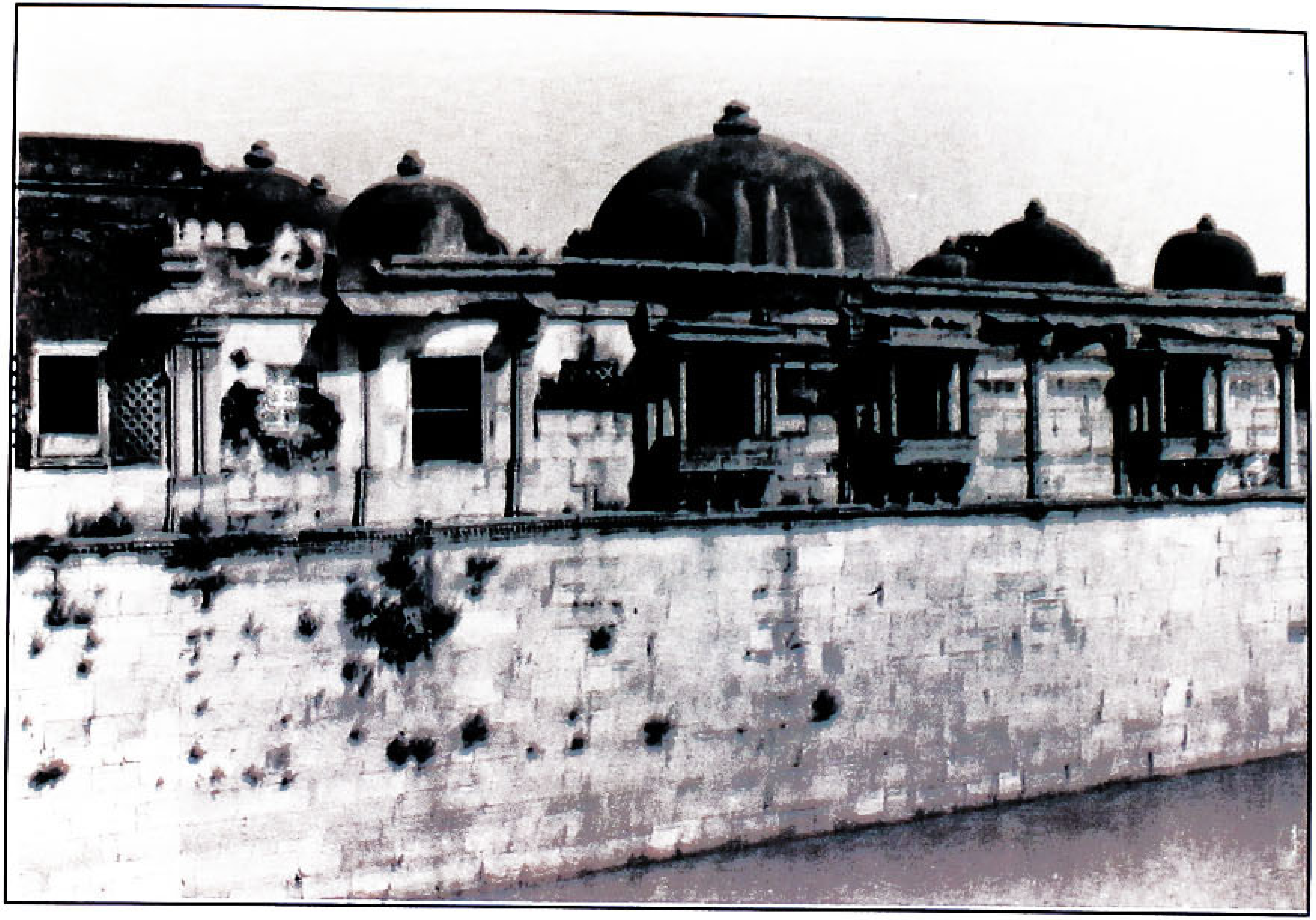

شاہی مسجد، سائڈ کے دالان کا بیرونی منظر، سرخیز، احمد آباد

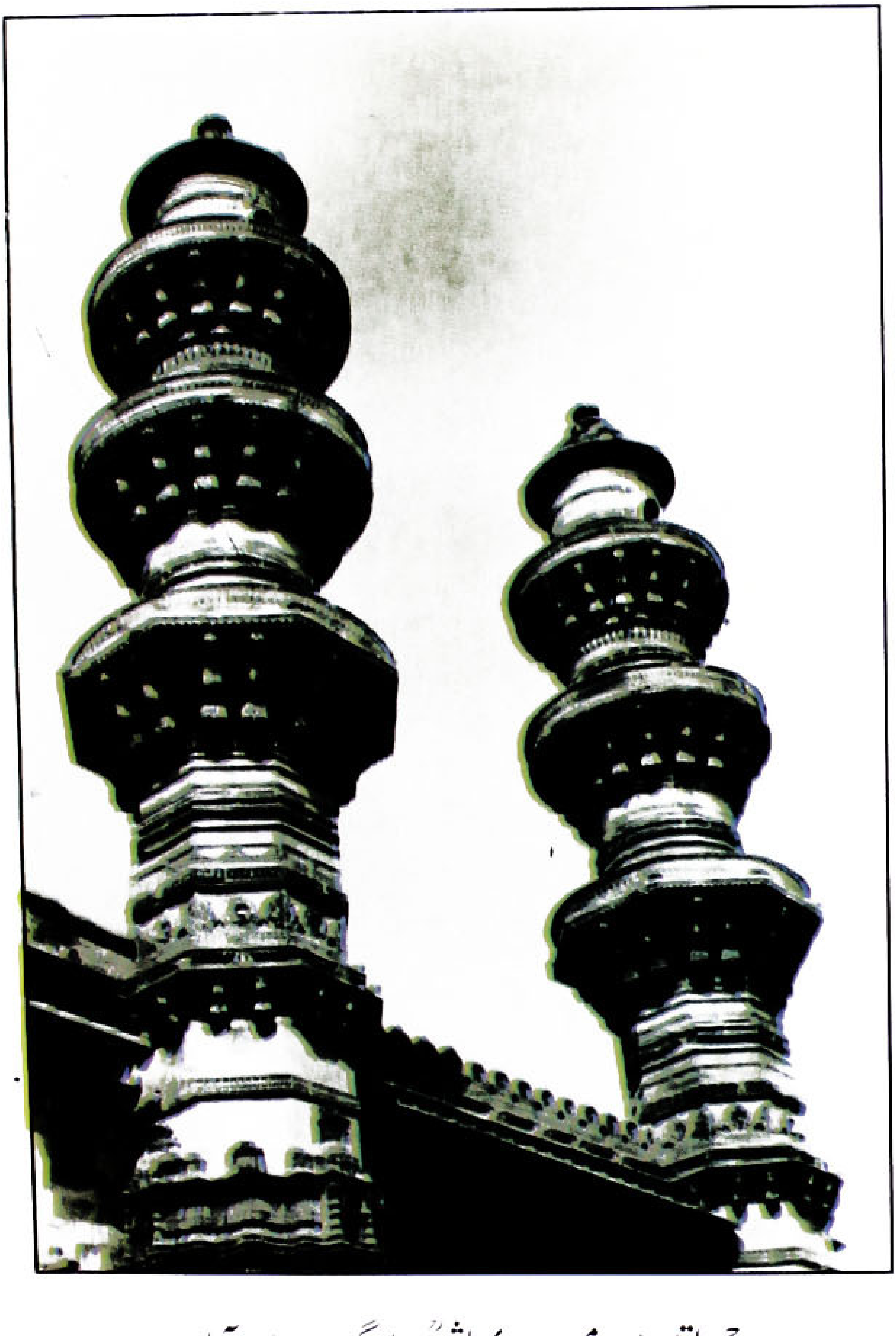

جھولتا منارہ، مسجد سیدی بشیرؒ، سارنگ پور، احمد آباد

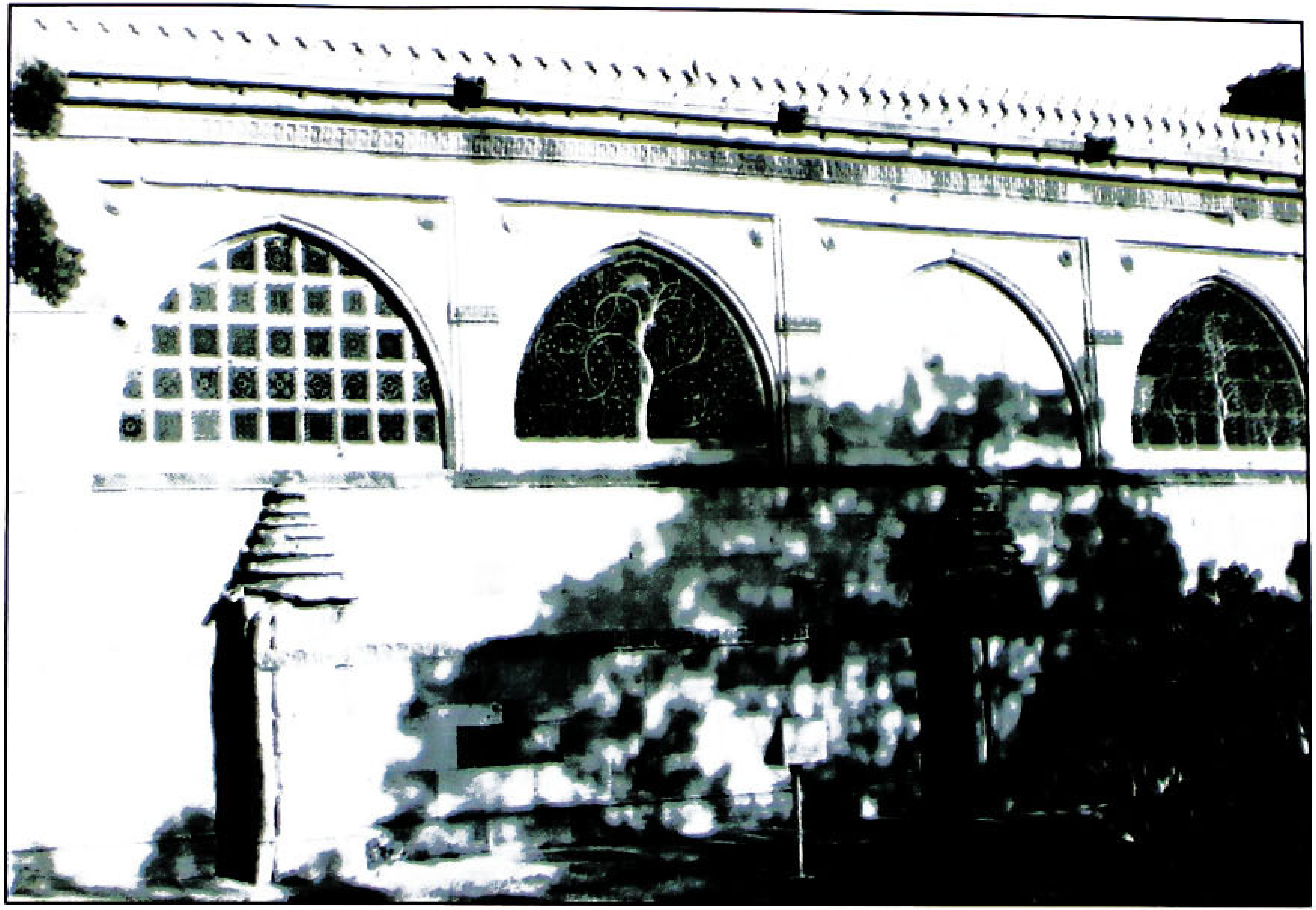

سیدی سعید کی مشہور جالی کی مسجد، لال دروازہ، احمد آباد

جامع مسجد قدیم، لال دروازہ، احمد آباد

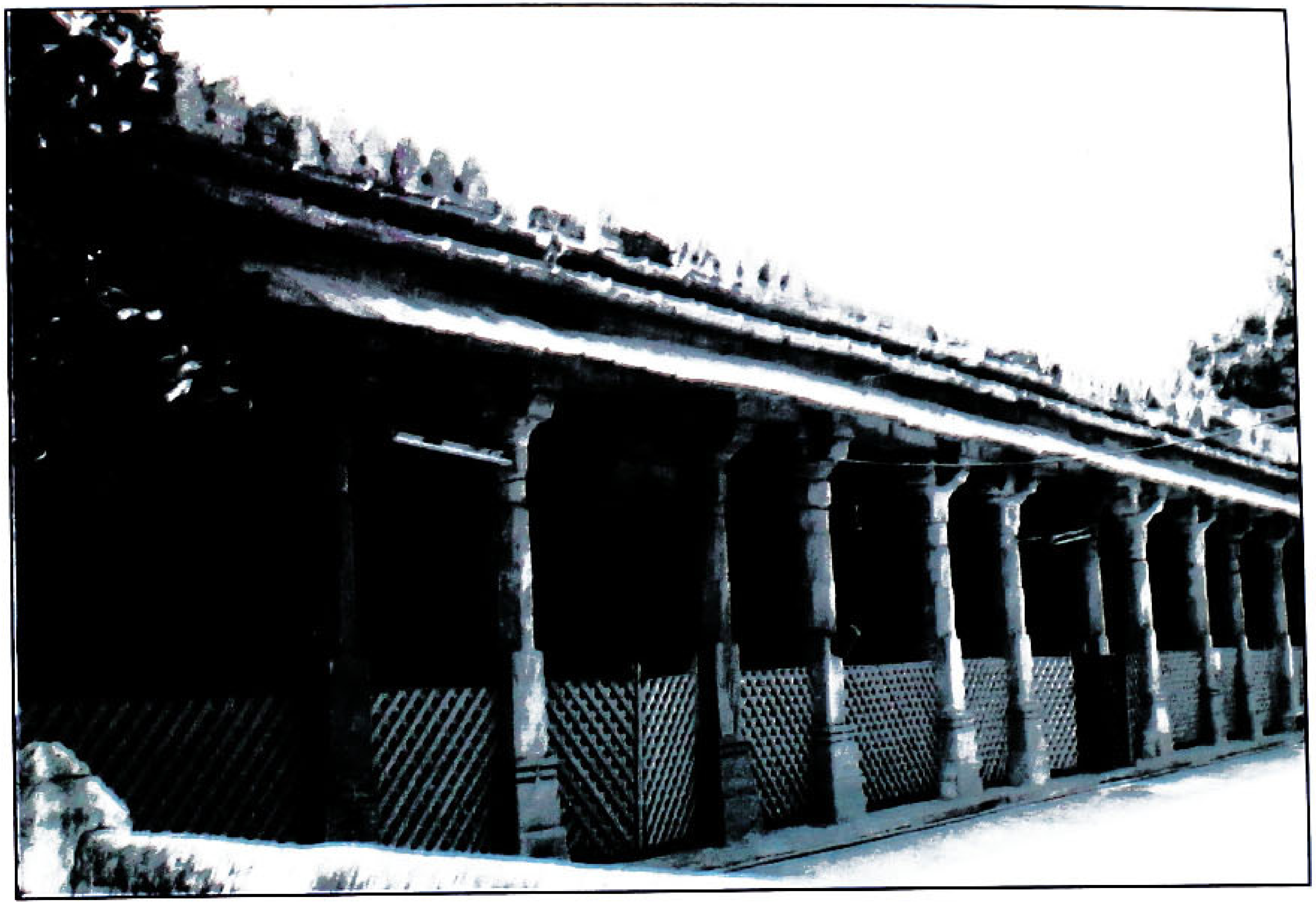

بیرونی منظر، مسجد حضرت قطب عالمؒ، وٹوا، احمد آباد

مسجد حضرت شاہ عالمؒ شاہ عالم روڈ احمد آباد

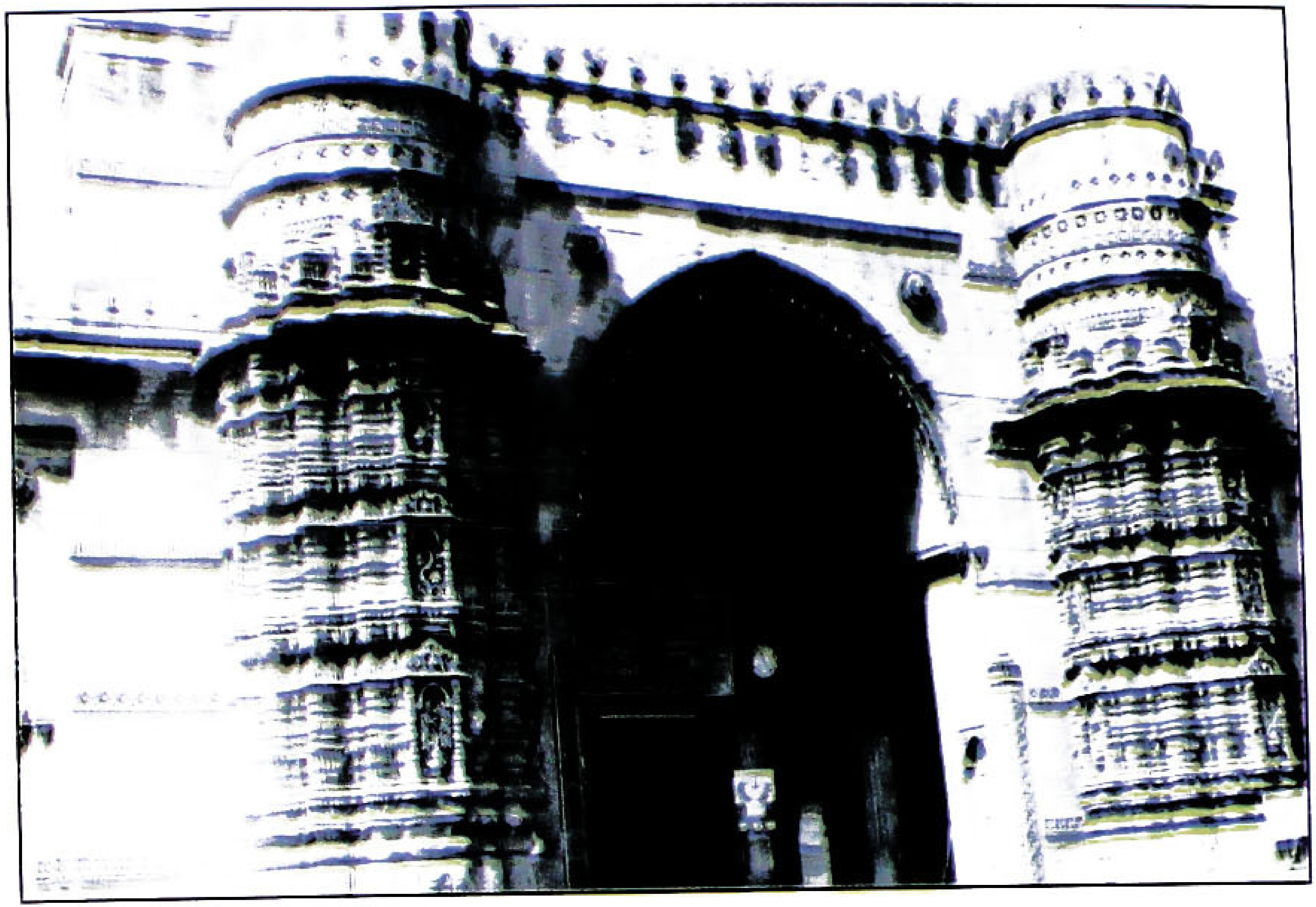

پتھر والی مسجد، دلی چکلہ، احمد آباد

مسجد حضرت شاہ پیر محمدؒ، پیر محمدؒ روڈ، احمد آباد

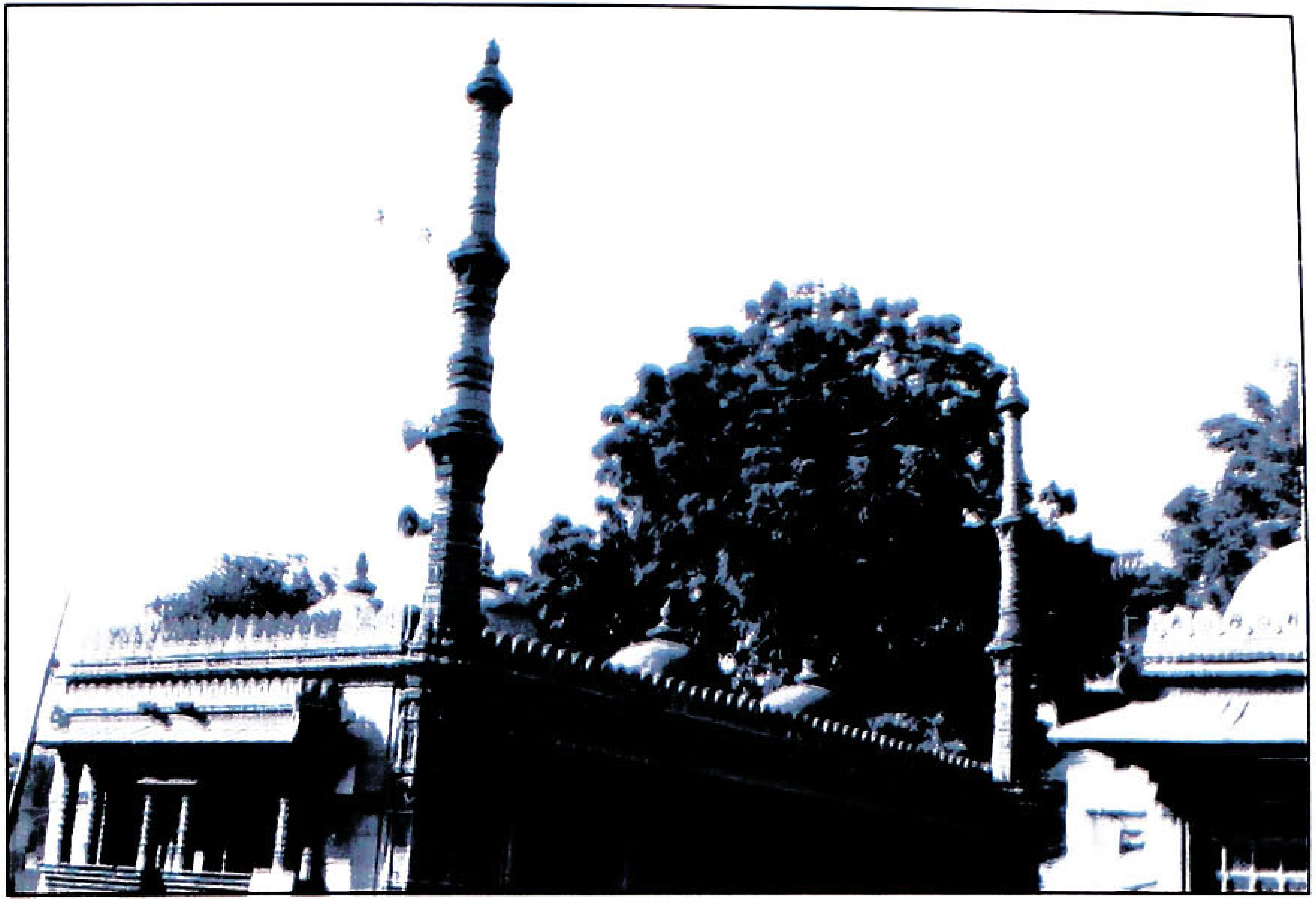

مسجد رانی سپری (صبری)، استوریا دروازہ، احمد آباد

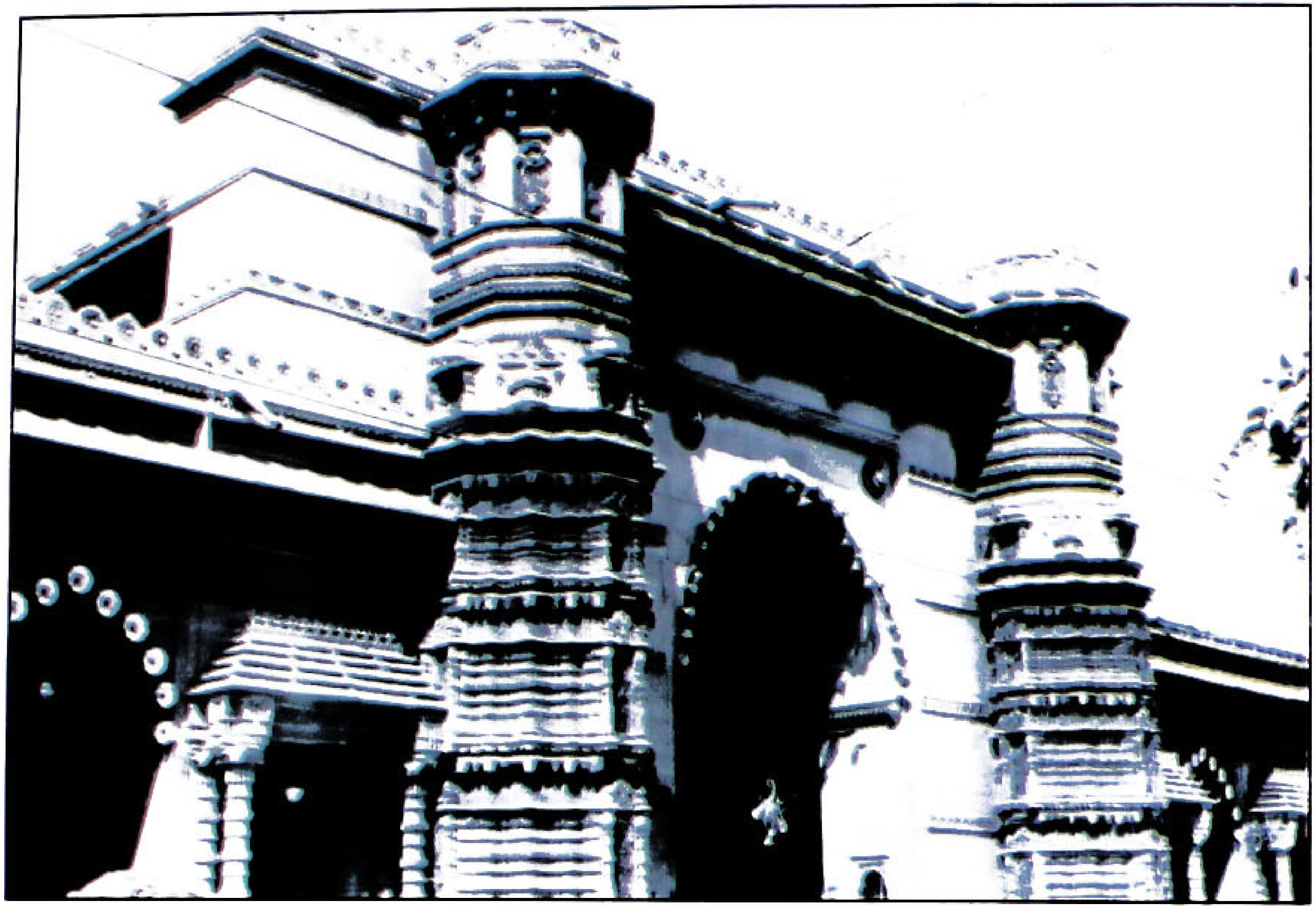

مسجد رانی روپ متی، مرزا پور، احمد آباد

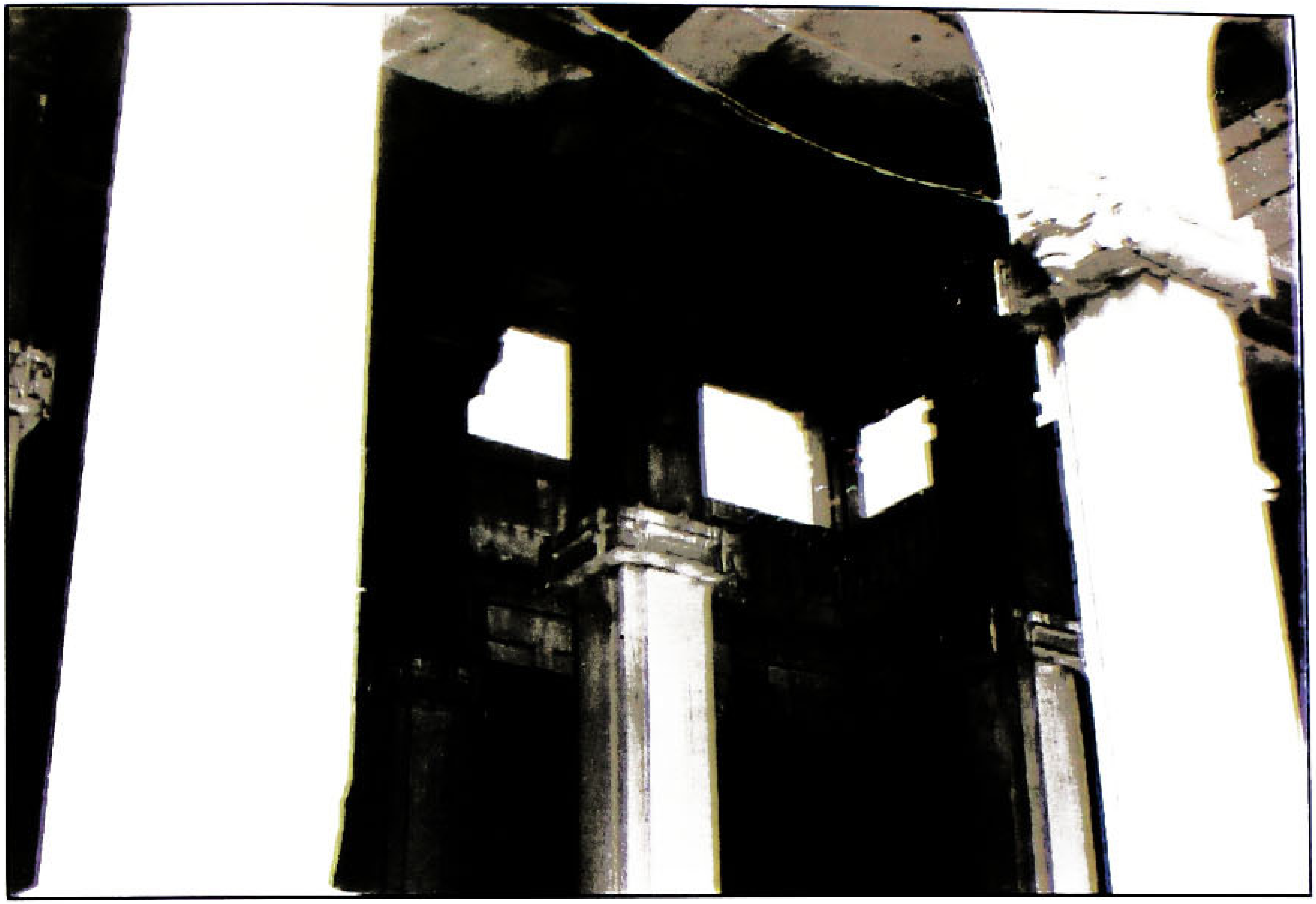

بیرونی منظر، مسجد حضرت ابو محمد بخاریؒ، عرف بابا لولوی، منجوری، احمد آباد

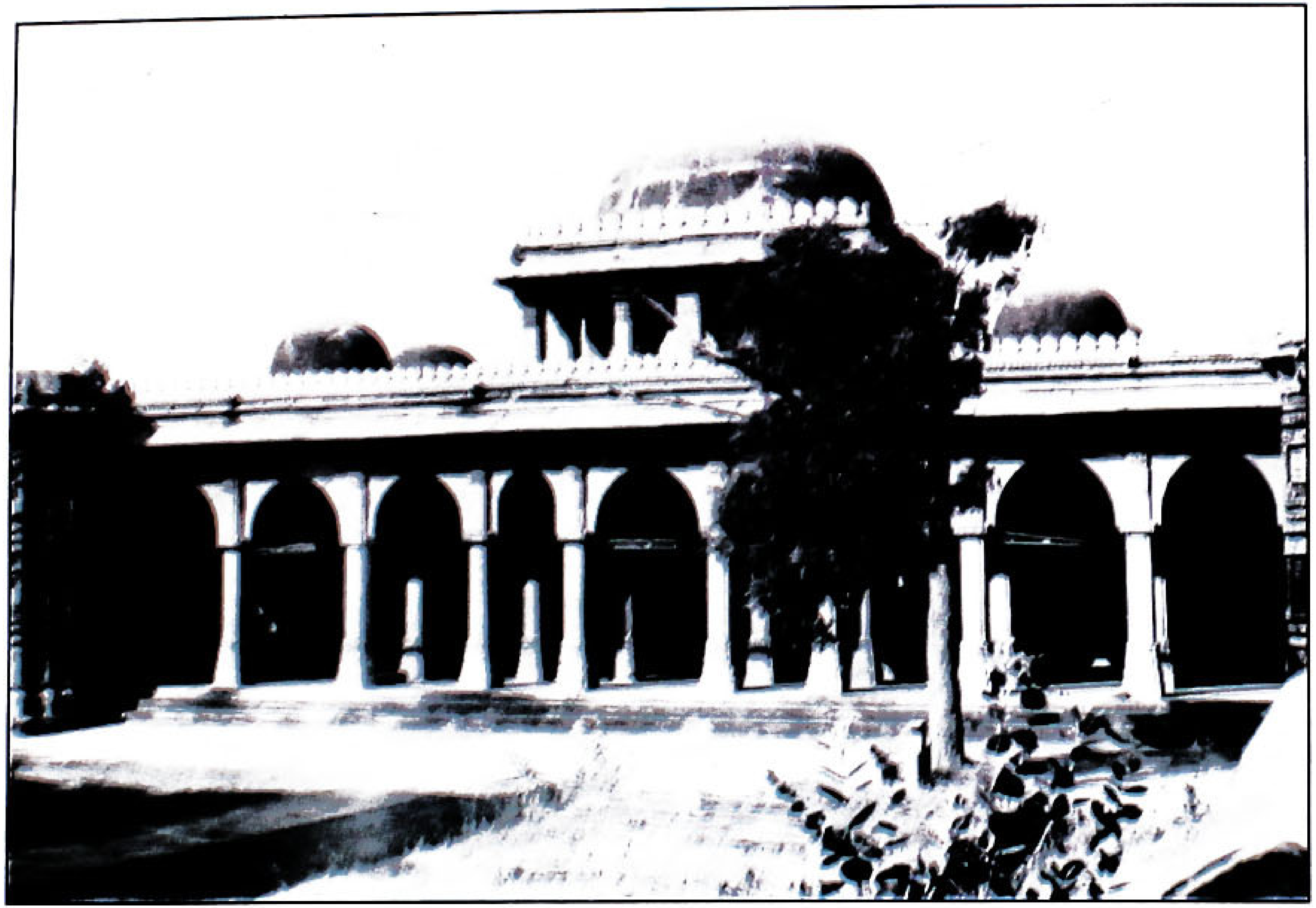

اندرونی منظر، مسجد حضرت ابو محمد بخاریؒ، عرف بابا لولوی، منجوری، احمد آباد

سیدی سعید کی مشہور جالی کی مسجد، لال دروازہ، احمد آباد

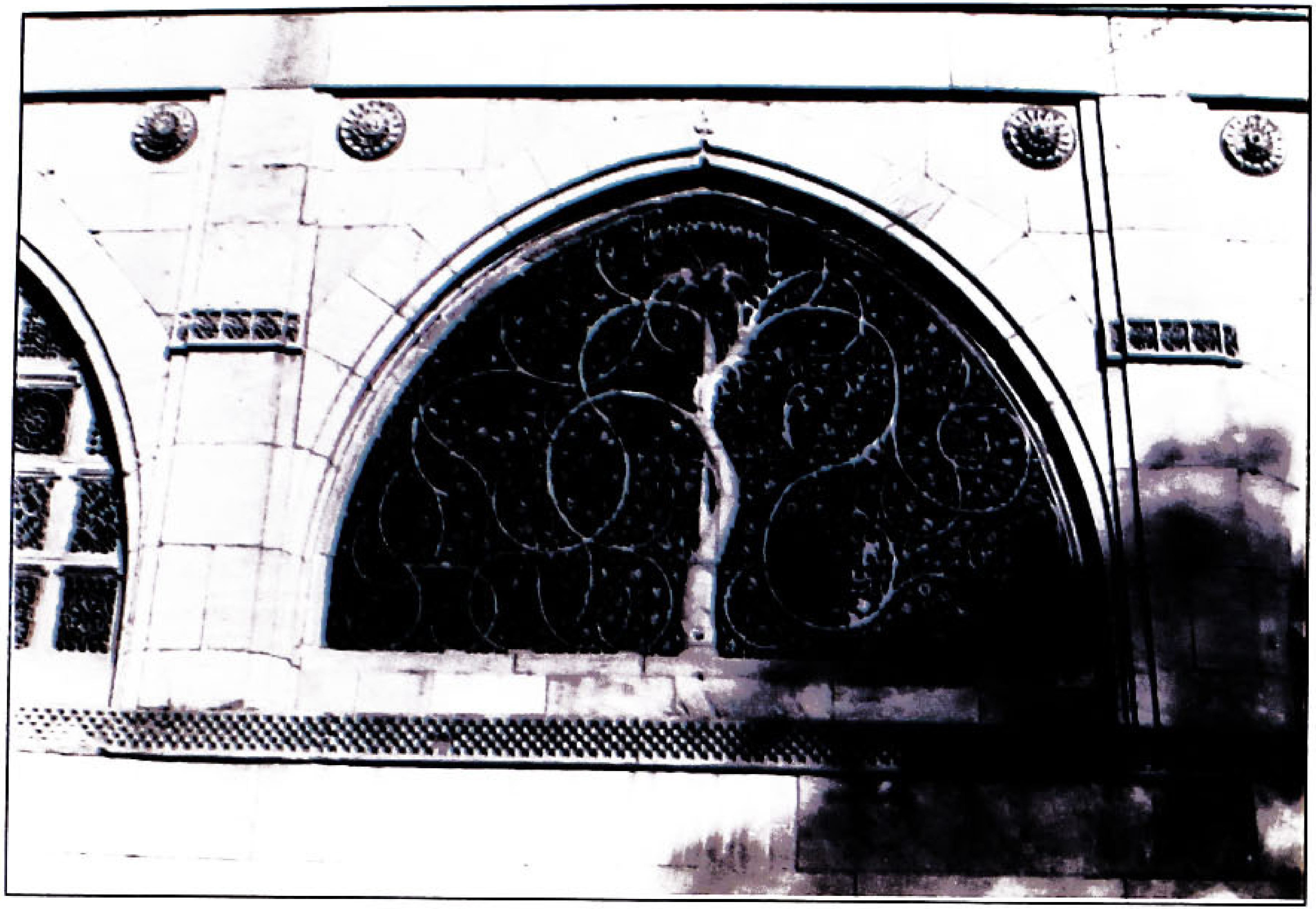

سیدی سعید کی مشہور جالی کی مسجد، لال دروازہ، احمد آباد

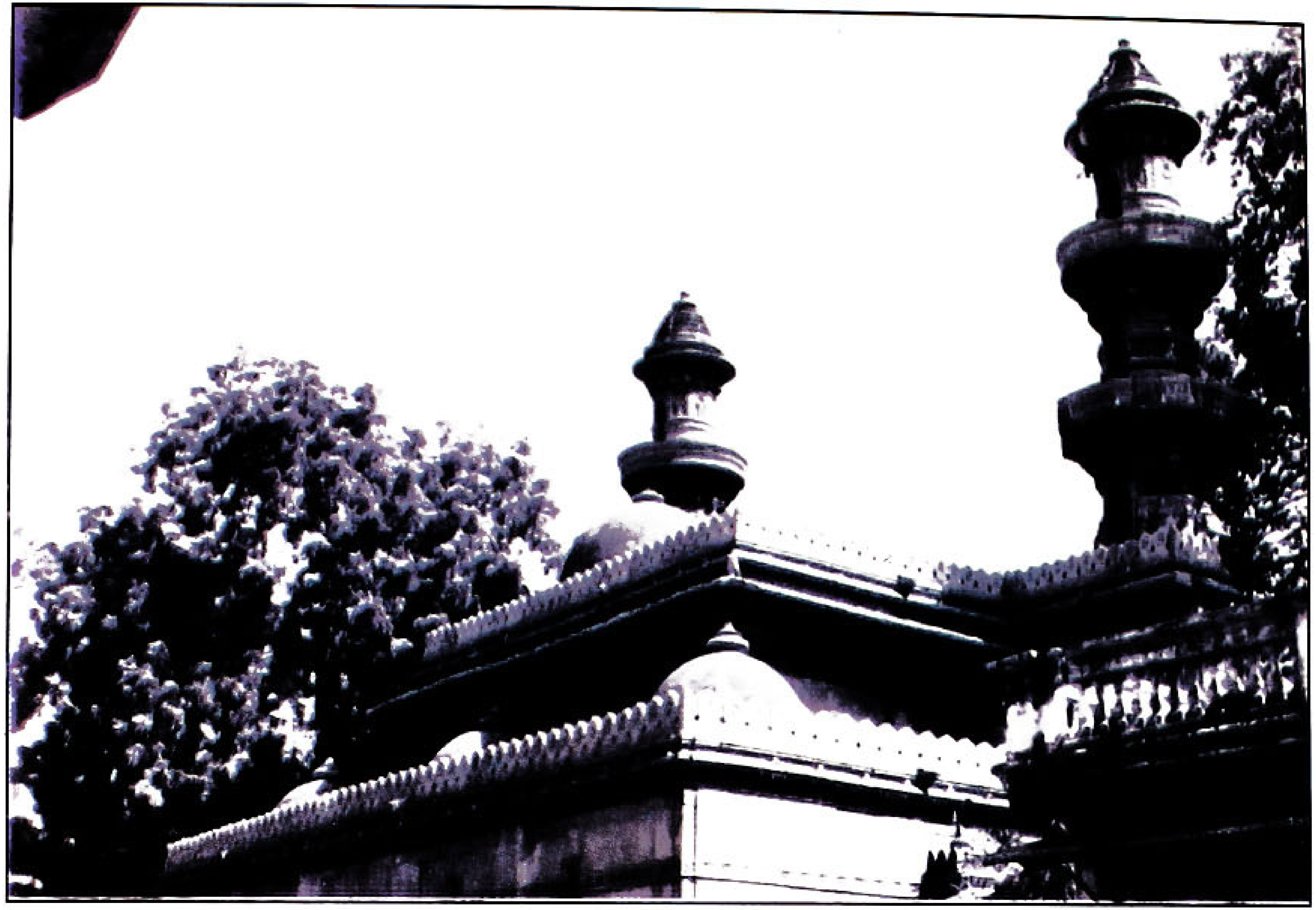

بیرونی منظر، مسجد محافظ خان، احمد آباد

مسجد محافظ خان، احمد آباد

مسجد و مینار دولت خان، سارنگ پور، احمد آباد

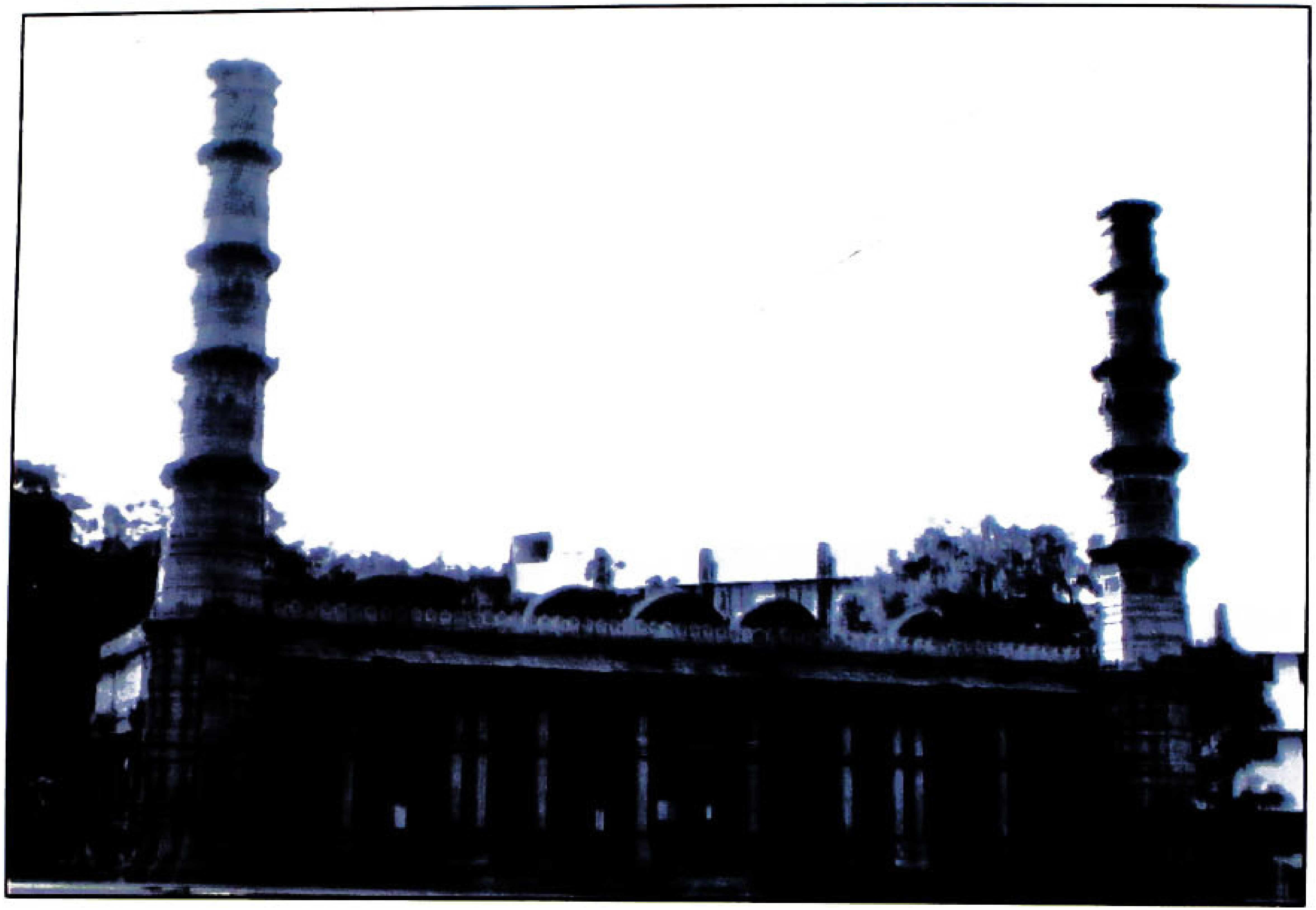

مسجد حضرت شمع برہانیؒ، عثمان پورہ، احمد آباد

مسجد اچھوت کوئی، دودھیشور، احمد آباد

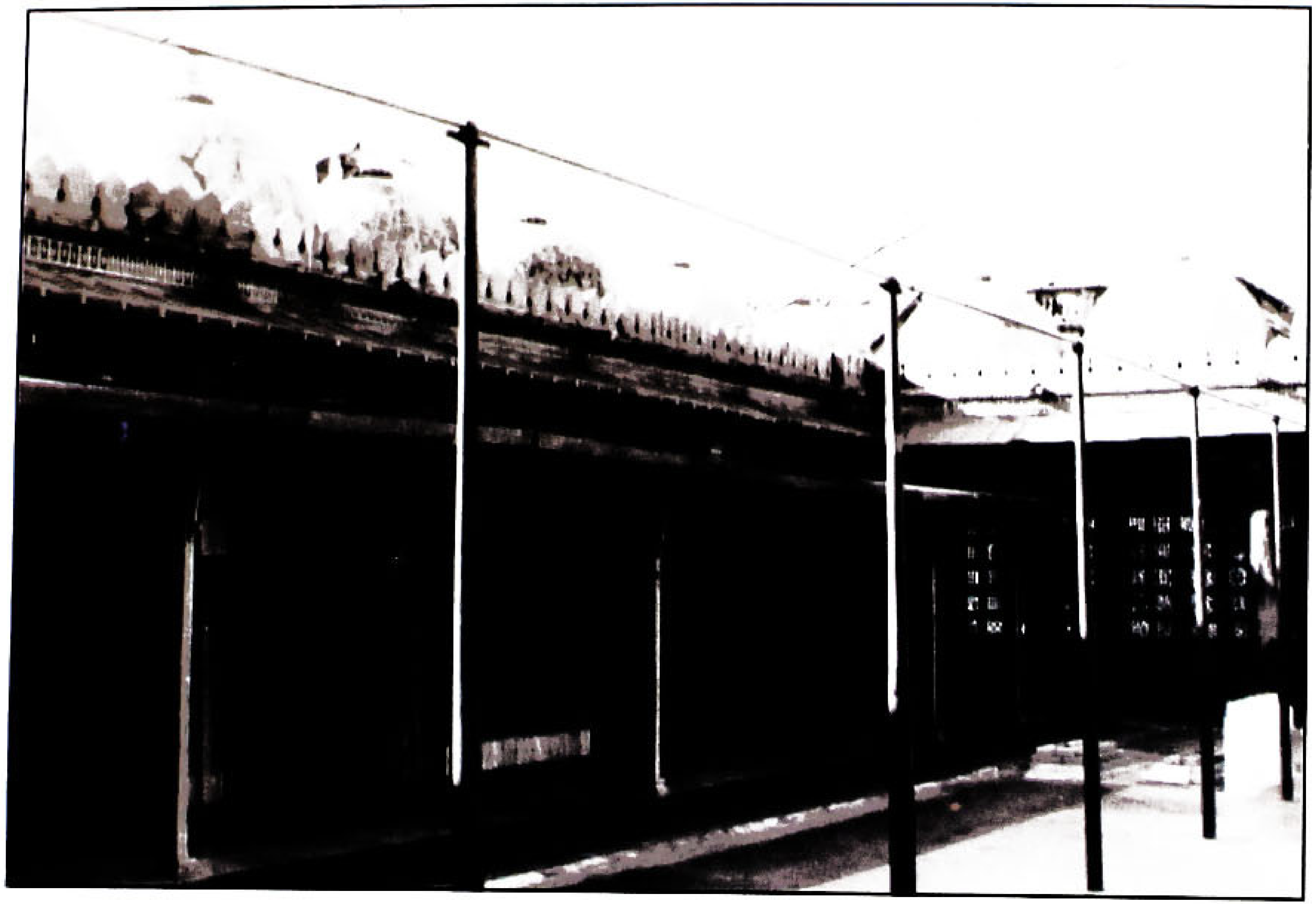

اندرونی منظر، پتھر والی مسجد، استویا، احمد آباد

کمال الدین پور	خوان پور	سرہ پور
عیسیٰ پور	قطب پور	ایرندا پور
رحیم پور	حسن پور	اربنا پور
میران پور	محمود پور	خضر پورہ
خانپور		

چہاردیواری کی تعمیر

سلطان محمود معروف بہ بیگڑہ ۸۶۳ھ / ۱۴۵۹ء میں تخت نشین ہوئے۔ نویں صدی کا آخری حصہ ان کے لئے آسودگی و اطمینان کا زمانہ تھا۔ چنانچہ ۸۹۲ھ ۱۴۸۷ء میں انہوں نے احمدآباد کی چار دیواری تعمیر کروائی اور اس کے دروازے پر ایک پتھر نصب کرایا جس میں آیت کریمہ؛ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا، کندہ تھی (غالباً اسی لئے احمدآباد کو دارالامان بھی لکھا گیا ہے جیسا کہ عبدالرحیم خانخانان احمدآباد کو دارالامان لکھتے ہیں۔) [1]

مآثر رحیمی کے مصنف نے گجرات کے شہر احمدآباد کی بھی بہت تعریف کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ! اپنی نزہت اور لطافت کے لحاظ سے ہندوستان میں ایسا کوئی اور شہر نہیں۔

حکیم ازرقی نے اس کے متعلق جو نظم لکھی ہے اس کے تین چار اشعار یہ ہیں۔

---

[1] مقالات عرشی ص۲۳۔

در خیابانش از عود و برگ از زمرد | بنالیش زمینا و خاکش زعنبر
بگشتی چو اندیشہ مرد عاشق | بخوبی چو رخسارۂ یار دلبر
بہ یک سوئے ایں باغ خرم سرائے | پُر از صفہ و کاخ و ایوان و منظر
نہ گویم کہ عین بہشت است لیکن | بہشت است اندر سرائے مکرر لہ

فرشتہ لکھتے ہیں کہ سلطان احمد شاہ جب ایک جنگ کے سلسلے میں قصبۂ اساول میں پہنچے تو وہاں کی آب وہوا ان کو پسند آئی اور ۸۱۵ھ کے اواخر میں شیخ احمد کھٹو کے استخارہ اور استشارہ سے دریائے سابرمتی کے کنارے ایک شہر کی بنیاد ڈالی اور اس کا نام احمد آباد رکھا جو چند دنوں میں آباد ہو کر شاہان گجرات کا دارالسلطنت ہوگیا اور قصبہ اساول اس کا ایک محلہ بن گیا۔ امرار وسلاطین کے مکانات پختہ ہیں یعنی گچ اور اینٹ سے بنے ہوئے ہیں بقیہ کھپریل ہیں۔ بازار اس قدر وسیع وفراخ ہیں کہ دس گاڑیاں پہلو بہ پہلو چل سکتی ہیں۔ دکانیں پختہ ہیں۔ اور قلعہ اور مسجد جامع بھی تعمیر کی گئی ہے شہر کے باہر تین سو ساٹھ پورے آباد ہیں اور ہر ایک میں بازار مسجد اور دیوار بند ہے۔

خلاصۃ التواریخ میں ان پوروں کی نسبت لکھا ہے!

ناگزیر شہر ما در ہر یکے پیدا بازار مسجد خانقاہ و منار دکتا بہائے شگرف درست۔

فرشتے نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے!

"و در باب معموری و دیگر خصوصیات احمد آباد اگر گفتہ شود کہ در تمامی ہندوستان بلکہ در کل جہاں بان عظمت و آراستگی شہرے موجود نہ شدہ مبالغہ نبودہ باشد،" لہ

لہ ہندوستان سے محبت وشیفتگی کے جذبات ص ۱۱ لہ تمدنی کارنامے ص ۱۲

پورہ جات کا تعارف

چند پوروں کو آباد کرنے والوں کے نام حسبِ ذیل ہیں ۔

قاضی پور:۔ شاہ پور ایک قدیم آبادی تھی ۔ عالمگیر کے زمانے میں قاضی القضاۃ خواجہ عبداللہ نے اس کو نئے سرے سے اپنے نام پر آباد کیا ۔

حاجی پور:۔ حاجی بہار الدین المخاطب بعضد الملک نے جو سلطان محمود بیگڑہ کے امراء میں تھے اس کو آباد کیا اور اس میں ایک مسجد بنوائی ۔

دریا پور:۔ اس کو سلطان محمود بیگڑہ کے امراء میں سے دریا خاں نے آباد کیا ۔

پناہ پور:۔ بہادر خاں ناظم صوبہ نے جس کا نام محمد پناہ تھا ۔ عالمگیر کے زمانے میں اس کو اپنے نام سے آباد کیا ۔

جہانگیر پور:۔ جہانگیر کے نام پر آباد کیا گیا ۔

ہیبت پور:۔ سلاطین گجرات کے امراء میں اس کو ہیبت خاں نے آباد کیا ۔

بی بی پور:۔ سلاطین گجرات کے عہد میں بی بی ماں نے جو خاندان چشتیہ سے تعلق رکھتی تھیں اپنی سکونت کے لئے اس کو آباد کیا تھا ۔ اور ان کا مزار مسجد و خانقاہ کے ساتھ اس میں موجود تھا ۔

نور اللہ پور:۔ اس کو شیخ نور محمد نے جن کا خطاب امانت خاں تھا فرخ سیر کے زمانہ میں آباد کیا ۔

سارنگ پور:۔ امرائے محمودی میں ایک سارنگ کا آباد کیا ہوا تھا ۔

افضل پور:۔ سلطان محمود ثانی کے امراء میں افضل خاں نے اسکو آباد کیا ۔

طوغان پور:۔ طوغان نے جو امرائے محمودی میں تھا اس کو آباد کیا۔
منجھن پور:۔ شاہ عالم قدس سرہٗ کے نواسے سید مسعود نے اس کو اپنے نانا کے نام پر آباد کیا۔
بابی پور:۔ اس کو صفدر خاں بابی نے آباد کیا۔
نواپور، گنج پور، سلطان پور۔ سیّد عبدالرحیم رفاعی نے آباد کیا۔
معصوم پور:۔ معصوم قلی عرف شجاعت خاں نے اس کو نئے سرے سے آباد کیا۔
مراد گنج:۔ شاہزادہ مراد بخش کے زمانۂ نظامت میں آباد ہوا۔
وھاب گنج:۔ عالمگیر کے زمانے میں قاضی القضاۃ عبدالوہاب نے اپنے نام سے آباد کیا۔
سیّد پور:۔ سلطان احمد کے امراء میں سید عطاء اللہ نے آباد کیا۔
چنگیز پور:۔ سلطان محمود ثانی کے غلام چنگیز خاں نے آباد کیا۔
بہادر گنج:۔ سلطان بہادر گجراتی نے آباد کیا۔
اکرم پور:۔ اکرم الدین خاں صدر صوبہ نے بہادر شاہ کے زمانے میں آباد کیا۔
مفاخر پور:۔ اسی زمانے میں اکرم الدین خاں کے بھائی ابو المفاخر خاں نے آباد کیا۔
علیم پور:۔ خداوند خان ملک علیم الدین نے جو سلطان احمد کے امراء میں تھا۔ اس میں ایک مسجد بنوائی اور اس کا مقبرہ بھی یہیں ہیں۔
فرح پور:۔ اس کو قاضی پور بھی کہتے ہیں۔ ابوالفرح خاں قاضی شہر نے عالمگیر کے زمانے میں آباد کیا اور ایک مکان اور پر تکلف مسجد بنوائی۔ اور یہیں قیام اختیار کیا۔

نور گنج :۔ جس زمانے میں جہانگیر گجرات میں مصروف سیر و شکار تھا۔ نورجہاں بیگم کے نام پر آباد ہوا۔

زور آور پور :۔ جوانمرد خاں بابی نے نئی عیدگاہ کے نزدیک اپنے چھوٹے لڑکے کے نام پر آباد کیا۔

رسول آباد :۔ حضرت شاہ عالم قدس سرہٗ نے آباد کیا تھا۔ اور یہیں سکونت رکھتے تھے۔ اور آپ کا مزار بھی یہیں ہیں۔

پورہ رضوی خاں :۔ عالمگیر کے زمانے میں رضوی خاں صدر صوبہ نے آباد کیا۔

عیش آباد :۔ رسول آباد اور موضع بٹوہ کے درمیان ملک عیش المخاطب بہ نظام الملک نے جو امرائے محمودی میں سے تھے اپنے نام پر آباد کیا تھا۔ اور ایک مسجد، تالاب، باغ اور اپنا مقبرہ اس میں بنوایا تھا۔ اور اس کے گرد ایک پختہ فصیل قائم کی تھی۔

خودن پورہ :۔ امرائے سلاطین گجراتیہ میں ملک خودن نے آباد کیا۔ چونکہ یہاں زیادہ تر حضرت شاہ عالم کے خادم اور مرید رہتے تھے اس لئے حضرت ممدوح نے اس کا نام خویدم پورہ رکھ دیا۔

قطب پور :۔ حضرت قطب عالم قدس سرہٗ کے زمانہ قیام میں انہی کے نام سے آباد ہوا۔

قاسم پور :۔ عالمگیر کے زمانے میں میر قاسم نے آباد کیا۔

راجو پور :۔ حضرت شاہ عالم کے نواسوں نے آباد کیا۔

خانپور :۔ سید حسن خاں نے عالمگیر کے زمانے میں آباد کیا۔

عثمان پور :۔ حضرت قطب عالم قدس سرہٗ کے خلفاء میں سید عثمان نے آباد کیا۔

نورنگ پور:۔ عالمگیر کے زمانے میں نورنگ نے آباد کیا۔

صلابت پور:۔ صلابت خاں نے آباد کیا۔

شادمان پور:۔ اکبر کے زمانے میں اعظم خاں کے لڑکے شادمان نے آباد کیا۔

شیخ پور:۔ سلطان محمود بیگڑہ کے پیر شیخ رحمت اللہ نے آباد کیا

سلطان پور:۔ کمال الدین جوانمرد خاں نے اسکو اپنے لڑکے کے نام پر آباد کیا۔[1]

تعمیرات:۔ مولانا جناح الدین لکھتے ہیں کہ !احمد شاہ (۲۴ھ/۱۴۱۱ء) کے عہد کے ساتھ ایک نئے دور کی ابتداء ہوئی جس میں بڑے بڑے فنی حوصلے حسبِ منشا تکمیل کو پہنچے اور اس کے دارالسلطنت احمد آباد کا شمار ان شہروں میں ہوتا ہے جو فنِ تعمیر کے بہت سے حسین نمونوں سے آباد ہیں۔ احمد آباد کی جامع مسجد مغربی ہندوستان میں اپنی قسم کی بہترین عمارت مانی جاتی ہے لیکن ساتھ ہی وہ ایک زندہ بڑھتے ہوئے امیدوں سے لبریز طرز کی مثال ہے۔ گویا عمارتوں کا بننا، پھولوں کا کھلنا ہے جس سے طبیعت کی شگفتگی عیاں ہوتی ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ بنانے والوں کا خیال اور نظریۂ زندگی خون کی طرح گردش کرتے ہوئے ان کے ہاتھوں کے ذریعہ ان چیزوں میں پہنچ گیا ہے۔ جو ان کے ہاتھوں نے بنائی ہیں۔ اس مسجد میں روشنی پہنچانے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ خود بہت سبق آموز ہے۔ اس لئے کہ روشنی کا پہلے رخ بدلا جاتا ہے پھر اس کا عکس اس طرح سے ڈالا جاتا ہے کہ پوری مسجد میں روشنی یکساں پھیلتی ہے۔ مرکزی اور بغلی حصوں کی ترتیب اس مسئلے کو بہت خوش نما طریقے سے حل کرتی ہے کہ بلندی کے رحجان سے روشنی کی ضرورت کو کیسے پورا کیا جائے۔ اور عمارت کی تقریباً ہر خصوصیت ایسی

---

[1] تمدنی کارنامے ۱۴۱۔

ہے کہ فن تعمیر سے کسی بھی دلچسپی رکھنے والے کو تعریف کرنے پر مجبور کر دے گی ۔ جامع مسجد سے احمد شاہ کے محل تک جو راستہ تھا ۔ اس پر تین دروازے کے نام کا ایک فتح دروازہ ہے ۔ اب اس کے گرد دکانیں ہیں ۔ جس کی وجہ سے اس کی شان جاتی رہی ہے مگر اس کے محرابوں کا حسن اب بھی نمایاں ہے ۔ [1]

والئ گجرات سلطان مظفر خاں کی خوش ذوقی اور فن تعمیر سے اس کی دلچسپی کی عام شہرت تھی ۔ چنانچہ سلطان حسین لنگاہ نے قاضی محمد اوچوی کو گجرات بھیجا تاکہ وہاں کی عمارات کے نقشے تیار کروا کے لائیں ۔ انہوں نے گجرات پہنچ کر احمد شاہ کی خدمت میں اپنی آمد کا مقصد بتایا ۔ احمد شاہ نے بڑی خوشی سے ان کو اجازت دی ۔ ان دنوں احمد آباد نیا نیا بسایا گیا تھا ۔ قاضی محمد نے ان تمام نو تعمیر شدہ محلات کے خاکے تیار کئے اور واپس ملتان پہنچ کر سلطان حسین لنگاہ کی خدمت میں پیش کئے اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ اگر سلطنت ملتان کا تمام محصول بھی خرچ کر ڈالیں تو بھی احمد آباد کے محلات جیسا ایک محل تعمیر نہیں ہو سکتا ۔ [2]

تعمیرات

سلاطین گجرات نے جو شہر بسائے ان شہروں کی رونق ، آبادی ، اور وسعت کا یہ حال تھا کہ آج بھی ان کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا ۔

احمد آباد اتنا بڑا تھا کہ ایک طرف وہ سرکھیج سے ملتا تھا اور دوسری طرف محمود آباد سے ۔ محمود ثالث کے عہد میں احمد آباد و محمود آباد کے درمیان کی سڑک کے دورویہ دوکانیں اور مکانات بنوا کر اور درخت

---

[1] تمدنی کارنامے ص۱۷۱ [2] خطہ پاک اوچ ص۱۴۹ ۔

نگاگران کو ایک کر دیا گیا تھا۔ اس وقت احمدآباد کی آبادی بیس لاکھ تھی، کھنبایت جو ایک بڑا بندرگاہ تھا اسکی آبادی آٹھ دس لاکھ تھی اسی طرح جوناگڑھ اور چاپانیر وغیرہ کی آبادی بھی لاکھوں کی تھی۔ احمدنگر بھی اس زمانے میں آبادی کے لحاظ سے ایک بڑا شہر سمجھا جاتا تھا۔ بھروچ کی آبادی بھی کچھ کم نہ تھی۔ مغلیہ عہد میں سورت کی آبادی بارہ لاکھ تھی۔

گجراتی سلاطین نے سڑکیں، پل، لنگر خانے، شفاخانے، مسافرخانے تالاب، یتیم خانے اس کثرت سے بنوائے کہ ان کا شمار مشکل ہے۔

سڑکیں:۔ سلطان احمدآباد نے جب احمدآباد بسایا تو ہر جگہ وسیع سڑکیں بنوائیں۔

فرشتہ نے لکھا ہے کہ! احمدآباد کی سڑکیں اس قدر کشادہ اور چوڑی تھی کہ دس دس گاڑیاں آسانی کے ساتھ پہلو بہ پہلو چل سکتی تھیں محمود اول کے وقت میں ایک بڑی سڑک پٹن سے بڑودہ تک تیار کی گئی تھی۔ جس کے دونوں کنارے سایہ دار درخت بھی لگائے گئے تھے۔ اسی طرح محمود ثالث کے عہد میں احمدآباد سے محمودآباد تک ایک سڑک تیار کی گئی تھی جس کے دونوں جانب دوکانیں تھیں۔ چاپانیر میں ایک عالی شان قصر تھا جس کا نام دلکشا تھا۔

بہادر شاہ اکثر اسی محل میں رہتا تھا۔ اس سے متصل ایک بہت وسیع اور عظیم الشان مکان تھا جس کو دربار کہتے تھے۔ غیر ممالک کے سفراء یہیں ان کی خدمت میں باریاب ہوتے تھے۔ انہی کے عہد میں ایک محل اور تھا جس کی عام طور پر بڑی شہرت تھی اس کا نام سنگار منڈپ تھا۔

محمود ثالث نے محمودآباد میں دو میل لمبا جو آہو خانہ تیار کرایا تھا۔ اس میں متعدد قصر اور مختلف قسم کی عمارتیں بھی بنوائی تھیں۔ اسی عہد میں

دریا خاں نے احمد آباد میں ایک عالی شان گنبد تعمیر کروایا تھا۔ یہ تمام گجرات اور کاٹھیاواڑ میں اپنے طرز کی واحد اور بے مثل عمارت تھی۔ اس وقت تک گجرات میں جتنی عمارتیں تعمیر ہوئی تھیں وہ جینی طرز کی اور سنگی ستونوں پر قائم کی جاتی تھیں، مگر یہ ایرانی اور عربی طرز کا اور پکی اینٹوں پر قائم کیا گیا تھا چونکہ یہ طرزِ تعمیر گجرات کے لئے بالکل نیا تھا۔ اس لئے اس کی گنبد کی بڑی شہرت ہو گئی۔

بعض مقامات میں جو عمارتیں بنیں وہ اپنی خوبصورتی، دلآویزی اور شان وشکوہ میں بہت بے نظیر تھیں مثلاً منگلور، کھنبایت، بھروچ، احمد آباد کی جامع مسجدیں، ہلتے مینارے مینارلرزاں احمد آباد کی قدیم مسجدوں میں اکثر دو ہی مینار رہوتے تھے جن کی خصوصیت یہ تھی کہ ایک مینار کو ہلایا جاتا تو دوسرا مینار بھی ہلنے لگتا تھا، بعض انگریز انجنیئروں نے بے حد کوشش کی لیکن دونوں میناروں کا تعلق معلوم نہ کر سکے۔ جھوٹ کا کی کی مسجد، جالی کی مسجد، رانی سپری کی مسجد یہ سب احمد آباد میں صنّاعی کے بہترین نمونے ہیں۔ ضلع پٹن کے موضع سمہ میں ایک ایسی مسجد تعمیر ہوئی تھی جس میں بارہ برجوں کے لحاظ سے بارہ خانے بنائے گئے تھے کہ ہر ماہ چاند اپنے برج سے دکھائی دے۔ عالمگیر کے عہد تک یہ مسجد موجود تھی۔ شاہجہاں نے بھی احمد آباد میں شاہی باغ کے ساتھ دریا کے کنارے جو محل تعمیر کرایا تھا وہ اپنی نظیر آپ تھا۔

خاص احمد آباد میں پانچ سو سنگی مسجدیں تعمیر کی گئیں۔ شاہجہاں گورنر کی حیثیت سے احمد آباد میں عرصہ تک رہے۔ یہیں کی عمارتوں کو دیکھکر اس کو عمارتوں کا ذوق پیدا ہوا۔ اسی ذوق کا نتیجہ تاج محل ہے اس نے یہاں بھی دریا کے کنارے ایک شاہی باغ اور شاہی محل تعمیر کرایا تھا۔

اٹھانوے گنبد کی مسجد

سلطان احمد نے ۱۴۱۴/ ۸۱۷ھ میں مانک چوک کے قریب ایک عظیم الشان مسجد بنوائی جس میں "ملوک خانہ" کے علاوہ تین سو باون ستون تھے، "دروازہ ملوک خانہ" میں بارہ "تخت ملوک خانہ" میں آٹھ اور جنوبی وشمالی بازوؤں میں دو سو بارہ ستون تھے۔ اور اسی طرح دیگر بہت سے ستونوں کے علاوہ ۹۸ گنبد تھے۔ ؎

احمد آباد کی جامع مسجد

جہانگیر اپنی توزک میں لکھتے ہیں کہ:

۲۶ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) منگل کے دن جامع مسجد دیکھنے کے لیے گیا جو بازار میں واقع ہے۔ ان فقراء میں سے چند کو جو وہاں موجود تھے تقریباً پانچ سو روپے اپنے ہاتھ سے خیرات کئے۔ یہ مسجد سلطان احمد بانی شہر احمد آباد کی بنوائی ہوئی ہے۔ جو تین دروازوں پر مشتمل ہے۔ ہر دروازے کے رخ پر ایک بازار ہے۔ اور اس دروازے پر جو مشرقی جانب واقع ہے سلطان احمد کا مقبرہ ہے۔ اس کے گنبد میں سلطان احمد اور اس کا بیٹا محمد اور اس کا پوتا قطب الدین محو استراحت ہیں۔ مقصورہ کو چھوڑ کر صحن مسجد کا طول ایک سو تین گز اور عرض نواسی گز ہے۔ صحن کے اردگرد پونے پانچ گز عرض کے ایوان بنائے گئے ہیں صحن کا فرش تراشی ہوئی اینٹوں سے تعمیر ہوا ہے اور ایوان کے ستون سنگ سرخ کے ہیں۔ مقصورے

؎ توزک جہانگیری ص ۲۲۹،۲۴۰

کے تین سو چونّ ستون ہیں ۔ ان ستونوں کے اوپر گنبد بنایا گیا ہے۔ مقصورے کا طول پچھتر گز اور عرض ۲۷ گز ہے ۔ مقصورے کا فرش اور محراب و منبر سنگ مرمر سے بنائے گئے ہیں ۔ اور پیش طاق کے دونوں بازوؤں میں تراشیدہ پتھر کے دو گول مینار ہیں ۔ جو تین نشست گاہوں پر مشتمل ہیں جن میں نہایت نازک نقش ونگاری کی گئی ہے ۔ اور داہنی جانب منبر کے متصل مقصورہ کے کونے میں علیحدہ شاہ نشین بنایا گیا ہے ۔ جس کے ستونوں کے درمیان سنگین تختے نصب کئے گئے ہیں ۔ اور شاہ نشین کے اطراف چھت تک سنگین جالیاں کھڑی کی گئی ہیں ۔ اس تعمیر کا مقصد یہ ہے کہ جب بادشاہ نماز جمعہ اور عیدین کے لئے مسجد میں حاضر ہو تو وہ اپنے مقربوں اور مصاحبوں کے ساتھ اسی اونچی نشست میں جسے اس علاقے کے لوگوں کی اصلاح میں "ملوک خانہ" کہتے ہیں ، نماز ادا کرے ۔ ممکن ہے کہ یہ تصرف احتیاط اس بنا پر کیا گیا ہو کہ بادشاہ عام ہجوم سے محفوظ رہے ۔

مصنف مرأۃ احمدی علی محمد خان کے بیان کے مطابق تو صرف احمد آباد میں پتھر کی پانچ سو مسجدیں تھیں ۔

مقابر میں شیخ احمد کھٹو کا مقبرہ سرکھیج میں آج تک ماہرین فن کی نگاہوں کا مرکز ہے ۔

شہنشاہ جہانگیر کا تخمینہ ہے کہ اس مقبرہ کی تعمیر پر پانچ لاکھ روپیے صرف ہوئے ہیں ۔ حضرت شاہ عالم کے مقبرہ کے علاوہ دریا خاں کے مقبرہ کا گنبد تمام گجرات کی عمارتوں میں ممتاز ہے ۔ سرکھیج میں محمود اول کے مقبرہ پر سنگ مرمر کا جو کام ہوا ہے وہ اپنی ندرت و باریکی کے لحاظ سے بہت پرکشش ہے ، جامع مسجد احمد آباد کے شہ نشیں پر جو سنگ مرمر کی محراب

ہے۔ وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ وہاں کی ہر مسجد میں مصلّے کے پاس جو سورج مکھی بنی ہوئی ہے۔ وہ بھی نقش و نگار کا عجیب وغریب نمونہ ہے، اس زمانہ کی قبروں پر سورج مکھی کی تو بہت کم لیکن قندیل کی شکل بہت زیادہ سنگِ مرمر کی بنی ہوتی ہے۔ صناعی کے لحاظ سے وہ بھی عجیب چیز ہے۔

سیّد میراں کی تعمیرات

جہانگیر اپنی توزک میں لکھتے ہیں! کشتی میں بیٹھ کر دریائے محمود آباد میں مچھلی کا شکار کھیلنے کے لئے گیا۔ دریائے محمود آباد کے کنارے سید مبارک گجراتی (مرآۃ سکندری انہیں کی سرپرستی میں تصنیف ہوئی تھی) کا مقبرہ واقع ہے جو گجرات کے عمدہ امراء میں سے تھے۔ اور اس عمارت کو ان کے بعد ان کے فرزند سید میراں نے بنوایا تھا۔ اس کا نہایت بڑا اور عالیشان گنبد ہے۔ اور اس کے اردگرد چونے اور پتھر سے نہایت مضبوط چار دیواری بنائی گئی ہے۔ تخمینہ یہ ہے کہ اس کی تعمیر پر دو لاکھ روپے خرچ ہوئے ہونگے۔ سلاطین گجرات کے جو مقبرے میری نظر سے گزرے ہیں ان میں سے کوئی اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچتا۔ [1]

باغات

سلطان محمود بیگڑہ نے طرح طرح کے باغات لگوائے، کوئی فقط میووں کا تھا، کوئی صرف پھولوں کا، کوئی محض پھلوں کا۔ اس نے آم، انار، کھرنی، گولر، ناریل، بیل، مہوہ، جامن، کے کثرت سے درخت لگوائے محمد آباد (چاپانیر) میں اس نے متعدد باغ لگوائے جنہیں آم بیحد نفیس اور خوشبودار ہوتے تھے، انار، انجیر، انگور،

---

[1] توزک جہانگیری ص ۲۵۱۔

بادام، سیب، کیلا، امرت پھل، سدا پھل، نارنگی، تاڑ پھلی (تاڑ) ناریل، کٹھل، بدبل، کمرخ، فالسہ، اعلیٰ درجہ کا بکثرت پیدا ہوتا تھا، آملہ اور ہڑ کا ایک باغ عہد عالمگیر تک باقی تھا۔

محمود نے پھولوں کا جو چمن لگایا تھا اس میں گلِ لال، گل سیوتی، چنبیلی، چمپہ، بیلا، موگرا، جائی، جوہی، کرنی مولسری، کیوڑہ، کیتکی طرح طرح کے خوشبودار پھولوں کے پودے تھے۔ خربزے کی کاشت بڑے اہتمام سے کرائی اور ان کے خربزے آج تک مشہور رہیں۔

سلطان محمود کے ایک ملازم نے سلطان کے لئے خراسانی طرز کا باغ بنایا سلطان نے اس کا نام "باغ بھالول" رکھا، گو باغ تو اب موجود نہیں ہے لیکن وہ زمین چاپانیر اور گودھرہ کے درمیان موجود ہے۔ [1]

اس کے بعد تو گجرات میں باغبانی کا مذاق عام ہوگیا، اور امرار نے بھی باغ لگانے شروع کردیئے۔ سلطان محمود نے خاص احمد آباد میں بڑے اعلیٰ پیمانہ کا پانچ میل لمبا اور ایک میل چوڑا باغ لگوایا۔ اس کا نام باغِ فردوس تھا۔

مرآۃ احمدی میں ہے کہ لوگوں کا بیان ہے کہ اس میں نو لاکھ درخت تھے اسی لئے اس باغ کا دوسرا نام نولکھی باغ تھا۔ اس میں آم، کھرنی، اور آملہ کے درخت زیادہ تھے۔

بعض تاریخوں میں ہے کہ پٹن سے بڑودہ تک آم، اور کھرنی کے کئی لاکھ درخت لب سڑک تھے۔ اسی لئے کھرنی تمام ہندوستان سے زیادہ اور اچھی گجرات میں ہوتی ہے۔ محمد قاسم فرشتہ نے بھی اپنی کتاب طبِ فرشتہ میں اس کو لکھا ہے۔

---

[1] مرآۃ سکندری صفحہ ۱۰۹ طبع دوم بمبئی۔

درختوں کی کثرت کیوجہ سے احمد آباد کا موسم بہت خوشگوار اور سرد ہو گیا تھا. چنانچہ سلطان محمود گرمیوں کا موسم احمد آباد اور جاڑا جوناگڑھ میں گزارتے اور برسات چانپانیر میں.

علیم الدین خداوند خاں پہلے شخص ہیں جنہوں نے انجیر اور نیزہ کے درخت دکن سے منگوا کر گجرات میں لگوائے جو تمام ملک میں رواج پا گیا۔ احمد آباد کے ایک محلہ عیسن پور میں جو باغات لگائے گئے تھے۔ ان میں آم، کھرنی اور تاڑ کے درخت بہت اچھے تھے۔ اس باغ کے گل موگرہ کی بڑی شہرت تھی، باٹوہ سے عیسن پور اور عیسن پور سے رسول آباد تک سڑک کے ہر دو جانب اس قدر گھنے آم اور کھرنی کے درخت لگے تھے کہ اس کے سایہ میں مسافر کو جنت کا مزہ آتا تھا۔

سلطان قطب الدین نے کانکریہ تالاب کے بیچ میں ایک مختصر سا باغ لگایا تھا، جس کا نام نگینہ باڑی تھا۔ بڑی فرحت بخش جگہ تھی۔ اس تالاب کے جانبِ جنوب وہ ایک اور باغ لگوا رہے تھے لیکن اسی درمیان میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اور باغ نامکمل رہ گیا، اس کا نام موگرہ باغ تھا۔

محمود ثالث کے عہد میں محمود آباد میں جو آہو خانہ بنا تھا، اس کے ساتھ ایک بہت بڑا باغ بھی تھا، اس میں یہ اہتمام تھا کہ اس کے درختوں کی شاخوں میں رنگین کپڑے لپٹے جاتے، اور موسم خزاں میں مصنوعی پھول لگائے جاتے۔

سلاطین کے باغبانی کے اس ذوق و شوق کو دیکھکر دولت مندوں کو بھی اس کا شوق پیدا ہوا، اور انہوں نے بھی بکثرت باغ لگوائے، جو سلطنتِ مغلیہ کے آخری دور تک باقی رہے، چنانچہ ہری کا باغ، رستم باغ، گلاب باغ، توت باغ، باغِ غسل خانہ واقع بھدر، باغِ شاہی، کاریز باغ، باغِ

حویلی، دشاہجہاں، شاہ باڑی، باغ چانپانیر، جیت باڑی، فتح باغ، باغ ارم اسی شوقِ عام کے نتائج ہیں۔

کوکب فلک جو سلطان مظفر چہارم اور اکبر بادشاہ کے عہد کی تصنیف ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ کیر وتنج میں آم کے پانچ لاکھ درخت تھے۔

یہ شوق امیروں اور دولت مندوں سے گزر کر غریبوں میں بھی پیدا ہو گیا تھا چنانچہ ایک غریب بڑھیا نے بھی باغ لگایا۔ جس میں پانی کی بڑی کمی تھی بادشاہ کے حکم سے اس میں کنواں کھدوایا گیا۔

دلکش باغات

تذکرہ الملوک، کے مصنف کے حوالے سے صاحب مرآۃ احمدی نقل کرتے ہیں کہ صرف ایک عثمان پورہ میں کاریگروں کی بارہ ہزار دکانیں تھیں، اطرافِ شہر میں متعدد باغات تھے، جس میں لالہ دریاحین، انواع واقسام کے پھول، پودے درخت دلکش عمارتیں بڑے بڑے آبشار اور پانی سے بہتی ہوئی نہریں تھیں۔ جسکے چاروں طرف خوبصورت درخت لگے ہوئے تھے۔

باغات میں سے باغ نگینہ، جو کاکریہ تالاب کے وسط میں بنایا گیا تھا۔ اور وہ کاکریہ تالاب جس کی لمبائی ساڑھے سات سو ہاتھ تھی۔ کاکریہ اس کو اس لیے کہا جاتا ہے کہ حضرت شاہ عالم رح جن کے نکاح میں پہلے سلطان محمود بیگڑہ کی خالہ مرکی تھی۔ جب بی بی مرکی کا انتقال ہو گیا تو حضرت شاہ عالم نے بی بی مرکی کی ہمشیرہ بی بی مغلی سے نکاح کر لیا جو بیوہ ہو چکی تھیں اور انکی گود میں سلطان محمود بیگڑہ یتیم بچے تھے تو اس طرح سلطان محمود بیگڑہ کی تربیت حضرت شاہ عالم نے فرمائی۔

غرض حضرت شاہ عالم تالاب کی کھدائی کے وقت جب وہاں پہنچے

تو آپ کے پیر میں کنکر چبھا جس پر آپ نے فرمایا کہ کیا کنکر ہے؟ (کا نکرہ گجراتی میں کہا جاتا ہے) وہیں سے کانکو سے کانکریہ تالاب مشہور رہا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ سلطان نے جب آپ سے کھدائی کے وقت پوچھا کہ یہ تالاب کس جگہ بنایا جائے تو آپ نے کنکر پھینک کر جگہ بتائی۔ اس لئے اس کو کانکریہ تالاب کہا جاتا ہے۔ کانکریہ تالاب کے چاروں طرف سلطان محمود کا ارادہ باغات بنانے کا تھا۔ اسی لئے جنوبی سمت میں آپ نے باغ کی بنیاد رکھی تھی۔ جس کو باغ موگرہ بھی کہتے ہیں جو ناتمام رہ گیا تھا۔

اسی طرح وہاں احمد آباد کی "شاہ باڑی" بھی بہت مشہور ہے جو سابرمتی کے کنارے پر باسٹھ بیگھہ میدان پر تعمیر کیا گیا تھا۔ باغ کے باہر کی پچاس بیگھہ زمین بھی اسی کے متعلق تھی۔

سلطان محمود بیگڑہ کا بنوایا ہوا ایک باغ حویلی کے علاقہ میں "کترار" جگہ میں تھا۔ جس میں سلطان محمود نے صرف پھلدار نولاکھ درخت لگوائے تھے اس لئے اس کا نام ہی نولاکھ پڑ گیا تھا۔

اسی طرح باغ شعبان جو سلطان محمد بن سلطان احمد کے غلام کا بنایا ہوا تھا۔ یہ عظیم الشان باغ تھا۔ جو موضع "رکھیال" میں تھا۔

: باغ درخت حلیلہ : یہ بھی موضع رکھیال میں مشہور تھا۔

اسی طرح سابرمتی کے کنارے پر رستم خاں کا بنوایا ہوا رستم باغ بھی مشہور تھا جو ساٹھ بیگھہ زمین پر پھیلا ہوا تھا۔

رستم باغ کے قریب ہی گلاب باغ اور باغ توت نامی مشہور باغات تھے۔ اوّل الذکر گلاب کے پھول اور اس کا عطر کشید کرنے کیلئے بنایا گیا تھا۔

پرگنہ حویلی میں "باغ شاہی" جو ایک سو پانچ بیگھہ زمین پر بنایا گیا تھا۔ یہ باغ شاہی مقصورپو

میں دریائے سابرمتی کے کنارے تھا (مقصود پور پرگنہ حویلی کا ایک دیہات ہے)
اس باغ کو شاہجہاں کے حکم سے اس کے وکیلوں نے بنایا تھا جسمیں ۱۶ بیل پانی پہچانے کے واسطے اور ستر ماہرین فن، باغبانی کے واسطے متعین تھے - جبکہ صفائی کرنے والے مزدور، نگرانی کرنے والے ملازمین، تحویلدار اور حساب کتاب رکھنے والے منشی اسکے علاوہ تھے

:فرمان باڑی ، فرمان باڑی کے نام سے سابرمتی کے مغربی جانب بھی ایک باغ تھا: فتح باغ ، جب مرزا عبدالرحیم خانخانان نے دکن کے حاکم سلطان منظفر حسین پر فتح پائی تو اس فتح کی خوشی میں سرکھیج میں فتح باغ بنایا گیا تھا۔

:جیت باغ ، سیف خاں نے عبداللہ خاں فیروز پر جنگ میں فتح پائی تو اس جگہ اس نے جیت باغ کے نام سے جنیل پور نامی جگہ میں ایک باغ بنایا تھا جس میں بطور خاص باولی بنائی گئی تھی کہ جو "داھری باولی" کے نام سے مشہور تھی۔ [1]

باغ فتح

جہانگیر اپنی توزک میں لکھتے ہیں:

: اس میدانِ جنگ میں خانخاناں نے جو باغ لگایا ہے وہ دریائے سابرمتی کے کنارے پر واقع ہے۔ اس باغ میں اس نے ایک عالی شان عمارت کے ساتھ اس کے مطابق ایک چبوترہ بھی دریا کے کنارے تعمیر کرایا ہے۔ باغ کے اردگرد چونے اور پتھر کی نہایت مضبوط دیوار کھینچی گئی ہے اس باغ کا رقبہ ایک سو بیس جریب ہے۔ اور بلاشبہ یہ ایک بہترین سیرگاہ

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی صا تا ۲۳ ۔

ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی تعمیر پر دو لاکھ روپے خرچ ہوئے ہوں۔ مجھے یہ باغ بہت پسند آیا کہا جا سکتا ہے کہ تمام صوبہ گجرات میں اس جیسا کوئی باغ نہیں ہوگا۔ مبارک شنبہ (جمعرات) کی رات وہیں گزار کر جمعہ کے دن شہر واپس آیا ۲۲ ماہ بہمن ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن باغِ فتح میں گلاب کے پھولوں کی سیر کے لیے گیا۔ پھولوں کا ایک تختہ خوب کھلا ہوا تھا۔ اس ملک میں گلاب بہت کم ہوتا ہے اس قدر پھولوں کا ایک جگہ دکھائی دینا بہت غنیمت ہے۔ گلِ لالہ کا لالہ زار بھی بُرا نہ تھا۔ باغ کے انجیر کے درختوں پر پکے ہوئے انجیر لگے ہوئے تھے۔ میں نے چند انجیر اپنے ہاتھ سے توڑے ان میں سے جو بڑا تھا، اُسے تُلوایا اس کا وزن ساڑھے سات تولے نکلا۔[۱]

جہانگیر بادشاہ کی مؤلف مرآۃ سکندری کے باغ میں سیر

جہانگیر اپنی توزک میں لکھتے ہیں:

۲۸ ماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو مبارک شنبہ (جمعرات) کے دن رستم خاں باڑی کی سیر کے لیے گیا۔ باڑی اہلِ ہند کی اصطلاح میں باغ کو کہتے ہیں یہ باغ میرے بھائی شاہ مراد نے اپنے بیٹے رستم خاں کے نام پر بنوایا تھا۔ دن کے آخری حصے میں شیخ سکندر کے باغ میں گیا جو اس کی حویلی میں واقع اور رستم باڑی سے قریب ہے، انجیر خوب پکے ہوئے تھے۔ اپنے ہاتھ سے توڑ کر خوب کھائے۔ میوے اپنے ہاتھ سے توڑ کر کھانے کی لذت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔

میں نے زندگی میں اب تک اپنے ہاتھ سے انجیر توڑ کر نہیں کھائے

---

[۱] توزک جہانگیری ص ۲۲۴۔

تھے ۔ اس کے علاوہ شیخ سکندر کی سرفرازی بھی مقصود تھی اس لئے میں اس باغ میں بلا تکلف چلا گیا ۔ شیخ سکندر گجراتی الاصل اور معقول انسان ہے ۔ اور سلاطین گجرات کے حالات اُسے خوب یاد ہیں ۔ تقریباً آٹھ نو سال سے وہ سلطنت کے امراء کے زمرے سے منسلک ہے ۔

چونکہ فرزند شاہجہاں نے رستم خاں کو جو اس کے عمدہ ملازموں میں سے ہے ۔ احمدآباد کی حکومت پر مقرر کیا تھا ۔ لہٰذا میں نے اس فرزند کی سفارش پر رستم باڑی کو رستم کے نام کی مناسبت سے اس کو بخش دیا ۔ [1]

جہانگیر اپنی توزک میں لکھتے ہیں !

؛ بکینہ نامی باغیچے میں جو دولت خانے کے اندر واقع ہے اور جسے سلاطینِ گجرات میں سے کسی بادشاہ نے بنوایا تھا محفل منعقد کی ۔ اس باغیچے میں انگور کا ایک تختہ بالکل پک چکا تھا ۔ میں نے حکم دیا کہ اپنے ہاتھ سے انگور توڑ کر کھائیں ؛ [2]

گلاب کی کاشت

باغات اور پھول پھلواری کی کثرت کا اندازہ اس قصہ سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک بزرگ کے لئے معالج نے گلقند تجویز کیا سلطان گجرات کو جب اس کا علم ہوا تو بارہ چھکڑے (بیل گاڑیاں) گلقند سے بھری ہوئی ان کی خدمت میں بھیج کر پیغام بھجوایا کہ معاف کیجئے کہ سفر میں ہوں اس لئے اتنا ہی بھیج سکا ہوں ۔ سوال ہوتا ہے کہ اتنی بڑی گلقند کی مقدار سلطان کے لئے سفر میں ساتھ کیوں رکھی جاتی ہوگی ۔ مورخین اس کا جواب بھی

---

[1] توزک جہانگیری ص ۶۴۱،۶۴۲ [2] ایضاً ص ۶۵ ۔

لکھتے ہیں کہ دراصل سلطان کے لئے گلقند کے عرق کو مشروب کے طور پر کشید کیا جاتا تھا۔ اس لئے اتنی مقدار میں گلقند ساتھ رکھا جاتا تھا۔

جہانگیر کا تالاب کاکریہ کے کنارے قیام

جہانگیر اپنی توزک میں لکھتے ہیں!

۲۲ رماہ دے ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) کو ہفتے کے دن کاکریہ کے تالاب کے کنارے قیام کیا۔ یہ تالاب شہر احمدآباد کے بانی سلطان احمد کے پوتے قطب الدین محمد نے بنوایا تھا۔ اس کے اردگرد پتھر اور چونے کی پختہ سیڑھیاں بنائی گئی ہیں اور تالاب کے درمیان ایک مختصر سا باغیچہ اور مکان بنا ہوا ہے۔ تالاب کے کنارے سے مکان تک ایک پل ہے تاکہ آمدورفت کا راستہ ہو سکے۔ چونکہ اس عمارت کی تعمیر پر ایک عرصہ گذر چکا ہے اس لئے جا بجا یہ عمارت ٹوٹ پھوٹ گئی ہے اور کوئی جگہ ایسی باقی نہیں رہی ہے جہاں انسان بیٹھ سکے اس زمانے میں جبکہ میں نے احمدآباد آنے کا ارادہ کیا تو گجرات کے بخشی صفی خان نے شاہی خزانے سے اس کی شکست وریخت کی مرمت کرائی اور باغیچے کو بھی صاف کرایا۔ اس طرح اس نے باغیچے اور عمارت کو نیا رنگ وروپ بخشا۔ بلاشبہ یہ قیام گاہ نہایت پُرفضا اور دلکش ہے مجھے اس کی وضع بہت پسند آئی۔ اس حصے میں جس میں پل واقع ہے۔ نظام الدین احمد نے جو میرے والد کے زمانے میں کچھ عرصہ گجرات کا بخشی رہا تھا۔ اس تالاب کے کنارے ایک باغ لگوایا تھا۔[۱]

---

[۱] توزک جہانگیری ص ۶۳۵۔

اس تالاب کی ساخت

لکھا ہے کہ رائے پور دروازہ سے ½۱ میل فاصلے پر یہ حوضِ قطب ، واقع ہے ۔ یہ ۷۲/ ایکڑ میں پھیلا ہوا ہے ، اس کا دور ایک میل سے زیادہ ہے ، اس کے ۳۲ ر گوشے ہیں ۔ اس کے ہر جانب ۱۹۰ ر اطراف ہیں ۔ اس کو سلطان قطب الدین نے ۸۵۵ھ/۱۴۵۱ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچایا ، چاروں طرف پتھر کے زینے ہیں ، چھ راستے ہیں جن کے اوپر گنبد ہیں ، وسط میں ایک جزیرہ تھا ، جو ۴۸ ر کمانوں کے پل کے ذریعے خشکی سے ملا ہوا تھا ، ایک باغ بھی تھا جس کو نگینہ باڑی کہتے تھے اس سے آگے ایک محل تھا جسکا نام گھٹا منڈل تھا سلطان قطب الدین موسم گرما اسی محل میں گذارتا تھا ۔ وسط تالاب میں ایک چھوٹا حوض بھی تھا ، جس میں فوارہ لگا تھا ، شمالی جانب ایک کمرہ تھا ، (جو غالباً مالی کے لیۓ ہوگا) اس خیال سے کہ یہ گرمیوں میں خشک نہ ہو جائے اس کو گیارہ میل کی طویل نہر کھود کر کسی ندی سے ملا دیا گیا تھا ۔

جہانگیر توزک میں لکھتے ہیں کہ !

اتوار کے دن ۲۳ ر رجب ۱۰۱۷ ھ (۱۶۰۸ء) کو حکیم علی کے گھر حوض دیکھنے کے لئے گیا ، میرے مقرب مصاحب جنہوں نے یہ حوض پہلے نہیں دیکھا تھا ۔ میرے ساتھ تھے ۔ اس طرح کا ایک حوض انہوں نے حضرت عرش آشیانی کے زمانے میں لاہور میں بھی بنوایا تھا ۔ یہ حوض چھ گز لمبا اور چھ گز چوڑا ہے ۔ حوض کے برابر میں ایک گھر بنا ہوا ہے ۔ جو نہایت روشن ہے ۔ اس گھر کا راستہ بھی پانی سے ہو کر جاتا ہے ۔ لیکن عجیب

بات یہ ہے کہ اس راستے سے گھر میں پانی نہیں آتا ۔ اس گھر میں دس بارہ آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش ہوگی ۔ حکیم نے نقد اور جنس میں سے چیزیں اس وقت اس کے پاس تھیں بطور نذر پیش کیں ۔ میں اس گھر کے ملاحظے کے بعد جب تمام مقرب مصاحب گھر میں داخل ہو گئے ۔ حکیم کو دو ہزاری منصب سے سرفراز کرکے اپنے دولت خانے کو لوٹ آیا ۔ [1]

کارخانے

احمدآباد گجرات کے کارخانوں کی بھی بڑی شہرت ہے لکھتے ہیں :

نویں صدی کے شروع میں گجرات کا پایۂ تخت احمدآباد ۔ آباد کیا گیا ۔ اور پچاس برس میں اس قدر ترقی کر گیا کہ ہندوستان میں کوئی شہر اس کا مقابل نہیں سمجھا جاتا تھا ۔ سلطان محمود بیگڑہ کو خصوصیت سے اس کی ترقی کا بڑا خیال تھا ۔ ان کے عہد میں ہر قسم کے اہلِ کمال یہاں جمع ہو گئے تھے تاریخ کے تتبع سے جہاں تک پتہ چلتا ہے اسی وقت سے یہاں کاغذ کے کارخانے قائم ہوئے ۔ اور رفتہ رفتہ اس قدر ترقی ہوئی کہ خاص احمدآباد کے علاوہ پٹن اور کھنبایت میں اس کے بڑے بڑے کارخانے قائم ہو گئے ۔ پٹن (نہروالہ) کے کاغذ کا نام ہی پٹنی ہو گیا ۔ احمدآباد کے کاغذ کی خاص خوبی اس کی سپیدی (سفیدی) اور چکنا پن ہے ۔

مرآۃ احمدی میں ہے !

کاغذ سازی کے کارخانوں سے اگرچہ دولت آبادی اور کشمیری کاغذ بہت ہی عمدہ بنتا ہے ۔ لیکن سفیدی اور چمک میں احمدآبادی کا مقابلہ نہیں کرسکتا

---

[1] تزوک جہانگیری ص۲۶۶ ۔

اور یہ مختلف قسم کے تیار کیئے جاتے ہیں۔ [1]

مبارک نام کا اثر

"احمد آباد" کے اس مبارک نام کا اثر ہر طرح سے ظاہر ہوا۔ یہاں اصحابِ طریقت بھی ہوئے، شیوخِ علم و معرفت بھی اور دنیوی فنون میں کمال رکھنے والے اہلِ صنعت و حرفت بھی۔ یہاں کی پارچہ بافی کے متعلق تیسری صدی کا ایک عرب سلیمان تاجر لکھتا ہے کہ: "اس ملک سے اچھے کپڑے اور کہیں نہیں ہوتے۔ سوتی کپڑے اتنے نفیس اور باریک ہوتے ہیں کہ انگوٹھی کے حلقہ میں آسانی سے سما جاتے ہیں"

وہ لکھتا ہے :۔ اس طرح کے بعض کپڑے ہم نے (اور کہیں) نہیں دیکھے :

مرآۃ احمدی میں ہے!

"محمود شاہ اول کے دور میں احمد آباد میں کمخواب، قسطی، مخمل، چکن، کارچوب کا کام بہت عمدہ قسم کا ہوتا تھا اور یہاں کے کاریگروں کے نام ایران، توران، روم اور شام تک مشہور تھے" (جلد ۲ صـ ۴۰۵)

خلاصۃ التواریخ میں لکھا ہے کہ!

"احمد آباد میں زری کا چیرہ، فوطہ، جامہ دار، مخمل، زربفت، خارا وغیرہ بہت اچھے تیار ہوتے تھے۔ اور روم، فرنگ اور ایران کے کاریگروں کی تقلید کی جاتی۔ قسطی تو بہت عمدہ تیار ہوتی۔ لوگ اس کو تحفہ کے طور پر ہاتھوں ہاتھ لے جاتے (خلاصۃ التواریخ ذکر گجرات)

---

[1] تمدنی کارنامے صـ ۲۴۹، ۲۵۰۔

یہاں کے کاریگروں نے شاہجہاں کے دور میں مخمل اور زربفت کا ایک خیمہ ایسا قیمتی بنایا تھا جو ایک لاکھ روپے میں تیار ہوا تھا۔ (بادشاہ نامہ صفحہ ۲۵)

یہ کاریگر اپنے فن کے اس قدر ماہر تھے کہ جے پور کے راجہ جے سنگھ (غالباً مسند راج) نے جے پور کو اپنے یہاں کا احمدآباد ثانی بنانا چاہا تو بڑے بڑے انعامات دے دلاکر احمدآباد سے کاریگروں کو لے گیا۔

گجرات کے یہ اہل صنعت ایسے تھے کہ دنیا کے دور دراز گوشوں میں ان کی صناعی کی شہرت پھیل گئی۔

سیاح باربوسہ کا کہنا ہے کہ گجرات کے ریشمی کپڑے مشرقی افریقہ اور پیکونک جاتے ہیں واتھما کے بیان کے مطابق گجرات کے کپڑے فارس، تاتار، شام، تبریز، عرب اور حبشہ بھی جاتے تھے۔

مگر افسوس کہ انگریزوں کے ظلم نے اس صنعت و حرفت کو چوپٹ کر کے رکھدیا۔

نیز لکھا ہے کہ ایوان خاص و عام میں جشن نوروزی اور جشن جلوس منعقد کرنے کا انتظام کیا گیا چنانچہ بادشاہ کے حسب الحکم ایوان چہل ستون کے سامنے سونے چاندی کے ستونوں پر مخمل زربفت کا شامیانہ نصب کیا گیا۔ جس پر مقیش کی جھالر لگی تھی۔ یہ شامیانہ ایک لاکھ روپے کے خرچ سے گجرات کے ہنرمندوں نے تیار کیا تھا۔ سامنے کا تمام صحن رنگین اور مرصع کپڑوں کے فرش سے گلزار بنا ہوا تھا۔ شامیانے کے نیچے ایک مربع چبوترا بنایا گیا تھا جس کے چاروں ضلعوں پر سنگین جالی دار محجر تھے۔ عین وسط میں یہ مرصع تخت رکھا گیا تھا۔ جس پر جواہر نگار چتر سایہ فگن تھا۔ چتر کی جھالر موتیوں کی کثرت سے چکمک کر رہی تھی۔ دیوانِ خاص و عام کے در و دیوار، طاقوں

اور چھت کو نیز نقار خانے کی عمارت اور صدر دروازے کی محرابوں پر زر دوز مخمل، ایرانی زربفت اور رومی ریشم اسطرح لپیا گیا تھا کہ سارا مکان گل وگلزار بنا ہوا تھا۔ ان میں سے ہر حصے کی آرائش نامی امراء اور شاہزادوں کے سپرد کی گئی تھی علاوہ ازیں اس بہشت منظر محفل میں جگہ جگہ مرصع، مینا کار طلائی ظروف بھی رکھے ہوئے تھے جو جشن کی شان وشکوہ کو دوبالا کر رہے تھے۔ [1]

زربفت گجرات میں تیار شدہ شامیانہ کا حال لکھا گیا ہے کہ!

۱۲ / فروردین (۲ / اپریل ۱۶۲۵ء) کو حضرت شاہ جہاں نے مخملی زربفت کا وہ شامیانہ ملاحظہ فرمایا۔ جو صوبہ دار گجرات سپہدار خاں نے چوراسی ہزار روپے کی لاگت سے تیار کرواکے بطور پیش کش ارسال کیا تھا۔ ستون چاندی کے تھے جن پر سنہری ملمع تھا ۱۹ / فروردین (۹ / اپریل ۱۶۲۵ء) کو دولت خانہ شاہی میں شرف آفتاب کا جشن منایا گیا۔ جواہرات اور طلائی مینا کاری سے قصر سلطنت کے در و دیوار اس طرح جگمگاتے تھے کہ چرخ چہارم کی چمک دمک نظروں سے گر گئی۔ دودمان تیموری کے چشم وچراغ شاہجہاں صاحب قراں ثانی نے اس انجمن میں تخت طاؤس پر بیٹھ کر ایسی سخاوت کی کہ ابر نیساں شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ [2]

شاہ جہاں نامے میں ہے کہ!

۲۰ / اسفندار ۹ / ربیع الثانی ۱۰۶۲ھ مطابق ۹ / مارچ ۱۶۵۲ء عمر کے چونسٹھویں قمری سال کا جشن تلادان منعقد ہوا۔ سرکاری کارپردازوں نے ایوان خاص و عام کے سامنے ۹۶ گز لمبی ۴۸ گز چوڑی مخمل اور زربفت کی بارگاہ کھڑی کی جسے گجرات کے کارخانوں میں ہنرمند کاریگروں

---

[1] شاہ جہاں نامہ صفحہ ۶۸، ۶۹ ج ۲ [2] ایضاً صفحہ ۸۰، ۸۱ ج ۲ -

نے اسی ہزار روپے کی لاگت سے تیار کیا تھا۔ یہ سراپردہ ۴۴ نقرئی ستونوں پر جن کے طلائی کلس تھے، قائم ہوا۔

مجموعی وزن چار لاکھ بیس ہزار تولے (۱۳۱ من ۱۰ سیر) تھا۔ دولت خانہ شاہی میں رنگا رنگ فرش فروش اس نزاکت سے بچھائے گئے کہ آسمان کو رشک آیا۔ ؎

جشن تُلا دان کے تحت لکھا ہے کہ:

عمر کے پینسٹھویں قمری سال کا جشن تُلادان بتاریخ یکم ربیع الثانی ۱۰۶۴ھ (۱۹ فروری ۱۶۵۴ء) جمعرات کے دن منعقد ہوا۔ دولت خانہ شاہی کا صحن رنگا رنگ فرش فروش سے بہشت بریں کا نمونہ بن گیا۔ احمد آباد کے کاریگروں نے لاکھ روپے کی لاگت سے مخمل بادلہ باف کا سراپردہ تیار کیا تھا جس کے نقش ونگار، باغ و بوستاں کو شرماتے تھے۔ چاندی کے چوالیس ستون جن پر کلس چڑھے ہوئے تھے اس بارگاہ کو سنبھال رہے تھے۔ جس کا کل وزن ۱۲۷ من ۳۲ سیر ۲۰ تولے تھا۔ سراپردے کے گرداگرد چاندی کا کٹہرا تھا۔ ایوانِ شاہی کے اندر باہر در و دیوار پر چین اور ختا کے ریشم کے پردے اور زردوز مخمل کے تھان لپیٹے گئے تھے ایوان کی محرابوں پر نقرئی زنجیروں میں مرصع کار طلائی گولے لٹک کر آب و تاب دکھا رہے تھے۔ تختِ شاہی کے چاروں طرف طلائی ستونوں پر ٹھہرے ہوئے موتیوں سے مرصع شامیانوں کا عالم دیدنی تھا۔ جا بجا طلائی اور مینا کار تخت اور کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ مرصع چتر جن پر موتیوں کی بیش بہا جھالریں جھول رہی تھیں شان و شوکت میں اضافہ

؎ شاہ جہان نامہ ج ۳ ص ۶۱۲۔

کرتے تھے۔ صاحبقران ثانی شاہجہاں نے تختِ سلطنت پر جلوس کر کے سونا بکھیرنا شروع کیا۔ ؎

جشنِ عشرت کی تفصیل شاہجہاں نامے میں لکھی ہے کہ :

پھر ایوانِ خاص و عام کی آرائش کی نوبت آئی۔ مختلف ملکوں کے نایاب پارچات سے اس رنگین عمارت کے بام و در کو سجا کر دلہن بنا دیا۔ حجروں اور دالانوں میں فرنگ، روم، چین، اور ختا کے زر دوز مخملی پردے آویزاں ہوئے۔ بائیس گز اونچے اور سوا دو گز محیط والے چار نقرئی ستونوں پر شاہی خیمہ دل بادل کھڑا کیا گیا۔ اس کی لمبائی ۷۰ گز اور چوڑائی ۴۵ گز تھی جو احمدآباد کے کارخانے میں سال بھر کی محنت سے تیار ہوا تھا۔ ایک لاکھ روپے لاگت آئی۔ رنگینی اور بلندی کا یہ حال تھا کہ دسواں آسمان کہیں تو زیبا ہے۔ ۳۲۰۰ مربع گز رقبہ اس کے نیچے تھا جس پر ایک ہزار آدمی بیٹھ سکتے تھے تین ہزار زبردست فراشوں نے اسے برپا کیا۔ اس کے گرداگرد زربفت مخمل کے شامیانے سنہری روپہلی چوبوں پر کھڑے بہار دکھا رہے تھے۔ چاروں طرف نقرئی محجر لگایا تھا۔ دل بادل کے نیچے بڑے بڑے خیمے زربفت، مخمل اور گجراتی دا ایرانی دیبا سے آراستہ کلابتون کی ڈوریاں نقرئی ستونوں پر کسی ہوئی۔ جابجا رنگین مرصع چتر جن پر موتیوں کی جھالریں اور ان سے لٹکتی ہوئی موتیوں کی لڑیاں ایسی معلوم ہوتی تھیں گویا کہکشاں اور ثریا آسمان پر نمودار ہیں۔ مناسب فاصلے پر مرصع اور زریں تخت رکھے ہوئے۔ اس آراستہ و پیراستہ ایوان کے بیچوں بیچ مربع تخت گاہ تھی جس کے گرد سنہری کٹہرا جھم جھما رہا تھا۔ اس پر بادشاہی تخت رکھا گیا جو لعل و یاقوت

؎ شاہجہاں نامہ ج۲ ص۶۳۲ ۔

اور گوہر و زمرد کی کثرت سے رشکِ فلک بنا ہوا تھا۔ جواہرات کی چمک دمک سے نظر خیرہ ہوتی تھی۔ عرشِ اعظم کا نمونہ معلوم ہوتا تھا۔ شامیانے کو چار طلائی ستون سنبھالے تھے۔ جن کے سر بند قیمتی جواہرات سے آراستہ تھے۔

جہاز سازی جہاز سازی کے کارخانے گھوگھہ کھنبایت اور سورت میں قائم تھے۔ توپ سازی کے کارخانے بھی بڑے اعلیٰ پیمانے کے تھے۔ محمود ثالث کے عہد میں جزیرہ دیو کو پرتگیزوں سے واپس لینے کے لئے جو جنگی تیاری کی گئی تھی، اس کے لئے توپ اور جہاز خاص طور سے گجرات ہی میں تیار ہوئے تھے۔

بہادر شاہی توپ سلاطین گجرات میں بہادر شاہ کو توپوں سے عشق تھا۔ اس نے طرح طرح کی توپیں جمع کیں۔ اور ایسی توپیں بنوائیں کہ ہندوستان میں اس وقت تک کسی نے نہیں دیکھی تھیں۔ رومی خان ترکی جیسا ماہرِ فن بہادر شاہ کے توپ خانہ کا افسرِ اعلیٰ تھا لیلیٰ، مجنوں اور دو دوسری سلیمانی، مصری توپیں وہ خود اپنے ساتھ لایا تھا، بہادر شاہی نام کی ایک توپ گجرات میں تیار کی گئی تھی۔ مغل سلطنت کے بانی بابر بادشاہ کے ہندوستان میں آنے اور پانی پت کی جنگ سے قبل ہندوستان کے بعض صوبوں میں اعلیٰ پیمانہ پر توپ خانہ موجود تھا، اور اس میں گجرات کو فخر و تقدم حاصل تھا۔

بندوق بندوق بھی یمن کے راستہ سے سب سے پہلے گجرات میں آئی۔ چنانچہ مظفر شاہ کے آخری عہد میں بارہ ہزار بندوق باز فوج میں موجود تھے

تلوار:- مولانا ابوظفر لکھتے ہیں: یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے

کہ گجرات کی تلوار سب سے بیش قیمت ہوتی تھی کیونکہ آب وہوا کے علاوہ وہاں کے ایک مخصوص کنویں کا پانی تلواروں کی آب کے لئے بے حد مفید تھا۔ سروہی کے ہتھیار آج بھی مشہور رہیں جو گجرات کا مشرقی پہاڑی علاقہ ہے۔

احمدآباد کے مدارس

سلاطین گجرات میں سلطان محمود بیگڑہ سے بڑا کوئی دوسرا بادشاہ نہیں گذرا، ۸۶۳ھ سے ۹۱۷ھ تک انہوں نے حکومت کی ان کا دربار علمار فضلار سے بھرا رہتا تھا۔ بڑی بڑی عمارتیں ان کے عہد میں تعمیر ہوئیں، منجملہ ان کے مدارس بھی تھے۔ تاریخ مرآۃ احمدی کے مصنف لکھتے ہیں کہ اس بادشاہ نے مسافروں کے آرام کے لیے سرائیں، طالب علموں کے لئے مدرسے اور مسلمانوں کے لئے مسجدیں تعمیر کرائیں۔

مدرسہ سیفُ خاں

مرآۃ احمدی کے مصنف لکھتے ہیں کہ محمد صفی صوبہ دار گجرات نے جن کا لقب سیف خاں تھا، احمدآباد میں قلعہ ارک کے پھاٹک کے سامنے ایک عظیم الشان وخوش منظر مدرسہ تعمیر کرایا۔ مدرسہ کا نام مدرسۃ العلمار تھا۔ سالِ تعمیر ۱۰۲۲ھ اس شعر سے نکلتا ہے۔ ؎

سال اتمام زمعمار قضا جستم وگفت ⁂ مسجد و مدرسہ و دارشفائے آباد

مدرسہ شیخ الاسلام

قاضی اکرام الدین خاں المخاطب بہ شیخ الاسلام نے اپنے ذاتی مصارف سے احمدآباد میں ایک بہت عالیشان مدرسہ بنوایا، جس کی تعمیر میں ایک لاکھ ۲۴ ہزار روپے صرف ہوئے تھے، تعمیر کا آغاز ۱۱۰۲ھ اور اختتام ۱۱۱۱ھ میں ہوا، متصل دو دکانوں کے علاوہ دو گاؤں بھی وقف تھے اس مدرسہ

کے مشہور مدرس مولانا نورالدین گجراتی تھے۔ [۱]

مدرسہ سرخیز سرکھیج جہاں شیخ احمد کھتو کا مزار ہے، ایک بہت بڑا مدرسہ تھا، مزار کی عمارتیں محمد شاہ نے تعمیر کی تھیں، اور غالباً مدرسہ کی عمارت بھی محمود شاہ و مظفر شاہ کے عہد حکومت میں تعمیر ہوئی تھی فقیہ احسن العرب الداہولی اس مدرسہ کے اساتذہ میں بہت ممتاز درجہ رکھتے تھے۔

مدرسہ وجیہ الدّین احمد آباد میں علامہ وجیہ الدین کا مدرسہ سب سے زیادہ مشہور رہے۔ اس مدرسہ میں طلبہ کو وظائف بھی ملتے تھے، تقریباً ۶۵ رسال تک علامہ ممدوح نے اس میں تعلیم دی، اور بعد وفات یہیں پیوند زمین ہوئے۔ ان کے بعد اُن کے فرزندِ رشید مولانا عبداللہ جانشین ہوئے۔ صادق خاں نام ایک امیر نے مدرسہ کی عمارت ازسرنو تعمیر کی، جس میں طلبہ کے رہنے کے واسطے مکانات بنوائے اور وظائف کا معقول انتظام کیا۔

مدرسہ عثمان پور سابر ندی کے کنارے ایک گاؤں تھا، جس کو اس کے بانی عثمان متوفی ۸۶۳ھ نے اپنے نام پر آباد کیا تھا۔ شیخ عثمان نے وہاں ایک مدرسہ [۲] بھی قائم کیا، محمد شاہ گجراتی کو شیخ سے بڑی عقیدت تھی، شیخ نے مدرسہ کے لئے اس عقیدت سے مختلف فوائد حاصل کئے۔ جن میں سے یہ قابلِ ذکر ہے کہ، طلبہ کی تعلیم کے لئے شاہی کتب خانہ کی تمام کتابیں حاصل کر کے وقف کر دیں۔

مرأۃ احمدی سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دیوان صوبہ گجرات مکرمت خاں کے نام عالمگیر نے ایک فرمان بھیجا، جس میں حکم دیا گیا، تھا کہ مملکت

---

[۱] ... ایام [۲] ایضاً [۳] ایضاً۔

محروسہ کے تمام علاقوں میں مدرس مقرر کئے جائیں ۔ طالب علموں کو میزان سے لے کر کشاف تک تعلیم دیجائے اور ان کو سرکاری خزانہ سے حسبِ رائے صدر صوبہ وتصدیق مہر مدرس وظائف دیئے جائیں ، چنانچہ تین مدرس ایک احمدآباد ، دوسرے سورت ، اور تیسرے پٹن میں مقرر کئے گئے ۔ اسی کتاب سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۰۸۷ھ میں قلعہ بھدر (احمدآباد) کے مدرسے مسجد اور دارالشفار کی مرمت کے لئے روپیہ ادا کیا گیا ۔

ولی اللہ کا مدرسہ احمدآباد میں موجودہ نیلیاں پل کے پاس جو مسجد ہے وہ اسی مدرسہ کی بقیہ یادگاروں میں سے ہے ۔ پہلے یہاں بہت بڑا مدرسہ تھا ، احمد بن سلیمان چونکہ فلسفہ ، منطق ، اقلیدس ، حساب اور فلکیات میں بڑے ماہر تھے ان کے شاگرد بھی ان فنون میں بڑے ماہر ہوئے چنانچہ ان فنون کی تعلیم اس مدرسہ میں بڑے اعلیٰ پیمانہ پر ہوتی تھی ۔

مولانا عماد الدین الموجود (۱۱۵۵ھ / ۱۷۴۲ع) مولانا نورالدین اور مولانا ولی اللہ اپنے اپنے وقت میں اس مدرسہ کے مدرسِ اعلیٰ اور نگراں رہے ۔ اس کے ساتھ ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا ، افسوس ہے کہ مرہٹوں کی لوٹ مار میں یہ مدرسہ تباہ ہوگیا ۔ پھر معمولی طور پر اندرون شہر میں کالوپور کی اس مسجد میں جس کو آج کل ولی اللہ کی مسجد کہتے ہیں ایک مدرسہ قائم کیا گیا ۔ یہ بھی بند ہوگیا ۔[1]

دارالارشاد احمدآباد میں ایک مدرسہ دارالارشاد کے نام سے قائم کیا گیا تھا جس میں علوم دینیہ کی تعلیم ہوتی تھی ۔ یہ کب قائم ہوا کس نے قائم کیا اور کب بند ہوگیا کچھ معلوم نہیں ہے صرف اتنا پتہ چلتا ہے

---

[1] گجرات کی تمدنی تاریخ صـ ۲۱۴ ۔

کہ ۱۱۱۲ھ/ ۱۷۰۰ء میں یہ موجود تھا۔ اس میں ایک کتب خانہ بھی تھا اس کتب خانہ کی ایک کتاب "مخازن المعروف" مجی قاضی نورالدین صاحب بھروچ کے کتبخانہ میں اس وقت موجود ہے۔ یہ معلومات مجھے اس سے حاصل ہوئیں۔ [1]

صنعتی مدارس

صنعتی مدارس بھی احمد آباد میں بکثرت تھے مگر ان کا طرز آج کل کے ٹیکنیکل مدارس سے مختلف تھا دستور یہ تھا کہ ایک کارخانہ کھولا جاتا تھا کاریگر اس میں کام کرتے تھے اور طلبہ کو اس میں عملی تعلیم دیجاتی تھی ان میں بعض ایسے بھی ہوتے جو نوشت و خواند سے بالکل محروم ہوتے لیکن اس تعلیم میں ان کا نمبر پڑھے لکھے لڑکوں سے اچھا آتا کارخانے سے جو طلبہ فارغ ہوکر نکلتے وہ زیادہ تر اسی کارخانے میں ملازم ہو جاتے اور ایسا اچھا کام کرتے کہ ان کی مصنوعات کو دیکھکر غیر ملکی حیرت زدہ رہ جاتے۔ اس میں تاجروں اور کاریگروں کے لڑکے زیادہ داخل ہوتے اور بڑے شوق سے تعلیم حاصل کرتے۔

اسی طرح انجینیرنگ، موسیقی، اور دیگر چیزوں کے بھی متعدد مدارس تھے جن میں ہندو اور مسلمان بلا روک ٹوک کے تعلیم حاصل کرتے تھے اور وہاں سے فارغ ہوکر گجرات کے آسمان پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکتے ۱۰۹۸ھ/ ۱۶۸۵ء میں "گنیشیا" نامی ہندو اس عہد کا ایک ماہر انجینیر تھا اور ایشر داس ناگر پٹنی مصنف فتوحات عالمگیری گیارہویں صدی ہجری میں اپنے وقت کا بہترین ادیب۔ [2]

علمی مراکز اور کتبخانے

جب گجرات میں خود مختار حکومت قائم ہوئی تو سلطان احمد (متوفی ۸۴۶ھ) کے دربار میں ہر قسم کے علوم و فنون کے ماہر جمع ہوگئے اور ان لوگوں کے فیض صحبت سے انہوں نے مدرسوں، مسجدوں، سراؤں اور رفاہ عامہ کے دوسرے کاموں کی بنیاد

[1] گجرات کی تمدنی تاریخ ص ۲۱۵ [2] ایضاً ص ۲۱۶۔

رکھی۔ ان میں کتب خانہ بھی تھا۔ اس کتب خانہ کا تذکرہ تاریخ میں اس طرح آتا ہے کہ ان کے مرنے کے بعد ان کے لڑکے محمد شاہ (متوفی ۸۵۵ھ) نے شاہی کتب خانہ سے کتابیں نکال کر مدرسہ شمع برہانی کے طلبہ کے پڑھانے کیلئے وقف کیں۔ یہ کتب خانہ ۹۸۰ھ تک قائم رہا۔

اکبر نے جب گجرات فتح کیا تو ان میں سے کچھ کتابیں تقسیم کر دیں۔ اس میں سے کچھ کتابیں شیخ عبدالحق محدث اور کچھ ملا عبدالقادر بدایونی اور فیضی کے حصہ میں آئیں باقی شاہی کتب خانہ میں داخل ہوئیں۔

عثمان پورہ کا کتبخانہ

شیخ محمد عثمان الملقب بہ شیخ برہانی خلیفہ حضرت قطب عالم (متوفی ۸۵۷ھ) (احمد آباد) بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ آپ نے سابرمتی ندی کے اس پار ایک گاؤں بسا کر اس کا نام عثمان پورہ رکھا۔ اس میں ایک مسجد اور ایک مدرسہ سلطان محمد شاہ گجراتی کے ذریعہ تعمیر کرایا جس کا نام مدرسہ شمع برہانی تھا۔ اس مدرسہ کے ساتھ ایک کتبخانہ بھی تھا جس میں دوسری کتابوں کے علاوہ شاہی کتب خانہ کی وقف شدہ کتابیں بھی تھیں ۸۰۳ھ تک وہ خود نگراں رہے۔ ان کے بعد بھی عرصۂ دراز تک یہ سب یادگاریں قائم رہیں پھر مرہٹوں کی لوٹ مار میں تباہ ہو گئیں اب صرف مسجد اور مقبرہ یادگار باقی ہے۔

خانقاہ سرخیز کا کتبخانہ

حضرت شیخ احمد کھٹوی (متوفی ۸۴۵ھ) نے سرکھیج (احمد آباد) میں تالاب، مسجد اور خانقاہ خود تعمیر کرائی۔ آپ کے بعد سلطان محمد شاہ گجراتی نے مقبرہ اور مدرسہ بنوایا غالب گمان یہ ہے کہ اس مدرسہ کے ساتھ کتب خانہ ضرور رہا ہوگا لیکن ایک واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ احمد اپنی خانقاہ میں ذاتی کتبخانہ بھی رکھتے تھے

چنانچہ ایک موقع پر حدیث کی کتاب مصابیح اپنے کتبخانہ سے نکال کر حاضرین میں سے ایک شخص کو ایک حدیث سنائی۔ جس نے آپ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا تھا۔

شاہ عالم کا کتبخانہ

گجرات (احمد آباد) کے مشہور بزرگ حضرت سید محمد شاہ عالم (متوفی ۸۸۰ھ) ایک باعمل عالم تھے۔ مطالعہ کتب کا آپ کو بڑا شوق تھا۔ کثرتِ مطالعہ کی بنا پر آپ کے دونوں ہاتھوں میں ٹیک لگانے سے نشان پڑ گئے تھے۔ آپ کے پاس ایک بڑا کتب خانہ تھا جس میں عام کتابوں کے علاوہ نایاب کتابیں بھی تھیں۔ چنانچہ مولانا صدر جہاں جب آپ سے ملنے گئے تھے تو آپ نے امام رازی کا ایک ایسا نایاب نسخہ ان کو دکھایا جس کی خبر مولانا صدر جہاں کو نہ تھی۔

آپ کے جانشین بھی اس کو برابر ترقی دیتے رہے۔ سید جعفر بدر عالم (متوفی ۱۰۸۵ھ) کے وقت میں یہ کتب خانہ عروج پر تھا۔ آپ نے خود بھی سینکڑوں کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھ کر داخلِ کتب خانہ کیں۔ ایک دفعہ رات کے وقت راستہ میں ایک سائل نے قرآن کا نسخہ طلب کیا۔ آپ نے کہا کہ آج کتب خانہ سے دیکھ کر دیں گے۔ اس نے کہا کہ جو آپ کے پاس اس وقت موجود ہے وہ کیوں نہیں دیتے۔ آپ ہمیشہ اپنے ساتھ ایک قرآن مجید رکھتے تھے مجبوراً وہی دیدیا۔ مرہٹوں کی یورش کے زمانہ میں ان کی لوٹ مار کے خوف سے آپ کی اولاد شہر پناہ کے اندر چلی آئی تھی جس کی بنا پر کتبخانہ کی کافی حفاظت نہ ہو سکی۔ جس سے آہستہ آہستہ کتب خانہ تباہ ہو گیا۔ لیکن کچھ بچی ہوئی کتابیں آج بھی ان کی سجادہ نشین اولاد کے قبضہ میں ہیں۔[1]

---

[1] تمدنی کارنامے ص۲۸۳۔

شاہجہاں کا کتب خانہ

شاہجہاں بادشاہ کے عہد ۱۰٦۲ھ میں اس کتبخانہ کے ناظم کچھ دنوں کے لئے سید علی ابن سید جلال مقصود عالم بن سید محمد مقبول عالم تھے۔ یہ گجرات کے شہر احمد آباد میں پیدا ہوئے۔ اور اپنے بھائی سید جعفر بدر عالم کی سفارش سے اس عہدہ جلیلہ پر سرفراز ہوئے۔ ان کا سلسلۂ نسب احمد آباد گجرات کے مشہور بخاری خاندان کے مورثِ اعلیٰ حضرت شاہ عالم سے ملتا ہے نہایت لائق اور صاحبِ علم لوگوں میں سے تھے۔ اورنگزیب عالمگیر سے لے کر محمد شاہ کے زمانہ تک شاہی کتب خانہ اپنی اصل حالت پر قائم رہا۔ [1]

مدرسہ ہدایت بخش کا کتبخانہ

احمد آباد میں مولانا شیخ نورالدین یگانۂ روزگار عالم اور متقی صوفی تھے فلسفہ منطق، ریاضی کی تعلیم مولانا احمد بن سلیمان متوفی ۱۱۰۰ھ سے حاصل کی تھی، جو مخدوم شیخ ابراہیم بن سلیمان کے حقیقی بھائی تھے۔ ان کے لئے شیخ الاسلام نے ایک عمارت مدرسہ ہدایت بخش کے نام سے تیار کرادی تھی۔ اس کی تعمیر میں ایک لاکھ چوبیس ہزار روپیہ خرچ ہوا تھا ۱۱۰۱ھ میں مدرسہ کی عمارت، مسجد اور دارالاقامہ کی عمارتیں بن کر تیار ہوئیں۔ اسی کے ساتھ ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا جس میں ہر فن کی کتابیں موجود تھیں خواص کے سوا عوام بھی اس کتب خانے سے فیضیاب ہوتے تھے۔ افسوس کہ مرہٹہ گردی میں یہ کتب خانہ تباہ ہو گیا۔ اس کی متعدد کتابیں کتب خانہ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ حیدرآباد میں موجود ہیں محلہ والوں کی دیکھ بھال سے مسجد البتہ اب تک قائم ہے

مدرسہ ولی اللہ کا کتب خانہ

احمد آباد میں نلیا کل کے متصل جو مسجد ہے اسی کے ساتھ ایک بڑا مدرسہ تھا ۱۱۵۵ھ میں مولانا بہاؤالدین اس کے ناظم تھے۔ اس کے متعلق ایک بڑا کتب خانہ تھا۔

[1] تمدنی کارنامے صفحہ ۲۸۔

جس میں تقریباً ہر فن کی کتابیں موجود تھیں اور بہت سی فن کی منتخب کتابیں تھیں، مرہٹہ گردی میں اس مدرسہ اور کتب خانہ کا حال بھی ابتر ہو گیا، اس خاندان میں جب علمی چرچا کم ہو گیا تو کتب خانہ کی حفاظت کا خیال بھی جاتا رہا، اہل خاندان نے شائقین کو خود بہت سی کتابیں دیدیں، کچھ کیڑوں کی تواضع میں صرف ہوئیں، غرض اس طرح تمام کتب خانہ منتشر ہو گیا، بقیہ کتابیں جو اس وقت موجود ہیں ان سے قیاس ہوتا ہے کہ کتب خانہ بہت بڑا اور گوہر ہائے نایاب کا بیش بہا خزانہ ہو گا، کیونکہ اس علمی خزانہ کے لٹ جانے کے باوجود آج بھی اس میں بہت سی نایاب اور بیش بہا کتابیں موجود ہیں جو احمد آباد کی درگاہ، حضرت پیر محمد شاہ کے کتب خانہ میں وقف کر دی گئی ہیں۔

شیعہ بوہروں کا کتبخانہ

احمد آباد گیارہویں صدی ہجری کے وسط تک شیعہ اسمٰعیلی بوہروں کا مرکز رہا ہے۔ ان کا والی یا داعی یہیں رہتا تھا، اور ان کے مدارس بھی زیادہ تر یہیں قائم تھے داعی کے زیر نگرانی ایک بڑا عالی شان کتب خانہ بھی تھا جس میں ہر فن کی کتابیں تھیں ۱۰۶۵ھ کے بعد کتب خانہ جام نگر کاٹھیاواڑ میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ کتب خانہ آج بھی داعی وقت سیدنا طاہر سیف الدین کی نگرانی میں بمقام (سورت) اچھی حالت میں ہے قوم کے مخصوص علماء اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں ۱۰۰۰ھ (دسویں صدی) کے آخر میں یہاں ایک اور کتب خانہ سلیمانی بوہروں کی طرف سے قائم کیا گیا تھا جس میں زیادہ تر مذہبی کتابیں تھیں یہ کتبخانہ بھی آج تک ان کے داعی کے پاس موجود ہے۔[1]

احمد آباد کے محکمۂ قضاۃ کا کتب خانہ

اسلامی عہد میں احمد آباد کے

[1] تمدنی کارنامے ص۲۹۶۔

قاضی شہر کا درجہ بہت بلند ہوتا تھا، وہ پورے ضلع کے محکمۂ قضاۃ کا نگران بھی ہوتا تھا۔ اس لئے اس کے پاس کتب خانہ بھی ضروری تھا۔ چنانچہ احمد آباد کے قاضی شہر کے پاس اس وقت بھی ایک کتب خانہ موجود ہے جو اسلامی سلطنت کے زمانہ سے عہدۂ قضاۃ کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔ لیکن اولاد بے علم ہونے کے سبب سے اس کا بیشتر حصہ ضائع ہو گیا ہے۔

شیخ حضرمی کا کتب خانہ

احمد آباد میں شیخ عبدالقادر حضرمی متوفی ۱۰۳۸ھ ایک مشہور بزرگ گذرے ہیں ان کی تصنیفات میں سے "النور السافر، فی اعیان القرن العاشر" بڑی مشہور کتاب ہے۔ خیال آتا ہے کہ سول اسپتال سے مشرق کو جو گلی گئی ہے، اس کے اختتام کے بعد محلہ جوہری باڑہ میں ان کی قبر ہے۔ ان کے پاس ایک بڑا کتب خانہ تھا لیکن اب بجز مقبرہ کچھ نہیں ہے۔ شیخ عبدالقادر بڑے مورخ، محدث اور صوفی تھے۔ اس لئے غالباً تصوف، تاریخ اور حدیث کی کتابیں اس میں زیادہ رہی ہونگی۔ [1]

اعتماد خاں گجراتی کا کتب خانہ

گجرات کا یہ بھی وہ بلند پایہ کتب خانہ تھا جس میں نہایت نفیس و نادر کتابیں جمع تھیں، اور جو اکبر کی فتح گجرات تک موجود تھا۔ اکبر نے اس کتب خانہ پر قبضہ کرنے کے بعد اس کی کچھ کتابیں شاہی کتب خانہ میں داخل کر دیں اور کچھ ارباب علم کو دے دیں۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ: انوار المشکوٰۃ، کا نسخہ ان کے حصہ میں آیا تھا۔

گجرات مغلیہ سلطنت میں شامل ہونے کے بعد مغل بادشاہوں کی توجہ کا مرکز بنا رہا۔ عالمگیر کا اسے زیب و زینت ہندوستان کہنا ظاہر کرتا ہے

[1] تمدنی کارنامے ص۲۵۵

کہ گجرات نے اکبر سے لے کر عالمگیر کے عہد تک علم وادب اور صنعت وحرفت میں غیر معمولی ترقی کی تھی۔

لیکن گجرات کے علاقہ میں جو کچھ علمی، اور ثقافتی سرمایہ مسلم عہد میں جمع ہوا تھا۔ اس کا بہت بڑا حصہ مرہٹوں کی تاراجی کے زمانہ میں برباد ہو گیا۔ پھر بھی گجرات کے کتب خانوں کے کچھ باقیات احمدآباد، بھروچ اور کھمبایت وغیرہ کے صوفیوں قاضیوں اور عالموں کے گھرانوں میں ابھی تک موجود ہیں۔ لکھا ہے کہ کچھ کتابیں احمدآباد کی درگاہ حضرت پیر محمد شاہ میں بھی محفوظ ہیں۔ [1]

قاضی برہان الدین کا کتبخانہ

افسوس کہ اس کتب خانہ کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ حالانکہ قاضی موصوف بقول مصنف یادِ ایام کثرتِ افادہ میں یکتائے روزگار تھے، اور گجرات میں علم ان ہی کی وجہ سے پھیلا۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممدوح نہایت عمدہ کتب خانہ رکھتے تھے۔

اسی طرح گجرات کے دوسرے مشائخ اور علماء مولانا راجح بن داؤد (متوفی ۹۰۴ھ/۱۴۹۸ء) قاضی جگن (متوفی ۹۲۰ھ) مولانا علاء الدین (متوفی ۹۴۹ھ) مولانا عبدالملک (متوفی ۹۷۰ھ) شیخ حسن محمد (متوفی ۹۸۲ھ) مفتی قطب الدین (متوفی ۹۹۹ھ) مولا احمد کردی (متوفی ۱۰۸۷ھ) سید محمد رضوی (متوفی ۱۱۱۱ھ) وغیرہ کے کتب خانے تاریکی میں ہیں حالانکہ یہ حضرات اتنے جلیل القدر عالم، محدث، فقیہ اور مصنف تھے جن پر ہندوستان ہمیشہ فخر کیا کرے گا۔

مدرسہ شیخ الاسلام کا کتب خانہ

یہ اس اعتبار سے نہایت ممتاز تھا کہ اس کا استعمال صرف مدرسہ کے طلباء

---

[1] مولوی ابوالحسنات ندوی کی کتاب ص ۲۷۔

تک محدود نہ تھا۔ بلکہ ہر اہلِ ذوق اس سے استفادہ کرسکتا تھا۔ یہ مدرسہ قاضی اکرام الدین خاں المعروف بہ شیخ الاسلام نے احمد آباد میں ایک لاکھ چوبیس ہزار روپے میں تعمیر کرایا تھا، اور اس کی عمارت نو سال (۱۱۰۲ - ۱۱۱۱ھ) میں مکمل ہوئی تھی کہا جاتا ہے کہ یہ مدرسہ مولانا نورالدین کے لئے تیار ہوا تھا، جنہوں نے اپنی زندگی علم کی خدمت میں صرف کردی تھی اور علامہ وجیہہ الدین کے بعد گجرات میں باعتبار درس وتدریس وکثرتِ تصانیف کے ان سے بڑھ کر کوئی اور عالم نہیں ہوا۔ انہوں نے ۱۱۵۵ھ/۱۷۴۲ء میں وفات پائی اور اسی مدرسہ میں دفن ہوئے۔

بعض دیگر کتب خانے

مولانا شیرانی کے متعلق لکھتے ہیں کہ! انہوں نے گجرات کاٹھیاواڑ کا سفر کرنے کا ارادہ کیا۔ چونکہ موسم گرما کی تعطیلات میں گجرات میں زبردست بارشیں ہوتی ہیں اس لئے انہوں نے ۱۶ ستمبر سے ۳۰ ستمبر تک دو ہفتے کی چھٹی لی اور گجرات روانہ ہوگئے۔ اس سفر میں انہوں نے احمد آباد، بڑودہ، بمبئی اور جے پور کے بعض کتب خانے دیکھے۔

احمد آباد میں پیر محمد شاہ کی درگاہ کا کتب خانہ، سید بڑے صاحب کا کتب خانہ، سید جلال الدین مشہدی کا کتب خانہ، اور حسینی پیر کا کتب خانہ دیکھا بعض لوگوں مثلاً قاضی احمد آباد کے پاس عمدہ مجموعے تھے لیکن انہوں نے دکھانے سے انکار کردیا۔ بمبئی میں محمدیہ اسکول کی لائبریری اور پروفیسر نجیب اشرف صاحب کا کتب خانہ نظر سے گزرا۔ بڑودہ میں جامع مسجد لائبریری دیکھی لیکن اس میں صرف مطبوعہ کتابیں تھیں۔ جے پور میں خوش قسمتی سے انہیں دائرے کے مہدیوں کے ایک کتب خانے کا کچھ حصہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ کتب خانہ کسی مقدمے کے سلسلے میں دائرہ سے ریاست

کے صدر مقام میں لایا گیا تھا۔ اس میں انہوں نے خاص مہدوی فرقے کے لوگوں کی گوجری اور راجستھانی اردو میں لکھی ہوئی کتابیں دیکھیں۔ اس سے انہیں اپنے مضمون، دائرہ کے مہدیوں کا اردو ادب کی تعمیر میں حصہ، کے لئے کافی مواد میسر آیا۔

ولی اللہ کا کتب خانہ

۱۱۵۵ھ میں مولانا عماد الدین کے زیر اہتمام جو مدرسہ قائم کیا گیا تھا۔ اسی کے متعلق ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا۔ جس میں تقریباً ہر فن کی کتابیں موجود تھیں۔ اور فن کے لحاظ سے بعض بڑی نادر تھیں۔ مرہٹہ گردی میں مدرسہ اور کتب خانہ دونوں کا حال ابتر ہوگیا۔ مولانا عماد الدین کے خاندان میں رفتہ رفتہ علم کا چرچا کم ہوگیا۔ جس کے نتیجہ میں کتب خانہ کی حفاظت کا خیال بھی جاتا رہا۔ کچھ کتابیں بعض اہل علم کو دے دی گئیں اور کچھ کیڑوں کی نذر ہو گئیں لٹ جانے کے بعد بھی کچھ نایاب اور بیش قیمت کتابیں اس میں موجود تھیں۔ جن میں سے ایک، پانچویں صدی کی حدیث کی کتاب ہے ایک اور نادر کتاب ابوریحان بیرونی کی ہے جس کا کوئی دوسرا نسخہ یورپ اور ایشیا میں آج تک دستیاب نہیں ہو سکا ہے۔ اس کتب خانہ کا بقیہ ذخیرہ کتب خانہ درگاہ پیر محمد شاہ میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ [1]

کتب خانہ آصف خاں

عبدالعزیز آصف خاں متوفی ۹۶۱ھ/۱۵۵۳ء گجرات کے بہترین وزیروں میں سے تھے بہت بڑے عالم و فاضل، صاحبِ ذوق، اہل علم کے قدردان، ان کا ایک عظیم الشان ذاتی کتب خانہ بھی تھا۔ جس میں بڑی نایاب کتابیں تھیں، وہ مکہ سے اپنے کتب خانہ کے لئے بہت سی کتابیں بھی خرید کر لا رہے تھے لیکن منگلور پہنچے تو دریا میں طوفان آگیا، خود تو بچ گئے لیکن جہاز ڈوب گیا، اور تمام

---

[1] گجرات کی تمدنی تاریخ ص ۲۲۶۔

تحائف سفر ضائع ہو گئے۔ ان کو اپنی بجلی کی تلوار، غلام، اصیل گھوڑے اور بیش قیمت اور نادر کتابوں کے تلف ہو جانے کا عمر بھر افسوس رہا ان میں ایک نسخہ مشکوٰۃ شریف کا بھی تھا، جو اُس کے مؤلف ولی الدین خطیب تبریزی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، یہ کتاب انہوں نے مکہ مکرمہ میں خریدی تھی، اور قیمت میں اُس کے وزن کے برابر سونا دیا تھا۔ اس کے علاوہ چالیس اشرفی اس کے دلاّل کو دی تھی۔ [1]

صحیح مسلم کا سب سے قدیم نسخہ سلطان محمود کے کتبخانہ میں

مولانا امتیاز علی عرشی اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں!

صحیح مسلم کا ایک قدیم نسخہ ہندوستان میں: کتبخانہ رام پور میں مسلم شریف کا ایک پرانا نسخہ محفوظ ہے جو جمادی الاخریٰ ۷۸۷ھ/۱۳۸۵ء میں لکھا گیا تھا۔ اس کی کتابت کا کام دو فاضلوں نے مل کر انجام دیا ہے۔ پہلی جلد کے کاتب کا نام محمد بن احمد بن محمد اور دوسری کے کاتب کا نام ابراہیم بن حاجی سلیمان بن محمد بن یحییٰ ہے مقام کتابت "قلعہ دارالامان" ہے۔

کتاب کو تین حصوں میں لکھا گیا ہے۔ پہلے حصے کے آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ دوسرے حصے کے خاتمے میں درج ہے۔

"تم المجلد الثانی من صحیح مسلم یوم الجمعۃ الخامس من جمادی الاخریٰ سنۃ سبع وثمانین وسبعمائۃ بقلعۃ دارالامان حماها اللہ تعالیٰ عن الحدثان بید العبد الضعیف المحتاج الی رحمۃ اللہ الاحد، محمد بن احمد ابن محمد حامدًا ومصلیًا ومستغفرًا" (ورق ۳۸۵ ب)

---

[1] ظفر الوالہ ج ۱ ص ۲۹۹ لندن۔

آخر کتاب میں حسب ذیل ترقیمہ ملتا ہے۔ تم الجلد الثالث، وھو آخر الکتاب، من صحیح مسلم بن الحجاج رحمۃ اللہ علیہ بحمد للہ تعالیٰ وحسن توفیقہ فی الثالث والعشرین من جمادی الاخری سنۃ سبع وثمانین وسبعمائۃ علی ید العبد الضعیف المسکین الغریق فی بحار الخطایا الراجی الی رحمۃ واھب العطایا، ابراھیم بن حاجی سلیمان بن محمد یحیی اصلح اللہ شانہ ورحم اسلافہ۔ (ورق ۲۰۴ ب)

کتاب کے حواشی میں جگہ جگہ قرأت وسماع کی یادداشتیں مندرج ہیں انہیں سے اکثر کے ساتھ تاریخیں بھی موجود ہیں، جن سے بآسانی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ اسکی قرأت میں کتنا وقت لگا۔ انہیں سب سے پہلی تحریر ورق ۶ الف کے حاشیئے پر درج ہے، جس کی تاریخ جمادی الاولی ۷۸۷ھ (۱۳۸۵ء) ہے۔ مگر آخری جلد کے خاتمے پر جو تاریخ سماع درج تھی، وہ حاشیئے کے ساتھ کٹ گئی ہے اسلئے واقعی تاریخ ختم قرأت تو بتانا ممکن نہیں، لیکن اس سے پہلے اندراج کی تاریخ سلخ جمادی الاخری ۷۸۷ھ ۹ر جولائی ۱۳۸۵ء) ہے اور ان دونوں کے درمیان صرف ۲ ر صفحوں کا فصل ہے، جو ان پڑھنے والوں کی رفتار قرأت کے پیش نظر ایک دن سے زائد وقت کا متقاضی نہیں معلوم ہوتا۔ اسلئے کہا جاسکتا ہے کہ یکم رجب کو یہ کام انجام پاگیا تھا۔ دوسرے اور تیسرے حصوں کے آخر میں استاد نے قاری کا نام تفصیل سے لکھا تھا۔ اب صرف دوسری کا سماع باقی ہے جو حسب ذیل الفاظ پر مشتمل ہے۔ "بلغ سماع مولانا وحبنا ومخدومنا احد العلماء الاعاظم الاکارم مجمع انواع من الممادح والمفاخر والفضائل والمعالی والکمالات العلمیہ والعملیۃ، شمس الملۃ والدنیا والدین علی الاسم والمنزلۃ بن مولانا الاعظم عماد بناء الافادۃ، اعلی اللہ تعالی شئونھا واوضح براھینھما۔ فی المجلس الخامس والعشرین فی الثانی عشر من جمادی الثانیہ سنۃ سبع وثمانین وسبع مائۃ۔ والحمد کلہ اللہ" (ورق ۳۸۵ ب)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سامع کا نام شمس الدین علی بن عماد تھا، اور وہ جاہ ومنزلت رکھنے والی شخصیت کے حامل تھے، ورنہ استاد ایسے القاب کے ساتھ یاد نہ کرتے مذکورہ سماع کے بعد اس کتاب کو کسی اور محدث نے اپنے بیٹے یحیی کو پڑھایا تھا۔ اس سماع کا پہلا اندراج ورق ۵۸ الف پر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

"بلغ سماع ولدی وفلذۃ کبدی یحیی، احیاہ اللہ حیوۃ طیبۃ

ووفقه للعلم النافع والعمل الرافع ۲۰ر رجب سنة ۸۰۵ھ "
اس کے بعد ورق ۲۶۱ ب پر لکھا ہے !

" بلغ سماع ولد یحییٰ من والده الکاتب، احسن الله الیهما.
من سنة خمس وثمان مائة. ومن هنا سمع ولدی عبد
الرحمٰن جعله الله تعالیٰ من حزبه المفلحین "

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سماع کا اندراج کرنے والے بزرگ کے ایک اور بیٹے عبدالرحمٰن بھی آخری حصے میں شریک سماع تھے۔

اس سلسلے کا آخری اندراج ورق ۵۵ الف پر ملتا ہے۔ جو ۲۷ر رمضان سن مذکور کو کیا گیا تھا۔

حواشی پر اختلاف نسخ بھی پایا جاتا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ مصحح نے حسب ذیل ۵ نسخوں سے اس کے متن کی تصحیح کی ہے ؟

(۱) **نسخہ صاحب الجلودی** جلودی سے مراد ہیں ابو احمد محمد عیسیٰ بن محمد بن عبدالرحمٰن الزاھد الجلودی النیشاپوری متوفیٰ ۳۶۸ھ (۹۷۹ء)

انہوں نے ابراہیم بن محمد بن سفیان النیشاپوری متوفیٰ ۳۰۸ھ (۹۲۰ء) سے صحیح مسلم کی روایت کی۔ اور ابو عبداللہ حاکم نیساپوری کے بقول ان کے بعد الکسائی سے روایت صحیح کرنے والا کوئی راوی بھی ثقہ نہیں ہے۔

جلودی کے خصوصی شاگرد جن سے سلسلۂ روایت چلتا ہے، ابو الحسین عبدالغافر بن محمد بن عبدالغافر الفارسی الفسوی النیساپوری متوفی ۴۴۸ھ (۱۰۵۶ء) ان سے الحافظ حسن السمرقندی نے کچھ اوپر تیس بار اور ابو سعید البحیری نے کچھ اوپر بیس بار صحیح مسلم کی قرأت کی تھی اس لئے ان کا نسخہ اہم شمار کیا جانا چاہیئے۔

(۲) نسخہ مغربیہ :۔ علامہ نووی نے دیباچہ شرح مسلم میں لکھا ہے کہ مشرق میں صحیح مسلم بروایت ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان عن الامام مسلم مروج ہے۔ لیکن بلاد مغرب میں اس کا رواج ایک اور سند سے ہے۔ جو صرف وہیں پائی جاتی ہے اور وہ ہے ابو عبداللہ محمد بن یحییٰ الحذاء التیمی القرطبی، عن ابی العلیٰ عبدالوہاب بن عیسیٰ بن عبدالرحمٰن بن ماہان البغدادی، عن ابی بکر احمد بن محمد بن یحییٰ الاشنقر الفقیہ الشافعی، عن ابی محمد القلانسی، عن مسلم بن الحجاج القشیری۔

میری دانست میں ہمارے نسخے کے مصحح نے "نسخہ مغربیہ" سے یہی نسخہ مراد لیا ہے جو بروایت مذکورہ بلاد مغرب میں مروج تھا۔

(۳) نسخہ حافظ اسماعیل اصفہانی :۔ اس سے مراد الحافظ ابو القاسم اسمٰعیل بن محمد بن الفضل القرشی الاصفہانی الملقب بقوام السنۃ ہیں، جو ۴۵۷ھ (۱۰۶۵ء) میں پیدا ہوئے اور آخر سن ۵۳۵ھ (۱۱۴۱ء) میں انتقال کر گئے۔ یہ ابن مردویہ وغیرہ کے شاگرد اور حافظ ابن عساکر صاحب تاریخ دمشق کے استاد ہیں

علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ (ج۴ ص۷۲) میں عبدالجلیل بن محمد کوباہ کی زبانی اس عہد کے ائمہ بغداد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام احمد بن حنبل کے بعد بغداد میں ان سے بڑا فاضل اور حافظِ حدیث نہیں آیا۔

(۴) نسخہ حافظ عبدالغنی مقدسی :۔ حافظ عبدالغنی سنہ ۵۴۱ھ (۱۱۴۶-۷ء) میں پیدا ہوئے اور سنہ ۶۰۰ھ (۱۲۰۳-۴ء) میں فوت ہوئے ہیں۔ تاج الکندی کا قول ہے کہ دار قطنی کے بعد ان جیسا محدث کوئی نہیں ہوا۔ فن حدیث میں ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ [۱]

(۵) نسخہ مکیہ :۔ کتاب کے ورق ۵۴۹ ب کے حاشیے میں ان کے نسخے کا حوالہ ہے۔ مجھے اس کے بارے میں پتہ نہ چل سکا کہ یہ کس کا نسخہ تھا۔

[۱] تذکرۃ الحفاظ ۱۶۰/۴۔

قرأت وسماع کے علاوہ حاشیوں میں الفاظ کی تشریح اور مطالب کی توضیح بھی ملتی ہے۔ ان میں سے بعض کے آخر میں کاتب کا نام "محمود عماد" لکھا ہوا ہے۔ انہوں نے ایک جگہ "تقریب" اور دوسری جگہ "التقریب والتہذیب" کا حوالہ دیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں ابن حجر عسقلانی متوفی سنہ ۸۵۲ھ (۱۴۴۹ء) کی تالیف ہیں، اور ان میں سے التہذیب سنہ ۸۰۸ھ (۱۴۰۵ء) میں اور التقریب سنہ ۸۲۷ھ (۱۴۲۴ء) میں لکھی گئی تھی۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ مذکورہ حاشیے سنہ ۸۲۷ھ کے بعد لکھے گئے تھے۔

اس نسخے سے پہلے قاری شمس الدین علی بن عماد کے نام کے پیشِ نظر یہ کہنا درست معلوم ہوتا ہے کہ "محمود عماد" ان کے چھوٹے بھائی تھے۔

نسخے کے سرورق پر حسبِ ذیل تحریریں اور مہریں ثبت ہیں

(۱) مہر عبدالرحیم خانخاناں:۔ اس مہر کے اندر لکھا ہے: عبدالرحیم بن محمد بیرم ۹۹۱" اور مہر کے نیچے یہ عبارت درج ہے: "صحیح مسلم در حدیث کہ در شہور سنہ ۹۹۲ در، دارالامان احمدآباد داخل کتاب خانۂ خاصہ شدہ"

(۲) مہر موسوی خاں:۔ اس مہر کے اندر منقوش ہے: "موسوی خاں ۱۰۲۹" اور مہر کی دائیں جانب یہ عبارت درج ہے: اللہ اکبر صار مما صار لخادم الفقراء الاحقر موسوی خاں علی اکبر عفی عنہ۔

وحسبك قول الناس فيما ملكته ❊ لقد كان هذا مرة لفلان؛

(۳) مہر حسن الحسنی:۔ اس مہر میں منقوش ہے: "المتوکل علی اللہ الغنی

حسن الحسنی ": مہر کے اوپر لکھا ہے "الله اکبر۔ شرفنی باعطاء ہذا الکتاب النفیس الشریف۔ جعله الله من الفائزین بالدرجۃ العلیا۔ حررا اقل مخلصه حاجی حسن الحسینی القزوینی عفی عنہ، وعن والدیہ حرمۃ النبی وآلہ علیہم السلام":

منقوط حصہ کبھی ضائع ہو گیا ہے، اسلئے معطی کا نام معلوم نہ ہو سکا، لیکن بظاہر یہ عبدالرحیم خانخاناں ہی تھے۔

(۴) حاجی حسن کی تحریر کے نیچے لکھا ہے: "انتقل من السید الاجل بطریق الہبۃ والعطیۃ الی اقل محبیہ مرزا علی الحسینی الجیلانی":

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجی حسن الحسنی نے یہ کتاب علی الحسینی کو تحفے میں دے دی تھی۔

(۵) ایک محو شدہ مہر کے نیچے لکھا ہے: "قد انتقل الی بالشراء الصحیح الشرعی فی سلخ صفر للسنۃ العشرین والالف الہجریہ وصلی الله علی سیدنا محمد وعلی آلہ۔

(۶) مہر مولوی امان اللہ: اس کے نیچے صاحب مہر نے لکھا ہے: "انتقل الی: من مشتری ورثۃ بالابتیاع الشرعی"، لیکن مہر مٹادی گئی ہے اور اس کے محاذ میں کسی نے لکھا ہے: "مہر مولوی امان اللہ کہ در معرکہ نادر شاہ شہید شدہ":

دیگر مہروں اور تحریروں کے علاوہ نسخے میں دو جگہ (ورق ۶ الف اور ۳۱۷ الف) سلطان محمود گجراتی کی مہر ہے۔ ان میں سے پہلی جگہ مہر کے نیچے کسی نے شنجرف سے لکھا ہے: "مہر سلطان محمود گجراتی": مہر کے اندر یہ شعر کھدا ہوا ہے

تا بلوح آسماں باشد متون مہر و ماہ
جاودان باد انشان خاتم محمود شاہ

اور شعر کے ساتھ یہ دعائیہ جملہ بھی درج ہے۔ "خلد اللہ ملکہ وسلطانہ"

اُردو اور گجرات

اُردو کے مؤرخ لکھتے ہیں !

خود مختار ہونے والے صوبوں میں سے ایک صوبہ گجرات تھا۔ جس کے حاکم ظفر خاں نے مظفر شاہ کا خطاب اختیار کرکے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا اور سکہ جاری کیا مظفر شاہ (م ۸۱۳ھ/۱۴۱۰ء) نے اپنے دربار کو سجانے کے لئے اہلِ علم وفضل کی خوب خوب سرپرستی کی اور اس کے بعد بھی سلاطینِ گجرات علماء فضلاء اور صوفیائے کرام کو معاشی ومعاشرتی سطح پر ایسی سہولتیں بہم پہنچاتے رہے کہ وہ جوق در جوق گجرات کی طرف ہجرت کرتے رہے ۔

صاحبِ مرآۃ احمدی نے لکھا ہے کہ !

’’چوں ہمگی ہمت والا نہمت سلاطین گجراتیہ مصروف برواج دین مبین وحمایت بیضہ ، اسلام بود ، بخواہش تمام وابرام مالا کلام اکثر بزرگان واھل اللہ وعلماء وفضلاء را در کمال احترام طلب داشتہ برعایت وجہ معاش وحسن سلوک تکلیف سکنا دریں دیار فرمودنگاہ داشتہ اند وبعضے باستماع اوصافِ حمیدہ وفضائل پسندیدہ سلاطین مذکورد نظر بر ہدایت جمہور وارد گشتہ توطن اختیار نمود۔‘‘

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے پہلے اردو زبان ادبی سطح پر اپنی روایت بناتی ہمیں گجرات ہی میں نظر آتی ہے ۔

گجری ادب کی یہ خالص ہندوی روایت اس عرصے میں ڈھل منجھ کر اتنی صاف اور مقبول ہوجاتی ہے کہ بعد کی نسلیں بھی اپنے متصوفانہ خیالات کے اظہار کے لئے اسی روایت کی مخصوص ہیئت کو پسند کرتی ہیں ۔

'مرشد نامہ' میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی (م ۹۴۵ھ/ ۱۵۳۷ء) اسی صنف کو استعمال کرتے ہیں 'گرو گرنتھ صاحب' میں یہی ہیئت نظر آتی ہے۔ دکن میں میراں جی شمس العشاق (م ۹۰۲ھ/ ۱۴۹۶ء) ابراہیم عادل شاہ جگت گرو (م ۱۰۳۶ھ/ ۱۶۲۶ء) برہان الدین جانم (م ۹۹۰ھ/ ۱۵۸۲ء) شاہ داول (م ۱۰۶۷ھ/ ۱۶۵۶ء) وغیرہ بھی اسی صنفِ سخن کو اپنا ذریعہ اظہار بناتے ہیں۔ یہاں تک کہ اٹھارویں صدی عیسوی میں شاہ عبداللطیف بھٹائی (م ۱۷۵۲ء) بھی اپنے صوفیانہ خیالات کیلئے اسی ہیئت کو اپنے تصرف میں لاتے ہیں۔

گجرات میں قدیم اردو کے جو نمونے ملتے ہیں ان میں یا تو صوفیائے کرام کے ملفوظات ہیں جن سے اس زمانے کی عام بول چال کی زبان کا اندازہ ہوتا ہے یا پھر شاعری کے وہ نمونے ہیں جو شاہ باجن، قاضی محمود دریائی، شاہ علی جیو گاؤدھنی اور خوب محمد چشتی کے قلم سے نکلے۔ گجرات میں پہلی بار ہمیں اس زبان میں تخلیق کرنے کی مسلسل روایت کا پتا چلتا ہے جو اس دور میں اس طور پر کہیں نظر نہیں آتی۔

اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ شمال سے آئی ہوئی زبان جب گجرات کی زبان میں گھلی ملی تو اس عمل میں امتزاج سے ایک ایسی شکل ظہور میں آئی جو بعد میں ممتاز ہو کر گجری اردو کہلائی۔ [۱]

وہ زبان جسے آج ہم اردو کے نام سے جانتے ہیں برعظیم کے دور دراز علاقوں میں بھی نہ صرف اپنی خدوخال بنا رہی تھی بلکہ گجرات و دکن میں شمالی ہند سے پہلے ادبی زبان کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ [۲]

---

[۱] تاریخ ادب اردو ص ۹۱ تا ۹۳ [۲] تاریخ ادب اردو ڈاکٹر جمیل جالبی ص ۸۷۔

دکن پر اثر گجرات

اس عہد کی تواریخ دکن سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ گجرات سے بہت سے ادیب اور عالم بیجاپور آیا کرتے تھے۔ وہاں کی سلطنت کے زوال پر ابراہیم عادل شاہ نے وہاں کے تمام ادیبوں کو اپنے دربار میں بلا لیا۔ چنانچہ گجرات کے ان پناہ گزینوں نے دکن میں اردو کا ادبی ذوق بڑھانے میں بڑا حصہ لیا ہے۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ بیجاپور کے بعض اردو مصنفین جیسے شاہ برہان، اپنی زبان کو گوجری کہتے ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ گجرات کے اثر سے دکن کی ادبی زبان بڑی حد تک بدل گئی ہو اور جو لوگ اس متبدلہ زبان میں لکھ رہے ہوں وہ اپنی زبان کو گوجری کہنے لگے اور پرانی زبان دکنی کہلانے لگی۔ [1]

اردو میں اہالی گجرات کی دلچسپی کا ایک قدیم تر ثبوت مولانا فضل الدّین محمد بن قوام بلخی کی تصنیفات سے بھی ملتا ہے۔ جو قصبہ کڑی واقع گجرات کے باشندے ہیں۔ مولانا فضل الدین اپنی تصنیف "شرح مخزنِ اسرار" میں جو ۷۹۵ھ کے بعد لکھی گئی ہے۔ فارسی کے بعض الفاظ کے اردو مرادف بتلاتے ہیں۔ ان کی فرہنگ "بحر الفضائل" میں جو ۸۳۲ھ میں تالیف ہوئی ہے تین سو سے زیادہ اردو الفاظ ملتے ہیں جو مختلف فارسی و عربی الفاظ کی تشریح کی غرض سے بیان ہوئے ہیں اس کے علاوہ وہ مؤلف ہندوستان کے جغرافیے، نجوم، ماہ و سال، موسیقی، اوزان اور پھولوں پر بھی مختصر مختصر اطلاع دے رہے ہیں۔ سب سے آخر میں ایک باب دیا ہے جس میں بعض ایسے ہندی الفاظ کا ذکر کیا ہے جو ہندی شاعری میں کار آمد ہیں۔

---

[1] مقالات شیرانی $\frac{\text{۳۰۴}}{\text{ج ۱}}$ صہ۔

مولانا کے اصل الفاظ یہ ہیں۔
: باب چہارم در بعض الفاظ ہندوی کہ در تکلم ہندوی استعمال کنند،
ان امور سے واضح ہے کہ گجرات میں ان ایام میں یعنی فرہنگ' بحرالفضائل'، کی تالیف کے وقت ہندی یعنی اردو میں عام طور پر کافی دلچسپی کا اظہار کیا جاتا تھا۔
گجرات میں ہندی نظم کے ابتدائی حامیوں کے نام اور حالات سے ہم قطعاً تاریکی میں ہیں۔ اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ نظم وہاں موجود تھی، چنانچہ، بحرالفضائل، میں ایک شعر ملتا ہے ۔

دیکھ پیکھ پی پر گھر جاوے
تس تس نینو نیند نہ آوے

۸۳۷ھ میں مولانا محمد بن قوام کرٹی نے فرہنگ 'بحرالفضائل' تالیف کی ہے اس فرہنگ سے پتا چلتا ہے کہ گجرات میں ان ایام میں ہندی شاعری کا کافی چرچا تھا۔ مولانا نے اپنی فرہنگ کے آخری باب میں صرف ایسے الفاظ کا ذکر کیا جو ہندی نظم میں مستعمل تھے۔
اس باب کا عنوان ھے ! : باب چہارم در بعض الفاظ ہندوی کہ در تکلم ہندوی استعمال کنندہ، (بحرالفضائل قلمی)
نیز مولانا شیرانی لکھتے ہیں کہ یہ بات قابل توجہ ہے کہ بحرالفضائل کا مصنف گجرات کا رہنے والا ہے۔ نیز لکھا ہے کہ اردو زبان ہمارے مزعومہ نظریے کے برخلاف مغلیہ عہد سے بہت قدیم ہے۔ ذیل میں ہم چند الفاظ کی فہرست، بحرالفضائل، سے نقل کرتے ہیں تاکہ اردو زبان کے، جو اس زمانے میں ہندی یا ہندوی کے نام سے موسوم تھی۔ ذخیرۂ الفاظ کا اندازہ کیا جاسکے۔

جنجھائی (جمائی) پالک، ترپھلہ، گھرگھت (گرگٹ) کنوار، چونہ، برھتہ، جلاھہ، چکنا چور، کوڈھ (کوڑھ) دشمنائگی، سانڈھ، بڑی لونگ، ہری چولائی، بیر، بکھان کرتیں (گانا گانا) بھوج پتر، ملائی، جنجرو (گھونگھرو) اکھروت (اخروٹ) سوور (سوّر) تانبہ، گُدگدی ۔[1]

قدیم اُردو فقرے

سلطان محمود نے اپنے لئے ایک رباب تیار کرایا تھا، جو چھ مہینے میں جاکر تیار ہوا تھا۔ کاریگر رباب لے کر جو مرصع بجواہر تھا بادشاہ کی خدمت میں جارہا تھا کہ راستہ میں قاضی نجم الدین صاحب سے ملاقات ہوگئی انہوں نے اس کو مذہب کے خلاف سمجھ کر توڑ ڈالا، بادشاہ کو جب معلوم ہوا تو اس نے قاضی صاحب کو کچھ نہیں کہا ہنستے ہوئے صرف یہ کہا۔

"نیچی بیری ہر کوئی جھورے"

قطب العالم نے حضرت راجو قتال کی پیدائش پر شاہ محمود سے فرمایا "بھائی محمود! خوش ہو اساں تھیں وڈا انساں تھیں وڈا ساڈے گھر جلال جہانیاں آیا"

اب قطب عالم کے فرزند شاہ عالم عرف شاہ منجھن (م ۸۸۸ھ/۱۴۸۳ء) کے یہ فقرے دیکھئے جو اس دور کی عام بول چال کی زبان پر روشنی ڈالتے ہیں۔ حضرت شاہ بیہ نے سلطان شاہ غزنی (م ۹۲۲ھ/۱۵۱۶ء) کے بارے میں کہا "جو راجن جی او نہایا ہووے تو تجھ جیسے فقیروں کی برسوں تین

[1] تاریخ ادب اردو ص ۱۰۲۔

کنا سی کرے، تحفۃ الکرام ج ا ص ۱۳ میں یہ فقرہ اس طرح ملتا ہے۔
؛ جو راجن جی کا او نہ بہایا ہو وے تو تجھ جیسے فیقروں کی برسوں تین کنا سی کرے ، ایک اور جگہ آیا ہے کہ ؛ روزے مخدوم سید راجو قدس سرہٗ بسلطان فیروز زا تفاق ملاقات افتادو دراول گفتہ از سلطان پرسیدند ؛
؛ کا کا فیروز چنگا ہے ، سلطان مرحوم گفت حالانکہ خوز ادہ پرسش فرمود ؛ کا کا چنگا شد یعنی نیک شد ، شیخ یحییٰ گجراتی کے متعلق، جو نظام الدین اولیاء کے مرید، شیخ لطیف کے فرزند اور شیخ عزیز اللہ متوکل کے والد ہیں۔ یہ مشہور تھا کہ ؛ وقت شیخ یحییٰ جیسا پڑے تیسا سہے ، اپنی پیڈن کسے نکہے ،
سلطان قطب الدین نے جسے حضرت شاہیہ (شاہ عالم) سے حد درجہ عقیدت تھی ، ان کی مدح میں یہ شعر کہا ۔

منجھن شاہ جہانیاں جس دنیا سجان
شاہوں کیرا شاہ توں دو نہ جل تیری آن

رائے کھیڑا احمد آباد کی مسجد میں یہ کتبہ (۹۶۲ھ/۱۵۵۵ء) آج بھی موجود ہے ؎

فنا دنیں سمجھائے کر باندھے ساجی پال
بانو مسجد کے تیئں بیجیں ملک جلال
تاریخ اس مسیت کی ہوئی سویوں مشہور
مسجد جامع کے بیچ میں ڈھٹایا بے نور (۹۶۲ھ)

شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی کے مریدوں نے بحر الحقائق کے نام سے ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔ جس میں سوال فارسی میں ہیں اور ان کے جواب جو شاہ وجیہ الدین نے دیئے ہیں اردو میں ہیں۔ یہ چند جوابات دیکھئے جن سے اس زمانے کی زبان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔

۱۔ اپنوں کو کیا کشف ہوئے یا نہ ہوئے کام اس کا ہے ۔
۲۔ کیا ہوا جو مجھ کوں مواہبوکوں موتیں کیا خدا کو اپنڑیا خدا کو ان پڑنے کی استعداد ہور ۔
۳۔ جیسی تجلی پکڑے تیسا ارادہ دیوے ۔ اگر عبد کی تجلّی پکڑے عبد بینا ارادہ دیوے ۔
۴۔ عارف اسے کہویں جو خدا سے بھر یا ہوئے ۔
۵۔ اگر کسی کوں تھوڑی بھی صفا ہوئے جو حرام لقمہ کھاوے یا حرام فعل کرے تو نیچ پاوے ۔ دوجے بار بھی پاوے تیجے بار بھی پاوے ۔

اسی طرح ایک اور مخطوطہ میں شاہ وجیہ الدین علوی کے بہت سے اردو فقرے ملتے ہیں جو فارسی عبارت کے درمیان استعمال میں آئے ہیں ان میں سے چند ایک یہاں نقل کیے جاتے ہیں ۔

۶۔ رات دن خدا جنوں کی مدح کرے ۔
۷۔ نہ نہ بول تو ذوق نہ ہووے ۔
۸۔ اپنوں کو کیا فائدہ ۔
۹۔ آپیں جھک (جھک) مار کر قبول کرے گا ۔
۱۰۔ جب ترقی پکڑیں گے آپیں درس کہیں گے ۔
۱۱۔ آقا شیخ عربی کا تقوی کہاں میرا امکان کہاں ۔
۱۲۔ سب چھوڑ بیٹھے تو شتاب فائدہ ہو جاوے ۔
۱۳۔ یک ہوں یا دو ہوں ۔
۱۴۔ ایک گھری یا دو گھری یا چار گھری ۔
۱۵۔ تمہی ایہاں رہتے ہو ۔
۱۶۔ دیبوں کہاں صفتاں ہو تیاں ہیں ۔

۱۷ - فقیر پر فرض تو نہیں -

جہانگیر کی اُردو ترجمہ کی فرمائش

تیرہویں سال جلوس میں جہانگیر محمود آباد گجرات میں مقیم تھے ۔

سید محمد نبیرہ حضرت شاہ عالم گجراتی سے کہا کہ آپ مجھ سے کچھ مانگیں ۔ وہ انکار کرتے ہیں لیکن بادشاہ اصرار کرتا ہے ۔ آخر میں کلام مجید کی قسم دیتا ہے ۔ سید عرض کرتے ہیں کہ جب بادشاہ سلامت نے کلام پاک کی قسم دلائی ہے تو پھر مجھ کو ایک کلام مجید ہی مرحمت ہو جائے ۔ اس پر جہانگیر نے ایک قرآن مجید جو یاقوت المستعصمی کے ہاتھ کا نوشتہ تھا ۔ اور کتب خانہ شاہی کے نوادرات میں شمار ہوتا تھا منگوا کر سید کو پیش کیا اور اپنے قلم سے اس کی پشت پر ہدیہ کی تاریخ و نام و مقام وغیرہ لکھ دی ۔ بعد میں سید صاحب سے فرمائش کی کہ آپ کلام مجید کا ترجمہ کر کے مجھے اپنے فرزند سید جلال کے ہاتھ بھجوادیں اس موقع پر جہانگیر کے الفاظ ہیں :۔

"بمشار الیہ فرمودیم کہ مصحف بہ عبارت سلیس خالی از تکلف و تصنع ترجمہ نماید و اصلا بشرح و بسط و شان نزول آں مقید نشدہ بہ لغات ریختہ قرآں را لفظ بہ لفظ فارسی ترجمہ کند و یک حرف بر معنی تحت اللفظ نیفزائد و بعد از تمام آں مصحف مصحوب فرزند خویش جلال الدین سید روانہ درگاہ سازد" ص ۲۴۳

ریختہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ زبان ریختہ یعنی اردو میں مطلوب ہے، جہانگیر کے دربار میں ایرانی علماء و فضلاء کی کمی تھی جو فارسی ترجمے کی فرمائش احمدآباد کے ایک بزرگ سے کی جاتی ؟ اردو ترجمے کی صورت میں یہ فرمائش بالکل بجا ہے ۔ کیونکہ گجرات میں ان ایام میں اردو زبان میں تصنیف و تالیف

کا سلسلہ جاری تھا اور گوجری یا گجری اردو میں کتابیں لکھی جاتی تھیں اگرچہ بعض مصنفین کا خیال ہے کہ فارسی ترجمہ ہی کا حکم تھا جو کیا گیا۔[1]

اہل سُنّت کا احمد آباد

صاحب ظفرالوالہ ۹۷۸ھ کے واقعات میں فرماتے ہیں کہ ۹۷۸ھ کے محرم میں چنگیز خاں نے وہ حرکتیں کیں جو شیعے عشرہ محرم میں کیا کرتے ہیں حالانکہ احمد آباد کی تاسیس و بنا ہی ان عقائد و اعمال پر ہے جس پر اہل سنت والجماعت ہیں اس لئے چنگیز خاں کے اس قبیح فعل پر مدح سرائی کرنے والے کم اور اس کے شاکی زیادہ تھے۔ خاص طور پر شاکی حضرات میں احمد آباد کے سادات اور ائمہ حضرات تھے ان میں سے التقی النقی قطب وقت صدرالشریعہ مولانا میاں وجیہ الدین علوی تھے چنگیز خاں نے حرکت یہ کی کہ عاشورہ کی صبح دارالسلطنت میں وہ اور اس کے ساتھی نکلے اور سر سے پیر تک سب کالا لباس زیب تن کئے ہوئے تھے یہاں تک کہ سواری بھی کالی تھی اور کالا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے مگر گھر کے دروازے ہی پر گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور علم ٹوٹ گیا اس لئے دوسرا علم اس کے سر پر بلند کیا گیا۔

صاحب ظفرالوالہ فرماتے ہیں کہ کسی کو اس میں تردد نہیں ہو سکتا کہ چنگیز خاں اہل توحید میں سے تھے۔ سنی بھی تھے اور شیعوں کا یہ شعار ان میں عقیدے اور مذہب کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ جہالت کی وجہ سے تھا جو اپنے کمال کو پہنچ گئی تھی۔ اور یہ کہ ومثلہ لا یدخل فی الشیعۃ ولا یخرج من اہل السنۃ والجماعۃ کہ ایسا آدمی شیعوں میں نہیں جا سکتا اور اہل سنت سے نہیں نکل سکتا۔ جب کہ ان کی مجالست معاشرت بیٹھنا اٹھنا

[1] مقالات شیرانی ص ۱۴۴-۱۴۳ ج ۲

نمازیں سب اہلِ سنت کے ساتھ تھا، اور اہلِ سنت کے مشائخ کا ادب وغیرہ سب اس میں موجود تھا۔

چنگیز خاں کے متعلق لکھا ہے کہ اجتمع فی دیوانہ من روساء العجم وفضلاء الامم مالم یجتمع لغیرہ۔ [1]

علماء و مشائخ کی قدردانی

حکومت کی طرف سے عالموں، صوفیوں، مسجد کے اماموں اور درویشوں کو بکثرت وظائف دیئے جاتے۔ گجرات کے عالموں اور صوفیوں کے علاوہ غیر ملکی عالموں کو بھی وظیفے ملتے تھے۔

جاگیریں دو قسم کی ہوتی تھیں، موروثی اور غیر موروثی، موروثی زیادہ تر سپاہیوں مساجد کے اماموں اور مشائخ کو دی جاتی تھیں۔ چنانچہ سلطان قطب الدین احمد کے زمانے میں گجرات کا دو حصہ سپاہیوں کے قبضہ میں تھا اور ایک حصہ مساجد کے اماموں، مشائخ، صوفیہ اور علماء کے نام تھا۔

موسیقی: غنیۃ المنیۃ، ہندی موسیقی پر ایک تالیف ہے جو فیروز شاہ تغلق کے عہد (۷۵۲ھ سے ۷۸۹ھ) میں امیر شمس الدولہ والدین ابراہیم حسن ابو رجا حاکم گجرات کی فرمائش پر لکھی گئی ہے۔ یہ تالیف ہندی ماخذ پر مبنی ہے۔ اور دو قسم چار باب اور اٹھارہ فصلوں پر حاوی ہے۔ چنانچہ: قسم اول۔ باب اول: در معرفت سرود (۴ فصل) باب دوم: در معرفت مزامیر (۲ فصل)

[1] ظفر الوالہ بمظفر والہ ص

قسم دوم : باب اول در بیانِ رقص (۱۴ فصل) باب دوم در شرائط و آداب سرود (۸ فصل)
اس سے پیشتر ایک عربی تالیف، فرید الزمان فی معرفۃ الالحان، جس کا موضوع ایرانی موسیقی ہے، اسی والی کے اشارے سے ترجمہ ہو چکی ہے۔

گوپال بخشو :- راجہ مان نے موسیقی میں بے حد ترقی کی تھی، دھرپد، کو اس کے تصرفات نے کمال پر پہنچا دیا۔ اس کے دربار میں اچھے اچھے موسیقی دان جمع تھے جن میں بعض اس فن کے امام مانے جاتے ہیں مثلاً نایک بخشو جو مسلمان تھا اور اسی راجہ کا تربیت یافتہ تھا نایک بخشو راجہ مان کی وفات کے بعد کچھ عرصے تک اس کے فرزند راجہ بکرماجیت کے پاس رہا۔ اس کے بعد وہ کالنجر کے راجہ کیرت کے پاس چلا گیا، وہاں سے گجرات بہادر شاہ گجراتی (۹۳۲ھ و ۹۴۳ھ) کے دربار میں چلا گیا۔ اور باقی عمر وہیں بسر کی بخشو کے بعد کے بعد تان سین نے موسیقی میں نام پیدا کیا تان سین شیخ محمد غوث گوالیاری کا مرید تھا۔ ابتدا میں وہ رام چند رگھیلہ کے پاس تھا۔ جب جلال الدین اکبر نے اس کی شہرت سنی تو اپنے دربار میں بلا لیا۔

سادات احمد آباد

۱۔ **سادات بخاریہ :-** حضرت قطب العالم اور حضرت شاہ عالم کی اولاد ہیں۔

۲۔ **سادات قادریہ :-** جو پیرانِ پیر سید عبد القادر جیلانی کی اولاد میں سے ہیں، ان میں سے سید جمال بھکری رحمۃ اللہ علیہ، سید عبد الجلیل اور سید عبد الخالق رحمۃ اللہ علیہ مشہور و معروف ہیں۔

۳۔ **سادات شیرازیہ :-** سید احمد جعفر شیرازی اور انکی اولاد سادات

کے اسی خاندان میں سے ہیں اسی طرح سید کمال الدین شیرازی (جنکا مزار پرانے اساول میں مسجد آدینہ کے پیچھے واقع ہے)
سید ابو تراب شیرازی اور ان کی اولاد کا تعلق بھی اسی خاندان سے ہے۔

۴ سادات رفاعی :۔ یہ سید احمد رفاعی ہیں جو سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہیں۔ جن میں سے سید عبدالرحیم کا مزار احمد آباد کے قلعہ کے باہر سلطان پور میں واقع ہے ان کی اولاد میں شاہ علی جی گام دھنی وغیرہ ہیں۔

۵ سادات مشہدی :۔ اس خاندان میں سید شرف الدین مشہدی ہیں جو مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ کے داماد ہیں اور انکا مزار بھروچ میں ہے

۶ سادات عیدروسیہ :۔ سادات عیدروسیہ سید شریف ابو بکر عیدروس حضر موتی کی اولاد میں سے ہیں۔ سید شیخ عیدروس کا مزار جوہری واڑہ میں ہے اور ان کی اکثر اولاد کے مزارات سورت اور بھروچ میں ہیں۔

۷ سادات ترمذی :۔ جو مخدوم سید یحییٰ ترمذی کی اولاد میں سے ہیں جو مخدوم جہانیاں کے خلیفہ تھے جن کا مزار بڑودہ کے علاقہ میں اس تالاب کے نزدیک واقع ہے، جو تالاب ماتریہ کے نام سے مشہور رہے۔

۸ سادات سید یعقوب :۔ جو مخدوم سید بدر بھکری کی اولاد میں سے ہیں اور وہ بھی مخدوم سید جہانیاں کے خلیفہ تھے۔

۹ سادات عریضی :۔ سید خوندمیر اور سید یعقوب یہ دونوں سید سادات عریضی میں سے ہیں جن کا مزار پپلی پور میں واقع ہے۔

۱۰ سادات زیدیہ :۔ سید عثمان شمع برہانی سادات زیدیہ میں سے ہیں۔

(خاتمہ مرأت احمدی ص ۶۲)

احمدآباد کی آخری جھلک

ظفرالوالہ میں لکھا ہے کہ گجرات مظفر کی سلطنت کے دور میں ارضِ معمور میں ربع سکون پر شمار ہوتی تھی۔ ہمایون کے حادثے سے یہ آثار مٹ گئے۔ پھر دوبارہ سلطان محمود کے دور میں آبادی شروع ہوئی۔ فوج کی تعداد بھی لاکھوں تک پہنچ گئی، اکبر کے حملے کے وقت بھی بارہ ہزار گھوڑے سوار فوجی تھے۔

ء ساٹھ سو گھوڑے سوار محمد الغ خاں کی امارت میں ترکوں میں سے تین سو عمادالملک رستم خاں کے جھنڈے کے تحت اور میں سے چار سو سواران کے امیر ہیبت خان کے جھنڈے کے تحت غوریوں میں سے چھ سو سواران کے امیر امین خاں کے جھنڈے کے تحت مغلوں میں سے پانچسو محمد سلطان کے جھنڈے کے تحت، سادات بخارا میں سے پانچسو سواران کے امیر کے جھنڈے کے تحت اور ان کے امیر سید حامد بن سید میران بن سید مبارک بخاری تھے۔ افغان میں سے چار ہزار ان کے امیر شیر خان فولادی کے جھنڈے کے نیچے تھے اور تمام گجراتیوں میں سے **مخلوط** پانچ ہزار تھے جو اختیارالملک سلطانی کے جھنڈے کے تحت تھے۔ تین سو ہاتھی تھے پانچسو پینل اور تانبے کی توپیں تھیں چھ ہزار کو کبان اور بارہ ہزار بندوقیں تھیں جو امیر بن جہانگیر اور اسد خاں کے ساتھ تھیں۔ اس کے علاوہ گھوڑے سوار اور پیادہ فوجی جو ایک لاکھ سے کم نہیں ہونگے۔ [1]

---

[1] ظفرالوالہ بظفر والہ ص۶۶۹۔

دولت گجرات کے خزانے میں جواہرات اس قدر اعلیٰ تھے کہ اس عہد میں کوئی ہندوستانی سلطنت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی۔

جواہر نامہ میں لکھا ہے کہ جوہریوں کا قول تھا کہ الماس پندرہ قیراط سے زیادہ ادھر دیکھنے میں نہیں آیا مگر گجرات کے خزانے میں تیس یا چالیس قیراط کا الماس موجود ہے۔

یہی سبب تھا کہ اکبر بادشاہ نے اعتماد خاں گجراتی کو جو مظفر شاہ آخری سلطان گجرات کا وزیر تھا اپنے جواہر خانہ کا ناظم بنا دیا تھا۔

بہادر شاہ اپنی فیاضی کیلئے مشہور تھے جب کبھی وہ انعام دیتے تھے تو ایک لاکھ سے کم رقم ان کی زبان پر نہیں آتی تھی۔ اس لئے وزیروں سے مشورہ کرکے کم قیمت کا ٹنکہ بنوایا جو ۲۱ دوکڑے کا تھا۔ یہ تانبے کے پیسے کے برابر تھا۔ اس حساب سے بہادر شاہی ٹنکہ کی قیمت آجکل کے حساب سے ۸ رہوتی تھی پھر بھی ظفرالوالہ میں ہے کہ جب ۱۵۳۴/۹۴۱ھ میں بہادر شاہ نے چتوڑ فتح کیا ہے اس وقت ایک کروڑ قدیم گجراتی سکہ دلی کے چالیس کروڑ کے برابر تھا۔ گویا ایک گجراتی ٹنکہ کے چالیس ہندوستانی ٹنکے ملتے تھے۔

ٹنکہ؛ سفید ایک تولہ خالص نقرہ کے برابر ہوتا تھا۔

سلطان سکندر لودی کہا کرتا تھا۔

؛ مدار بادشاہ دہلی برگندم وجوار است وبنیاد بادشاہِ گجرات برمرجان ومروارید کہ ہشتاد وچہار بندر در تخت شاہِ گجرات است؛ [1]

مؤرخین نے گجرات کی اقتصادی خوش حالی، اس کی عمارتوں کی خوبصورتی اور اس کی صحت بخش آب وہوا کی تعریف کی ہے، معاصر مؤرخ محمود بخاری

---

[1] مراۃ سکندری۔

احمد آباد میں دولت کی فراوانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"در معموری و آبادانی آں چناں بود کہ تمام ترازوہائے بقالان عمود و کفتین زرد بود کہ ریسمان ابریشم داشت و تمام اہل شوق را نیز سنگ و ترازو از زر بود"

مغلوں کے ہاتھوں بربادی

جب ہمایوں کے مقابلہ میں گجراتیوں کو شکست ہوگئی، اور مغل رسم کے مطابق ہمایوں نے خونی لباس پہن لیا۔ اور قتلِ عام شروع کرا دیا تو میاں منجھو اسی حالت میں اس کی خدمت میں باریاب ہوئے، اور اس کی فرمائش پر موسیقی کی ایسی تان کھینچی کہ ہمایوں بیخود ہوگیا، اور اس کے قدموں پر نثار ہونے لگا، اور فوراً سرخ لباس تبدیل کر دیا۔ اس کے بعد منجھو نے اپنے ہزاروں گجراتی ہم وطنوں کو اپنا رشتہ دار ظاہر کرکے۔ اُن کی جان بچائی۔ ہمایوں نے میاں منجھو کی بڑی قدردانی کی حتی کہ ان کو اپنا مصاحب اور ہم جلیس بنا لیا۔

لیکن ان کا دل ان خونی مغلوں میں نہ لگا، اور بھاگ گئے۔ بہادر شاہ ان کا اتنا قدردان تھا کہ وہ جب اس کے یہاں پہنچے ہیں تو بہادر شاہ نے کہا کہ میاں منجھو تم مجھے مل گئے تو سمجھو کہ گجرات کی سلطنت واپس مل گئی۔

تاریخی کتب جو گجرات پر لکھی گئیں وہ حسبِ ذیل ہیں

(۱) مظفر شاہی :- جس میں سلطان مظفر شاہ اوّل کے دور کا ذکر ہے (۱۱۰۶/۲۸۶)

(۲) احمد شاہی :- سلطان احمد شاہ کے عہد کو نظم میں بیان کیا گیا ہے جو، حلوی شیرازی کی تصنیف ہے۔ (۱۱۰۳)

(۳) محمود شاہی :- جس کا دوسرا نام؛ ماثر محمودیہ بھی ہے جو محمود شاہ کبیر کے دور سلطنت کی تاریخ ہے۔ اس کے مصنف شمس الدین شیرازی ہیں جو زیرک کے لقب سے مشہور ہیں۔ (۱۱۰۶/۹۶۶)

(۴) طبقات محمود شاہی :- جس میں سیدنا آدمؑ کی تخلیق سے لیکر ۹۱۵ھ تک کے حالات مذکور ہیں جو شیخ عبدالکریم بن عطاء اللہ شیرازی نے سلطان محمود شاہ کبیر کے دور میں تصنیف کی۔ (۱۱۲۰/۲۲۰)

(۵) مظفر شاہی :- اس میں سلطان مظفر بن محمود شاہ تک کے حالات مذکور ہیں۔ یہ ہلالی کی تصنیف ہے۔ (۱۱۰۶/۲۸۷)

(۶) بہادر شاہی :- جو سلطان بہادر شاہ بن مظفر کے عہد میں لکھی گئی اس کے مصنف حسام خاں ہیں۔ (۱۱۰۵/۹۶۷)

(۷) مرآۃ سکندری :- جو سکندر بن محمد نے ۱۰۲۰ھ میں سلاطینِ گجرات کے حالات میں لکھی۔

(۸) مرآۃ احمدی :- یہ بھی گجرات کی تاریخ ہے جو مرزا علی محمد نے تصنیف کی۔

(۹) تاریخ صغیر :- یہ بھی گجرات کی تاریخ ہے، شیخ ابوتراب بن کمال الدین حسینی کی لکھی ہوئی ہے۔

(۱۰) ظفر الوالہ بمظفر والہ:۔ اس میں عربی زبان میں گجرات کی تاریخ ہے۔ جو شیخ عبداللہ بن محمد عمر دبیر آصفی مکی کی تصنیف ہے۔

(۱۱) تحفۃ السادات:۔ یہ فارسی میں آرام کشمیری کی تصنیف ہے جو سید مبارک حسینی بخاری کے لئے تصنیف کی گئی ہے۔

(۱۲) یادِ ایّام:۔ حضرت مولانا سید عبدالحیٔ حسنی کی تصنیف ہے، اردو زبان میں ہے۔

(۱۳،۱۴) تاریخ گجرات اور گجرات کی تمدنی تاریخ۔ یہ دونوں تصنیفات مولانا ابوظفر ندوی کی ہیں۔

نوٹ:۔ جن کتابوں کے سامنے مابین القوسین نمبر پڑے ہوئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ انڈیا آفس لائبریری لندن میں یہ کتابیں اس نمبر پر دستیاب ہیں۔

حضرت شاہ شیروانی چشتی

۹۴۷ھ/۱۳۴۸ء

آپکا اسم گرامی سلیم الدین ہے۔ اور آپ کا وطن شیروان تھا۔ آپ وہاں سے ہندوستان تشریف لائے اور احمد آباد میں رہائش اختیار فرمائی۔ آپ طریقت میں حضرت شمس الدین ترک پانی پتی رح سے مستفید ہوئے۔

حضرت شمس الدین ترک پانی پتی رح نے آپ کو طریقۂ چشتیہ میں خرقۂ خلافت عطا فرما کر آپ کو لاہور جانے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ آپ نے کافی عرصہ لاہور میں گذارا۔ اور ہزاروں طالبانِ حق کو راہ طریقت پر گامزن فرمایا۔ آپ سلسلہ چشتیہ کے ان بزرگوں میں سے ہیں جنہوں نے لاہور میں قیام فرما کر عوام و خواص میں رشد و ہدایت کا کام کیا۔ آپ کم گو تھے اور اکثر وقت استغراق فی اللہ میں گذرتا۔

مفتی غلام سرور لاہوری آپ کے بارے میں خزینۃ الاصفیاء میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔ آپ کا شمار علمائے مشائخ چشت اور شیخ شمس الدین ترک پانی پتی رح کے اجل خلفاء میں ہوتا ہے۔ آپ پر جذب و استغراق کی حالت طاری رہتی تھی۔ آپ عمر کے آخری حصہ میں لاہور سے احمد آباد تشریف لے آئے اور احمد آباد میں ہی ۹۴۷ھ مطابق ۱۳۴۸ء میں داعی اجل کو لبیک کہا (احمد آباد سے مراد یہ علاقہ ہے چونکہ اسوقت احمد آباد آباد نہیں کیا گیا تھا) آپ نے وصال کے وقت وصیت فرمائی کہ جب میں انتقال کر جاؤں تو میرا جنازہ پنجاب لے جایا جائے۔ چنانچہ آپ کی رحلت کے بعد مریدین آپؒ کے جسدِ خاکی کو لے کر لاہور پہنچے۔ لیکن وہ رات کا وقت تھا اس لئے مریدین نے شہر سے باہر ہی رات گذاری جب انہوں نے صبح کو آپ کا جنازہ اُٹھانا چاہا تو وہ اس کو نہ اٹھا سکے۔ چنانچہ وہیں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ آپ کا مزار مزنگ اڈہ کے پاس ہے۔

صاحب تذکرہ چوہڑ بندگی نے آپکی وفات پر قطعہ تاریخ وفات یوں تحریر کیا ہے سہ

ہست سالِ آں شہ والامکان ؎ سرِّ ربّانی پدید شد اندر جہاں
زبدۂ دین سرِّ ربّانی سعید، ؎ سرِّ ربّانی ولی مسعود، دان لہ
۷۴۹ھ ۷۴۹ھ

شیخ کمال الدین علامہ قدس سرہٗ

متوفی ۷۵۶ھ — ۱۳۵۵ء

آپ حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رح کے خلیفۂ اعظم تھے اور آپ کے خواہرزادہ بھی تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت حسن رض سے ملتا ہے۔ چونکہ آپ علوم حدیث، فقہ، اصولِ فقہ میں یگانۂ روزگار تھے۔ اس لئے آپ کو علامہ کے خطاب سے یاد کیا جاتا تھا۔ خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد آپ احمدآباد گجرات تشریف لے گئے (یعنی بعد میں تعمیر ہونے والے احمدآباد کے قریبی علاقہ میں) جہاں آپ کو بڑی شہرت ملی۔

آپ کی اولاد اور خلفاء آج (خزینۃ الاصفیاء کی تصنیف) تک احمدآباد میں موجود ہیں مولانا کمال الدین رح شجرۃ الانوار اور شجرہ چشتیہ کی تحقیق کے مطابق ۷۵۶ھ / ۱۳۵۵ء میں فوت ہوئے تھے آپکا سانحۂ وفات حضرت شیخ نصیر الدین کی رحلت سے ایک سال پہلے ہوا تھا۔ سہ

رفت از دنیا بفردوس بریں ؎ چوں کمال الدین ولی باصفا
ہم سفر با متقی اہلِ یقیں ؎ ۲ رحمتِ حق گو وصال پاک او
۷۵۶ھ
۱۳۵۵ء

لہ گلزار صوفیاء صفحہ ۱۰۲ ۔ ۲ہ خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۲۱۹/۲ج ۔

شیخ رضی الدین عثمان گنج علم

آپ کی ولادت ۶۶۷ھ/۱۲۶۸ء میں اور وفات ۷۷۰ھ/۱۳۶۸ء میں ہوئی۔
آپ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے استاد اور حضرت شاہ رکن العالم ملتانی کے مرید و خلیفہ تھے۔ علم و فضل میں غیر معمولی دستگاہ رکھتے تھے اور اسی بنا پر گنج علم کے لقب سے مشہور ہوئے۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ نے حضرت موصوف کے ایک فتوٰی کی تائید میں جو عبارت تحریر فرمائی ہے اس سے ان کی جلالتِ شان اور علمی منزلت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے حضرت مخدوم نے لکھا ہے۔

اصاب فیما اجاب الاستاذ الاجل المرشد الکامل الاکمل شیخی الشیخ رضی الدین گنج علم نفعنا اللہ وایاکم بعلموکمالہ وافاض اللہ علینا فیوضہ ونوالہ۔

ترجمہ:- جلیل القدر مرشد کامل و اکمل میرے شیخ حضرت رضی الدین گنج علم نے صحیح جواب مرحمت فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں ان کے علم و فضل اور کمالات و فیوض سے بہرہ ور ہونے کا موقع عطا فرمائے۔ [1]

آپ بڑے صاحب کمال بزرگ تھے۔ تاریخی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے پہل اُوچ میں حضرت رضی الدین عثمان کے جد امجد حضرت حاجی رجب غزنوی غالباً شہاب الدین غوری کی معیت میں تشریف لائے اور یہیں اوچ میں سکونت اختیار فرمائی۔ لیکن ان کا انتقال پٹن (نہروالہ) گجرات۔ میں ہوا ۔ اور وہ سیّد احمد کبیر رفاعی کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ مشہور صحابی حضرت ابوہریرہ رضؓ کی اولاد میں سے تھے۔

---

[1] خطہ پاک اُوچ صفحہ ۱۹۹۔

صاجزادہ جمال الدین خنداں رو

آپ حضرت رضی الدین عثمان کے بیٹے تھے۔ اپنے عہد کے بہت بڑے اصحاب کمال اور ارباب علم وفضل میں سے تھے۔

مرآۃ المناقب میں ہے کہ حضرت مخدوم زکریا ملتانی جب اوچ تشریف لائے تو یہاں انہوں نے ایک بچے کی پیشانی میں آثار سعادت کی جھلک پائی اس کے حق میں دعا فرمائی۔ حضرت مخدوم بہاؤالحق رح نے اس ہونہار بچہ کو عمر کے آخری لمحوں تک فراموش نہیں فرمایا انتقال سے کچھ عرصہ پہلے اپنے صاجزادے گرامی شیخ صدرالدین عارف سے فرمایا، اوچ میں ایک درویش رہتا ہے۔ وہ جوہر لطیف کا مالک ہے اور صاحب استعداد ہے اس نے ابھی تک کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی ہمارے ہی خانوادے سے فیض یابی اس کے مقدر میں لکھی ہوئی ہے اگرچہ وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکا لیکن وہ تمہارے پاس ضرور آئے گا۔ جذبہ حق نے اس میں مجذوبانہ کیفیت پیدا کردی ہے۔ جب وہ تمہارے پاس پہنچے تو اسے تین دن تک ایک حجرے میں بٹھا کر تلاوت قرآن کریم میں مشغول رکھنا تاکہ اس کے جذبات عشق و مستی سکون آشنا ہوجائیں اور شعور کے ساتھ آداب صحبت بجالانے کے قابل ہوسکے۔ اس کے بعد اسے اپنے پاس بلاکر حضرت شہاب الدین سہروردی کے خرقہ مبارک کے سوا باقی جو کچھ تمہارے پاس ہے نصف اس کے سپرد کردینا۔

چنانچہ حضرت زکریا ملتانی رح کے وصال کے بعد جب مولانا جمال الدین خنداں رو حضرت شیخ صدرالدین عارف کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شیخ عارف نے اپنے والد ماجد کی وصیت کے مطابق اوچ کے اس نامور عالم کو خرقہ خلافت کے ساتھ ساتھ وہ تمام تبرکات بھی حصہ رسدی کے طور پر عطا فرمادئے جو ان کے پاس تھے۔

حضرت شیخ جمال الدین خنداں رو رح اوچ میں خانقاہ جمالیہ میں درس وتدریس کا شغل فرماتے تھے اور اس عہد کی اوچ کی تمام نامور شخصیات ان کے فیوض علمی سے

بہرہ ور ہوئیں ۔ علم شریعت کے ساتھ ساتھ طریقت و معرفت میں بھی آپ کا مقام بہت بلند تھا ۔ سلطان غیاث الدین تغلق آپ کا مرید تھا ۔ آپ کا انتقال غالباً ۷۲۳ھ/ ۱۳۲۳ء میں ہوا ۔ [۱]

آپ کے علمی پائے کا اندازہ اس سے ہوگا کہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا بیان ہے کہ حضرت جمال خنداں رو رحمۃ اللہ علیہ ان کتابوں کا درس دیا کرتے تھے ۔

ھدایہ ، بزدوی ، مشارق الانوار ، مشکوٰۃ المصابیح اور عوارف المعارف ۔ [۲]

سلسلۂ راقم الحروف بمخدوم جہانیاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

راقم الحروف کا سلسلہ یوں ہے [۱] یوسف از قطب الاقطاب شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا[۲] مہاجر مدنی ، از حضرت مولانا[۳] خلیل احمد مہاجر مدنی ، از قطب العالم حضرت مولانا رشید[۴] احمد گنگوہی ، از سید الطائفہ حضرت مولانا حاجی امداد[۵] اللہ مہاجر مکی ، از حضرت میاں جیو نور محمد[۶] جھنجھانوی ، از حضرت حاجی عبد[۷] الرحیم ، از شاہ عبد[۸] الباری ، از شاہ عبد الہادی[۹] ، از شاہ عضد[۱۰] الدین ، از شاہ محمد[۱۱] مکی ، از شاہ محمدی[۱۲] ، از شیخ محب[۱۳] اللہ الہ آبادی ، از شیخ ابو سعید[۱۴] ، از شیخ نظام[۱۵] الدین ، از شیخ جلال[۱۶] الدین ، از شیخ عبد القدوس[۱۷] گنگوہی ، از درویش محمد بن[۱۸] قاسم ، از سید بڈھن[۱۹] بہرایچی ، از سید[۲۰] اجمل ، از مخدوم جہانیاں[۲۱] جہاں گشت ، از سید جلال[۲۲] الدین بخاری ، از شیخ عبد[۲۳] بن عیسیٰ ، از شیخ عبید بن ابو القاسم[۲۴] ، از شیخ ابو المکارم[۲۵] فاضل ، از شیخ قطب[۲۶] الدین ابو الغیث ، از شیخ شمس[۲۷] الدین علی الملع ، از شیخ شمس[۲۸] الدین حداد ، از پیران پیر سید[۲۹] عبد القادر جیلانی ،

---

[۱] خط پاک اوچ ص ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸ [۲] ایضاً

از شیخ ابو سعید[20] مخزومی، از شیخ ابوالحسن[21] قرشی، از شیخ ابو الفراح[22]، از شیخ عبدالواحد[23] بن عبدالعزیز، از شیخ ابو بکر[24] شبلی، از شیخ جنید[25] بغدادی، از شیخ سری[26] سقطی، از شیخ معروف[27] کرخی، از شیخ داؤد[28] طائی، از شیخ حبیب[29] عجمی، از امام حسن[30] بصری، از امیرالمومنین حضرت علی[31] کرم اللہ وجہہ، از سید الکونین فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم۔[1]

حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت

وفات ۱۰ ذی الحجہ ۷۸۵ھ — ۱۳۸۴ء

حضرت قطب العالم برہان الدین، حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت کے پوتے تھے۔ مناقب برہانی میں مذکور ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت اپنی سیاحتِ گجرات کے درمیان جب بٹوہ، پہنچے تو آپ نے اس جگہ قیام فرمایا جہاں آج کل حضرت قطب العالم کا مزار ہے آپ نے اس جگہ ارشاد فرمایا۔

ایتھاں اساڈے یاواں دی خوشبو اے

اسلئے ذیل میں حضرت مخدوم جہانیاں کے حالات تحریر کئے جاتے ہیں۔

حضرت سید جلال الدین حسین مخدوم جہانیاں جہانگشت۔ حضرت سید احمد کبیر کے فرزند اکبر اور حضرت سید جلال سرخ بخاری کے پوتے تھے۔ آپ ۱۴ شعبان المعظم ۷۰۷ھ کو شب برأت میں اوچ میں پیدا ہوئے۔

آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد بزرگوار حضرت سید احمد کبیر، اپنے عم محترم سید صدرالدین محمد اور شیخ جمال خنداں رو کے زیر سایہ ہوئی۔ فقہ و اصول فقہ کی معیاری کتابیں مثلاً ھدایہ اور اصول بزدوی وغیرہ آپ نے علامہ شیخ

[1] کلیات امدادیہ، ارشاد مرشد ص ۹۵۔

بہاء الدین اوچی سے پڑھیں۔

حضرت علامہ بہاؤ الدین کی وفات کے بعد آپ ملتان تشریف لے گئے۔ جہاں آپ ایک سال رہے۔ اور شیخ ابوالفتح، رکن الدین، شاہ رکنِ عالم ملتانی کی نگرانی میں مولانا موسیٰ نبیرۂ حضرت زکریا ملتانی اور ان کے چچا زاد بھائی مولانا مجدالدین کے زیر تدریس رہے۔ ملتان کے زمانۂ قیام میں آپ نے مولانا شاہ رُخ عالم سے بھی استفادۂ علمی کیا۔

درمنظوم میں ہے کہ آپ سبعۂ قرأت کے قاری تھے۔ آپ تحصیلِ علم کی غرض سے حجاز بھی تشریف لے گئے جہاں مکہ معظمہ میں آپ نے شیخ عبداللہ یافعی سے اور مدینہ منورّہ میں شیخ عبداللہ مطری سے تصوف و حدیث کی کتابوں کا درس لیا۔ مدینہ منورّہ میں شیخ عبداللہ مطری کی صحبت میں دو برس کا عرصہ گذارا۔ صحاحِ ستہ کے علاوہ شیخ شہاب الدین سہروردی کی مشہور تصنیف عوارف المعارف کا سبق بھی شیخ عبداللہ مطری سے لیا۔ معمول یہ تھا کہ تہجد کے وقت سبق پڑھتے۔ شیخ عبداللہ مطری کو آپ کے حال پر خصوصی شفقت و عنایت تھی۔ مدینہ منورہ کے زمانۂ قیام میں ایک مرتبہ مسجد نبوی میں امامت کا شرف بھی حاصل کیا۔

حضرت مخدوم نے عوارف المعارف کا درس جس نسخہ سے لیا تھا وہ خود حضرت شہاب الدین سہروردی رح کے زیر نظر رہ چکا تھا۔

حضرت مخدوم جہانیاں نے عوارف المعارف کا سبق شیخ شرف الدین محمود تستری سے بھی ان کے وطن شوکارہ (عراق) پہنچ کر حاصل کیا۔

سیر و سیاحت

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی زندگی کی ایک امتیازی خصوصیت انکی جہاں نوردی اور ان کا شوقِ سیاحت ہے۔ لطائفِ اشرفی میں:

آپ نے زمین کے بہت بڑے حصہ کا سفر کیا۔ اور ۱۴ سلسلوں کے تمام مشائخ اور بزرگوں کے ایک بڑے گروہ سے شرفِ ملاقات حاصل کیا۔ ایک سو تیس ۱۳۰ سے زیادہ صاحبِ ارشاد مشائخ سے اکتسابِ فیض کیا۔ اور خرقہ خلافت واجازت حاصل کیا۔ اخبار الاخیار میں ہے حضرت شاہ عبدالحق محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں۔

"سیاحت بسیار کردہ واز بسیارے از اولیاء نعمت و برکت یافتہ"،

بہت سیر و سیاحت فرمائی تھی۔ اور بے شمار اولیاء اللہ سے روحانی برکات وفیوض حاصل کئے۔

اس سیر و سیاحت کے پیچھے جو مقصد کارفرما تھے وہ حضرت مخدوم ہی کی زبانی سنئے فرماتے ہیں۔

سلطان محمد تغلق نے مجھ کو شیخ الاسلام مقرر کیا اور ۴۰ خانقاہیں میری تحویل میں دے دیں۔ شیخ رکن الدین ابوالفتح (شاہ رکن عالم ملتانیؒ) مجھے خواب میں دکھائی دیئے اور فرمایا۔ تو حج کو چلا جا ورنہ غرق ہو جائے گا۔ صبح کو شیخ کے امام نے بھی کہا کہ شیخ کا حکم ہے جلد روانہ ہو جاؤ۔ تیاری کی کیا ضرورت ہے، میں نے حضرت مخدوم والد سے اجازت طلب کی اور روانہ ہو گیا۔ میرے پاس زادِ سفر نہیں تھا۔ لیکن حق تعالیٰ نے بے حد انعامات واکرامات سے نوازا اور زادِ سفر کی یہ سبیل فرمائی کہ ایک عزیز جو سفرِ حج کے ارادہ سے روانہ ہوا تھا۔ واپس آگیا اور اس کا سفر خرچ مجھے مل گیا۔ ساتھ ہی گھوڑا بھی سواری کے لئے دیا۔ میں نے وہ گھوڑا مولانا نظام الدین کڑہ کو دیدیا۔ جو دِق کے مریض تھے اور خود پیادہ حجِ بیت اللہ کیلئے روانہ ہوا اور انواع واقسام کی نعمتوں سے بہرہ یاب ہوا۔

مخدوم جہانیاں کا لقب

ایک روایت میں ہے کہ عید کے مبارک دن آپ حضرت بہاؤالحق زکریا ملتانی کے مزار پر

حاضر ہوئے اور اپنی عیدی طلب کی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا تمہاری عیدی یہ ہے کہ تم مخدوم جہانیاں کے خطاب سے سرفراز کیے گئے۔ بعد ازاں آپ اپنے مرشد حضرت شاہ رکنِ عالم کے مزار پر حاضر ہوئے۔ وہاں سے بھی عیدی کی درخواست کی جس کا حسبِ سابق جواب ملا۔ جب آپ احاطۂ مزار سے باہر تشریف لائے تو ہر شخص کی زبان پر مخدوم جہانیاں جہاں گشت، کے الفاظ تھے۔ بعض پرانے قلمی مسوّدوں میں جہانیاں جہانگیر، بھی مرقوم ہے۔

آپ کی ذات سے لاکھوں انسانوں نے ظاہری اور باطنی فیض پایا۔ اور ہزار ہا نفوس نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ تمام عمر آپ دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف رہے۔ اور ہمیشہ حلال روزی پر گزر بسر کیا۔ چنانچہ، الدر المنظوم، میں ہے، حضرت مخدوم مکہ معظمہ میں حصولِ علم اور فیوض باطنی کی تحصیل میں مشغول تھے۔ وجہ معیشت کتابت تھی۔ دن میں تعلیم میں مصروف تھے اور رات کو دو تین جز لکھ کر اس کی اجرت حاصل فرماتے اور اس سے اپنا پیٹ بھرتے۔ [1]

سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں ہندوستان کے نظم ونسق میں جو ابتری پھیلی اس کا اثر گجرات پر بھی پڑا۔ گجرات کے گورنر نظام مفرح راستی خاں نے علم بغاوت بلند کیا۔ محمد تغلق ایک کمزور حکمران ثابت ہوئے۔ وہ اس بغاوت پر قابو نہ پا سکے۔ بالآخر انہوں نے اپنے ایک امیر ظفر خاں کو گجرات کا گورنر نامزد کیا۔

ظفر خاں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا عقیدت مند اور مرید تھا۔ اور حضرت والا نے اسے بادشاہت کی دعا سے سرفراز فرمایا تھا۔ اگرچہ اس کی طبیعت میں ہوسِ اقتدار کو مطلق دخل نہیں تھا۔ تاہم جب ۸۰۱ھ میں امیر تیمور گورگان نے

---

[1] الدر المنظوم صفحہ ۲۷

دہلی پر حملہ کرکے تغلق خاندان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا ۔ تو اس انتشار اور خانہ جنگی کے ماحول میں اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا کہ صوبہ گجرات میں ایک مضبوط حکومت کی بنیاد رکھے ۔ چنانچہ حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت کی دعار کی تاثیر تھی کہ علمار و مشائخ کے مشورے اور امرار دربار کے اصرار پر ۸۱۰ھ میں اس نے مظفر شاہ کا لقب اختیار کرکے گجرات کی خود مختار بادشاہت کا اعلان کر دیا ۔ سلطان مظفر خاں بانی سلطنت گجرات کا انتقال ۸۱۴ھ میں ہوا ۔

ان کے مرنے کے بعد ان کے پوتے احمد شاہ تختِ سلطنت پر متمکن ہوئے ۔ وہ بھی اس خانوادہ بخاریہ کے انتہائی عقیدت مند تھے ۔ اور حضرت مخدوم کے پوتے حضرت قطب العالم برہان الدین کے دامنِ ارادت سے وابستہ تھے ۔ حاجی دبیر آصفی مکی نے جن کا اصل نام عبداللہ محمد بن عمر ہے ۔ ایک کتاب سلطان مظفر خاں والیٔ گجرات اور انکی اولاد واحفاد کے بارے میں "ظفرالوالہ بمظفر وآلہٖ" کے نام سے ترتیب دی ہے ۔ اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں ۔

وسبقت الاشارۃ فی ترجمۃ مظفر سلطان گجرات الی البشارۃ لہ بالسلطنۃ من القطب الربانی مولانا جلال الدین المخدوم جہانیاں قدس سرہٗ ۔

یعنی گجرات کے سلطان مظفر کے حالات میں یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے کہ اس کو سلطنت کی خوشخبری حضرت قطب ربانی مولانا جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے دی تھی ۔

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی فرماتے ہیں ۔

"حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے کرامات کا صدور بڑی کثرت سے ہوتا تھا ۔ شاید ہی متاخرین صوفیار میں کسی سے اتنی کرامتیں رونما ہوئی ہوں ۔ مگر حضرت والا ان کرامات کو شرف و کمالات کا سبب نہیں جانتے تھے ۔ بلکہ فرماتے تھے کہ یہ ممکن ہے

کہ ایک آدمی ہوا میں اڑے، پانی پر چلے اس کے لئے آسمان اور زمین کی طنابیں کھینچ سکتی ہیں مگر اس وقت تک درجۂ ولایت پر فائز نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی رفتار، گفتار اور کردار میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوشِ پاکی اتباع نہ کرے؛

آپ جاہل صوفیوں کے سخت خلاف تھے۔ فرمایا

؛کن عالماً باحکام الفقہ ولا تکن من جہال الصوفیۃ فانہم لصوص الدین وقطاع الطریق علی المسلمین ۔ (مقرر نامہ ص۲۱)

مسائل فقہیہ کا علم ضروری ہے۔ جاہل صوفی مت بنو کہ یہ لوگ دین کے چور اور ڈاکو ہوتے ہیں جو مسلمانوں کی متاع دین پر ہاتھ صاف کرتے ہیں۔

خزانہ جلالی میں ہے کہ حضرت مخدوم نے فرمایا۔

؛یکے از علامات قیامت آنست کہ علماء فاسق گردند وصوفیا جاہل باشند،

قیامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ علماء بدراہ ہو جائیں اور صوفی جاہل ہوں۔ (مقرر نامہ ص۲۲)

حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت مسلکاً اہلِ سنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ جامع العلوم میں ہے کہ

ولا نتبراء من احد من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھذا بیننا وبین الروافض لانھم یتبرءون من الصحابۃ الا عن علی رضی اللہ عنہ فنرد علیھم بقولہ علیہ السلام اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم وان ابیستم غوبتم فالاخبار فی فضائلھم کثیرۃ یطول ذکرھا ھنا ولا نوا ف احدا من الصحابۃ دون احد وھذا بیننا وبین الشیعۃ لانھم والوا علیا علی جمیع الصحابۃ وھذا قریب من مذھب الروافض ایضاً ۔

ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی سے اظہار بیزاری کرنے کے روادار نہیں ہیں۔ ہمارے اور روافض کے درمیان یہ مسئلہ اختلاف کا باعث ہے کیونکہ وہ حضرت علی کے سوا باقی تمام صحابہ سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں ہمارے پاس روافض کے رد

میں یہ حدیث ہے کہ ۔
میرے صحابی ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے تم جس کی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے ۔ اور اگر انکار کروگے تو گمراہ ہو جاؤگے ۔

پس ہم صحابہ کو واجب الاحترام مانتے ہیں کہ ان کے فضائل میں بے شمار احادیث مروی ہیں لیکن شیعہ صرف حضرت علی بن ابی طالب کے قائل ہیں ۔ اور باقی صحابہ کو نظر انداز کرتے ہیں ۔ اور یہ اعتقاد رافضیوں کے اعتقاد سے زیادہ قریب ہے ۔

یہ عجیب سوئے اتفاق ہے کہ آج انہی مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے سجادہ نشینان بارگاہ میں اپنے آباؤ اجداد کی جھلک کم پائی جاتی ہے ۔ ——— بلکہ عملاً بے راہروی اور فسق و فجور میں مبتلا ہو کر " نام نیک رفتگان ،، کو ضائع کر رہے ہیں اسے کہتے ہیں " زاغوں کے تصرف میں عقابوں کا نشیمن " حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح کے خلفاء کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی ۔ الدر المنظوم میں بیالیس ۴۲ خلفاء کے نام ملتے ہیں جو اپنے دور کے عظیم الشان بزرگ اور شیوخ طریقت تھے ۔ آپ کے خلیفہ اعظم آپ کے حقیقی بھائی سید صدر الدین راجو قتال ہوئے ان کے علاوہ شیخ اخی راجگیری ، شیخ علم الدین ترمذی ، شیخ سراج الدین ، سید اشرف جہانگیر سمنانی ، سید شرف الدین مشہدی شیخ تاج الدین بھکری ، سید محمود شیرازی ، سید سکندر بن مسعود ، شیخ علاء الدین علی ، سید ناصر الدین محمود اور اس قبیل کے دیگر حضرات کو بھی آپ کی بارگاہ سے خرقۂ خلافت واجازت حاصل ہوا ۔

مریدین کی تعداد : ثمرات القدس ، کی روایت کے مطابق پونے دو لاکھ کے قریب تھی ۔ خود حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح کو ایک سو چالیس سے زیادہ مشائخ طریقت سے نسبت باطنی حاصل تھی ۔ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب اولیاء دہلوی کے چار خلفاء سے آپ نے باطنی فیض حاصل کیا ۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح سے بھی آپ کو خصوصی محبت و عقیدت تھی۔ اور ہمیشہ اپنی اس خوش بختی پر نازاں رہے کہ انہوں نے حضرت شیخ کے دیکھنے والوں کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ [1]

ایک دفعہ بادشاہ کے ہاتھ میں تلوار دیکھی جس کا قبضہ سونے کا تھا۔ آپ نے فورًا ٹوکا۔ بادشاہ نے وہ تلوار فورًا اسلحہ خانہ میں جمع کروادی۔

دہلی کے زمانہ قیام میں جب آپ بادشاہ سے رخصت ہوئے تو شاہی خاندان کے کچھ بچے بھی طلب دعا کیلئے حاضر ہوئے۔ انہیں ریشمی لباس میں ملبوس دیکھ کر فرمایا "ریشم کا لباس مردوں کیلئے حرام ہے اس کا وبال شہزادوں کے سرپرستوں پر آئے گا۔"

کوئی شخص جوشِ عقیدت میں پاؤں چومنے کو جھکتا تو اسے سختی سے روک دیتے اور فرماتے ہمارے مذہب میں سجدۂ تحیت جائز نہیں ہے۔ ایک مرتبہ کسی مرید نے آپ کو قطب عالم، شیخ الشیوخ اور سید السادات کے القاب لکھے فرمایا "میرے لئے ایک ہی لقب گدائے عالم کافی ہے یہ لکھا کرو"

وفات: ۱۰ ذی الحجہ ۷۸۵ھ کو علم و عمل کا یہ آفتاب غروب ہوگیا آپ کی خانقاہ اوچ بخاری کے شمال مغربی گوشے میں واقع ہے۔ لوحِ مزار پر یہ شعر کندہ ہے جو تاریخِ وفات کو ظاہر کرتا ہے۔

تاریک گشت جملہ جہاں بے جمال شاہ
تاریخ بود ہفصد و ہشتاد و پنج سال [2]

خاتمہ مرأۃ احمدی میں آپ کے متعلق اتنا ہے۔
مخدوم جہانیاں جلال الدین حسین بخاری کے متعلق جامع العلوم میں لکھا ہے کہ آپ

---

[1] الدرالمنظوم ص ۲۵۹ [2] خطۂ پاک اوچ ص ۲۲۴، ۲۲۳۔

محدث اور فقیہہ تھے۔ اصول و فروع دونوں میں امام ابو حنیفہ رح کے مذہب پر فتویٰ دیا کرتے تھے، مگر نماز میں فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔

ان کے پوتے حامد الکبیر بن محمود بن حسین الاچی اور جلال الدین احمد بن یعقوب بن محمود بن سلیمان البتی کے متعلق صراحت ملتی ہے کہ یہ دونوں فن حدیث میں مخدوم صاحب کے شاگرد تھے۔ [1]

شیخ سماء الدّین

م ۱۷ رجمادی الاولیٰ ۹۰۱ھ مطابق یکم فروری ۱۴۹۶ء

شیخ سماء الدّین نے حضرت مخدوم جہانیاں کے بھائی اور اپنے والد کے پیر و مرشد شیخ راجو قتال کو نہ صرف دیکھا تھا بلکہ ان سے کسی حد تک مربوط بھی رہ چکے تھے، ان کے والد بزرگوار کا اسم گرامی خواجہ بدھ فتح اللہ تھا۔ ایک بار انہوں نے اپنے ایک دوستی ملک نامی کی انتہائی منت سماجت پر اس کی جاگیر کی درستی محصول کی ذمہ داری قبول کر لی لیکن چند دنوں بعد سلطان المشائخ سید صدر الدین کو خواب میں دیکھا کہ وہ اس کام سے منع فرماتے ہیں۔ چنانچہ خواجہ فتح اللہ اس کام کو چھوڑ کر اپنے گھر لوٹ گئے لیکن ملک کی دوبارہ منت سے مجبور ہو کر خواجہ کو اس کی جاگیر پر پھر جانا پڑا، لیکن اسی دن بالا خانہ پر وضو کر رہے تھے کہ سلطان المشائخ نمودار ہوئے اور انہوں نے خواجہ بدھ کو نیچے دھکیل دیا۔ خواجہ بچ گئے لیکن اس کام سے علیحدگی اختیار کر کے اہل اللہ

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی ص ۶۲ [2] سیر العارفین ص ۱۲۱

کے زمرے میں داخل ہو گئے ، اور شیخ راجو قتال سے رابطہ ارادت استوار کرکے سہروردیہ سلسلہ میں شامل ہو گئے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ سماء الدین بھی باپ کے ہمراہ شیخ راجو کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ۔

شیخ سماء الدین کو بچپن سے عبادت میں جس قدر شغف تھا اس کا حال سیر العارفین[1] میں خود شیخ کے حقیقی بھائی شیخ اسحاق کے حوالہ سے بیان ہوا ہے کہ بارہ سال کی عمر سے تہجد کی نماز کبھی فوت نہیں ہوئی ۔

اخبار الاخیار صـ۲۱۱ سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ موصوف کے استاذ مولانا ثناء الدین تھے جو میر شریف جرجانی کے شاگرد رہ چکے تھے ۔

مولانا ثناء الدین بڑی صلاحیت کے عالم تھے چند سال شیراز میں رہ کر سید شریف سے بھی علوم حاصل کرکے اپنے ہم عصروں میں بے حد ممتاز ہو گئے ۔ ان کے والد قطب الدین بہرام تھے جو کبر سنی تک لاولد تھے کلام اللہ کے حافظ تھے ہر شب جمعہ کو حضرت بہاء الدین زکریا اور ان کے صاحبزادے حضرت صدر الدین کے مقبرے پر حاضر ہوتے ۔ اور ایک ختم قرآن کے بعد واپس آتے ۔ ایک شب ختم کلام کے بعد غنودگی طاری ہوئی ۔ حضرت شیخ صدر الدین کو خواب میں دیکھا کہ وہ خرمے دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ایک خود کھاؤ اور دوسرا اپنی زوجہ محترمہ کو کھلا دو ۔ انشاء اللہ تم کو فرزند نیک بخت حاصل ہوگا ۔ ابھی اس جگہ سے نکل رہے تھے کہ ایک اور بزرگ نے دو خرمے دیئے اور ان دونوں کے حسب ارشاد عمل کرنے کا نتیجہ مولانا ثناء الدین کی ذات بابرکات تھی ۔

بہرحال شیخ سماء الدین نے مولانا ثناء الدین سے علم حاصل کیا ۔

---

[1] سیر العارفین صـ۱۲۰

خرقۂ خلافت اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ شیخ سمار الدین شیخ کبیر نبیرہ سید جلال الدین بخاری کے مرید تھے، اور سیر العارفین سے اس کی پوری وضاحت ہوتی ہے۔ چنانچہ جیسا اشارہ ہوچکا ہے بچپن میں ان کے والد خواجہ بدھ نے انہیں بھی شیخ راجو کا معتقد کر دیا تھا، لیکن باقاعدہ ان سے خلافت نہ ملی تھی، ان کی وفات کے بعد شیخ سمار الدین نے حضرت شیخ المشائخ شیخ کبیر الدین اسماعیل کی طرف رجوع کیا۔

سیر العارفین میں خود شیخ مذکور کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام صدر الدین محمد المعروف بہ شیخ راجو قتال (جو حضرت شیخ کے والد کے پیر و مرشد تھے) کے انتقال کے بعد وہ ایک روز حضرت کبیر الدین کی خدمت میں حاضر ہوکر شفقت و مرحمت کے طالب ہوئے، حضرت شیخ کبیر نے ایک دوسرے صوفی درویش شیخ فضل اللہ کا ذکر کیا۔ اور ان سے خرقۂ خلافت دلانے کا وعدہ کیا، لیکن شیخ سمار الدین نے کچھ بھی نہ کہا اور مکان واپس چلے آئے، کچھ دنوں بعد پھر شیخ کبیر کے آستانہ پر گئے اور وہی درخواست پیش کی مگر شیخ نے گذشتہ موقع کی طرح پھر شیخ فضل اللہ کا تذکرہ کیا اس پر شیخ سمار الدین نے کہا کہ۔

"پیری و مریدی و مرشدی و مسترشدی بہ رابطۂ قلبی و فرط محبت نہادہ اند و من این معنی نسبت حضرت مخدومی مستحکم و مستقیم می یابم"

اس جواب سے شیخ کبیر اس قدر متأثر ہوئے کہ فوراً اٹھ کر ان سے بغل گیر ہوئے اور حجرۂ خاص میں لے جاکر تلقین و ذکر شروع کیا، ان ہی ایام[1] میں شیخ سمار الدین کے دل میں ترک علم ظاہری کا خیال راسخ ہوگیا تھا، شیخ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ اساس دین کی بنیاد علم ظاہری پر ہے، اس لئے اس کو ترک کرنے کا خیال

---

[1] سیر العارفین ص ۱۲۲۔

ختم کر دینا چاہیئے ۔ چند وجوہ سے انہیں اپنا وطن چھوڑنا پڑا ۔ اخبار الاخیار میں ہے کہ " از ملتان بنابر بعضے وقائع کہ در آن دیار واقع شدہ برآمد "

سفرِ گجرات

ناگور میں کچھ دنوں قیام کے بعد شیخ سماء الدین گجرات کی طرف چلے گئے ۔ اس وقت انکی عمر ۶۵ سال کی تھی ۔ اس لحاظ سے ان کا سفر ۸۶۵ھ کے قریب ہوا ہوگا ۔ گجرات کے قیام میں انکی ملاقات شیخ وجیہ الدین احمد سے ہوئی جو بقول صاحب سیر العارفین اس وقت ۱۲۰ سال یا ۱۲۳ سال کے تھے ۔ وہ علوم ظاہری میں ابو حنیفہؒ وقت اور علوم باطنی میں بایزید زمانہ تھے ، شیخ کے آنے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ان کے ساتھ باوجود ناشناسائی کے ایسا برتاؤ کیا جو کوئی خود اپنے بزرگ کے ساتھ کرتا ہے ۔ حالانکہ دونوں کی عمر میں تقریباً ۶۰ سال کا فرق تھا اور اپنا ایک خاص مصلیٰ شیخ سماء الدین کی خدمت میں پیش کیا ۔

گجرات سے واپسی پر شیخ سماء الدین رنتھمبور کی طرف آئے اور یہاں کے قلعہ کے قریب بلانیہ / بیانہ نام کے ایک قریہ میں قیام کیا ، اسی قریے میں شیخ جمالی نے شیخ سماء الدین سے بیعت کی تھی ۔

شیخ سماء الدین رنتھمبور سے بیانہ آئے یہاں ان کا قیام زیادہ دنوں تک معلوم ہوتا ہے ، شیخ سماء الدین بیانہ سے دھلی چلے آئے اور تا آخر حیات یہیں مقیم رہے ۔

اس عہد میں دہلی کا تاجدار بہلول لودھی تھا وہ شیخ سماء الدینؒ کا بے حد عقیدت مند تھا اور ان کی خدمت میں کبھی کبھی حاضر ہوتا تھا ، شیخ کو بھی بہلول سے بڑی محبت تھی ، اس سے بہلول لودھی کی اس عقیدت کا پتہ چلتا ہے جو اس کے فقراء مشائخ سے تھی ۔ اور غالباً اس ارادت مندی کا نتیجہ تھا کہ اس نے اپنی ایک لڑکی کی نسبت ایک صوفی درویش شاہ عبداللہ قریشی سے کر دی ، جو ملتان کے رہنے والے اور حضرت بہاء الدین زکریا کی اولاد میں سے تھے ۔ شاہ عبداللہ موصوف نہ صرف شیخ سماء الدینؒ

کے ہم وطن تھے بلکہ دونوں ایک ہی سلسلہ سہروردیہ سے مربوط تھے۔

بہلول کی وفات ۸۹۴ھ میں ہوئی، اس کے بعد اس کا لڑکا سکندر لودھی تخت نشین ہوا۔ باپ کی طرح وہ بھی درویشوں کا بیحد عقیدت مند تھا۔ حضرت شیخ سماءالدین سے بھی بڑی ارادت رکھتا تھا، چنانچہ جب تخت نشینی کے لئے اس کو دعوت دی گئی تو سب سے پہلے وہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کا طالب ہوا۔ [1]

اخبار الاخیار میں ہے کہ آخر وقت میں شیخ کی بصارت جاتی رہی تھی مگر خدا نے بغیر دوا کے ان کی آنکھیں روشن کر دیں۔ شیخ نے طویل عمر پائی آپ نے ۱۷ جمادی الاولیٰ ۹۰۱ھ بمطابق یکم فروری ۱۴۹۶ء کو تقریباً سو سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ انتقال سے پہلے آپ اپنے بڑے لڑکے شیخ عبداللہ کو دیکھنا چاہتے تھے جو ایک مدت سے صحرا نشین ہو گئے تھے۔ شیخ جمالی ان کی تلاش میں جانے کو تیار تھے اور شیخ سماءالدین نے بیٹے کے نام ایک اشتیاق نامہ بھی لکھا تھا جس میں یہ شعر درج تھا۔ [2]

طاقت وصبر مرا نیست بریں ہجر طویل
قدم زود بنہ بر سر ایں پیر علیل!

مگر دوسرے دن چاشت کے وقت شیخ جمالی کو طلب کر کے فرمایا، معلوم نہیں شیخ عبداللہ کا دیدار نصیب ہوتا ہے یا نہیں، میری خواہش یہ ہے کہ تم میرے پاس سے الگ نہ ہو ورنہ ایسا نہ ہو کہ میرے جنازے میں شریک نہ ہو سکو، اس کے بعد تقریباً ایک ہفتہ استغراق کا عالم طاری رہا مگر ہر نماز کے لئے تازہ وضو کر کے نماز پڑھتے۔ پھر محویت طاری ہو جاتی۔ یہاں تک کہ سترہویں جمادی الاوّل کو بعد نماز عشاء آنکھ کھولی تبسم فرمایا اور رحلت کی۔ شیخ جمالی نے یہ قطعہ نظم کیا ہے۔

مرشد الانس و ملک شاہ سماءالدین چوں رفت
اے جمالی بر سریر عرش آمد گام او!

[1] معارف ۱۰ جلد ۷۵۔ [2] اخبار الاخیار ص ۲۴۵۔

بشت خلد آمد بنام او اگر پرسد کسے
سال تریخش بگو ہشت آمدہ برنام او

ہشت کے ۵ عدد ہوتے ہیں اس میں سماء الدین کے ۲۰۱ شامل کرنے سے ۹۰۱ھ ہوگا مؤلف خزینۃ الاصفیاء نے یہ قطعہ لکھا ہے۔

سماء الدین ولی سہروردی ! | کہ در ارض و سما حکمش رواں شد
چو از حکم قضا رخت سفر بست | قضا تاریخ ترحیلش بیاں شد
دگر مہتاب جنت گشت روشن | ہم عارف متقی سالش عیاں شد

آپکی تجہیز و تکفین کے وقت دہلی کے اکابر مشائخ و علماء موجود تھے، شیخ جمالی نے حضرت حاجی عبدالوہاب، مولانا عبداللہ الہ داد، شیخ نصیر الدین اور حضرت زبدۃ الانام کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے، ان میں اول الذکر سید جلال بخاری کی اولاد میں تھے، جو حضرت مخدوم جہانیاں کے جد اور سلسلہ سہروردیہ کے ایک ممتاز رکن تھے۔ حضرت حاجی ملتان سے دہلی آکر سکونت پذیر ہوگئے۔

مولانا عبداللہ الہ داد شیخ جمالی کے استاد اور عہد سکندری کے سب سے ممتاز عالم تھے بہلول لودھی کے زمانے میں ملتان سے دہلی آگئے۔

نیز شیخ سماء الدین کے چھوٹے صاحبزادے تھے اور آخری کی شخصیت کا تعین نہیں ہو سکا، شیخ سماء الدین کا مقبرہ حوض شمسی پر ہے ان کے پہلو میں ان کے خاندان کے بعض دوسرے افراد بھی مدفون ہیں، سیر العارفین سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت قطب الدین بختیار نے ان کے مدفن کا نشان مقرر کیا تھا

معمولات

شیخ سماء الدین اکابر اولیاء میں تھے، آپکی حیات کا ہر سانس عبادت و طلب رضائے الہی میں صرف ہوتا تھا، آپ کا باقاعدہ دستور تھا جس میں تبدیلی مشکل سے ہوتی۔ سیر العارفین میں ہے کہ آدھی رات کو تجدید

وضو کر کے نماز شروع کرتے اور تقریباً ایک پہر نوافل میں گذارتے، نصف پہر ورد میں صرف ہوتا پھر صبح صادق تک مراقبہ میں رہتے ۔ اس کے بعد فجر کی سنت مؤکدہ ادا کرتے اور نماز فجر با جماعت پڑھتے، نماز چاشت کے بعد کچھ مراقبہ کرتے اور پھر درس و تدریس میں مشغول ہو جاتے، تفسیر، حدیث اور اصول فقہ کا خاص طور پر درس دیتے، جس میں کبھی کبھی علماء تک شریک ہوتے ۔ اس کے بعد مریدوں کی تربیت کی طرف متوجہ ہوتے اور ہر مرید کی اصلاح فرماتے ۔ عصر تک یہ کام جاری رہتا، پھر مغرب تک استغراق کا عالم رہتا ۔ نماز مغرب و اوّابین ادا کر کے مراقبہ میں چلے جاتے، نماز عشاء سے فارغ ہو کر مسجد سے گھر آتے، کھانا کھاتے، کچھ دیر استراحت فرماتے مگر ذکر جاری رہتا اس طرح صبح سے شام تک سوائے عبادت کے دوسرا شغل ہی نہ رہتا تھا

شیخ جمالی آپ کے داماد تھے ۔ [1] شیخ جمالی نے لکھا ہے کہ ایک روز ایک درویش شیخ سماء الدین کی خدمت میں آئے ان کے پاس مکتوبات عین القضاۃ ہمدانی کا ایک نسخہ تھا حضرت نے اسے اپنے ہاتھ میں لیا اور چند ورق مطالعہ کرنے کے بعد شیخ عین القضاۃ کا ایک واقعہ نقل کیا ۔ ایک بار ان کی بیس[2] جگہ دعوت تھی لیکن وہ حجرہ سے باہر نہ نکلے اور ہر جگہ موجود بھی تھے، شیخ جمالی کے دل میں شبہ پیدا ہوا چنانچہ حسب معمول جب وہ طشت و مشربہ لے کر شیخ سماء الدین کے کمرہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ شیخ اپنی جگہ پر موجود ہیں اور چاروں کونوں میں اُن کی چار صورتیں کھڑی ہیں اس کے بعد خود فرمایا کہ درویشوں میں یہ قوت ہوتی ہے کہ ایک ہی وقت میں کئی جگہ حاضر ہو جائیں لیکن یہ باتیں ہر شخص سے کہنے سننے کی نہیں ہیں ۔[3]

---

[1] معارف ۲ ج ۵، ص ۱۱۱ [2] سیر العارفین ص ۱۲۵ ، معارف ۱ ج ۵، ۔

سید صدرالدین راجو قتال

قطب العالم کے پیر و مرشد

(متوفی ۱۹ رجمادی الاخری ۸۲۷ھ/۱۶ رمئی ۱۴۲۴ء)

آپ حضرت سید احمد کبیر بن سید جلال سرخ بخاری رح کے چھوٹے فرزند اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح کے برادرِ حقیقی اور خلیفہ اجل تھے۔ ۲۶ رشعبان ۷۳۰ھ/۱۳ رجون ۱۳۳۸ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹ رجمادی الاخریٰ ۸۲۷ھ/۱۴۲۴ء کو انتقال فرمایا۔ علم و عمل کے جامع اور شریعت و طریقت کے ماہر تھے مرآۃ العالم میں تحریر ہے۔

صدرالدین راجو قتال اپنے والد احمد کبیر کے مرید و خلیفہ تھے اور اپنے بڑے بھائی مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے بھی خرقہ خلافت پایا۔ اور ان کے بعد۔۔۔ جانشین اور خلیفہ ہوئے۔ آپ علوم ظاہری، اصول، معاملات اور اشارات میں جامعیت رکھتے تھے اور ہند کے اجل مشائخ میں سے تھے۔

اپنی عمر عزیز کا بیشتر حصہ اپنے برادر بزرگ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی صحبت میں بسر کیا۔ اور سفر و حضر میں حضرت مخدوم رح کے فیوض ظاہرہ و باطنہ سے بہرہ یاب ہوتے رہے۔ حضرت مخدوم فرمایا کرتے تھے۔

خالقِ حقیقی نے ہم کو امور خلقت میں مشغول کیا۔ اور برادر عزیز صدرالدین کو اپنی ذات کے عشق میں مستغرق کر رکھا ہے۔

چونکہ طبیعت میں جلال کا عنصر غالب ہے اس لئے قتال یا کتال کے لقب سے مشہور رہے۔ اس سلسلہ میں اُوچ کے ہندو حاکم "نواہوں" کا واقعہ مشہور ہے جس سے شانِ جلالی اور افتادِ طبع کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے مرض الموت کے ایام میں "نواہوں" عیادت کی غرض سے حاضر ہوئے۔ اور حضرت والا کی تعریف میں ایک ایسی بات انکی زبان سے بے ساختہ نکل گئی جس سے توحید و رسالت کا اقرار مترشح ہوتا تھا۔ آپ نے اسے قبولِ اسلام کا حکم دیا۔ نواہوں کو اس میں تامل ہوا اس لئے راتوں رات بھاگ کر دہلی پہنچے۔ فیروز تغلق سے ان کے مراسم دوستانہ تھے۔ حضرت صدرالدین راجو قتال نے دہلی تک اسکی وجہ سے سفر کیا۔ مشہور بزرگ قاضی عبدالمقتدر تھانیسری کے صاحبزادے مولانا محمد تھانیسری نے "نواہوں" کی جاں بخشی کے لئے حیلہ شرعی سے کام لیا۔ اس پر آپ مولانا محمد تھانیسری سے بگڑ گئے۔ اور ان پر ایک نگاہ غضب آلود ڈالی اور فرمایا تمہاری گفتگو دیانت سے خالی ہے تم اپنے کفن و دفن کی فکر کرو۔ آپ کا یہ کہنا تھا کہ مولانا محمد تھانیسری کے پہلو میں درد اٹھا اور اس حد تک بڑھا کہ مرغ بسمل کی طرح زمین میں لوٹنے لگے۔ قاضی عبد المقتدر اور دیگر علماء و فضلاء نے ان کی آپ سے سفارش کی فرمایا جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب انکی تجہیز و تکفین کا اہتمام کرو۔ اور غم نہ کرو۔ مولانا محمد تھانیسری کے ہاں جو لڑکا پیدا ہونے والا ہے وہ اپنے وقت کا مشہور زمانہ عالم اور ولی اللہ ہوگا۔ چنانچہ مولانا محمد تھانیسری کے انتقال کے ۲ دو ماہ بعد ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا جس کا نام ابو الفتح رکھا گیا۔ یہ بچہ آگے چل کر بہت بڑے عالم فاضل اور خدا رسیدہ بزرگ ثابت ہوئے۔ ان کا مقبرہ جون پور میں مرجع خلائق ہے۔

ملفوظات میں لکھا ہے کہ سید صدرالدین راجو قتال کے ہاتھ پر تین لاکھ چالیس ہزار سے زیادہ افراد نے بیعت کی۔

ایک نومسلم دین محمد کا حال مناقب الولایت میں اس طرح تحریر ہے کہ یہ نومسلم پہلے

ہندو تھے (حضرت راجو قتال کی) صرف گفتگو سنتے ہی مسلمان ہوگئے۔ (آپ نے) انکا نام دین محمد رکھا اور اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اور سہروردیہ طریقہ میں داخل کیا۔

حامد گنج بخش لکھتے ہیں کہ وہ صرف ان کے دیکھنے ہی سے مسلمان ہوگئے۔ اور اس طرح تین سو کافر آئے اور مسلمان ہوئے۔

آپ کی اولاد کافی تھی مگر خلافت و سجادگی اپنے بھتیجے سید ناصرالدین محمود کے صاحبزادے سید فضل اللہ کے سپرد کی جن کا مزار اُوچ میں آپ کے مزار سے متصل جانب جنوب واقع ہے۔ آپ کے خلفاء کی تعداد بھی سینکڑوں سے متجاوز ہے مشہور خلفاء میں قطب العالم سید برہان الدین احمدآبادی، شیخ کبیرالدین اسماعیل بخاری، حاجی سید عبدالوہاب، شاہ داؤد قریشی، شیخ اسماعیل قریشی اور سید احمد مخدوم جہاں شاہ کے اسماء قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت راجو قتال کا ۱۹ رجمادی الآخر ۸۲۷ھ/۱۴۲۴ء کو وصال ہوا اور اُوچ میں دفن ہوئے۔

حضرت راجو قتال کے حالات میں حاجی حامد گنج بخش نے ایک کتاب "مناقب الولایت" لکھی ہے۔ [۱]

سیّد تاج الدین

سیّد جلال مخدوم جہانیاں رح کے خلیفہ تھے۔ آپ کا مزار احمدآباد شہر کے اندر محمد بیگ خاں کی حویلی کے نزدیک مرزاپور میں واقع ہے۔ [۲]

---

۱ مخدوم جہانیاں ص۱۵۳ ۔ خطہ پاک اوچ ص۲۳۶ ۔ ۲ خاتمہ مرات احمدی ص۱۰۳ ۔

بابا اسحاق مغربی اور حضرت شیخ احمد کھٹوی سرکھیجی

(م ۷۶۳ھ سے ۷۷۶ھ)

شیخ احمد کھٹوی، شیخ اسحاق مغربی کے خلیفہ تھے۔ شیخ مغربی اپنی طول عمری کی وجہ سے حضرت شیخ ابو مدین مغربی سے فیض یافتہ تھے۔ تحفۃ المجالس میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ اسحاق مغربی اپنے پیر ابو مدین مغربی کی وفات کے بعد اپنے پیر و مرشد کے اشارے سے برصغیر ہندوستان کے سفر پر روانہ ہوئے۔ سلطان فیروز شاہ کے زمانہ میں اجمیر شریف آئے اور حضرت خواجہ اجمیری کے مزار پر انوار پر قیام کیا۔ ایک عرصہ تک یہاں قیام فرمایا۔ ایک رات حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رح نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ آپ ناگور کے علاقہ میں قصبہ کھتو / کھاتو میں چلے جائیں اور وہاں کام کریں۔

خطۂ پاک اوچ نامی کتاب میں ہے کہ آپ شیخ معین الدین اجمیری رح کے معاصر ہیں۔ آپ کو حضرت اجمیری نے کھتو (کھاتو) بھیجا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منامی ارشاد نہیں بلکہ بیداری کا واقعہ ہے۔

آپ کھتو (کھاتو) پہنچے۔ فقر و فاقہ میں زندگی گذارنی شروع کردی۔ اور خلقِ خدا کو روحانیت سے مالامال کرتے رہے۔ ایک وقت آیا کہ سلطان فیروز شاہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر نیازمندی کا اظہار کیا بادشاہ کو دیکھ کر مزید بے پناہ مخلوق آپ سے فیض یاب ہونے لگی۔ آپ نے ۷۷۶ھ/۷۶۳ھ/۱۳۶۱ء میں وفات پائی

شیخ اسحاق پیر روشن دل — آنکہ در خلق ذات او طاق است
رکن رقم سال رحلتش سرور — آنکہ مشہور جملہ آفاق است
مہدی متقی امسین اللہ! — نیز سردار عالم اسحاق است
۷۷۶ھ — ۷۷۶ھ — ۷۷۶ھ

شیخ وجیہ الدین (یوسف ثانی)

جمالی لکھتے ہیں

حضرت شیخ، وجیہ الدین، کو لوگ ان کے حسن و جمال کی وجہ سے یوسف ثانی کہا کرتے تھے وہ فسق و فجور میں مستغرق رہتے تھے اور ہمیشہ شراب پیتے تھے : ایک روز سوار ہو کر جا رہے تھے کہ ان کا گزر بابا اسحاق مغربی کی خانقاہ کے دروازے سے ہوا۔ بابائے مذکور اپنی خانقاہ کے دروازے پر کھڑے تھے، انہوں نے (شیخ وجیہ الدین احمد) کو دیکھا تو آدھے مثقال کے وزن کا ایک ڈھیلا اٹھا کر شیخ (وجیہ الدین) احمد کے مارا اور کہا کہ اے لڑکے! کب تک فسق و فجور میں مبتلا رہے گا۔ یہ سنتے ہی شیخ وجیہ الدین احمد بیہوش ہو گئے اور گھوڑے سے زمین پر گر پڑے۔ جب بابا اسحاق نے یہ دیکھا تو ان کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ کچھ دیر کے بعد ان کو خانقاہ کے اندر لائے، تھوڑا سا پانی طلب کیا خود پیا اور بقیہ ان کے منہ میں ڈال دیا۔ شیخ ہوش میں آ گئے اور بیعت کر لی اور جو مال و متاع ان کے پاس تھا وہ سب بابا اسحاق کے سامنے پیش کر دیا جو مستحقین میں تقسیم کر دیا گیا۔

تھوڑے ہی عرصے میں وہ قطب کے درجے پر فائز ہوئے ۔ چنانچہ ہندوستان کے اکثر بادشاہ ان کے مرید ہوئے ۔ شیخ وجیہ الدین احمد نے شادی نہیں کی وہ پندرہ سال تک حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کے مجاور رہے اور وہاں سے گجرات آئے ۔ سلطان احمد گجراتی کہ جو ایک عالم اور حافظ قرآن تھے ان کے مرید ہوئے ۔ اس زمانے میں ان کا مقبرہ شہر احمدآباد کے نزدیک قصبہ سرکھیج میں ہے ۔ انکی پائنتی گجرات کے بہت سے بادشاہوں کی قبریں ہیں ۔

شیخ احمد کھٹو ملقب بہ گنج بخش
جمال الدّین ، شہاب الدین

متوفی ۱۰ر شوال/۱۴ شوال ۸۴۹ ھ

شیخ شہاب الدین احمد بن عبداللہ کھتوی سرکھیجی رح ۷۳۷ ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے ۔ اور حکمت الٰہی نے کھتو میں پہنچایا ۔ جودھپور کے ضلع ناگور میں کھاٹو نام کے دو موضع ہیں جو ایک دوسرے سے دو تین میل کے فاصلے پر ہیں دونوں میں امتیاز کرنے کی خاطر مشرقی قصبے کو چھوٹی کھاٹو اور مغربی کو بڑی کھاٹو کہتے ہیں کھاٹو جدید تلفظ ہے قدیم صورت کھٹو ہے ۔ تمام پرانی کتابوں ، فرامین اور کتبوں میں یہ نام بصورت (کھٹو) ملتا ہے ۔ بڑی کھاٹو کسی زمانے میں نہایت اہم مقام رہا ہے ۔ اس میں بہت سی مساجد، 5
مزارات اور دیگر پرانے آثار موجود ہیں ، ان میں سب سے قدیم ایک مسجد ہے جو سلطان شمس الدین التمش (متوفی ۶۳۳ ھ) کے دور سے تعلق رکھتی ہے ۔

اسی عہد کا ایک کتبہ بھی موجود ہے۔ سنگ مرمر کے اس کتبے پر جو عربی میں کندہ ہے رمضان ۶۲۹ھ تاریخ دی گئی ہے۔ کتبے کی تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابتدا میں التمش کے عہد میں کسی تالاب پر نصب کیا گیا تھا۔ یاد رہے کہ اس علاقے میں پانی کی قلت کے سبب برسات کا پانی بڑے بڑے تالابوں میں محفوظ کیا جاتا ہے۔ جو سال بھر استعمال ہوتا ہے آجکل یہ کتبہ حضرت اسحاق مغربی کی درگاہ میں جو آٹھویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ موجود ہے انہی حضرت اسحاق مغربی (متوفی ۷۶۳ھ) کے مرید مشہور بزرگ شیخ احمد کھٹو تھے۔ جن کا مزار سرکھیج (گجرات) میں واقع ہے۔ یہ اپنے پیر خانے کی نسبت سے کھٹو کہلاتے ہیں۔ جہانگیر اپنی توزک میں گجرات کے سفر کے سلسلے میں لکھتا ہے۔

'چوں مزار شیخ احمد کھٹو بر سر راہ واقع بود نخست بدانجا رفتہ فاتحہ خواندہ شد۔ کھٹو نام قصبہ ایست از سرکار ناگور و مولد شیخ از آنجاست'

لیکن شیخ کی پیدائش کے معاملے میں جہانگیر کو سہو ہوا ہے۔ آپ کی پیدائش کھٹو نہیں بلکہ دہلی کی ہے جیسا کہ ابوالفضل نے آئین میں تحریر کیا ہے۔

'لقب جمال الدین در دہلی سال ہفت صد وسی و ہفت بزاد از بزرگ زادہائی آنجاست۔ مرید و خلیفہ (بابا اسحاق مغربی) نام او نصیر الدین ------'

علاوہ ازیں 'شیخ احمد کھٹو در سال ہفت صد سی ہفت در دہلی متولد شد [۱]

جیسا ہم چاہتے تھے آپ کے حالات نہ مل سکے اسلئے کہ سب سے قدیم تلمیح کتاب مرقاۃ الوصول الی اللہ والرسول میں ملتی ہے جو شیخ احمد کھٹو کے حالات میں نویں صدی ہجری کے وسط کی تالیف ہے۔ جو حضرت شیخ احمد کے کسی معتقد محمد قاسم نامی نے مرتب کی ہے۔ اس کا قلمی نسخہ احمد آباد میں حسینی پیر کے کتب خانے میں موجود ہے [۲] دیگر کتابوں سے ہم نے یہاں کچھ حالات جمع کر دیئے ہیں۔

[۱] بحر التواریخ [۲] مقدمہ مقالات شیرانی ص ۱۹۱ ج ۱ [۳] مقدمہ مقالات شیرانی ص ۱۹ ج ۱

شیخ احمد بچپن میں بابا اسحاق تک کیسے پہنچے اس میں روایات مختلف ہیں ایک روایت یہ ہے کہ۔

آپ کے آباء و اجداد دہلی کے باشندے تھے۔ آپ کا بچپن بھی دہلی میں گذرا۔ ایک بار دہلی میں بچوں کے ساتھ آپ کھیل رہے تھے کہ سخت طوفان اور آندھی آئی۔ جو آپ کو وہاں سے کسی اور طرف لے گئی۔ مسافروں کی طرح آپ بے یار و مددگار ہو گئے۔ اس زمانے آپ کسمپرسی کی حالت میں اِدھر اُدھر گھوم کر وقت گذارا کرتے۔ ایک دن بابا اسحاق مغربی سے ملاقات ہوگئی، جو اس وقت کے بڑے کامل درویش تھے۔ وہ آپ کو اپنی قیام گاہ کھٹو میں لے آئے جو اجمیر کے قریب ایک گاؤں ہے۔ اس طرح آپ نے بابا اسحاق مغربی کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی۔

دوسری روایت صاحب معارج الولایت نے نقل کی ہے کہ شیخ احمد کھتو کے پیر و مرشد بابا اسحاق میرٹھ کی طرف آئے دریائے جون (جمنا) کے کنارے ایک توت کے درخت کے نیچے چند روز یاد خداوندی میں گذارے اور وہاں سے کھٹو نامی موضع میں آکر مقیم ہو گئے۔ انہی دنوں دہلی میں زبردست طوفان آیا تمام ماحول میں اندھیرا چھا گیا دہلی کا ایک بچہ جسے اس کی دایہ گھر سے باہر لائی ہوئی تھی، تاریکی میں گم ہو گیا۔ اور پھرتا پھرتا ایک ایسے مقام پر آپہنچا جہاں ایک قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔ صبح قافلے والوں نے ایک خوبصورت بچے کو دیکھا تو اسے اپنے ساتھ لے لیا۔ اور دوآبہ (پنجاب) کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ بچہ ایک شخص نجیب نسّاج کے ہاتھ آگیا۔ یہ شخص پنجاب کے ایک قصبے دہندوانہ سے روئی کی تجارت کے لیے دہلی گیا ہوا تھا چنانچہ وہ بچے کو اپنے گھر لے آیا۔ اتفاقاً مولانا شہاب الدین ہمدانی کے پوتے مولانا صدرالدین اسی گاؤں میں گئے ہوئے تھے۔ وہ جناب ابو اسحاق کو ملنے کے لیے کھتو گئے تو آپ نے انہیں فرمایا کہ اگر اس شکل و صورت کا بچہ ملے تو میرے لیے لانا۔

اس نسبہ میں آپ نے جب اس بچے کو غور سے دیکھا تو وہ واقعی اسی شکل وصورت کا تھا۔ جس کی خواہش حضرت شیخ اسحاق نے کی تھی۔ چنانچہ آپ نے بخیب نساج سے وہ بچہ لیا اور حضرت کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے اسے اپنی فرزندی میں رکھ کر پرورش کی اور اس کا نام شیخ احمد رکھا۔

ان دنوں اس بچے کی عمر چار سال تھی جو بعد میں شیخ احمد کھتو کے نام سے مشہور ہوئے

شیخ احمد بارہ سال کی عمر کے ہوئے تھے کہ حضرت اسحاق نے انہیں دہلی میں بزرگان چشت کے مزارات کی زیارت کے لئے ساتھ لیا شیخ احمد کے بھائی نے انہیں پہچان لیا اور کہا یہ تو میرا بھائی ملک نصیر الدین ہے۔ وہ سیاہ اندھیری میں گم ہوگیا تھا۔ اس وقت آپ کے والدین ابھی تک زندہ تھے انہوں نے اصرار کیا مگر بچے نے شیخ اسحاق سے جدا ہونا قبول نہ کیا۔ ان دنوں مخدوم جہانیاں جہاں گشت قدس سرہٗ اوچ شریف سے دہلی میں قیام پذیر تھے۔ سلطان فیروز شاہ اور دوسرے امرائے سلطنت آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

شیخ اسحٰق نے اپنے (منہ بولے) بیٹے شیخ احمد سے کہا کہ اگر تم چاہو تو تمہیں مخدوم جلال الدین جہانیاں سے بیعت کرا دوں انہوں نے کہا کہ میں آپ کا مرید ہوں آپ ہی میرے مخدوم ہیں۔ مجھے نئی جگہ بیعت کی کیا ضرورت ہے۔ بچے کی بات سنکر شیخ اسحاق بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ ہندوستان کے شہنشاہ تمہارے دروازے پر حاضری دیا کریں گے۔

شیخ اسحاق کی محبت کا یہ عالم تھا کہ شیخ احمد کھٹو کو ایک لمحہ کے لئے نہیں بھولتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے شیخ احمد کو بھی حسن وکمال سے خوب نوازا تھا کہ جو بھی آپ کو دیکھتا بے اختیار ہو جایا کرتا تھا۔ نیز آواز میں بھی بڑی جاذبیت تھی۔ شیخ احمد کی عمر بیس سال ہوئی تو شیخ اسحاق نے آپ کو لباس خلعت سے نوازا اور خرقۂ خلافت کے ساتھ

ساتھ اپنے پیران کرام کے تبرکات اور روحانی امانتوں سے بھی نواز دیا۔ اسکے بعد شیخ اسحٰق کا انتقال ہوگیا[1] بابا اسحاق مغربی کا سلسلہ شیخ ابو مدین مغربی سے جاکر ملتا ہے اور یہ اس قدر عالی سلسلہ ہے کہ صرف پانچ بزرگوں کے واسطہ سے سید الکونین فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے کیونکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح اخبار الاخیار میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کے سلسلہ کے تمام بزرگوں کی عمریں ڈیڑھ سو برس سے زائد تھیں۔

سفرِ حج آپ کے پیر و مرشد حضرت بابا اسحاق مغربی کا وصال بعمر ۱۱۶ / ۱۰۶ ھ / ۷۶۳ ھ میں ہوا۔ ان کا مزار کھٹو میں مرجع خواص و عوام ہے۔[2]

پیر و مرشد کی رحلت کے بعد ۷۸۳ ھ میں آپ حج کے لئے روانہ ہوئے۔ حج سے فراغت پر مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ جب قافلہ مدینہ منورہ کی سرحد میں داخل ہوا۔ اور گنبد خضرا کا نظارہ ہوا تو آپ پر والہانہ کیفیت طاری ہوگئی اونٹ سے اتر گئے اور پیادہ درود شریف کا ورد کرتے ہوئے اور نعتیہ اشعار پڑھتے ہوئے دربار رسالت میں حاضر ہوئے۔

حجاز سے واپسی حجاز سے واپسی پر حضرت ٹھٹھہ ہوتے ہوئے اُچھ پہنچے اور وہاں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح سے ملاقات ہوئی۔ اور ان کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے۔ اُچھ سے آپ کھٹو پہنچے۔ پھر آپ دہلی تشریف لے گئے اور مسجد خانجہاں میں آپ نے قیام فرمایا۔

مسجد خانجہاں میں مسجد خانجہاں میں آپ کا زیادہ وقت مراقبہ، ذکر و فکر اور تحصیل میں گذرا۔ عبادت و ریاضت میں ایسے مشغول ہوئے

---

[1] خزینۃ الاصفیاء ص ۲۹۵۔ گلزار ابرار ص ۱۴۳۔ اخبار الاخیار۔ تذکرہ اولیائے پاک و ہند ص ۱۹۵۔ تذکرہ صوفیائے میوات۔ نزہۃ الخواطر ص ۴۵ ج ۱۹۔ [2] تاریخ صوفیائے گجرات۔

کہ دن بھر روزہ سے رہتے ۔ اور شام کو کھلی کے ایک ٹکڑے سے روزہ افطار فرماتے ۔ اور جب چلّہ کشی شروع فرمائی تو شیخ عبدالحق رح فرماتے ہیں کہ چالیس روز میں صرف ایک کھجور کھایا کرتے تھے ۔

اسی زمانہ میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت دہلی تشریف لائے ۔ جب انکو معلوم ہوا کہ آپ مسجد خانجہاں میں ٹھہرے ہوئے ہیں تو آپ سے ملاقات کے لئے پہنچے ۔ اور آپ کو بڑی دعائیں دیں ۔

تیمور کا حملہ

۱۳۹۸ء میں تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا ۔ دہلی پہنچ کر اس نے تخت و تاج پر قبضہ کیا ۔ اس وقت دہلی کا بادشاہ محمود تغلق تھا ۔ تغلق دہلی چھوڑ کر گجرات چلا آیا شیخ احمد کھٹو اس وقت دہلی میں مقیم تھے ۔ تیمور کی فوج نے لوٹ مار کر کے بہت سے لوگوں کو گرفتار بھی کر لیا ۔ ان لوگوں میں آپ بھی تھے تیمور کو جب بزرگی اور کرامات کی خبر پہنچی تو اس نے آپکی رہائی کا حکم دے دیا ۔ اور سواری بھیج کر اپنے پاس بلا لیا ۔

آپ نے تیمور سے قیدیوں کی رہائی کے لئے کہا اور لوٹ مار اور قتل و غارت گری بند کرنے پر زور دیا ۔ تیمور نے آپ کی بات مان لی اور آپ سے متاثر ہوا بلکہ معتقد ہو گیا ۔ [1]

سفر سمرقند

تیمور کی درخواست پر آپ اس کے ساتھ سمرقند پہنچے سمرقند میں کچھ دن قیام کے بعد ہندوستان لوٹے ۔ ہندوستان آتے ہوئے بلخ ، ہرات ، اور قندھار بھی تشریف لے گئے ۔ قندھار کے گورنر نے آپ کا خیر مقدم کیا ۔ اور آپ سے قندھار میں قیام کی درخواست کی لیکن آپ نے اس کو منظور نہ فرمایا ۔ وہاں سے آپ ملتان تشریف لائے اور ملتان سے پٹن پہنچے ۔

---

[1] تاریخ صوفیائے گجرات ۔

پھر آپ نے سرکھیج میں سکونت اختیار فرمائی اور تادم حیات یہیں مقیم رہے۔

اخبار الاخیار میں آپ کی گجرات تشریف آوری کا حال اس طرح لکھا گیا ہے کہ ظفر خاں جو فیروز شاہ کی حکومت کی طرف سے نہروالہ کا حاکم تھا۔ جو سلطان مظفر کے لقب سے مشہور ہوا، اس نے آپ کو دہلی کی اقامت کے دوران تعلقات کی بنا پر مجبور کیا کہ آپ گجرات تشریف لائیں اور یہیں مستقل سکونت اختیار فرمائیں چنانچہ آپ تشریف لائے۔ اور سرکھیج میں رہنے لگے [1]

سلطان مظفر خاں کی وفات کے بعد ان کے پوتے سلطان احمد تخت نشین ہوئے وہ بھی شیخ احمد کے مرید ہوگئے تھے۔ ایک دن سلطان احمد نے التماس کی کہ حضور مجھے حضرت خضر سے ملائیے۔ آپ نے فرمایا میں حضرت خضر سے پوچھتا ہوں۔ اگر وہ مان گئے تو بہتر انہوں نے پوچھا تو حضرت خضر نے کہا۔ انہیں چالیس دن تک عبادتِ خداوندی میں رہنا چاہیئے سلطان ایک ماہ تک چلہ میں رہے پھر حکم ہوا کہ دو چلے مزید کاٹیں۔ تین چلے مکمل کر لئے گئے تو سلطان احمد حضرت شیخ احمد کے حجرے میں بیٹھے تھے کہ نماز صبح کے بعد حضرت خضر تشریف لائے۔ دورانِ گفتگو سلطان احمد نے درخواست کی حضور مجھے عجائباتِ دنیا سے کوئی حیران کن چیز دکھائیں۔ آپ نے فرمایا۔ دریائے سابرمتی کے کنارے پر جہاں آج کل صحرا ہے ایک شہر آباد تھا۔ اس شہر کا نام تھا باداں باد وہاں کے لوگ بڑے خوش حال اور امیر تھے ایک دن مجھے بھوک لگی میں اس شہر میں گیا۔ ایک حلوہ فروش کی دکان پر پہنچا اور تیس تنکہ دیکر حلوہ خریدنا چاہا دکاندار نے مجھے دیکھتے ہی کہا تم مجھے درویش دکھائی دیتے ہو میں تم سے پیسے نہیں لونگا۔ ہاں حلوہ جس قدر چاہو کھالو۔ کچھ عرصہ بعد میں پھر وہاں سے گذرا تو وہاں شہر، شہر والوں، بازاروں اور محلات کا نام ونشان نہیں تھا۔ ان کھنڈرات پر ایک ڈیڑھ سو

---

[1] اخبار الاخیار صفحہ ۳۴۰۔

سالہ بوڑھا بیٹھا نظر آیا ۔ میں نے اس سے شہر کے حالات دریافت کیے تو کہنے لگا شہر کا حال تو مجھے بھی معلوم نہیں ہے ۔ ہاں میں نے اپنے بوڑھوں سے سنا ہے کہ یہاں ایک شہر تھا ۔ جس کا نام باداں باد تھا ۔ سلطان نے حضرت خضر سے اجازت لی کہ اگر آپ چاہیں تو میں اسی مقام پر ایک شہر آباد کرنے کا حکم دوں ۔ حضرت خضر نے کہا ۔ ہاں کوئی مضائقہ نہیں ہے ۔ لیکن ایک شرط یہ ہے کہ سارے ملک سے ایسے چار اشخاص لائے جائیں جن کا نام احمد ہو ۔ اور انہوں نے اپنی (شعوری) عمر میں نماز عصر کی سنتیں بھی قضا نہ کی ہوں اور وہ اس شہر کا سنگ بنیاد رکھیں اور اس کا نام احمد آباد رکھا جائے ۔ چنانچہ چار ایسے آدمی تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ۔ سارے ملک گجرات میں صرف دو اشخاص احمد نامی ملے ۔ ایک قاضی احمد اور دوسرے ملک احمد تھے ۔ لیکن ان دونوں کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ملتا ۔

حضرت شیخ احمد نے فرمایا تیسرا شخص احمد میں ہوں ۔ سلطان احمد یہ سنکر کہنے لگا چوتھا احمد میں ہوں ۔ مجھ سے آج تک عصر کی سنتیں قضا نہیں ہوئیں چنانچہ چاروں ملکر دریائے سابرمتی کے کنارے پہنچے حضرت خضر نے جس جگہ کی نشان دہی کی تھی وہاں بتاریخ ۷ ذیقعدہ ۸۱۳ھ احمد آباد کی بنیاد رکھی ۔ اطراف میں تین سو ساٹھ پورے بنائے گئے ۔ ہر ایک پورہ ایک مکمل شہر تھا ۔ جیسا کہ صرف عثمان پورہ میں جو تین سو ساٹھ پوروں میں سے ایک تھا ۔ اس میں صرف کاریگروں کی دوکانیں دس بارہ ہزار تھیں ۔ ؎

مرآۃ سکندری میں لکھا ہے کہ گجرات کے سلطان احمد نے احمد آباد کی بنیاد ڈالی ۔ اس کی تعمیر کا آغاز ذیقعدہ ۸۱۳ھ / ۱۴۱۱ء اور اختتام ۸۱۶ھ/۱۴۱۴ء میں ہوا ۔ احمد نام کے چار آدمیوں نے اس کی بنیاد رکھی یعنی قطب المشائخ شیخ احمد کھٹو ۔ سلطان احمد رسی کا ایک سرا سلطان نے پکڑا اور دوسرا سرا شیخ

؎ خزینۃ الاصفیا ، ص ۲۹۵ ۔

احمد نے) شیخ احمد اور ملا احمد۔ اسی سلطان نے ۱۴۱۴ء/۸۱۶ھ میں مانگ چوک کے قریب ایک عظیم الشان مسجد بنوائی۔ جس میں "ملوک خانہ" کے علاوہ تین سو باون ستون تھے۔ دروازۂ ملوک خانہ میں بارہ "تخت ملوک خانہ" میں آٹھ اور جنوبی و شمالی بازوؤں میں دو سو بارہ ستون تھے۔ اور اسی طرح دیگر بہت سے ستونوں کے علاوہ ۹۸ گنبد تھے۔ محمود ثانی کے زمانے میں دستور تھا کہ ربیع الاول کی یکم سے بارہویں تک علماء و صلحاء اور مشائخ وغیرہ ان کے دربار میں حاضر ہوتے۔ بخاری شریف کا درس وغیرہ ہوتا۔ بارھویں کو سلطان خود آنے والوں کی خدمت کرتے۔ ان کے ہاتھوں پر پانی ڈالتے اور وزیر طشت پکڑے رہتے۔ اس روز بہت زیادہ نقدی اور پارچہ انعام میں دیا جاتا۔[۱] اسی طرح ۸۱۰ھ/۸۱۳ھ میں شہر احمد آباد کا سنگ بنیاد آپ کے مبارک ہاتھوں سے رکھا گیا۔

شیخ احمد کھٹو جب سنگ بنیاد رکھنے کے لئے تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں ایک بزرگ کو بیٹھا دیکھا۔ ان بزرگ نے آپ کو آواز دی آپ اُن کے پاس گئے تھوڑی دیر تک دونوں بزرگ بیٹھے رہے۔ پھر آپ ان بزرگ سے اجازت لے کر رخصت ہوئے اور پھر احمد آباد کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت شیخ احمد کھٹو سے کسی خادم نے دریافت کیا کہ وہ بزرگ کون تھے حضرت نے بتایا وہ حضرت خضر تھے انہوں نے فرمایا ہے کہ جاؤ بنیاد رکھو بہت اچھا شہر ہوگا۔

[۲] شہر کی تاسیس کے بعد ۸۱۲ھ میں احمد آباد کی جامع مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا جس کی تاریخ ان کلمات سے نکلتی ہے۔ "خیر و بخیر"

---

[۱] مرآۃ سکندری، صفحہ ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۸۔ بحوالہ تاریخ ادبیات ص ۵۴۹

[۲] تاریخ صوفیائے گجرات بحوالہ تاریخ سلاطین گجرات۔

سلاطین سے تعلقات

شیخ احمد کھٹو نے دہلی اور گجرات کے کئی سلاطین و بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ فیروز تغلق، غیاث الدین تغلق، ابوبکر تغلق، ناصر الدین تغلق، محمود تغلق یہ سارے شاہان دہلی حضرت کی بہت تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ گجرات کے بادشاہوں میں بھی سلطان مظفر شاہ، احمد شاہ اور سلطان محمد آپ کے معتقد تھے بلکہ احمد شاہ نے تو حضرت کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لی تھی۔ [۱]

شیخ احمد کھٹو کی سوانح

محمود بن سعید ایرجی نے تحفۃ المجالس کے نام سے آپ کے ملفوظات جمع کئے ہیں۔ ساتھ ساتھ سوانح و کوائف بھی۔ اس کتاب میں آپکی عبادت و ریاضت کشف و کرامات اور تبحر علمی کے بہت سے واقعات مرقوم ہیں۔ چند واقعات درج ذیل ہیں۔

آپ خود فرماتے ہیں کہ یہ فقیر جب زیارت خانہ کعبہ کے ارادہ سے جہاز پر سوار ہوا۔ تو ایک دن وضو کرتے ہوئے اتفاق سے پاؤں پھسل گیا اور میں سمندر میں جا گرا۔ گرتے ہی یا حافظ یا حفیظ یا رقیب یا وکیل یا اللہ کا ورد کرتا رہا میں پانی کی سطح پر تھا اور یہ وظیفہ زبان پر تھا اتنے میں مجھے اپنے پاؤں کے نیچے پتھر سا معلوم ہوا میں اس پر کھڑا ہو گیا۔ پانی کمر تک تھا میں نے ان اسمار مبارکہ کا ورد برابر جاری رکھا اسکے بعد ملاحوں نے مچھلی کی طرح مجھے اوپر اٹھا لیا۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ مکرمہ پہنچ کر حج کیا اور مدینہ منورہ کو روانہ ہوا۔ مدینہ منورہ میں ہمارے ساتھ امام خانجہاں اور شیخ تاج الدین سرکھیجی کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ ہم مسجد نبوی میں تھے

---

[۱] تاریخ صوفیائے گجرات بحوالہ ہسٹری آف گجرات۔ توزک جہانگیری ص ۲۰۹۔

ساتھیوں نے کہا کھانے کا انتظام کرنا چاہیئے میں نے کہا کہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہوں۔ وہ لوگ باہر گئے اور کھانے سے فارغ ہو کر واپس آئے۔ ہم نے ایک ساتھ عشاء کی نماز پڑھی نماز پڑھکر وہ حضرات سو گئے اور میں تسبیح میں مشغول ہو گیا۔ ناگہاں آواز آئی رسول اللہ کا مہمان کون ہے؟ میں نے خیال کیا کسی اور کو آواز دی جا رہی ہے پھر دوسری اور تیسری مرتبہ جب یہ آواز آئی تو میں یہ سمجھا کہ یہ آواز مجھے دی جا رہی ہے میں اٹھا اور اس کے سامنے آ گیا دیکھا کہ وہ شخص ایک طبق ہاتھ میں لئے ہوئے کھڑا ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے۔ میں نے دامن پھیلا دیا اس نے کھجوریں میرے دامن میں ڈال دیں اور طبق لے گیا وہ کھجوریں میں نے کھائیں وہ اتنی لذیذ اور میٹھی تھیں کہ اس کا بیان نہیں ہو سکتا کھجوریں کھا کر سو گیا۔ رات کو ایک خواب دیکھا اور یہی خواب میرے ساتھیوں نے دیکھا کہ:

ایک نہایت پر فضا مقام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام تشریف فرما ہیں اور ایک عورت زیور سے آراستہ وہاں موجود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس عورت کو قبول کر لو میں نے عرض کیا کہ بابا (اسحاق) نے قبول نہیں کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کیطرف اشارہ کر کے فرمایا "یہ تمہارے بابو ہیں میں نے دیکھا تو حضرت علی اپنی انگلی دانتوں میں دبائے کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ بابا احمد رسول اکرم ؐ کے حکم کی تعمیل کرو، اور اس عورت کو قبول کر لو۔ چنانچہ میں نے اس عورت کو قبول کر لیا شیخ احمد کھٹو فرماتے ہیں کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ عورت دنیا کی صورت مثالی تھی۔ آج جو ہمارے یہاں دنیا کی بہتات ہے وہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ

علیہ وسلم کا صدقہ ہے ۔
مدینہ منورہ سے واپسی کے وقت ہم تینوں ساتھی آخری سلام کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضر ہوئے ۔ روضہ مبارک کے خدام دس گز کے فاصلے پر ہاتھوں میں کالے دستانے چڑھائے کھڑے تھے مجھ سے کہا یہ عمامہ لو میں نے جواب دیا ہمارے مرشد نے عمامہ نہیں باندھا وہ ٹوپی پہنتے تھے ۔ اس پر خدام نے کہا رات خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ آپ کو دس گز کپڑا عمامہ باندھنے کے لئے دیا جائے اور ساتھ ارشاد فرمایا ہے کہ "احمد شاہ کو ہمارا حکم ہے" کہ یہ عمامہ اپنے سر پر باندھ لے اور مخلوق خدا کو اسلام کی دعوت دے ۔ چنانچہ وہ کپڑا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عطیہ تھا میں نے ہاتھ میں لیا اس کو چوما اور سر پر باندھ لیا اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دہلی کی مسجد خانجہاں میں رہ کر پہلے سے زیادہ ریاضت و عبادت اور مجاہدہ کیا جائے اسی اثنا میں سیّد جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں کو بھی یہ ندائے غیبی سنائی دی کہ ایک جوان صالح دہلی کی مسجد خانجہاں میں مشغول عبادت ہے اور بہت ہی ریاضت کر رہا ہے چنانچہ جب ہم حج سے واپس آئے تو مسجد خانجہاں میں سید جلال الدین میری ملاقات کو تشریف لائے وہ مسجد کے قریب پہونچے تو ان کے ایک معتقد نے آکر مجھے اطلاع دی کہ مخدوم جہانیاں آپ سے ملنے کیلئے آرہے ہیں میں فوراً اٹھا اور مسجد کے دروازہ پر پہونچا وہ پالکی پر سوار تھے پالکی سے اترے اور نہایت شفقت و پیار سے مجھے گلے لگایا دیر تک سینے سے لگائے رکھا پھر پالکی میں بیٹھ کر واپس تشریف لے گئے ۔ ایک جگہ سفر کا تذکرہ ہے

فرماتے ہیں اس فقیر نے بلا کسی رفیق اور سامان کے تنہا سفر کیا ہے اور پورے گیارہ سال تک برہنہ پا جس شہر اور قصبہ میں جاتا وہاں کی مسجد میں رات بسر کرتا۔ یہ اسفار اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر اور ریاضت و مجاہدہ کے سلسلہ میں ہوتے تھے ایک دن فرمایا فقیروں کی مجلس میں آنا آسان ہے مگر وہاں سے اپنے کو صحیح سالم واپس لیجانا مشکل ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ میں ایک دفعہ سمرقند کی مسجد میں جا پہنچا وہاں ایک فقیہہ طلبہ کو پڑھا رہا تھا میں فقیروں کی سی ٹوپی اور درویشوں کے لباس میں تھا۔ طلبہ سے دور ہو کر بیٹھ گیا ایک طالب علم حسامی پڑھ رہا تھا۔ اس نے غلط اعراب پڑھے۔ میں نے آواز سے کہا کہ 'اعراب غلط میخوانی'، میری آواز سنتے ہی فقیہہ اپنی جگہ سے اٹھا اور مجھ سے ملا۔ وہاں سے اٹھ کر اپنی مسندِ درس کے قریب لے گیا۔ علم اصول کے بارے میں مجھ سے کچھ سوالات پوچھے میں نے صحیح جواب دیا۔ میری علمی جانچ کر کے مجھ سے بولا۔ اس علم کے باوجود یہ معمولی کپڑے اور فقیروں سی ٹوپی کیوں پہن رکھی ہے میں نے جواب دیا، اگر عمدہ کپڑے پہنوں تو نفس بدخوئی کی طرف مائل ہو جائے گا اس لئے اس فقیر نے اپنے آپ کو اس لباس میں چھپا رکھا ہے۔ ایک مرتبہ آپنے فرمایا کہ ایک دفعہ ایک بہت بڑا تاجر تقریباً تیس ۳۰ سیر مصری اور مشک کا ایک نافہ ہمارے پاس اس زمانے میں لایا جب کہ ہم مسجد خانجہاں میں تھے میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں اور ہمیں کب سے جانتے ہیں اس نے جواب دیا کہ میں شیخ نور کا مرید ہوں جو پنڈوہ میں رہتے ہیں اور میں اس وقت وہیں سے آ رہا ہوں اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ دہلی آ چکا ہوں گذشتہ دنوں دہلی سے سامان تجارت کی خرید و فروخت کے بعد شیخ نور کی خدمت میں حاضر ہوا

تو انہوں نے پوچھا کہ دہلی میں کن کن مشائخ سے ملاقات کی ؟ میں نے جن بزرگوں سے ملاقات کی تھی سب کے نام بتا دیئے ۔ شیخ نے دریافت فرمایا کہ شیخ احمد کھٹو سے بھی ملے ۔ چونکہ آپ سے نہیں ملا تھا اس لئے خاموش ہوگیا شیخ نے فرمایا کہ جب شیخ کھٹو سے نہیں ملے تو آپ کا دہلی جانا بالکل بے کار ہے اس کے بعد پریشانی کی حالت میں وہاں سے روانہ ہوا اور شیخ کے حکم کے مطابق آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں ۔

اس کے بعد فرمایا اس شخص کے پیر شیخ نور سے میری کبھی ملاقات نہیں ہوئی لیکن انہوں نے اپنے کشف سے جو خدا کی ایک نعمت ہے مجھے خود ہی پہچان لیا۔

شیخ احمد کھٹو کے مرید محمود بن سعید ایرجی اپنی کتاب تحفۃ المجالس میں لکھتے ہیں کہ سلطان فیروز کو بھی شیخ کھٹو سے بہت عقیدت و محبت تھی ۔

امیر تیمور کے دہلی آنے سے پندرہ دن قبل شیخ نے اپنے کچھ مریدوں اور خود سلطان فیروز کو اس کے دہلی پر قابض ہونے کی خبر دیدی تھی ۔ چنانچہ سلطان فیروز شیخ کی پیشن گوئی کیوجہ سے دہلی چھوڑ کر جونپور چلا گیا ۔ شیخ کو بھی فیروز نے ساتھ چلنے کو کہا مگر آپ نے فرمایا کہ ہمیں تو دہلی والوں ہی کے ساتھ رہنا ہے بالآخر شیخ اور آپ کے کچھ متعلقین مغلیہ فوج کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے آپکی بزرگی اور عظمت کی جب امیر تیمور کو اطلاع ہوئی تو اس نے ان تمام لوگوں کو جو شیخ کے ہمراہ گرفتار ہوئے تھے بڑی عزت و ادب سے رہا کر دیا ۔

شیخ فرماتے ہیں کہ ہمارے ساتھ چالیس فقیر جیل میں قید تھے غیب سے روزانہ اللہ تعالیٰ ہمارے پاس چالیس گرم گرم روٹیاں بھیجدیا کرتے تھے ۔

آپ نے فرمایا کہ میں ننگے پاؤں اور بلا کسی ساز و سامان کے سفر کیا کرتا تھا اور کسی شہر یا بستی میں پہونچکر رات مسجد میں گذارا کرتا تھا خدا تعالیٰ نے

اپنے فضل وکرم سے مجھے احتلام سے بھی محفوظ رکھا۔ میں ہمیشہ عشار کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتا رہا سفر میں بھی روزے رکھتا اور اتنی ریاضت کرتا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا اگرچہ سفر میں مشقتیں اور تکلیفیں بے شمار ہوتی ہیں لیکن میرا دل ہمیشہ مسرور رہتا تھا میں برہنہ پا اور پیادہ اس لئے سفر کرتا تھا کہ حدیث شریف ہے وامشوا حفاۃً عراۃً ستروں اللہ جہرۃ ای عیانا۔ شیخ عبدالحق نے لکھا ہے کہ شیخ احمد کھٹو کے یہاں فقرا امرار وسلاطین ہر ایک کے لئے دسترخوان وسیع تھا۔

صاحب تحفۃ المجالس لکھتے ہیں کہ ایک رات شیخ احمد نے مولانا محمد قاسم رح سے کہا کہ تم فلاں گاؤں چلے جاؤ۔ قصہ یہ تھا کہ مولانا نماز تراویح میں تمام قرآن سن چکے اور صرف سبح اسم ربك کے بعد والا حصہ رہتا تھا۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ آج رات قرآن سنکر صبح سویرے فلاں کام کے لئے فلاں جگہ روانہ ہوجاؤنگا شیخ احمد نے فرمایا کہ مولانا آپ ابھی فلاں گاؤں چلے جائیں مگر مولانا اس خیال سے خاموش رہے کہ اگر نفی میں جواب دیتا ہوں تو شیخ ناراض ہوجائیں گے اور اگر چلا جاتا ہوں تو قرآن کریم پورا نہ سن سکونگا چنانچہ شیخ نے پھر حکم دیا کہ آپ فلاں گاؤں ابھی چلے جائیں۔ شیخ کے اس حکم پر مولانا سلام کرکے اس گاؤں کی جانب روانہ ہوگئے جہاں ان کو جانا تھا۔ اس گاؤں کا نام قصبہ دھولقہ تھا چنانچہ مولانا قصبہ دھولقہ پہنچے تو اسوقت عشار کی نماز کا وقت ہوچکا تھا اس لئے وضو کرکے فوراً مسجد میں چلے گئے۔ امام کے ساتھ عشار کے فرض پڑھے پھر نماز تراویح شروع ہوئی تو امام نے سورہ سبح اسم ربك ہی سے پڑھنا شروع کیا اور مولانا کا قرآن ختم ہوگیا۔ پھر مولانا کام سے فارغ ہوکر اس گاؤں سے واپس آئے اور شیخ کی

خدمت میں عرض کیا کہ حضرت معاف فرمائیں میں نے آپ کے حکم کی تعمیل میں ذرا تامل اس لئے کیا تھا کہ مجھے اس بات کا خطرہ تھا کہ کہیں تمام قرآن سننے کی سعادت سے محروم نہ رہوں۔ شیخ احمد نے فرمایا کہ مولانا! تمہارے کسی دنیاوی کام کیوجہ سے شیخ دینی کام میں نقصان واقع نہیں ہونے دیگا۔

وصال حضرت شیخ احمد کھٹو ایک طویل مدت رشد و ہدایت فرماتے رہے جب زندگی کے ایک سو گیارہ سال ہوئے تو خدا کی طرف سے بلاوا آگیا۔ چنانچہ ۱۴ / شوال ۸۴۹ھ کو واصل بحق ہوئے آپ کا وصال محمد شاہ کے زمانہ میں ہوا۔

صاحبِ خزینۃ الاصفیاء فرماتے ہیں۔ حضرت شیخ احمد کی عمر شریف ایک سو سے تجاوز کر گئی تھی آپ نے صلاح الدین کجو راجپوتوں کا ایک لڑکا تھا اور بچپن سے آپ کی زیر تربیت رہا تھا۔ اپنا جانشین بنایا، خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ آپ ایک سو گیارہ سال کی عمر میں واصل بحق ہوئے۔

شرح جلال اور معارج الولایت میں لکھا ہے کہ آپ کی ولادت ۷۳۸ھ میں ہوئی تھی اور ایک سو گیارہ سال کی عمر میں بروز جمعرات دس شوال ۸۴۹ھ میں فوت ہوئے۔ یہ زمانہ سلطان محمد بن سلطان احمد بادشاہِ گجرات کا تھا۔

صاحب معارج الولایت نے آپ کا سن ولادت مخدوم الاولیاء (۷۳۸ھ) اور سنِ وصال قطب الاولیاء (۸۴۹ھ) اور سنِ عمر قطب (۱۱۱) سے نکالا ہے۔ احمد آباد سے قریبی فاصلہ پر آپ کا مزار پر انوار موضع سرکھیج میں واقع ہے۔ [۱]

شیخ احمد بود مرغوب خدا	رہنمائے حق فقیر بے نظیر
امجد آفاق احمد مجتبیٰ (۷۳۸ھ) (۷۳۸ھ)	سرور دین مصرع تولیدش بگیر [۱]

---

[۱] خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۳۰۳۔

خطۂ پاک اوچ میں تحریر ہے کہ۔

حضرت گنج احمد مغربی گجرات کے نامور بزرگانِ طریقت میں سے تھے۔ آپ بابا اسحاق مغربی کے مرید و خلیفہ تھے۔ یہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے ہمعصر تھے۔ بظاہر یہ قرین قیاس ہے اس لئے کہ حضرت معین الدین اجمیری رح کی وفات ۶۳۲ھ میں اور بابا اسحاق مغربی کی ۷۶۲ھ میں وفات ہے اور عمر ڈیڑھ سو برس ہوئی تو گویا ۵۸۰ھ میں ولادت ہوئی۔ اس لئے بابا اسحاق انہی کے مشورہ سے کھٹو میں قیام پذیر ہوئے۔ بابا اسحاق مغربی کا مزار کھٹو ضلع ناگور میں ہے۔ جو ایک قدیم تاریخی قصبہ ہے۔ مزار پر خطِ کوفی میں کتبہ لگا ہوا ہے۔ مغربی سلسلہ کے بزرگوں نے بڑی طویل عمریں پائیں۔ حضرت گنج احمد مغربی کی عمر بھی ڈیڑھ سو یا ایک سو گیارہ برس کے لگ بھگ ہوئی۔ انہوں نے دہلی کے زمانہ قیام میں حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت سے بھی فیض باطنی حاصل کیا۔ حضرت گنج احمد مغربی رح کو یہ خصوصی امتیاز بھی حاصل ہے کہ ان کے اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف چھ واسطوں سے نسبت ہے۔ (اخبار الاخیار)

آپ کے بارے میں یہ عام شہرت ہے کہ علم کیمیا کے زبردست ماہر تھے۔ حضرت گنج احمد مغربی حضرت قطب العالم کے ہمعصر بزرگوں میں سے تھے۔ عمر بھر مجرد رہے ان کا مزار احمد آباد سے سات کوس کے فاصلے پر سرکھیج نام کی بستی میں ایک پر فضا مقام پر واقع ہے۔ مزار پر حاضری سے ایک خاص روحانی کیف وسرور حاصل ہوتا ہے اور طمانیت قلب کا احساس دل و دماغ پر چھا جاتا ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مزار کسی ولی کامل اور عارف باللہ کا ہے۔ [1]

---

[1] خطہ پاک اوچ ص۲۹۵۔

گجراتیوں کی مرغوب غذا کھچڑی

سلطان احمد شاہ اول کے عہد میں مسلمانوں میں کھچڑی کا رواج ہو گیا تھا۔ ۱۲۰۸ھ میں احمد آباد اور کاٹھیاواڑ میں رات کو کھچڑی کھائی جاتی تھی۔ اور سورت میں دن کو رات میں کھانے کا دستور قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے۔ احمد شاہ اول اور شیخ احمد کھٹو دونوں رات ہی میں کھچڑی کھاتے تھے۔ [1]

عرف بابو کا قدیمی استعمال

محمود بن سعید ایرجی کی "تحفۃ المجالس" کے ایک اقتباس سے جو "اخبار الاخیار" میں منقول ہے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ احمد کھٹو (متوفی ۸۴۹ھ) اپنے مرشد شیخ اسحاق مغربی کو "باباجیو" اور "بابوجیو" کے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ [2]

جہانگیر بادشاہ کی شیخ احمد کھٹو کے مزار پر حاضری

جہانگیر اپنی توزک میں لکھتے ہیں۔

۶ رماہ بہمن ۱۰۲۷ھ – ۱۶۱۷ء کو مبارک شنبہ جمعرات کے دن باغ فتح کی سیر کیلئے گیا جو موضع سرکھیج میں واقع ہے۔ راستے میں ایک ہزار پانچ سو روپے نچھاور کئے چونکہ شیخ احمد کھٹو کا مزار سرراہ واقع تھا اس لئے وہاں حاضر ہو کر فاتحہ خوانی کی۔ کھٹو ایک قصبہ کا نام ہے جو سرکار ناگور میں واقع ہے۔ یہی قصبہ شیخ احمد کھٹو کی پیدائش گاہ ہے۔ شیخ، سلطان احمد کے زمانے میں تھے جس نے شہر احمد آباد کی بنیاد رکھی تھی۔

سلطان احمد، شیخ سے نہایت عقیدت و اخلاص رکھتا تھا۔ اس علاقے کے لوگ بھی ان سے نہایت عقیدت رکھتے ہیں اور انہیں اکابر اولیاء میں شمار کرتے ہیں۔ ہر جمعہ کی شب میں ان کے مزار پر شریف و ذلیل ہر قسم کے لوگ کثرت

---

[1] گجرات کی تمدنی تاریخ ص ۱۹۲۔ [2] مقالات شیرانی ج ۱ ص ۱۴۸۔

سے زیارت کیلئے حاضر ہوتے ہیں۔ سلطان محمود کے بیٹے سلطان احمد نے شیخ کے مقبرے و مسجد اور خانقاہ کی عالی شان عمارتوں کی بنیاد رکھی تھی۔ اور مقبرے کے متصل جنوبی حصے میں ایک بڑا تالاب بنوایا تھا۔ تالاب کے گرد و پیش کو پتھر اور چونے سے پختہ کیا تھا۔ یہ عمارتیں محمود کے بیٹے قطب الدین کے زمانے میں مکمل ہوئیں۔ تالاب کے کنارے شیخ کے مزار کی پائنتی میں گجرات کے سابقہ بادشاہوں کے مقبرے بنے ہوئے ہیں۔ گنبد کے اندر سلطان محمود بیگڑہ اور اس کا بیٹا سلطان مظفر اور اس کا پوتا محمود شہید جو گجرات کا آخری فرمانروا تھا ابدی نیند سو رہے ہیں۔ سلاطین گجرات کے مقبرے کے قریب ان کے امراء کے گنبد ہیں۔ بلاشبہ شیخ احمد کھٹو کے مقبرے کی عمارت نہایت عالی شان اور اس کا محل وقوع نہایت نفیس ہے۔ تقریباً پانچ لاکھ روپے اس عمارت پر صرف ہوئے ہونگے[1]۔ واللہ اعلم بالصواب

آپ کا مدرسہ

شیخ احمد کھٹو متوفی ۸۴۹ھ - ۱۴۴۵ء نے سرخیز (سرکھیج) میں خانقاہ مسجد، اور تالاب بنوایا تھا۔ وفات پانے پر محمد شاہ دوم نے ان کا مقبرہ اور مدرسہ وغیرہ بنوایا اس کے ساتھ طلبہ کے رہنے کے لئے ایک دارالاقامہ بھی تھا جو عرصہ تک قائم رہا۔ ۱۹۲۱ء تک اس کے حجروں کے آثار موجود تھے۔

محمود اور ان کے لڑکے مظفر کے عہد میں حسن العرب اس مدرسہ کے افسر اعلیٰ تھے۔[2]

آپکا کتب خانہ

سرکھیج میں شیخ احمد کھٹو مستقلاً قیام پذیر تھے جہاں اپنی زندگی میں انہوں نے مسجد، تالاب اور خانقاہ تعمیر کرائی۔ محمد شاہ نے آپ کے بعد اسی جگہ مقبرہ اور ایک مدرسہ بنوایا جس میں کتب خانہ بھی رہا ہوگا۔ لیکن شیخ احمد کھٹو کے پاس اپنا ذاتی کتبخانہ بھی تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر حدیث کی کتاب مصابیح

---

[1] توزک جہانگیری ص ۲۴۳، ۲۴۴ [2] گجرات کی تمدنی تاریخ مسلمانوں کے عہد میں ص ۱۶۵

اپنے کتب خانہ سے نکال کر حاضرینِ مجلس کو ایک حدیث سنائی تھی۔ [1]

مرقاۃ الوصول میں ہے کہ قاضی عبدالرزاق مبارک ابوالحیٔ جو آپ کے مخلص ملازموں میں سے تھے وہ اس کتب خانہ کے ناظم اور کاتب تھے۔ لوگ ان کو قاضی بڈھ مبارک بھی کہتے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں اتنی زیادہ کتابیں تھیں کہ اس کے انتظام کے لئے ایک مستقل ناظم اور کاتب رکھنا پڑا۔ حضرت شیخ کتابوں کے مطالعہ کے بڑے شائق تھے۔ [2]

مرآۃ احمدی میں سابقہ مذکورہ احوال سے کچھ مختلف حالات ذکر کئے گئے ہیں۔ لکھا ہے کہ مخدوم شیخ احمد کھٹو جو گنج بخش کے لقب سے مشہور رہیں۔ اسی طرح آپ کو گنج گیر بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کو باطنی نعمت حضرت بابا اسحاق سے ملی۔ جن کے آپ مرید تھے، اور انہیں کے خلیفۂ مجاز تھے۔ بابا اسحاق کا مزار کھٹو میں ہے جو سلسلۂ مغربیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب آپ بیت اللہ کے ارادہ سے چلے تو پٹن کے راستہ سے کھنبایت پہنچے۔ اور وہاں سے جہاز میں سوار ہوئے۔ اس وقت راستی خاں وہاں کے صوبہ دار تھے۔ اور پٹن میں راستی خاں کے والد فتح الملک سے بھی ملاقات ہوئی۔ اور حرمین کے سفر سے واپسی میں لوٹتے ہوئے ٹھٹھ کے راستے سے واپس تشریف لائے اور وہاں سے بخارا کی طرف روانہ ہوگئے جس کی تفصیل شیخ ابوالقاسم نے کتاب الکبیر میں تحریر فرمائی ہے۔

۸۰۲ھ میں جبکہ مظفر خاں کی حکومت تھی ابھی انہوں نے استقلال کا اعلان نہیں کیا تھا۔ اور علم سلطنت بلند نہیں کیا تھا۔ اس وقت آپ گجرات پہنچے اور سرکھیج میں بڈا بوہرہ نامی شخص کے ہاں قیام فرمایا اور بعد میں سرکھیج میں مستقل سکونت اختیار فرمائی جب احمد آباد کا سنگ بنیاد رکھا جا رہا تھا۔ اس وقت سلطان احمد کی درخواست پر

---

[1] تحفۃ المجالس قلمی مجلس ۳۸، مرقات الوصول صفحہ ۵۔ گجرات کی تمدنی تاریخ صفحہ ۲۲۔ [2] ایضاً۔

رسی کا سرا آپؒ کے دستِ مبارک میں تھا۔ آپ کی کرامات اور خرقِ عادات بیان سے باہر ہیں۔ اس کا اکثر حصہ ملفوظات میں بھی لکھا گیا ہے۔

۸۴۹ھ میں ۱۴ شوال پنجشنبہ کے روز زوال سے پہلے آپ نے رحلت فرمائی آپ کی تاریخ وفات نظم میں کہی گئی۔ ؎

طاء میم علے ثمان مائۃ　　　کان دال و یا من شوال

عمرہ دل انہ قطب　　　راح یوم الخمیس قبل زوال

آپ نے عمر بھر نکاح نہیں کیا۔ عمر ترک و تجرید میں گزار دی۔ آپ کا مزار سرکھیج میں معروف ہے۔ آپکی خانقاہ، مسجد، تالاب کی بنیاد سلطان قطب الدین بن سلطان احمد شاہ نے رکھی۔ اور ان کے صاحبزادے محمد شاہ نے اس کو مکمل کیا۔

سلطان محمود بیگڑہ اور سلطان مظفر حلیم بھی آپ کی پائنتی میں مدفون ہیں اسی طرح آپ کے تمام خدام اور خلفاء بھی وہیں مدفون ہیں۔ [1]

ظفر الوالہ میں شیخ احمد کھٹو کے متعلق آصفی لکھتے ہیں۔

شہاب الدین شیخ احمد کھٹو سرکھیجی رح ۷۲۰ھ میں کھٹو میں پیدا ہوئے جو ناگور کے اطراف میں ہے۔ اور آپ نے بروز جمعرات زوال سے پہلے ۱۴ شوال ۸۴۹ھ کو اپنے جائے سکونت سرکھیج میں وفات پائی۔

کسی نے ان کا مرثیہ کہا ہے جس کا مطلع یہ ہے۔ ؎

انّ خذنا لنا الم ببال　　　نحی کالطین وھو مثل جبال

تاریخی بیت کہا گیا ہے۔

طآء و میم علے ثمان مائۃ　　　کان دال یاء من شوال

آپ کی مدّت عمر بتانے والا شعر۔ ؎

---

[1] خاتمہ مرات احمدی ص۳۳۔

عمرہ دلنا علی انہ قطب مات یوم الخمیس قبل الزول

سلطان محمد بن احمد کی مجلس میں بعض شعراء نے آپکا مرثیہ کہا۔

شیخ احمد امام دین و دنیا سوئے فردوس می شد خرم وشاد

فلک می گفت در تاریخ آں سال شہ عالم محمد را بقا باد [۱]

شیخ احمد کھٹوی سُلطان گراور پیر گر بھی

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ مشہور ہے کہ شاہ عالم کی تصوف اور سلوک میں کچھ عجیب سی حالت تھی، اکثر اوقات آپ پر مستی کا عالم چھایا رہتا تھا۔ کبھی کبھی ریشمی لباس بھی پہن لیا کرتے تھے۔ اور ملامتیہ فرقے کے پیرو کار نظر آتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ کی ولایت پر کھلے اور واضح دلائل موجود تھے۔ اور شیخ احمد کھٹو آپ کی تربیت و ارشاد کے ذمہ دار تھے، آپ کثیر الکرامات بزرگوں میں تھے، ۸۸۰ھ میں آپ نے وفات پائی جس کے عدد کو لفظ "فخر" ظاہر کرتا ہے، شیخ قطب عالم اور شاہ عالم کے کچھ خلفاء بھی احمدآباد میں مدفون ہیں۔ گجرات کے مشہور شہر پٹن میں خاص طور پر شیخ نظام الدین اولیاء کے مشہور خلیفہ شیخ حسام الدین ملتانی کا مزار بہت مشہور رہے جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے، یہ علاقہ ایسا ہے کہ یہاں سے عشق و محبت کی خوشبو آتی ہے۔ اور اس کے جنگلوں اور کھنڈروں سے ولایت کی برکت کے انوار درخشاں معلوم ہوتے ہیں، یہ شہر ہمیشہ اہلِ دل کی آماجگاہ ہے اس لئے آج بھی اس میں اہل دل بستے ہیں۔

شعر

بھر زمیں کہ نسیمے ز زلف او زدہ است ہنوز از سر آں بوئے عشق می آید

غرضیکہ آپ اپنے وقت کے علماء اور مقبولان درگاہ رب العلیٰ لوگوں میں سے تھے، اور آپ کی برکات کے اثرات ابھی تک اس شہر میں نظر آتے ہیں۔

[۱] ظفر الوالہ صفحہ ۱-۲ جلد ۱

مخدوم شیخ صلاح الدین

ان کے والد، توکاجیو، نامی ہندو تھے۔ حضرت شیخ گنج بخش رح کی خدمت میں پہنچ کر مسلمان ہوئے، جس وقت توکاجیو۔ اسلام قبول کرنے کیلئے آپ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت شیخ تلاوتِ قرآن میں مشغول تھے۔ حضرت شیخ نے توکاجیو سے فرمایا کہ بابا طالب آؤ اور رکھو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ اس کے بعد آپ نے اسلام کی ان کو تعلیم فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا کہ تھوڑا پانی لاؤ جس میں سے حضرت نے تھوڑا پانی نوش فرمایا اور بقیہ توکاجیو کو جس کا نام اب شیخ طالب تھا، اس کو عطا فرما کر ارشاد فرمایا کہ اس کو پی لو، چنانچہ شیخ طالب نے وہ پانی پی لیا۔ اس کے بعد حضرت شیخ نے وہ قرآنِ پاک جس میں سے آپ پڑھ رہے تھے شیخ طالب کو دے کر فرمایا کہ پڑھو۔ عظمتِ الٰہی اور حضرت شیخ کی برکت سے بابا طالب قرآن پڑھنے لگے۔ اس وقت سے ان کا نام شیخ طالب مقرر ہوگیا اور ہمیشہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔

ایک دن سلطان محمد نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ توکاجی تو مسلمان ہو گئے ان کے ایک اور بھائی ہیں مولاجی۔ ان کو بھی آپ بلائیے۔ چنانچہ شیخ نے ان کو بلوایا اس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا کہ توکاجی کی دو بیویاں ہیں۔ ان میں سے ایک جو شہر لاش میں ہے وہ حاملہ ہے اس سے لڑکا پیدا ہوگا وہ ہمارا ہوگا۔ چنانچہ شیخ نے بادشاہ کو حکم فرمایا، سلطان محمود نے مولاجی کو لاش نامی شہر بھیج دیا۔ مولاجی کے لاش شہر پہنچنے کے چھ روز بعد توکاجی کی بیوی کو اللہ نے ایک لڑکا دیا اور اس کے بعد مولاجی دونوں ماں اور بیٹے کو شیخ کی خدمت میں لے کر پہنچے۔ یہاں پہنچنے کے تین ماہ بعد ماں کا انتقال ہوگیا۔ اور اس کے دو ماہ بعد بچے کے والد توکاجیو (جن کا نام شیخ طالب ہو چکا تھا) وہ بھی انتقال کر گئے۔

اس بچے کا نام صلاح الدین رکھا گیا۔ اس کو حضرت نے اپنی فرزندی میں قبول فرمالیا

اور پرورش فرمائی ۔ اور حضرت کی پیشین گوئی پوری ہوئی ۔ حضرت خود فرماتے تھے کہ جب صلاح الدین ایک سال کا ہوا تو میرے پیٹ پر کھیل رہا تھا ۔ اتفاقاً وہ اچانک آگ میں گر گیا ۔ وہاں سے میں نے اس کو ہاتھ ڈال کر کھینچ لیا ۔ جب یہ چار سال کا ہوا تو ایک دن میں نے اس سے کہا کہ بابا صلاح الدین ایک دفعہ جب تو بہت چھوٹا تھا تو، تو آگ میں گر گیا تھا ۔ میں نے ہاتھ ڈال کر تجھے کھینچ لیا تھا ۔ صلاح الدین نے برجستہ جواب دیا کہ حضرت سلامت یہ کیا آگ ہے وہاں کی آگ سے بھی آپ ہمیں نکالیئے ۔ حضرت نے ارشاد فرمایا ارے کیوں نہیں بلکہ جو تم پر اور تمہاری اولاد پر شفقت و لطف کا معاملہ کرے گا اس کو بھی ہم اس آگ سے نکالیں گے ۔ باذن اللہ ۔

جب حضرت شیخ گنج بخش شیخ احمد کھٹو کا آخری وقت آیا تو سلطان محمد عیادت کیلئے حاضر ہوئے اور قاضی عبدالحئی بن منصور کو بھی ساتھ لاکر حضرت کے سامنے پیش کیا اور حضرت سے عرض کیا حضرت اس گھر کے چراغ کی روشنی کیلئے کسی کو حکم فرما دیجئے ۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ بچہ یعنی صلاح الدین یہ ہمارا فرزند ہے یہ انشاء اللہ چراغ روشن رکھے گا ۔ کچھ دیر کے بعد سلطان نے پھر عرض کیا کہ اس گھر کے چراغ کو روشن رکھنے کا کام بڑا عظیم ہے اور یہ بچہ بہت چھوٹا ہے ۔ یہ قاضی صاحب اس کے بہت مناسب ۔ لائق اور بزرگ آدمی ہیں ۔

حضرت نے فرمایا کہ چھوٹا بچہ چھوٹا نہیں ہے ۔ اور اس فقیر کو بھی مردہ نہ شمار کیجئے اِنَّ اَولیاءَ اللہِ لایموتونَ ۔ اس کے بعد سلطان نے شیخ صلاح الدین کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر پر رکھا اور بہت زیادہ ان کی تعظیم و تکریم بجالائے ۔ [1]

---

[1] خاتمہ مرات احمدی صہ ۳۶

غوث الوریٰ حسن فقیہہ

متوفی ۲۸ رجب ۸۴۹ھ/ ۲۹/ اکتوبر ۱۴۴۵ء

آپ بھی گجرات کے جلیل القدر مشائخ میں سے ہیں۔ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کے پوتے حضرت شاہ رکن الدین کان شکر کے مرید اور خلیفہ مجاز تھے۔ آپ کے والدِ ماجد قاضی قطب الدین بھی بہت بڑے بزرگ تھے۔ آپ نے ان سے بھی خلافت حاصل کی بعد ازاں حضرت گنج احمد مغربی شیخ احمد کھٹوی سرکھیجی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا پھر حضرت قطب العالم برہان الدین رح کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔ علوم شریعت و طریقت کے زبردست عالم تھے۔ گجرات کا ایک عالم آپ کا مرید و معتقد تھا۔ آپ نسباً سادات باقریہ میں سے تھے ۲۸ رجب ۸۴۹ھ ۲۹ اکتوبر ۱۴۴۵ء میں انتقال فرمایا مزار مبارک پٹن میں ہے۔ [1]

ابوالبرکات سراج الدّین سیّد محمد

معروف بہ حضرت شاہ عالم

ولادت ۹ ذیقعدہ ۸۱۷ھ/ ۱۴۱۴ء وفات ۲۴ جمادی الاخریٰ ۸۸۰ھ/ ۲۰ اکتوبر ۱۴۷۵ء

شاہ عالم حضرت قطب عالم کے صاحبزادے ہیں بشارت نبوی سے آپ کا نام سید محمد رکھا گیا۔ لیکن منجھلے بیٹے ہونے کی وجہ سے منجھن میاں کے لقب سے مشہور تھے والدہ ماجدہ کا نام بی بی آمنہ بنت کریم خاں بن عماد الدین خداوند خاں (از امرائے گجرات) والدہ ماجدہ کو سلطان خانون کہتے تھے۔

---

[1] خطہ پاک اوچ ص۳۰۶۔

؛وارث علی، سے تاریخ ولادت نکلتی ہے اس کے مطابق آپ کی ولادت ۹رذیعقدہ ۸۱۷ھ/۱۴۱۴ءمیں ہوئی۔ تعلیم وتربیت والدِ ماجد کی نگرانی میں ہوئی۔ علوم ظاہری میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ والد ماجد کی صحبتِ بابرکت میں رہکر راہ سلوک طے کیا۔ اور ان سے خلافت واجازت سے سرفراز ہوئے۔ اس طرح صرف سترہ سال کی عمر میں خلافت کے ساتھ حضرت مخدوم جہانیاں کا خرقہ پایا۔

شاہ عالم کو حضرت شیخ احمد کھٹو سے بڑی عقیدت تھی اور انکی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کیا اور خرقۂ خلافت واجازت پایا۔ [۱]

شاہ عالم کا نکاح

حواشی مکلی نامہ میں ہے کہ جام تغلق جونا اس وقت اندرونی اختلافات کیوجہ سے سخت پریشان تھا اور باہر سے مدد کا خواہاں تھا۔ مولانا محمد صدیقی ملتانی نے جو جام تغلق جونہ کے پیر تھے۔ اسے مشورہ دیا کہ وہ اپنی دونوں بیٹیوں کو گجرات میں بیاہے۔ ایک کو سلطان محمد سے اور دوسرے کو قطب عالم کے فرزند شاہ عالم سے۔

چنانچہ جام تغلق جونہ نے اپنی دونوں بیٹیوں کو جام خیرالدین اور جام صلاح الدین سمیت مولانا محمد صدیقی کے ذریعے گجرات روانہ کیا۔ اس رشتے سے مقصد سیاسی فائدہ اور اپنی حکومت کی تقویت مدنظر تھی۔ گجرات پہنچنے کے بعد بی بی مغلی کی شادی سلطان محمد کے ساتھ اور بی بی مرکی کی شادی شاہ عالم کے ساتھ ہوئی۔ حالانکہ جام تغلق جونہ نے بی بی مغلی کو شاہ عالم کے لئے اور بی بی مرکی کو سلطان محمد کے لئے بھیجا تھا۔ لیکن یہ تبدل وتغیر سلطان محمد اور جام تغلق جونہ کے بھیجے ہوئے آدمیوں کی سازش سے ہوا۔ اس کا امکان ہے کہ اس منصوبے میں خود مولانا محمد صدیقی بھی شامل تھے۔

بہرحال بی بی مغلی کا نکاح سلطان محمد والیٔ گجرات (۸۴۶ - ۸۵۵) سے ہوا اور بی بی مرکی کا عقد قطب عالم (د۔ ۸۵۷ - ۸۵۸ھ) کے فرزند شاہ عالم (۸۱۷ - ۸۸۰ھ)

[۱] گلزار ابرار ۱۲۰

کے ساتھ ہوا۔ یہ نکاح (۸۴۷ھ) میں ہوئے تھے۔ بی مغلی کے بطن سے ۸۴۹ھ میں فتح خان نامی لڑکا پیدا ہوا جو آئندہ چلکر سلطان محمود بیگڑہ کے نام سے گجرات کا بادشاہ ہوا بی بی مرکی کے بطن سے جو شاہ عالم کے اولاد ہوئی ان میں دو لڑکیاں بی بی امان اور بی بی وچین اور ایک لڑکا بیگ محمد عرف بھیکن پیدا ہوئے

سلاطین کے تعلقات

آپ نے گجرات کے چار بادشاہوں کا زمانہ پایا یعنی محمد شاہ، قطب شاہ، داؤد شاہ اور سلطان محمود بیگڑہ، سلطان قطب الدین (قطب شاہ) آپ کے والد ماجد کے بہت معتقد تھے اور آپ کے بھی نیازمند تھے۔ سلطان محمود بیگڑہ پر آپ کا بہت اثر تھا بلکہ اپنے آپ کو حضرت کا خادم سمجھتے تھے۔ [1]

اوصاف وکمالات

آپ صاحب کرامات ومقامات تھے۔ عشق رسول میں سرشار تھے۔ اکثر وقت یادِ الٰہی میں گذارتے۔ توکل وقناعت اور سخاوت وشجاعت آپ کا شیوہ تھا۔

آپ کے زمانہ میں سہروردی سلسلہ عروج پر تھا۔ بادشاہ امرار اور درباری آپ کے معتقد تھے آپ کے خلفار میں داور الملک عبداللطیف نے بہت شہرت پائی۔ قطب عالم اور شاہ عالم کے خلفار کی ایک جماعت احمدآباد میں آسودۂ لحد ہے۔ نیز پٹن میں بھی بہت سے ہیں۔ [2]

وفات:۔ شاہ عالم نے ترسیٹھ [۶۳] سال کی عمر پائی۔ اور ۲۰ رجمادی الاخریٰ ۸۸۰ھ مطابق ۲۰ راکتوبر ۱۴۷۵ء شب شنبہ کو بوقت سحر اسی دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔ مزار احمدآباد کے محلّہ رسول آباد میں مرجع خواص وعوام ہے۔ [3]

---

[1] تاریخ گجرات، گلزارِ ابرار صفحہ ۱۶۰۔ [2] تذکرہ اولیاء پاک وہند صفحہ ۲۰۴، ۲۵۔ [3] گلزارِ ابرار، اخبار الاخیار صفحہ ۳۴۵

آپ کی وفات کی تاریخ "آخر الاولیاء" سے مستفاد ہوتی ہے۔ نیز کسی نے کہا ہے

کان کاف من جمادی الآخر عین یاء علی ثمان مائۃ

راح فی لیل سبت وقت سحر عمرہٗ تابع بعمر نبی

خلفائے کرام:۔ آپ کے چھوٹے بھائی سید محمد زاھد، قاضی محمود دریائی بیر پوری، قاضی سید اسمٰعیل اصفہانی، شریف ابوبکر عیدروس، شیخ حسام الدین متقی ملتانی قاضی نجم الدین، ملک عبداللطیف داور الملک خواجہ احمد بن ددس ۔[1]

شاہ عالم کا لقب مرزا محمد حسن نے مرآۃ احمدی کے خاتمہ میں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شاہ عالم لقب عطا کئے جانے کا قصہ مفصل ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ۔

شاہ بارک اللہ چشتی، حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رح کے مرید اور انکے خلیفہ تھے۔ آپ کا مقبرہ ایدر دروازہ کے باہر بارہ حاجی پور کے نزدیک واقع ہے۔ جب حضرت شاہ عالم کو حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ سے شاہ عالم کا خطاب عنایت ہوا۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس سے فرمایا گیا کہ آپ کو حق تعالیٰ کی طرف سے شاہ عالم کا خطاب عنایت کیا جاتا ہے۔ آپ نے عرض کیا کہ میں اس کا اظہار کس طرح کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں اپنے والد اور پیر قطب عالم کے پاس جانا چاہئے وہ آپ کو شیخ بارک اللہ چشتی کے پاس بھیجیں گے۔ اور خطاب کا ظہور اس جگہ سے ہوگا۔

الغرض حضرت شاہ عالم حضرت قطب العالم کی خدمت میں پہنچے۔ جیسے ہی حضرت قطب العالم کی نظر حضرت شاہ عالم پر پڑی تبسم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آئیے شاہ عالم تمہیں شیخ بارک اللہ چشتی کے پاس جانا چاہئے۔ ان کو رخصت فرما دیا۔ حضرت شاہ عالم

---

[1] خط پاک اوچ صہ ۲۹۹ ۔

حسب حکم شیخ بارک اللہ چشتی کے پاس پہنچے ۔ اس وقت شیخ بارک اللہ دیوار کی تعمیر میں مشغول تھے ۔ تمام مریدین مٹی اور اینٹیں پہنچا رہے تھے ۔حضرت شاہ عالم بھی اپنے سر کے اوپر ایک برتن میں مٹی کو بھر کرلے کر پہنچے ۔ جیسے ہی شیخ نے اس حال میں آپکو دیکھا فرمایا کہ آیئے شاہ عالم آپ کو تو چتر شاہی زیب دیتا ہے اور اس مٹی سے بھرے ہوئے برتن کو لیکر کام میں لگا یا اور دیوار پر سے نیچے اترے اور اپنے بھائی شیخ عطاء اللہ کے گھر میں پہنچے جو کہ ان کے بھائی تھے دیکھا کہ لوبیا سے بھری ہوئی دیگ تیار ہے اس کو اٹھا کرلائے اور حضرت شاہ عالم کو عنایت فرمائی اور رخصت فرمایا اور خدام سے فرمایا کہ شاہ عالم کیساتھ جاؤ اور جس جگہ پہنچکر تم سنو کہ آسمان وما فیہا وزمین وما علیہا شاہ عالم بول رہے ہیں وہاں سے واپس آجانا شاہ عالم لوبیا کی دیگ سر پر رکھکر قطب عالم کیخدمت میں جانے کیلئے چلے راستہ میں دروازہ وسط پر جب پہنچے جو تین دروازوں میں سے درمیانی دروازہ ہے جو احمد آباد کے بازار میں واقع ہے وہاں پہنچے تو وہاں ایک ڈہل بجانے والا تھا جو لنگڑا تھا اور دیکھ نہیں سکتا تھا وہ ہمیشہ ڈہل بجا کر بھیک مانگا کرتا تھا ۔ جب اس کے قریب پہونچے تو حق تعالیٰ نے اس کو صحیح سالم کر دیا۔ پیر دیا زبان دی، کان اور آنکھیں دیں اور وہ کھڑا ہوگیا اور شاہ عالم، شاہ عالم کہنے لگا ۔ دوسرے لوگ بھی اس کو سن کر دکانوں میں اور ہر جگہ آسمان وزمین اور سب مخلوق شاہ عالم شاہ عالم کہنے لگی اس وقت شاہ عالم شیخ بارک اللہ کے خدام کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ اب تم یہاں سے واپس چلے جاؤ تمہارے شیخ کا یہیں تک آنے کیلئے حکم تھا ۔ چنانچہ خدام وہاں سے واپس لوٹے اور حضرت شاہ عالم نے قطب العالم کی خدمت میں پہنچ کر ماجرا عرض کیا اور لوبیا سے بھری ہوئی دیگ حضرت کو پیش کی اور وہاں سے یہ گجرات میں مثل چلی کہ چشتیوں نے پکائی اُنے بخاریوں نے کھائی ۔ [1]

منجملہ آپ کی کرامات کے مردہ کو زندہ کرنے کی کرامت بہت مشہور رہے ۔ جو

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی ص۳۷ ۔

مرآۃ احمدی سے یہاں نقل کی جاتی ہے کہ ملک فخر الدین بن ملک سیف الدین بن اژدر خاں جو سلطان احمد شاہ کے داماد تھے ۔ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز ان کے والد ملک سیف الدین نے حضرت شاہ عالم سے درخواست کی کہ میری ولادت بھی حضرت کی دُعا سے ہوئی ہے میری خواہش ہے کہ حق تعالےٰ مجھے بھی آپ کی کرامت سے لڑکا عطا فرمائیں چنانچہ لڑکے کی ولادت ہوئی اس کے بعد ایام طفولیت میں ان کی روح قبض کر لی گئی فرماتے ہیں کہ میرے والد حضرت قطب عالم کی خدمت میں (جبکہ وہ اساول میں مقیم تھے) پہنچے اور انتہائی اضطراب اور بے چینی کے عالم میں کلاہ ارادت اور شجرہ بھی لے کر گئے کہ اگر میرا بچہ زندہ نہ ہو تو یہ دونوں میں حضرت کو واپس کر کے جنگل میں نکل جاؤں گا ۔

جب حضرت قطب العالم کی خدمت میں پہنچے اور اضطراب کا اظہار کیا اور اضطراب و پریشانی حد سے زیادہ بڑھ گئی ۔ تو قطب العالم نے فرمایا کہ میاں منجھلا (کہ اکثر حضرت شاہ عالم کو آپ اسی نام سے یاد فرمایا کرتے تھے) کے پاس جاؤ ۔ انہوں نے آپ کی خدمت میں جا کر بہت زیادہ عاجزی کی ۔ پورا ماجرا سننے کے بعد آپؒ مقصد کے پورا ہونے میں متأمل ہوئے ۔ اور فرمایا کہ شاید ان کی عمر اتنی ہی رہی ہو گی ۔ اس لئے دُعا اور توجہ سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا ۔ کہتے ہیں کہ میرے والد نے یہ گستاخانہ جملہ خدمت میں عرض کیا آخرت میں سفارش کے وقت بھی اسی قسم کا جواب دے دیجئے گا ۔

حضرت شاہ عالم نے اس جواب سے اعراض فرمایا اور اندر محل سرا میں چلے گئے ۔ میرے والد نے شاہ بھیکن کو وسیلہ بنایا ۔ ان سے پریشانی حال عرض کی انہوں نے ان کے دل کی جلن اور پریشانی مشاہدہ کر کے خود اندر جا کر حضرت شاہ عالم سے میرے والد کے مدعا کے پورا ہونے کی درخواست کی ۔ حضرت شاہ عالم نے فرمایا اگر میں ان کے بیٹے کے عوض میں تمہیں دے دوں تو راضی ہو ۔ تو یَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ کے مضمون کے موافق انہوں نے یہی آیت جواب میں عرض کی ۔

حضرت شاہ عالم ان کو اپنے حجرہ میں لے گئے اور ہندی زبان میں مناجات کرنی شروع کی، کہ راجن بکر دتی بدل بکر دتا۔ کہ ان کے بدلہ میں اس کو لے لیجئے ادھر یہ عرض کرنا تھا کہ ادھر شاہ بھیکن کی روح تسلیم بحق ہوگئی۔ اسی وقت حضرت شاہ عالم کی زبان پر انا للہ وانا الیہ راجعون کا کلمہ جاری ہوا۔

خدام میں سے کسی نے سیف الدین سے جاکر کہا کہ شاید آپ کے صاحبزادہ کا انتقال نہ ہوا ہو اچھی طرح دیکھ لیجئے کہ شاید سکتہ کے عالم میں رہا ہو۔ میرے والد نے جب یہ بشارت سنی تو گھر واپس لوٹے، راستے میں ہی خبر ملی کہ میں زندہ ہوں۔ مگر میرے والد کو مخدوم زادہ کے انتقال کی خبر نہیں تھی بعد میں جب اطلاع ملی تو بہت افسوس کیا۔

انکی والدہ بی بی مرکی کا مزار جامِ جونہ کے مقبرے میں ہے جو دریائے سابرمتی کے کنارے پر احمدآباد میں واقع ہے۔ [1]

جہانگیر کی شاہ عالم کے مزار پر فاتحہ خوانی

جہانگیر اپنی توزک میں لکھتے ہیں۔ چونکہ اس منزل میں شاہ عالم کا مزار سرراہ پڑتا ہے میں وہاں فاتحہ پڑھ کر آگے بڑھا اس مقبرے پر ایک لاکھ روپیہ خرچ ہوا ہوگا۔

شاہ عالم قطب عالم کے بیٹے ہیں۔ ان کا سلسلہ مخدوم جہانیاں پر منتہی ہوتا ہے۔ اس ملک کے عوام وخواص کو ان سے عقیدت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شاہ عالم مردول کو زندہ کرتے تھے۔ جب وہ کئی مردوں کو زندہ کر چکے تو ان کے والد کو اس کی اطلاع ہوئی۔ اور انہوں نے ان کو اس سے منع کرتے ہوئے کہا اللہ کے کارخانۂ قدرت میں مداخلت کرنا گستاخی اور طریقۂ بندگی کے خلاف ہے۔

اس کے بعد جہانگیر نے مردہ زندہ کرنیکا قصہ جو گذر چکا تفصیل سے لکھا ہے۔ اس کے

---

[1] خاتمہ مرأۃ احمدی ص ۲۹۔

بعد جہانگیر لکھتے ہیں۔

مختصر یہ کہ علاقۂ گجرات میں حضرت شاہ عالم کے متعلق اس قسم کی بہت سی باتیں مشہور ہیں۔ میں نے خود سیّد محمد سے جو حضرت شاہ عالم کے سجادہ نشین اور صاحب علم و فضل اور معقول انسان ہیں پوچھا کہ ان باتوں کی کیا حقیقت ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد اور دادا سے بھی یہی باتیں سنی ہیں اور مجھے یہ باتیں تواتر سے پہنچی ہیں۔ صحیح علم اللہ ہی کو ہے۔ اگرچہ یہ باتیں عقل سے بعید ہیں۔ لیکن چونکہ لوگوں میں انتہائی شہرت رکھتی ہیں لہٰذا ان کے عجیب و غریب ہونے کی بنا پر میں نے یہاں لکھدی ہیں۔

انکی رحلت سلطان محمود بیگڑہ کے زمانے میں اس سرائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف ۸۸۰ھ میں ہوئی۔ ان کے مقبرے کی عمارت تاج خاں تریانی کی بنوائی ہوئی ہے۔ جو سلطان مظفر بن محمود کے امرا میں سے تھے۔ [1]

شاہ عالم کا فیض احمد آباد سے بہار تک

صوبہ بہار میں پھلواری شریف ایک مشہور خانقاہ ہے جو بڑے بڑے اہل اللہ اور اصحابِ طریقت کی آماجگاہ رہی ہے۔ اس خانقاہ کے مؤسس اوّل حضرت شاہ محمد مجیب اللہ بھی اوچ کے خانوادہ سہروردیہ، بخاریہ کے منتسبین میں سے تھے شجرۂ طریقت حسبِ ذیل ہے۔

شاہ محمد مجیب اللہ از شاہ عتیق اللہ از شاہ عبد المقتدر از شیخ عبد النبی از محمد شیر از عزت شاہ از سید برہان از سید شاہ عالم از مخدوم عبد اللہ از سید ناصر الدین محمود از حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت [2]۔

شاہ محمد مجیب اللہ کا انتقال ۱۱۹۱ھ/۱۷۷۷ء میں ہوا۔ [3]

---

[1] توزک جہانگیری ص۲۳۸،۶۳۷۔ [2] [3] تذکرہ ابو النجیب عبد القادر سہروردی۔

بہار کی ایک مشہور خانقاہ قصبہ منیر میں واقع ہے۔ اس خانقاہ کے شیخ طریقت شاہ محمد مبارک بھی اوچ کے بخاری خاندان کے توسط سے سلسلۂ عالیہ سہروردیہ سے منسلک تھے آپ شاہ نعمت اللہ کے خلیفہ تھے۔ اور شاہ نعمت اللہ سید محمد مقبول کے مرید و خلیفہ تھے جو حضرت شاہ عالم احمد آبادی کی چھٹی پشت میں تھے۔

مدرسہ شاہ عالم مولانا ابو ظفر ندوی نے آپ کے مدرسے کے متعلق لکھا ہے کہ گجرات کے مشہور و معروف مقدس بزرگ حضرت شاہ عالم متوفی ۸۸۰ھ ۱۴۷۵ء کے جانشین نے انکی یادگار میں یہ مدرسہ قائم کیا تھا۔

اس میں ہر قسم کے علوم و فنون کی تعلیم ہوتی تھی۔ یہاں سے بڑے بڑے لوگ تعلیم پاکر نکلے اس کے ساتھ دارالاقامہ بھی تھا۔ اس میں رہنے والے طلبہ کو وظیفے بھی ملتے تھے، اس پر کئی گاؤں وقف تھے۔ مولانا شیخ نورالدین شیخ الکل اسی مدرسہ کے تعلیم یافتہ تھے۔

سید محبوب عالم کے وقت میں یہ مدرسہ بڑے عروج پر تھا، مرہٹہ گردی میں پورا مدرسہ تباہ ہوگیا۔ [1]

شاہ عالم کا کتب خانہ حضرت محمد شاہ عالم متوفی ۸۸۰ھ/ ۱۴۷۵ء اتنے بڑے زبردست عالم تھے اور مطالعہ کتب کا اتنا شوق تھا کہ مطالعہ کیلئے ٹیک لگانے سے دونوں ہاتھوں میں نشان پڑ گئے تھے۔ [2]

ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا جس میں عام کتابوں کے علاوہ نایاب اور نادر کتابیں بھی تھیں۔ چنانچہ جب مولانا صدر جہاں ان سے ملنے گئے تو ان کو امام رازی کی ایک کتاب کا ایسا نسخہ دکھایا جس کی موصوف کو خبر نہ تھی۔ [3]

ان کے جانشین بھی اس کتب خانہ کو برابر ترقی دیتے رہے۔ سید جعفر بدر عالم

---

[1] گجرات کی تمدنی تاریخ ص ۱۹۸ ۔ [2] مرآۃ احمدی ص ۲۸۵/۱ ج [3] خاتمہ مرآۃ احمدی ص ۶۴ بحوالہ گجرات کی تمدنی تاریخ ص ۲۱۰

متوفی ۱۰۸۵ھ/۷۴-۱۶۷۶ء کے زمانے میں یہ بڑے عروج پر تھا۔ ہزاروں کتابیں خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر کتب خانہ میں داخل کیں۔ ایک مرتبہ رات کے وقت راستہ میں ایک سائل نے قرآن پاک کا ایک نسخہ طلب کیا فرمایا صبح کو آنا کتب خانہ سے دیدونگا۔ اس نے کہاکہ اس وقت آپ کے پاس جو موجود ہے وہی دیدیں، آپ نے مجبوراً دے دیا۔ اورنگزیب عالمگیر کے عہد تک یہ کتب خانہ بہترین حالت میں تھا مرہٹوں کی جنگ میں اس کا بڑا حصہ جل گیا جو بچا لوٹ مار کے ڈر سے آپ کے اخلاف شہر پناہ کے اندر لے آئے لیکن کافی حفاظت نہ ہونے کی وجہ سے آہستہ آہستہ کتب خانہ برباد ہوگیا۔ حضرت شاہ عالم کے ملفوظات کا ایک قلمی نسخہ جواہر میوزیم ادٹاوہ میں موجود ہے جو غالباً دسویں صدی ہجری کا مکتوبہ ہے اس میں آپ کے اقوال، کرامات اور اس زمانہ کے بہت سے واقعات درج ہیں۔ [1]

حلیہ اور زبان

داراشکوہ نے "سفینۃ الاولیاء" میں لکھا ہے کہ ان کا حلیہ شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا سے ملتا جلتا تھا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح اپنی مشہور تصنیف اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں کہ کبھی کبھی ملامتی فرقہ کے قدم بہ قدم چلتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ کی ولایت ظاہر تھی، جس کی خاص علامات بھی تھیں، گجرات کے مشہور بزرگ شیخ احمد کھٹو نے آپ کی تربیت کی سلسلہ چشتیہ کے مشہور بزرگ شاہ بارک اللہ چشتی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بشارت کے تحت حضرت سراج الدین بن قطب عالم کو شاہ عالم کے لقب سے سرفراز فرمایا تھا۔ اس واقعہ کو حضرت شاہ عالم نے اپنے والد قطب عالم کے گوش گزار کیا۔ تو اسی موقع پر انہوں نے یہ ہندوی فقرہ کہا تھا کہ "چشتیوں نے پکائی اور اُسے بخاریوں نے کھائی"، جس سے پتہ چلتا ہے کہ باپ اور بیٹا دونوں

---

[1] اسلامی کتب خانے صہ ۲۷۹۔

ہندی جانتے اور سمجھتے تھے ۔ میر علی شیر قانع نے تحفۃ الکرام میں حضرت شاہ عالم کا ہندی فقرہ ۔ ''ارجن جی کا ادنہ بہایا ہوئے تو تجھ سے فقیروں کی برسوں تئیں کناسی کرے ،، نقل کیا ہے ۔ جو انہوں نے سلطان عزلی (رشتہ دار شاہان گجرات) کے انہیں سلام نہ کرنے کے موقع پر کہا تھا ۔ اس طرح انہوں نے قصبہ نڑیاد (نزد احمدآباد) کے ایک شخص شیخ محمد عرف میاں الولک کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا : ''ارے میاں الولک بولتے کیوں نہیں ،،

مرزا محمد حسن نے مرآۃ احمدی میں شاہ عالم کا فقرہ میاں الولک! اللہ لوک بولتے کیوں نہیں، کا ذکر کیا ہے ۔ مرآۃ احمدی میں حضرت شاہ عالم رح کا ایک اور فقرہ : راجن جی بکر دٹے بدل بکر دٹا ، بھی ہے پروفیسر ابراہیم ڈار نے مضمون گوجری اور اردو زبان کی نشو و نما میں اہل گجرات کا حصہ ، میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت شاہ عالم نے محمود شاہ بیگڑہ کو کہا تھا : پڑھ ڈوکرے ، (یعنی پڑھ میرے بیٹے) میر علی شیر قانع نے تحفۃ الکرام میں حضرت شاہ عالم کا ایک دوہا نما ہندی بیت بھی درج کیا ہے ۔ ؎

کاندھی کا راجا تم سر کوئی نہ بوجھے
سکیں کا راجا تم سر کوئی نہ بوجھے

اس قسم کے مقولے ، ملفوظات اور جملے ان کے مجموعہ ، ملفوظات جمعات شاہی ، میں کئی جگہ ملتے ہیں ۔ مولوی عبدالحق نے اپنی تالیف '' اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا حصہ ، میں اور حافظ محمود شیرانی نے اپنے مضمون ، گوجری یا گجراتی اردو سولہویں صدی عیسوی میں ، بھی ان کو نقل کیا ہے ۔

ظفر الوالہ میں ہے کہ ایک دن سلطان قطب الدین شاہ عالم کی مجلس میں حاضر ہوئے تو گفتگو اس پر چل رہی تھی کہ نیک صالح اولاد والدین اور آباء واجداد کے انتقال کے بعد ان کے حیات کا سبب ہوتی ہیں ۔ سلطان قطب الدین کو اس کی تمنا ہوئی کہ

کاش میری بھی اولاد ایسی ہوتی ۔ تو شاہ عالم ان سے ان کے تمت کرنے کے فوراً بعد ہی اچانک فرمانے لگے کہ آپ کے بعد آپ کے بھائی کیلئے ایک عظیم شان ہو گی ۔ چنانچہ سلطان قطب الدین نے مایوسی سے اپنا سر جھکا لیا ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ کہ جب سلطان قطب الدین فوت ہو گئے تو تخت سلطنت پر پہلے ان کے صاحبزادے داؤد بیٹھے مگر ان میں اہلیت نہیں تھی ۔ اسلئے سب امراء وزراء اس کے معزول کرنے پر متفق ہو گئے ۔ اور عماد الملک شعبان مریم سلطنت کے پاس گئے اور ان کی والدہ سے سلطان محمود بیگڑہ کو مانگا ۔ ابھی وہ تو معذرت ہی کر رہی تھیں کہ اتنے میں سلطان محمود آ گئے ۔ عماد الملک نے ان کو سلام کیا اور ان کو اٹھا لیا اور ان کو بیت الحرم سے باہر دارالسلطنت کی طرف لے آئے اور ان کو بادشاہ بنا دیا ۔ اس کے بعد داؤد جو بادشاہ تھے ایسے روپوش ہوئے کہ پھر کبھی انہیں دیکھا نہیں گیا۔[1]

شاہ عالم کا خاندان اور اسکی متعلقہ عمارتیں

آپ کے مبارک خانوادہ کو سادات شاہیہ، اور حضرت قطب العالم کے دوسرے فرزندوں سے جو اولاد ہوئی ان کو سادات قطبیہ، کہا جاتا ہے ۔

آپ کا مزار رسول آباد پورہ میں (جہاں آپ سکونت پذیر تھے) بنایا گیا جہاں پر آپ کی بارگاہ اور مسجد اور عالیشان خانقاہ واقع تھی ۔ وہاں کے مزار کے اطراف کی عمارت تاج خاں نریالی جو کہ سلطان محمود بیگڑہ کے امراء میں سے تھے اور آپ کے معتقد تھے ۔ انہوں نے تعمیر کروائی ۔ اور مسجد محمد صالح بدخشی نے تعمیر کروائی اور اس پر دو مینارے نجابت خاں نے بنوائے ۔

رباط اور خانقاہ پہلے سلطان محمود شہید نے تعمیر کروائی ۔ اس کے بعد سیف خاں نے عمارت کو اور بڑھایا ۔ دروہ نہالی باکردل جو حویلی کے

---

[1] ظفر الوالہ صفحہ ۱۴ ۔

پرگنہ میں ہیں ۔ اور انبار یلی ، جلالپور وغیرہ کی چھ جاگیریں جو دھولقہ کی پرگنہ میں ہیں ۔ اور باٹر باسنہ اور موندہ باسنہ وغیرہ میں ہیں ۔ وہ سادات شاہیہ کی معاش کے لیئے وقف کی گیئں ۔ آپ کے پانچ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں ۔ شاہ راجو ، سید بڈھن ، سید شیخ محمد ، بی بی راجی ، بی بی امت اللہ ۔ یہ آپ کی اولاد بو اخوندا (جو ملک اسحاق کھوکھر جو قصبہ نادوت کے امیر تھے کی صاحبزادی تھیں) سے اللہ تعالےٰ نے آپ کو دی ۔ اور سید بیگ محمد اور بی بی امان اور بی بی منجھلی یہ اولاد بی بی مرکی (جو سندھ کے والی جام جونہ کی صاحبزادی) سے ہوئی ۔ اور سید سلطان محمد کی ولادت سونکلی نامی آپ کی ام ولد سے ہوئی ۔ [1]

شیخ محمدؒ

شیخ محمد جو گجرات کے ولی تھے دراصل قصبہ نڑیاد کے متوطن تھے ۔ ایک روز شیخ موصوف اپنے گھر کے آگے بیٹھے ہوئے سبزی دھو رہے تھے ۔ اتفاقاً حضرت شاہ عالم نمودار ہوئے ۔ شیخ محمد نے انہیں آتا دیکھ کر دل میں کہا کہ آج جب تک شاہ عالم مجھے کوئی خطاب نہیں دیں گے میں انکی کسی بات کا جواب نہیں دونگا ۔ یہ ٹھان کر انہوں نے شاہ عالم کی طرف سے منہ موڑ لیا ۔ شاہ عالم نے آواز دی ۔ شیخ محمد نے جواب نہیں دیا ، دوبارہ آواز دی لیکن صدائے برنخاست ۔ سہ بارہ پکارا ۔ شیخ محمد ٹس سے مس نہیں ہوئے ۔ اس وقت شاہ عالم مسکرائے اور بولے ۔

؛ ارے میاں الو لکا اللہ لوک بولتے کیوں نہیں ؟ ، گجرات کے محاورہ میں بھولے بھالے آدمی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ تو بالکل اللہ لوک (مجہول) آدمی ہے ۔ جب لقب مل گیا تب شیخ محمد اٹھے اور حضرت شاہ عالم کو چومنے لگے ۔ نڑیاد کے دروازہ کے باہر احمد آباد کی جانب میاں اللہ لوک کی قبر ہے ۔ [2]

[1] خاتمہ مراۃ احمدی صفحہ ۲ ۔ [2] مقالات شیرانی صفحہ ۱۵۲ ۔

شاہ محمد راجو

شاہ محمد راجو بن حضرت شاہ عالم ۔ آپ کی ولادت لفظ "وارث حسین" سے مستفاد ہوتی ہے ۔ حضرت قطب عالم کی طرف سے آپ کو بلا واسطہ خلافت واجازت ملی تھی ۔ اس لئے حضرت شاہ عالم آپ کو اپنے پیر بھائی سے تعبیر کرتے تھے ۔
سلوک کے مریدین کی تعلیم اور طلباء علم کی تکمیل ان کے سپرد کی گئی تھی ۔ نیز حضرت شاہ عالم نے بھی اپنی طرف سے انکو خرقہ اور سجادہ عنایت فرمایا تھا ۔ آپ مادر زاد ولی تھے ۔ آپ کے خوارق عادات کشف وکرامات ایام طفولیت ہی سے اخیر عمر تک برابر ظاہر ہوتے رہے ۔

حضرت شاہ راجو سنن ورواتب وفرائض کے علاوہ روزانہ ایک ہزار رکعت نفل رات و دن میں ادا فرماتے ۔ یہ روزمرہ کی عبادت آپ نے اپنے آبائے کرام سے ورثہ میں پائی تھی ۔ جب بدن ضعیف ہوگیا تو پانچ سو کھڑے ہوکر اور پانچ سو بیٹھ کر ادا فرماتے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں آبائے کرام سے شرمندہ ہوں کہ وہ ساری ایک ہزار کھڑے ہوکر ادا فرماتے تھے ۔
آپکی رحلت یکم محرم الحرام کو واقع ہوئی[۱] حضرت شاہ عالم کی قبر کے پاس آپ بھی مدفون ہیں

سید محمد شاہ عالم کے پوتے

توزک جہانگیری میں جہانگیر لکھتے ہیں کہ :
ہفتہ (۲ رشوال) کو شاہ عالم کے پوتے سید محمد کو حکم دیا کہ جو کچھ ان کا

---

[۱] خاتمہ مرات احمدی صہ۳۰

جی چاہے مانگ لیں اور انہیں اپنی خواہش کا اظہار کرنے کے لئے قرآن کی قسم دی انہوں نے کہا کہ چونکہ قرآن کی قسم دی گئی ہے اس لئے ان کی التجا ہے کہ انہیں ایک قرآن شریف دیا جائے۔ جسے وہ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھیں اور تلاوت کرکے مجھے ثواب پہنچاتے رہیں۔ میں (جہانگیر) نے ان کی خواہش کو پورا کرتے ہوئے مختصر تقطیع کا یاقوت سے تحریر کیا ہوا ایک بے نظیر اور نادر قرآن شریف انہیں عنایت کیا۔ اور اس کی پشت پر اپنے ہاتھ سے تحریر کیا کہ مذکورہ تاریخ کو مذکورہ مقام پر یہ قرآن مجید سید محمد کو عنایت کیا گیا۔ یہ ایک امرِ واقع ہے کہ میر نہایت نیک فطرت آدمی ہیں اور ان کا وجود مغتنمات میں سے ہے، ذاتی شرافت علم وفضل، حسن اخلاق اور پسندیدہ صفات و عادات رکھنے کے علاوہ خوش مزاج اور ہنس مکھ بھی ہیں۔ میں (جہانگیر) نے ماوراء النہر کے لوگوں میں میر جیسا خوش مزاج طبیعت کا آدمی آج تک نہیں دیکھا۔ میں (جہانگیر) نے انہیں فرمایا کہ قرآن شریف کو ایسی سادہ وسلیس عبارت میں ترجمہ کریں جو تکلف و تصنع سے خالی ہو۔ تفسیر لکھنے اور آیتوں کے شانِ نزول بیان کرنے کی بجائے یہ ترجمہ لفظی اور عام فہم فارسی میں ہو۔ اور اس امر کا پورا پورا اہتمام برقرار رکھیں کہ الفاظ کے معنیٰ بیان کرنے میں ایک تشریحی لفظ کا بھی اضافہ نہ ہو۔ اور جب یہ کام مکمل ہو جائے تو اپنے بیٹے جلال الدین سید کے ہاتھ دربار میں بھیج دیں۔

میر کا بیٹا بھی دنیوی و روحانی علوم سے آراستہ نوجوان ہے نیک بختی و سعادت مندی ان کے چہرے سے ٹپکتی ہے۔ میر کو ان جیسے قابل فرزند کی ذات پر ناز ہے اور سچ بات بھی یہی ہے کہ ان جیسا بیٹا فخر کے قابل ہے۔ اچھے نوجوان ہیں۔ [1]

---

[1] تزک جہانگیری ص ۵۰۲۔ [2] یعنی بزبانِ ریختہ۔ دیکھئے مقدمۂ کتاب میں ص ۸۶،۸۵

میاں قطب الدّین

میاں قطب الدین بن محمود بن بابو بن شیخ صدرالدین بن شیخ الیاس بن شیخ جلال جو حاجی جلال نورا کے نام سے معروف ہیں اور حاجی جلال نورا جو سلطان ابراہیم بن ادھم بلخی کے خاندان سے ہیں۔ جو شیخ بابو چشتی کے مرید تھے جن کا مزار بندر کھمبایت میں ہے آپ بھی حضرت شاہ عالم کے خلفاء میں سے تھے آپ کا سنِ ولادت ۸۷۶ھ ہے۔

حضرت شاہ عالم نے اپنے سرِ مبارک کی دستار (پگڑی) ان کے سر پر رکھی اس کے کنارے پر یہ لکھا ہوا تھا کہ آپکی ارشاد و اجازت کا خرقہ میاں مخدوم کے حوالہ کیا گیا۔ شیخ قطب الدین فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت شاہ عالم کی خدمت میں حاضر تھا بغیر کسی سیاق وسباق کے آپ نے ارشاد فرمایا کہ قطب الدین شریعت کے لوگ قاضی کے حکم سے آئیں تو انہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھیجا ہوا خیال کرنا چاہیئے اور ان کی واجبی توقیر و تعظیم بجالانی چاہیئے۔ میں رسول آباد سے جب اپنے گھر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بعض قرض خواہ جن سے سپہ گری اور فوج کی ملازمت کے دوران میں نے قرض لیا تھا وہ قاضی کے آدمیوں کو لے کر میری تلاش میں آئے ہیں جب مجھے دیکھا تو .... انہوں نے مجھ پر بہت زیادہ طعن و تشنیع کی تو اس وقت حضرت کے ارشاد کا بھید سمجھ میں آیا حضرت کے ارشاد کے بموجب میں تواضع بجالایا۔ حضرت شاہ نے ہمیشہ کے واسطے اپنے متعلقین کے لیے یہ طریقہ مقرر کیا تھا ـــــ کہ شریعت مطہرہ کو تمام امور پر مقدم رکھا جائے۔ ستاسی سال عمر گذار کر ۲۰ جمادی الثانی ۹۴۳ھ کو آپنے انتقال فرمایا، آپکا مزار رنابپور میں واقع ہے[۱]

---

[۱] خاتمہ مرآت احمدی صفحہ ۴۹۔

شاہ بھیکن

شاہ بھیکن بن حضرت شاہ عالم۔ آپ کا نام سید بیگ محمد تھا بعد میں آپ شاہ بھیکن کے نام سے معروف ہوئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ (جام جونہ کی صاحبزادی) بی بی مرکی ہیں۔ جن کے نکاح کا مفصل حال مرات سکندری میں لکھا گیا ہے۔

اور شاہ عالم؛ کے حالات میں قریب ہی میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے اور آپ کے انتقال کا حیرت انگیز قصہ بھی پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

سیّد محمد مقبول عالم
(م ۱۰۴۵ھ)

سیّد محمد مقبول عالم۔ سید محمد آپ حضرت ماہ عالم کے صاحبزادے ہیں، آپکی والدہ ماجدہ آمنہ بنت سید لفراللہ ہے۔ آپکی ولادت ۹۸۹ھ ۱۴ رجب کو ہوئی اور تاریخ ولادت کیلئے یہ مصرعہ کہا گیا: من دوست دامانِ آل رسول،

اپنے والد ہی سے علوم کی تحصیل کی، زندگی بھر درس و تدریس میں لگے رہے

حضرت ماہِ عالم نے اپنے وصال کے دو سال پہلے اپنا خرقہ اور سجادہ آپ کو عنایت فرما دیا تھا۔ ۱۰۴۵ھ میں انتقال ہوا خاندانی قبرستان میں مدفون ہیں۔[1]

---

[1] خاتمہ مراۃ احمدی صـ۴۰ نزھۃ الخواطر ج ۵ صـ۱۶۰

ملک عبد اللطیف داور الملک

۱۳ ذیقعدہ ۸۷۹ھ/۸۸۹ھ یکم دسمبر ۱۴۷۴ء/۱۴۸۴ء

ملک عبد اللطیف بن ملک محمود آپ قریشی الاصل ہیں۔
سلطان محمود بیگڑہ کے امراء میں سے تھے اور قصبہ امردن میں آپ کا مزار ہے

آپ حضرت شاہ عالم کے مرید تھے اور ان سے خلافت پائی تھی ۔ حضرت شاہ عالم کے وضو اور پانی استنجا وغیرہ کی خدمت آپ کے سپرد تھی ۔
شاہانِ دکن کے ایک صاحبزادے کو برص لاحق ہوا آپ کی خدمت میں اس کو لایا گیا حضرت کی توجہ سے وہ ٹھیک ہو گیا۔ جس کا قصہ یہ ہوا کہ ایک شب حضرت شاہ عالم تہجد کی نماز کے لئے وضو میں مشغول تھے ملک عبد اللطیف کھڑے ہوئے تھے تو اس بچہ کو حاضر کیا گیا حضرت شاہ عالم نے ملک عبد اللطیف سے فرمایا کہ اس طشت کا پانی اس بچہ کے اوپر ڈال دیں حسبِ حکم وہ پانی اس کے سر کے اوپر ڈال دیا گیا جو باقی بچ جائے وہ پی لے۔ وہ شہزادہ فوراً ٹھیک ہو گیا۔ اور ملک عبد اللطیف سے فرمایا کہ آج سے سالار مسعود غازی کا مرتبہ بارگاہِ خداوندی سے تمہیں عطا کیا گیا ہے اسکا تصرف تمام عالم میں عموماً اور ملک دکن پر خاص طور پر ظاہر ہو گا۔

کہتے ہیں کہ جب سلطان محمود بیگڑہ کے دربار میں آپ کو امیر کا مرتبہ ملا اور داور الملک کے خطاب سے مشرف ہوئے تو باوجود تحملِ دنیاداری کے آپ ہمیشہ صلاح و تقوی میں مصروف رہتے۔ آپ کے تقوی کا اثر آپ کی سواریوں اور گھوڑے پر بھی پڑ چکا تھا یہاں تک کہ سلطان نے آپ کو امردن کا فوجدار بنا کر بھیجا تو اکثر اوقات آپ اس علاقے کے کفار کے ساتھ جہاد کی نیت سے قتل و قتال میں

مشغول رہتے۔ ایک روز اتفاقاً بیچ کچھ کی جانب کچھ کے رن عبور کرکے اندر داخل ہوگئے
تین روز کے بعد وہاں سے واپس لوٹے جہاں قریب میں آباد جگہ ملی وہاں ایک
درخت کے نیچے تھوڑی دیر کے لئے آرام کرنے کے لئے لیٹے اس دوران آگ لگی
جب بیدار ہوئے تو دیکھا کہ آپ کے ساتھیوں کے گھوڑے قریب کے کھیت میں
چر رہے ہیں ساتھیوں سے کہنے لگے۔ خدا سے ڈرتے نہیں ہو کہ گھوڑوں کو دوسرے کے کھیت میں دانے چرنے کیلئے چھوڑ
دیا تو وہ کہنے لگے کہ آج تیسرا دن ہے کہ سواریاں اور سوار دونوں کھانے پینے سے محروم ہیں ہم تو خود برداشت کر سکتے
ہیں مگر جانور تو اس طرح خود اپنے آپ کو نہیں روک سکتا۔ ملک عبداللطیف فرمانے لگے
اگر تمہارا تحمل کرنا محض للہ ہوتا تو اس کا اثر تمہاری سواریوں پر بھی پڑتا وہ بھی تمہاری موافقت
کرتیں یہ فرماکر گھوڑے کی لگام سر سے اتار دی اور اس کو کھیت میں چھوڑ دیا مگر آپ کا
گھوڑا اسی طرح کھڑا رہا اور چرنے کی طرف اس نے کوئی میلان ظاہر نہیں کیا آپ نے
کچھ کے علاقہ کی سرزمین کا واقعی بہت اچھی طرح بندوبست کیا کہ امرون کے قصبہ کے
سرکش راجپوت اطاعت و فرمانبرداری کرنے لگے۔

ایک روز ایک فتنہ پرداز نے ملک کے سامنے یہ بات بنائی کہ فلاں راجپوت جو
میرے خاص لوگوں میں سے اور میرے رشتہ داروں میں سے ہے اس کے پاس بے مثال
تلوار ہے اگر وہ کسی وقت... خدمت میں آجائے تو اس سے لے کر ملاحظہ
فرمائیے دیکھنے والی ہے۔ ادھر اس نے شرارت سے اس راجپوت سے کہا ملک تجھے
مار ڈالنے کا ارادہ کرتے ہیں اور اس کی نشانی یہ ہوگی جب تو انکی خدمت میں جائے گا
تو تیری ہی تلوار غلاف سے نکال کر تجھے قتل کر دیں گے۔ یہ سنکر وہ فکرمند ہوا اور
اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جس وقت ملک تلوار میرے ہاتھ سے لے اس
سے پہلے کہ اس کو غلاف سے نکالے، تم —— ان کو قتل کر دینا۔ تو جب وہ

راجپوت ملک کے پاس پہنچا ملک عبداللطیف خالی الذہن تھے اس کی تلوار دیکھنے کے لئے قبضہ پر ہاتھ رکھا کہ فوراً راجپوت کے ہمراہیوں نے ملک کو شہید کر دیا یہ قصہ ۹ ۸۷ھ ۱۲ ذی قعدہ کو پیش آیا آپکی قبر اس قصبہ میں بنائی گئی۔ [1]

نزھۃ الخواطر میں ہے کہ۔

خدا نے انہیں اپنی طرف متوجہ کیا تو شیخ عبداللہ حسینی بخاری سے بیعت ہوئے اور دنیوی مشاغل چھوڑ کر بس طریقت کے ہو گئے۔ جس کے بعد ان سے عجیب وغریب مکاشفات کا ظہور رہا۔

آپ نے ۱۲ ذیقعدہ ۸۸۹ھ/یکم دسمبر ۱۴۸۴ء کو شہادت پائی۔ بعض حضرات نے آپ کی تاریخ وفات لفظ ، ذیقعدہ ، سے نکالی ہے۔ آپ کے مزار پر سلاطین کا تعمیر کردہ بہت بڑا گنبد ہے۔ [2] (مرآۃ سکندری)

شیخ الاسلام خواجہ احمد بن دوسن

م ۱۲ شوال ۸۸۵ھ - ۱۵ دسمبر ۱۴۸۰ء

خواجہ احمد بن دوسن۔ حضرت شاہ عالم کے خلفاء عظام میں سے تھے اور جو اجازت نامہ حضرت شاہ عالم نے اپنے خطِ خاص سے لکھ کر ان کو مرحمت فرمایا تھا۔ اس اجازت نامہ میں آپ کا لقب ،مسکین اللہ، لکھا گیا ہے جس کی نقل روضات شاہی کی نویں جلد میں ہے ایک دفعہ حضرت شاہ عالم خواجہ احمد صاحب کا ذکر فرما رہے تھے کہ وہ حاجت کے وقت کسی مخلوق کو زندہ سمجھتے ہی نہیں کہ اس کی طرف اپنی التجا لے کر جائیں بلکہ تمام مخلوق کو مردہ اور اسی وحدہ لاشریک کو زندہ شمار کرتے ہیں اس کے بعد حضرت شاہ عالم نے فرمایا کہ یہ مردوں کی راہ ہے۔ اس راہ میں جو شجاعت

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی ص۱۰۵۔ [2] نزھۃ الخواطر ص۱۲۵۔

اور بہادری برتتا ہے وہ کامیاب ہوتا ہے اور بزدل خاسر رہتا ہے۔ اس کے بعد عربی کے چند اشعار پڑھے اور فرمایا کہ فقر کی تلوار کھانا کچھ آسان نہیں ہے مرید صادق کے لیئے ایک سچی ارادت ضروری ہے اس کے بعد یہ فارسی کا شعر پڑھا۔ ؎

معشوق از دو عالم چوں فرد شد بخوبی ۔۔۔ عاشق نبایدالا از ہر دو کون فردی

ہر دو بہی نیارد در راہ عشق رفتن ۔۔۔ در راہ عشق باید مردی و شیر مردی

آپ تیرہ ۱۳ شوال ۸۸۵ھ بمطابق ۱۵ر دسمبر ۱۴۸۰ء کو مالک حقیقی سے جا ملے اور احمدآباد کے قلعہ شاہپور کے دروازے کے پاس دفن ہوئے۔ ؎۱

حضرت مولانا محمدؐ صدیقؒ

متوفی ۱۴ر ذیقعد ۸۷۹ھ ۲۱ر مارچ ۱۴۷۵ء

آپ کا مولد ملتان ہے۔ علم و عرفان سے لیس ہوکر آپنے سندھ کو میدان عمل بنایا جہاں قبیلہ جام میں سے جام جوناں آپ کی توجہات عالیہ سے منصب خلافت تک پہنچ گئے۔ مگر قبیلہ جام کی باہمی چپقلش شیخ محمد صدیق اور آپ کے خلیفہ جام جوناں کو مع اہل وعیال گجرات لے آئی۔ رفقائے سفر میں آپ کے خلیفہ خاص شیخ عبداللہ بھی تھے۔ یہ تمام نووار دین احمدآباد پہنچ کر حضرت شاہ عالم کے دامنِ عقیدت سے وابستہ ہوگئے۔ یہاں تک کہ تینوں نے حضرت شاہ عالم سے خلافت بھی پائی۔ اور جام جوناں کی صاحبزادی کو شاہ عالم نے اپنی حرم کیلئے قبول فرمایا جس سے قرابت ومصاہرت بھی استوار ہوگئی۔

یاد رہے کہ جام جوناں سلطان محمود ابن سلطان محمد کے نانا تھے جیساکہ آپ

؎۱ خاتمہ مرآۃ احمدی صہ ۵۴۔

شاہ بھیکن کے بھی رشتہ میں نانا تھے۔ آپ کی قلعہ نما رہائش گاہ سابرمتی کے کنارے اساول میں ـــــ ہے جو ملک کوٹ کے نام سے مشہور رہے۔
شیخ محمد صدیق کی ابدی آرام گاہ بھی چودہ ذی قعدہ ۸۷۹ھ بمطابق ۲۱ مارچ ۱۴۷۵ء کو اسی کے قریب قرار پائی۔ شیخ عبداللہ بھی اپنے مرشد اول کے پہلو میں آرام فرما ہیں۔[1]

ملک محمد اختیار اور شیخ کبیرالدین

ملک محمد اختیار سلطان محمود بیگڑہ کے امرار میں سے ایک امیر تھے۔ جب سلطان محمود بیگڑہ تخت نشین ہوئے اور تمام امرار کو خان کا خطاب دیا تو ملک محمد نے یہ خطاب اپنے لئے اختیار نہیں کیا اور عرض کیا کہ میرا نام محمد ہے اس سے بہتر خطاب اور کونسا ہوسکتا ہے۔ ایک روز ملک محمد اختیار پالکی پر سوار ہو کر مٹھا پور کی طرف جا رہے تھے۔ گرمی کا زمانہ تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے اِملی کے درخت کے نیچے ٹھہر گئے۔ دیکھا کہ ایک مسجد کے کونے میں بیٹھ کر ایک بزرگ بچوں کی تعلیم میں مشغول ہیں یہ شیخ کبیرالدین تھے جن کا اسم گرامی سلطان التارکین۔ شیخ حمیدالدین ناگوری تھا۔ ملک تھوڑی دیر سونے کے بعد اٹھے اور نماز اس شیخ کی امامت میں ادا کی فارغ ہونے کے بعد شیخ کی نگاہ کرم ملک اختیار پر پڑی ایک ہی نگاہ میں شیخ نے ملک محمد کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ تھوڑی دیر کے لئے تو ملک کے ہوش و حواس گم ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو اپنے گھر واپس لوٹ گئے۔ اور اگلے روز صبح ہی صبح دوبارہ یہاں آ گئے اور پھر شیخ کی خدمت میں برابر آنے جانے لگے شیخ نے ایک دفعہ خلوت میں فرمایا کہ آپ کے ساتھ تو دنیاداری بہت لگی ہوئی ہے۔ یہاں آپ کس تقریب سے تشریف لا رہے

---

[1] اکابرینِ گجرات ص ۴۷

ہیں اور اس دوران آپ نے اپنے اہم کاموں کو بھی چھوڑ رکھا ہے اگر آپ کو خدا طلبی کا داعیہ ہے تو یکسوئی اللہ سے دست بردار ہونا ہوگا ورنہ پھر دردِ سری کی ضرورت نہیں ملک نے عرض کیا کہ آج میں اپنے دل سے مشورہ کرونگا دیکھتا ہوں کہ کس طرف میرا نصیب رہنمائی کرتا ہے ۔ حضرت نے فرمایا ٹھیک ہے ایسا ہی ہو جائے ملک اپنے گھر آئے اور تمام اہل حق کے حقوق مع زیادتی کے اپنی طرف سے ادا کر دئے اور جتنی مملوکات جاریات اور باندیاں تھیں ان کو بلا کر جو کسی سے نکاح کا تعلق قائم کرنا چاہتی تھی ان کا نکاح کرا دیا یا ان کے نکاح کا انتظام کر دیا اور جو آزاد ہونا چاہتی تھی ان کو آزاد کر دیا اور سارا حساب کتاب سلطان کے حوالے کر کے عرض کیا کہ اب مجھے کسی چیز کی آرزو باقی نہیں اب میں دنیا سے دست کش ہونا چاہتا ہوں

یہ تمام چیزیں جس کو چاہیں آپ پہنچا دیں ۔ سلطان سمجھے کہ شاید کسی بات سے آپ رنجیدہ ہیں بہت زیادہ دلجوئی کی کوشش کی ملک کہنے لگے کہ عمر کا ایک حصہ میں نے سلطان کی خدمت انجام دی اب میں چاہتا ہوں کہ کسی ایسے کی خدمت میں رہوں جنہوں نے مخدومیت کی خلع خود سلطان کے سر پر رکھی ہے اور ان کو سب کا مخدوم بنایا ہے یہ کہا اور اٹھ کر اپنے گھر واپس چلے آئے ۔ سلطان نے دریا خاں کو اور علی خاں کو جو ملک محمد اختیار کے دوستوں میں سے تھے ان کو بلایا اور ان کے سامنے ماجرا بیان کیا ۔ دونوں نے عرض کیا ہم جا کر انہیں سمجھاتے ہیں سلطان نے معافی نامہ جو ملک نے دیا تھا وہ ان کے حوالے کیا یہ دونوں حضرات ملک کے گھر پہونچے ملک ان کا مقصد سمجھ گئے اور فرمایا کہ تم تھوڑی دیر ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں ملک نے نائی کو بلایا اور فرمایا کہ میری حجامت بنا دو ۔ اس کے بعد بالوں کو دیکھتے ہوئے فرمایا کہ یہ سب حرام غذا سے پرورش پائے ہوئے ہیں ، دنیا کے ساتھ اس حرام غذا سے پرورش

یافتہ باپوں کو بھی الوداع کرنا چاہیئے ۔ اس کے بعد اپنی اہلیہ کو بلایا اور فرمایا جو کچھ تمہاری مِلک میں ہے وہ تو اپنے حال پر ہے تم کو میں رخصت کرتا ہوں اپنے والدین کے گھر جاؤ ۔ اگر نکاح کی خواہش ہو تو پھر نکاح کا اختیار بھی نہیں باقی ہے ہم خدا کی راہ میں تمام علائق اور تعلقات کو چھوڑتے ہیں ۔ اہلیہ نے عرض کیا کہ اگر اس رستہ کا سلوک میری جدائی ہی کے ساتھ مشروط ہے تب تو میں کیا کہہ سکتی ہوں ورنہ جس رستہ پر تم قدم رکھو گے مجھے اپنا سایہ تصور کر لیجئے کہ سایہ کی طرح میں آپ کے ساتھ ہی رہونگی، چوں سایہ ہمرہیم بہر سو روان شدی ۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ فانی دولت کے زمانے میں تو میں آپ کی یارِ جانی کہلاؤں اور دولت جاودانی کے حصول کے وقت میں آپ سے جدائی اختیار کروں ملک نے فرمایا کہ اگر موافقت چاہتی ہو تو موافقت کر سکتی ہو ۔ لیکن یہ زیور زر وجواہرات سب کو اپنے آپ سے

دور کر دو اور اپنا لباس بدل کر کنیز کا لباس پہن لو ۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اس کے بعد ملک نے اپنی اہلیہ کا ہاتھ پکڑا اور دریا خاں اور علی خاں کے سامنے مجلس میں سے گذر کر شیخ کے مکان کی طرف روانہ ہو گئے ۔ ساتھیوں نے جب یہ حال مشاہدہ کیا تو حیران رہ گئے اور جا کر سلطان سے واقعہ عرض کیا اور کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو آسیب لگ گیا ہے ۔ اور جنون طاری ہو گیا ہے ۔ ملک اسی حال میں شیخ کی خدمت میں پہنچے دیکھ کر شیخ نے فرمایا خوش آمدی وخوش آمدی مرا از آمدنت ، ہزار جاں گرامی فدا لئے ہر قدمت ۔ شیخ اٹھے اور ملک کی اہلیہ کو اپنے بچوں کے پاس لے گئے اور فرمایا کہ اس کو زمانے کے ابراہیم بن ادہم کی اہلیہ سمجھو ۔ اور اس کی صحبت کو غنیمت سمجھو اور ان کی خدمت گذاری میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑنا ۔ اس کے بعد شیخ ملک محمد اختیار کی ارشاد ، رہنمائی اور سلوک کی طرف توجہ فرما ہوئے ۔ ملک

نے طریقت مقدم رکھا۔ سلوک طے کرنے لگے۔ کہتے ہیں کہ روزانہ پانی سے بھرا ہوا کوزہ سر پر رکھکر دریائے سابرمتی سے پانی ایمیں لے کر بازار میں سے ہوکر گذرتے اور شیخ کے یہاں پہنچاتے ملک کو اس حال میں دیکھ کر لوگ دیوانگی اور حماقت سمجھتے مگر

چند دنوں بعد ہی ان عوام کا رویہ بدل گیا اور وہ ملک پر فریفتہ ہوگئے آپ پر فدا ہونے لگے۔ ہزاروں کی تعداد میں مخلوق آپ کی دست بوسی اور پیر بوسی کے لیئے آپ کے پاس آنے لگی۔ اس طرح کی یہ شہرت جب شیخ کو ناپسند ہوئی تو ملک نے اس کی تدبیر یہ کی کہ لوگوں سے چیزیں لینی شروع کیں دوسری طرف اگرچہ دوسروں کو دے دیتے تھے مگر اس طرح رفتہ رفتہ مخلوق کو آپ سے تنفر ہوگیا اور جو آپ ان کو بھگانا چاہتے تھے وہ مقصد حاصل ہوگیا اس کے بعد روحانی ترقی خوب ہوئی۔ اور حق تعالیٰ کی بارگاہ سے آپ کو محمد اختیار کا خطاب ملا جو مشہور رہا۔ کہتے ہیں کہ حضرت شاہ عالم بخاری کے مریدوں میں سے ایک

ملک محمد اختیار کی خدمت میں عقیدت مندی سے حاضری دینے لگا کسی نے حضرت شاہ عالم سے عرض کیا کہ فلاں مرید ملک محمد اختیار کی خدمت میں جاتا ہے اور ان سے ہمت کا طالب ہے۔ حضرت شاہ عالم نے فرمایا کہ فکر کی ضرورت نہیں اور یہ شعر انہوں نے پڑھا۔ ؎

ہر کہ را باشد دو عالم بختیار — او کند خدمت محمدؐ اختیار!

ایک روز حضرت شاہ عالم کی اتفاق سے راستہ میں ملک محمد اختیار سے ملاقات ہوگئی۔ دونوں نے ایک دوسرے سے خرقہ طلب کیا۔ ملک محمد کہنے لگے کہ عطا تو شاہوں کی طرف سے ہونی چاہیئے۔ حضرت شاہ عالم نے فرمایا کہ ملک بھی انہی میں رہے ہیں اخیر میں حضرت شاہ عالم نے پیراہن ملک محمد کو عطا فرمایا اور ملک محمد نے اپنی کلاہ

حضرت شاہ عالم کو عطا کی، حضرت شیخ کبیر الدین اور ملک محمد اختیار دونوں کی قبر راجپور اور سرسپور کے درمیان بوا بیر کے مقبرہ سے متصل واقع ہے

خاتمہ مرآۃ احمدی ص۹۵

احمد میاں مخدوم

(متوفی ۲۲ ربیع الاول ۸۸۲ھ/۳ جولائی ۱۴۷۷ء)

شیخ میاں مخدوم احمد بن برہان بن ابراہیم بن محمد خان غوری آپ کے والد محترم برہان شیخ احمد کھٹو کے عقیدت مند تھے، جن سے آپ نے اولاد کے لئے دعا کی درخواست کی، شیخ احمد کھٹو نے لڑکے کی خوشخبری دیکر فرمایا کہ ہمارے نام پر اس کا نام احمد رکھنا چنانچہ ۸۱۷ھ ۱۴۱۴ء میں آپ کی ولادت ہوئی اور حفظ قرآن کے بعد حضرت شاہ عالم سے تعلقِ ارادت قائم کیا، اور علمی سلسلہ مولانا صدر جہاں سے جوڑا اور علوم و فنون سے فراغت کے بعد چند سال مشغل دنیوی کے بعد تمام علائق کو خیر آباد کہہ کر دس سال سے زیادہ عرصہ خلوت در یاضت میں گذرا۔

شاہ عالم کی وفات کے دو سال بعد ۲۲ ربیع الاول ۸۸۲ھ ۳ جولائی ۱۴۷۷ء میں آپ نے اس عالم ہست و بود کو خیر باد کہا، تاجپور احمد آباد میں خانقاہ و مسجد کے نزدیک آپ کی قبر بنائی گئی۔

اکابرین گجرات ص۴۶۲، تاریخ دکن

قاضی سید اسمٰعیل اصفہانی رح

(م ۲۶ ربیع الاول ۸۶۵ھ ۸ جنوری ۱۴۶۱ء)

صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں شیخ فاضل قاضی اسماعیل بن عبداللہ اصفہانی فقہ واصول میں یکتائے زمانہ تھے بچپن ہی میں اپنے والد کے ہمراہ گجرات تشریف لے آئے اور اپنے والد کے سوا دوسرے علمائے گجرات سے بھی پڑھا۔ آپ بھروچ میں قاضی مقرر ہوئے جہاں برسوں دادِ انصاف دیتے رہے پھر بعہد سلطان محمود الکبیر احمد آباد کی قضا تفویض ہوئی اور یہاں بھی سالہا سال تک اس منصب پر متمکن رہے۔

طریقت میں شیخ محمد بن عبداللہ الحسینی گجراتی سے فیض حاصل کیا۔ آخر ۲۶ ربیع الاول ۸۶۵ھ ۸ جنوری ۱۴۶۱ء کو آسودۂ لحد ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔[1]

خاتمہ مرآۃ احمدی میں لکھا ہے کہ:

قاضی سید اسمٰعیل اصفہانی بن سید برہان قدس سرہٗ۔ نہایت متقی اور باوقار تھے۔ بندر بھروچ کے قضا کی خدمت آپ کے سپرد تھی جب حضرت شاہ عالم کو نذر بار اور سلطانپور کے ارادے سے اس طرف سفر کا اتفاق پیش آیا تو قاضی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور حضرت سے تعلق ارادت قائم کیا۔ اور فقرا رشاہی کے رنگ میں رنگے گئے۔ ایک روز مجلس عالی میں حاضر تھے کہ شراب طہور کا ذکر آیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا۔ تو قاضی صاحب نے سوال کیا۔ آیا شرابِ طہور کا خارج میں وجود ہے اس کو پیا جاسکتا

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۳۲ و ۲۹ ۔

ہے یا اس سے مراد محبت اور معرفت ہے اور کیا اس کی صورتاً سقی میسر آسکتی ہے یا صرف قابلیت اور استعداد کو کہا جاتا ہے ۔ حضرت شاہ عالم نے تبسم فرمایا کہ جی ہاں اس کا خارج میں بھی وجود ہے اور اس کا پینا ممکن ہے ۔ قاضی صاحب نے عرض کیا کہ اگر اس کا پینا عالم میں ممکن ہے تو پھر آنحضرت کو تو ضرور میسر ہو گی مجھے امید ہے کہ اسکا ایک آدھ گھونٹ مجھے بھی نصیب ہو جائے ۔ تو حضرت شاہ عالم نے فرمایا بہت خوب چند رات بطریق التزام تہجد کے وقت ہمارے پاس آیا کرو شاید کچھ حصہ پالو ۔ قاضی صاحب حسب الحکم اس وقت حاضر ہونے لگے اور اس وقت کے منتظر رہے جب اس کا وقت قریب آیا اور حضرت شاہ عالم نے ایک شب اس کا ایک قطرہ قاضی صاحب کے حلق میں ٹپکا دیا قاضی صاحب کہتے ہیں کہ پہلے اس شراب کی مستی طاری ہوئی اس طرح پر کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بہشت و دوزخ کے حالات مجھ پر منکشف کر دیئے

جب قاضی صاحب ارادت مندوں کی صف میں آ گئے تو آپ نے قضا ر کی حالت میں عمامہ کا شملہ جو لمبا چھوڑتے تھے اس کو موقوف کر دیا تو ایک روز حضرت شاہ عالم نے قاضی صاحب سے فرمایا تم نے شملہ لٹکانا کیوں موقوف کر دیا کہ پہلے تو آپ ارسالِ شملہ کرتے تھے ۔ لوگ سمجھیں گے کہ ارشاد و تصوف سے ارسال شملہ کا کوئی خاص بھید ہو گا ۔ ایک ہفتہ کے بعد سلطان محمود حضرت شاہ عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ درخواست کی قاضی سید اسمٰعیل کو حکم کیجئے کہ وہ احمد آباد کی قضا قبول فرمائیں ورنہ یہ شہر ویران ہونے کو ہے ۔ حضرت شاہ عالم نے ان سے فرمایا کہ چند روز عوام کی مصلحت کی خاطر تقلید قضا ضرور کیجئے ۔ قاضی نے استعفار دے دیا اور کہنے لگے ۔ ؎

لذت دیوانگاں را دیدہ ام ! بادشرم باز اگر عاقل شوم

حضرت شاہ عالم نے بہت تاکید سے فرمایا کہ تمہیں قبول کرنی ہوگی مجبوراً قاضی صاحب نے عرض کیا کہ میں قبول کرتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ حق تعالیٰ شانہ یہ ذوق وحال جو اب مجھے حاصل ہے مرنے سے پہلے پھر عنایت فرمادیں اور یہ عود کر آئے۔

حضرت شاہ عالم نے کچھ دیر تامل فرمایا پھر ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ شانہ سے درخواست کی گئی کہ آپ کو اس حالت میں پھر واپس لوٹائے اور فقراء کے زمرے میں آپ کا حشر فرمائے۔

کہتے ہیں کہ حضرت شاہ عالم کی جنازے کی امامت قاضی سید اسمٰعیل ہی نے فرمائی تھی۔ آپ کی قبر احمدآباد میں اندپور میں واقع ہے۔ [1]

مولانا صدر جہاں حسام الدین

گجرات میں بنبانی خاندان علم وفضل میں بہت مشہور تھا۔ اس خاندان میں مولانا فیض اللہ ---- ، مولانا زین العابدین، مولانا حسام الدین قاضی صدرالدین، اور مولانا منہاج الدین بن صدرالدین بڑے پایہ کے عالم اور مصنف گذرے ہیں۔

صدر جہاں قاضی صدرالدین کا اصل وطن چاپانیر تھا لیکن بود و باش احمدآباد میں تھی۔ اور مدرسہ بھی یہیں تھا۔ [2]

آپ حضرت شاہ عالم کے معاصر ہیں۔ آپ کا مزار نور گنج میں واقع ہے۔ مولانا صدر جہاں جو اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم اور متقیوں میں شمار ہوتے تھے سبق پڑھنے کے لیے مولانا میاں مخدوم صاحبزادہ شاہ عالم روزانہ آپ کے پاس آتے اور جب حضرت شاہ عالم کے احوال مولانا

---

[1] خاتمہ مرآت احمدی ص۵۵۔ [2] گجرات کی تمدنی تاریخ ص۲۰۱،۲۰۲۔

کے سامنے بیان کیے جاتے تو وہ بے ادبی سے اس کا انکار کرتے تھے ۔ میاں مخدوم اپنے دل میں عہد کرتے تھے کہ دوبارہ اب مولانا کے پاس نہیں آئیں گے ۔ لیکن جب حضرت شاہ عالم کی خدمت میں جاتے تو تبسم فرماتے ہوئے پوچھتے کہ آج میاں مخدوم تم مولانا کے پاس گئے ۔ سبق پڑھا وہ عرض کرتے کہ جی ہاں شاہ عالم فرماتے کہ مولانا کی صحبت ہرگز ترک نہ کرنا ۔ بہت زیادہ مفید ہے ، اور مولانا کا وجود اس زمانے بہت غنیمت ہے اس بنار پر میاں مخدوم کے لیے ضروری ہو جاتا... کہ مولانا کے پاس جائیں ۔ غرضیکہ یہ قضیہ بار بار پیش آتا رہتا ۔ یہاں تک کہ ایک روز مولانا نے اس معاملہ میں بہت زیادہ مبالغہ کیا اور میاں مخدوم پر گریہ طاری ہوگیا اور زار و قطار رونے لگے مولانا نے رونے کا سبب پوچھا تو کہنے لگے کہ مجھے آپ کے احوال پر رونا آتا ہے کہ سید جو صحیح النسب بھی ہیں اور فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و احوال اور افعال و اقوال کے متبع بھی جو آپ کے زمانے میں آپ کے شہر میں موجود ہیں اور آپ ان کی خدمت سے محروم ہیں بلکہ ان کے انکار میں مبتلا ہیں ۔ مولانا نے کچھ دیر تامل فرمایا اور کہنے لگے کہ اگر تمہارے پیر ہمارے ساتھ چار شرطیں منظور کرلیں تو میں انکی زیارت کے لیے آسکتا ہوں پہلی شرط یہ کہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ وہ ریشمی لباس پہنتے ہیں ۔ جس روز میں آؤں اس روز مسنون لباس پہنیں دوسرے یہ کہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان کا بستر زربفت کا ہوتا ہے ۔ جس روز میں آؤں تو یہ بھی نہیں ہونا چاہئے ۔ میاں مخدوم کہنے لگے کہ ہمیشہ ان کا لباس اور ان کا فرش بستر مسنون ہوتا ہے اور جس لباس کے ساتھ وہ خلوت میں ہوتے ہیں اسی لباس کیساتھ وہ باہر آتے ہیں اور باہر آنے کے بعد حق تعالیٰ شانہ کے حق ملکیت اور للمالک ان یتصرف فی ملکہ کیف یشاء ہے کے تقاضے کے موافق وہی لباس لوگوں کی نظروں میں ریشم معلوم ہوتا ہے ۔ مولانا نے کہا کہ تیسری شرط یہ ہے کہ وہ میرے ساتھ علمی گفتگو کریں اور ایسا

مسئلہ ذکر کریں کہ جو محصلین کے درمیان بالفعل متداول نہ ہو اور علماء کے درمیان مشہور نہ ہو۔ چوتھے یہ کہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ الوداع کے وقت ہر شخص کو کچھ نہ کچھ نقدی وہ عطار فرماتے ہیں تو وہ مجھے نہ دیں کہ معیشت کی کوئی وجہ معین اور کمائی کا کوئی ظاہری طریقہ وہ نہیں رکھتے ہیں۔ بلکہ جناتوں کو تابع کیا ہوگا اور جنات لوگوں کے مال سے چرا کر لاتے ہوں گے اور وہ حرام مال ہے۔ اگر یہ چاروں شرطیں قبول کریں تو میں آسکتا ہوں میاں مخدوم نے عرض کیا کہ بسم اللہ سوار ہو جائیے کہ الخیر لا یئوخر۔ مولانا نے فرمایا کہ پہلے تم جاؤ اور معلوم کر دو کہ آیا وہ قبول کرتے بھی ہیں یا نہیں؟ میاں مخدوم کہنے لگے کہ جیسے ہی آپ نے یہ شرائط اپنے دل میں سوچی ہیں حق تعالیٰ نے ان کو اس پر مطلع کر دیا ہے پیغام پہنچانے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ مولانا کہنے لگا کہ اللہ! تمہارا ان کے متعلق ایسا اعتقاد ہے غرض کہ مولانا اور میاں مخدوم سوار ہو کر شہر سے رسول آباد پہنچے۔ مولانا کہتے ہیں کہ تم پہلے چلے جاؤ اور خبر کر دو میاں مخدوم کہنے لگے کہ اگر میں جاؤں گا تو آپ کو یہ خیال گزرے گا کہ میں نے ان کو اطلاع کر دی ہے اس لئے پہنچ کر ان حضرات نے دربان سے کہا کہ اندر خبر کر دو۔ دربان نے خبر کر دی۔ جواب آیا کہ دیوان خانہ میں بیٹھو۔ جب یہ حضرات دیوان خانے میں پہنچے تو دیکھا کہ بوریئے کا فرش بچھا ہوا ہے جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے ہیں اور کھجور کے پتوں سے وہ بنا ہوا ہے مولانا میاں مخدوم کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ یہ ایک شرط تو اپنے آپ ہی پوری ہو گئی۔ میاں مخدوم کہنے لگے انشاء اللہ تمام شرطیں اسی طرح پوری ہو جائیں گی۔ جب تھوڑی دیر کے بعد حضرت شاہ عالم تشریف لائے سامنے پہنچے دیکھا کہ ایک لنگی باندھے ہوئے ہیں اور کمبل کا اونی کرتا پہنے ہوئے ہیں اور اس کمبل کا ایک دستار سر پر باندھے ہوئے ہیں۔ اشارہ کر کے میاں مخدوم کو مولانا کہنے لگے کہ دو شرطیں یہ ہو گئیں حضرت شاہ عالم مولانا سے پوچھنے لگے کہ حق تعالیٰ شانہ کی رویت ملائکہ کو بھی ہوگی

یا نہیں۔ مولانا کہنے لگے کہ نہیں فرمایا قرآن پاک کی آیت ہے فَمَنْ کَانَ یَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖ اَحَدًا یہ تو عام ہے پھر کس وجہ سے ان کو حق تعالیٰ شانہٗ کی رویت نہیں ہو گی؟ مولانا نے عرض کیا کہ ملائکہ لطیف ہیں حق تعالیٰ شانہٗ کی تجلیات کی تاب نہیں رکھ سکتے اور بشر اپنی کثافت کیوجہ سے تجلی کی تاب کی طاقت رکھتے ہیں حضرت شاہ عالم نے فرمایا کہ وہ حکیم مطلق جو انسانوں کی کثافت کے واسطے سے رویت کی قدرت دے سکتا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ دوسرے امر کے ذریعہ ملائکہ کو بھی اس کی قدرت دیدے مولانا نے عرض کیا کہ ہم تو نقل کی اتباع کرنے والے ہیں اور سلف سے منقول اس بارے میں کوئی چیز آئی نہیں۔ حضرت شاہ عالم نے فرمایا کہ امام فخرالدین رازی نے ایک رسالہ اثبات رویت میں تحریر فرمایا ہے اور اس میں فرماتے ہیں کہ الرؤیۃ ثابتۃ لجبرئیل ولمیکائیل ولاسرافیل ولعزرائیل ولحملۃ العرش ولسائر الملائکۃ کافۃً۔ اور رسالہ منگوا کر تصحیح نقل بھی فرمائی۔ مولانا کہنے لگے کہ یہ رسالہ اور یہ نقل اب تک میں نے دیکھی نہیں تھی۔ حضرت شاہ عالم فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت ذوالقرنینؒ کو بسطِ رزق عطا کیا گیا تھا بغاوت تو کجا وہ تو کمال اطاعت اور کمال انقیاد رکھتے تھے۔ پس بغی فی الارض اور بسطِ رزق کے درمیان تلازم کی صورت کیسے ممکن ہو سکے گی۔ مولانا نے اس کا کوئی جواب دیا۔ حضرت شاہ عالم نے فرمایا کہ یہ جواب فلاں تفسیر میں مذکور ہے اور اس بارے میں میں یہ بحث میرے خیال میں آتی ہے اور وہ بیان فرمائی۔ مولانا اس بحث کا جواب نہ سمجھ سکے کوئی دوسرا جواب دیا اس کو بھی حضرت شاہ عالم نے کسی دوسری تفسیر کا حوالہ دیکر رد فرما دیا یہاں تک کہ مولانا نے دس جواب نقل کئے۔ حضرت شاہ عالم نے دسوں دس جوابات کو تفاسیر میں ان کا حوالہ ذکر کر کے اس پر بحث قائم کر کے

ان پر اعتراض کر کے ان کو رد فرما دیا بالآخر مولانا عاجز ہو گئے اور خود حضرت شاہ عالم سے رفع اشکال کے لیئے عرض کیا کہ آپ اس کا جواب مرحمت فرمائیں۔ حضرت شاہ عالم نے فرمایا کہ کتب عربیہ میں مقرر ہے کہ جب فعل کی اسناد کسی فاعل پر ظاہر کرتے ہیں تو ہونا یہ چاہیئے کہ وہ فعل اس فاعل کا محتاج ہو جیساکہ بنی الامیر المدینۃ یہ اس وقت کہیں گے کہ بنائے مدینۂ عظیم وہ امیر کی قدر و منزلت کا محتاج ہو جیساکہ یہاں پر حق تعالیٰ شانہ نے بَسَطْتُ بَسَطْنا بُسِطَ نہیں فرمایا بلکہ و لو بسط اللہ فرمایا پس وہ بسط جو حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کا محتاج ہوگا وہ بغی کو مستلزم ہوگا اور ملازمت درست ہوگی۔ اس لیئے کہ اس جیسا بسط خود اب تک وجود میں نہیں آیا کہ اگر سات ہزار عالم ستر کروڑ در ستر کروڑ عالم کسی کو دے دیں پھر بھی حق تعالیٰ کی قدرت میں وہ کوئی چیز نہیں۔ مولانا نے اس جواب کی تحسین فرمائی کہنے لگے کہ یہ تو حضرت کو علم لدنی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت شاہ عالم فرمانے لگے کہ تم اپنے ایک کلمہ لدنی کے ذریعے میری اس مشقت کو کیوں ضائع کر رہے ہو یہ فرما کر مطالعہ کے وقت ہاتھ ٹیکنے کی وجہ سے جو گھٹے پڑ گئے تھے وہ دکھائے۔ مولانا رخصت ہو کر جب دہلیز پر پہنچے تو اپنا چادر کے کونے پر بوجھ محسوس کیا۔ دیکھا تو مٹھی بھر سونا ساتھ باندھا ہوا تھا۔ میاں مخدوم سے ایک طرف منہ کر کے فرمانے لگے کہ تین شرطیں تو پوری ہو نئیں۔ اور چوتھی پوری نہیں تم یہ سونا کاٹ لو۔ میاں مخدوم نے کہا زیادہ امتحان نہ لیجئے سوئے ادب کو چھوڑ دیجئے، بے ادبی چھوڑ دیجئے اور یہ سونا لے لیجئے مولانا کہنے لگے کہ یہ نہیں ہو سکتا البتہ مزدور یہ سونا کاٹ لو میاں مخدوم کہنے لگے کہ! جب تک میں جواب لے کر آتا ہوں آپ یہیں پر منتظر رہئے مولانا دہلیز پر بیٹھ گئے اور میاں مخدوم نے اندر جا کر ماجرا عرض کیا۔ حضرت شاہ عالم فرمانے لگے کہ مولانا سے کہئے کہ آپ عالم ہیں مفتی شہر ہیں اگر ہمیں فتویٰ کی حاجت پڑتی ہے تو ہمیں چاہیئے کہ آپ سے استفتاء کریں آپ سے پوچھیں۔ آپ خود منصف بن کر انصاف کیجئے کہ یہ سونا

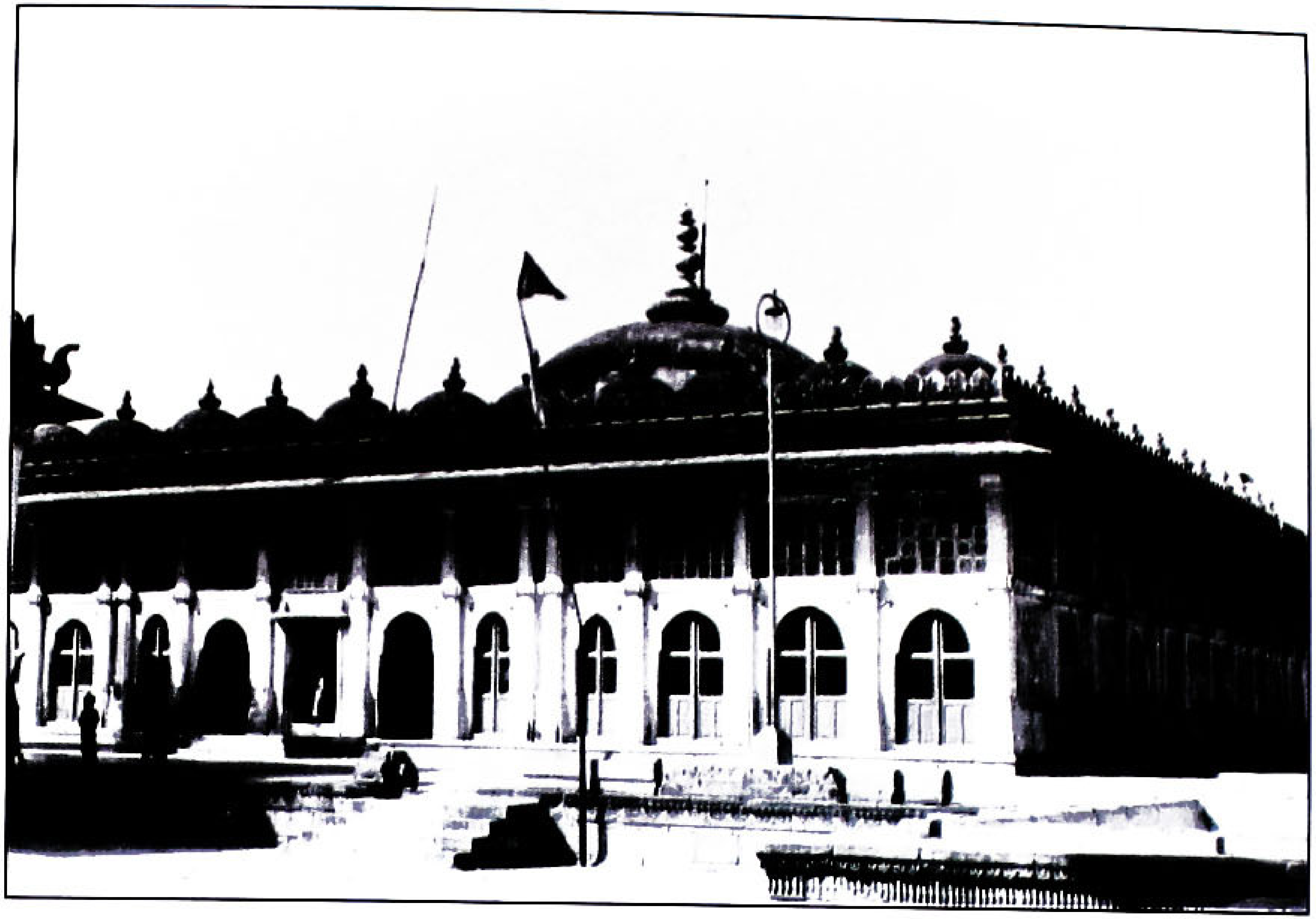

مقبرہ حضرت گنج احمدؒ، عرف شیخ احمد کھٹوؒ، سرخیز، احمد آباد

مقبرہ حضرت گنج احمدؒ، عرف شیخ احمد کھٹوؒ، سرخیز، احمد آباد

مقبرہ حضرت شاہ قطب عالمؒ، والد محترم حضرت شاہ عالمؒ، وٹوا، احمد آباد

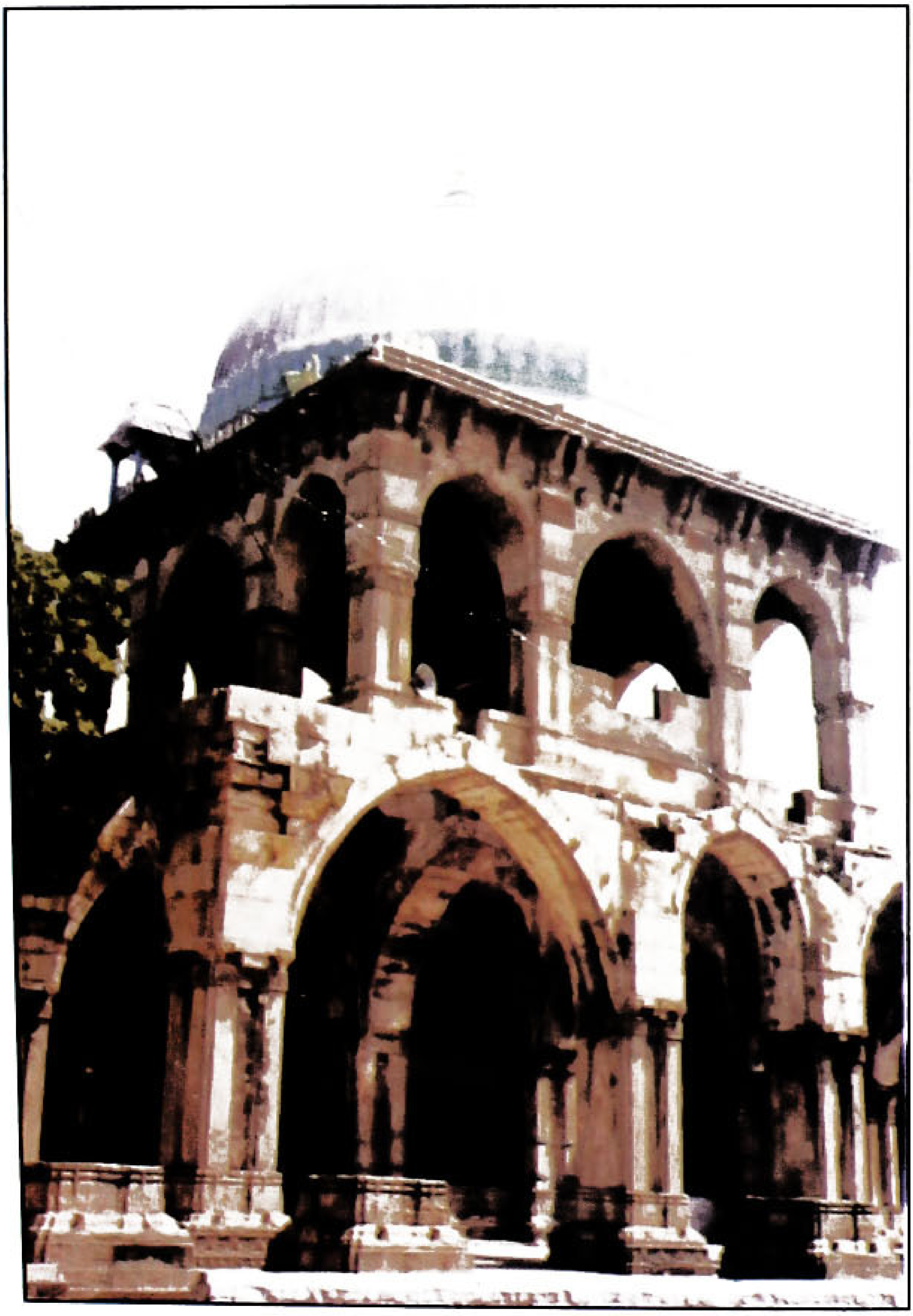

مزار حضرت شاہ قطب عالمؒ وٹوا، احمد آباد

صدر دروازہ، مقبرہ حضرت قطب عالمؒ، وٹوا، احمد آباد

مقبرہ حضرت سلطان عالمؒ، حضرت قطب عالمؒ کے پوتے، وٹوا، احمد آباد

مزار مبارک حضرت شاہ عالمؒ شاہ عالم روڈ احمد آباد

مقبرہ حضرت شاہ عالمؒ، شاہ عالم روڈ، احمد آباد

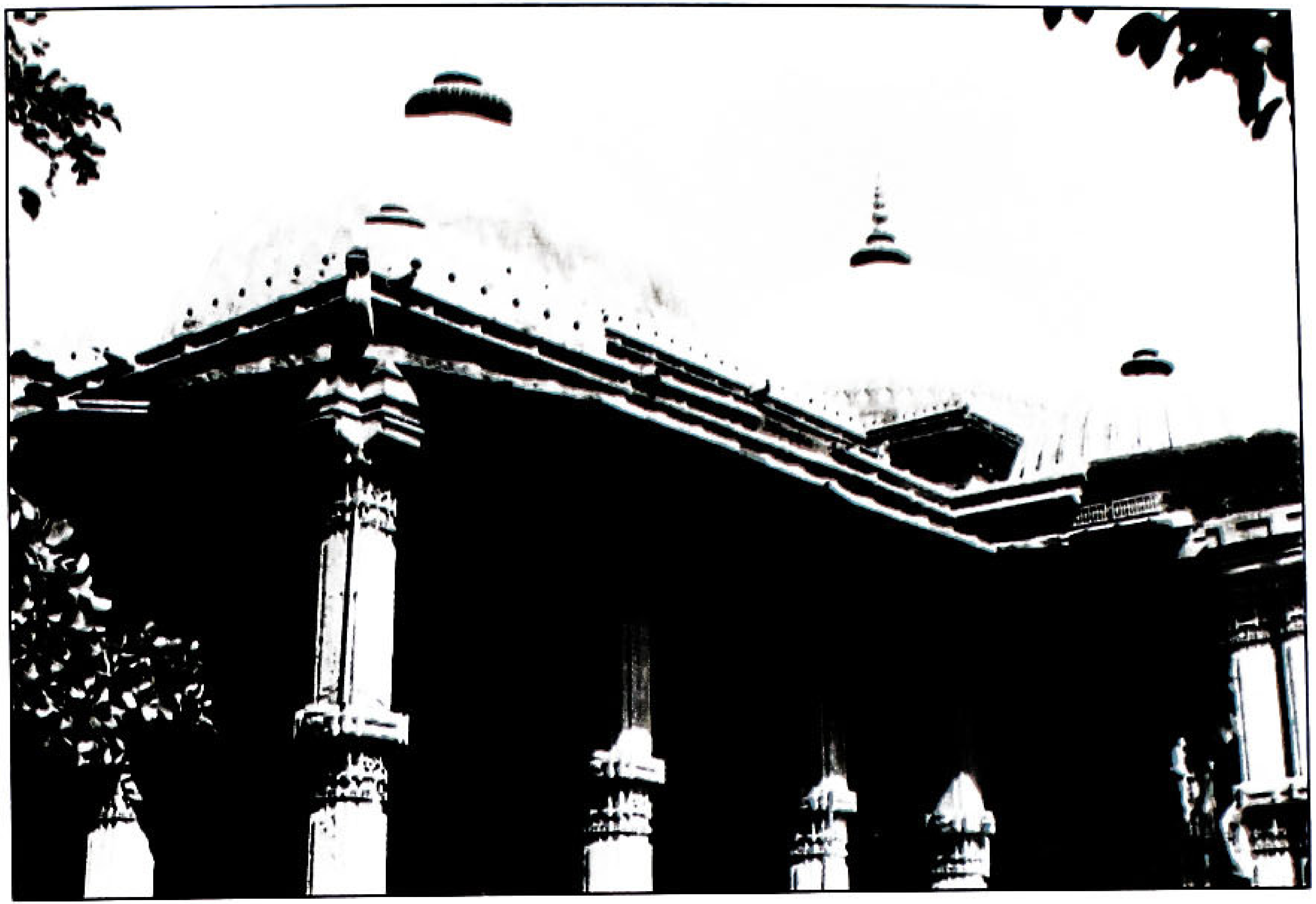

مقبرہ حضرت قدم رسولؐ، شاہ عالم روڈ، احمد آباد

مقبرہ حضرت شمع برہانیؒ، عثمان پورہ، احمد آباد

مقبرہ حضرت شاہ وجیہ الدین علویؒ، خان پور، لال دروازہ، احمد آباد

مزار حضرت موسیٰ سہاگؒ، دلی دروازہ، شاہی باغ، احمد آباد

پانچ کنواں دروازہ، احمد آباد

تین دروازہ، احمد آباد

ہیں نے آپ کو دیا ہے یا میرے کسی آدمی نے آپ کو دیا ہے یا اسے آپ اپنے گھر سے اٹھا کر لائے ہیں۔ اب میرے لیے اس کا لینا کیسے روا اور جائز ہو سکتا ہے۔ وہ خالق تعالیٰ جو سونے کو کانوں میں معدنوں میں پیدا کرتا ہے، وہ چادر کے کونے میں بھی پیدا کر سکتا ہے لہٰذا اب اسکا لینا آپ کیلئے اولیٰ ہوگا یا میرے لئے آپ مجھے ہبہ کردیں تو میں لے سکتا ہوں۔ میاں مخدوم نے آکر مولانا سے پیغام پہنچایا۔ مولانا اس سونے کو لے کر کہنے لگے کہ میاں تمہارے پیر جیسے طریقت میں کامل ہیں اسی طرح شریعت میں بھی کامل ہیں۔ اس روز سے پھر برابر پابندی سے مولانا خدمت میں حاضر ہونے لگے اور اپنے دامن کو فیوض سے بھرنے لگے۔ [۱]

زگرد کوئی خوبان میفشاندم دامن تقوی
چہ دانستم کہ روزی خواہم آنزا تو تیا کردن

صدر جہاں کا مدرسہ

گجرات میں بنبانی ایک مشہور خاندان گذرا ہے جس کے زیادہ تر افراد اہلِ علم اور مصنّف ہوئے ہیں اور ان کی تصانیف گجرات کے تمام مدارس میں زیرِ درس رہی ہیں۔ قاضی صدرالدین کے لڑکے ملک القضاۃ صدر جہاں حسام الدین بنبانی اسی خاندان کے گل سرسبز تھے جو خود بھی بڑے جید عالم اور فاضل تھے۔ ان کا ایک مدرسہ تھا جو سلطان محمود اعظم کے عہد تک قائم تھا۔ اس خاندان کے لوگوں کی کتابیں زیادہ تر فنِ تفسیر، نحو، ادب اور حدیث میں ہیں۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ اس مدرسہ میں انہی علوم کی تعلیم ہوتی تھی۔ حضرت شاہ عالم کے صاحبزادہ میاں مخدوم اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل تھے۔

---

[۱] خاتمہ مرأت احمدی صـ۹۵۔

مولانا شیخ احمدؒ

م ۹۰۸ھ تقریباً

مولانا شیخ احمد جو میاں مخدوم کے لقب سے مشہور ہوئے ہیں آپ کا شجرۂ نسب یوں ہے۔ احمد بن برہان بن ابو محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن محمد خان غوری۔ سلطان دہلی کے حکم سے ان محمد خان غوری نے ناگورہ پر حکومت کی۔ یہ سلطان محمد غوری سلطان معز الدین محمد کی اولاد میں سے ہیں جو سلطان شہاب الدین محمد غوری کے نام سے مشہور ہے جو سب سے پہلے بادشاہ ہیں۔ جو غزنی سے ہندوستان آئے اور اس علاقہ کو نور اسلام سے منور فرمایا۔ کہتے ہیں کہ میاں مخدوم شیخ برہان الدین کے یہاں لڑکا نہیں تھا۔

حضرت شیخ احمد کھٹو کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی دعا فرمائیے اللہ تعالیٰ مجھے لڑکا مرحمت فرمائے۔ حضرت شیخ احمد کھٹو نے لڑکے کی بشارت دی اور فرمایا کہ فرزند نرینہ ہوگا۔ لڑکا ہوگا۔ اس کو میرے نام (احمد) سے موسوم کرنا اور اس کو بزرگی کا مرتبہ بھی نصیب ہوگا۔ حضرت شیخ احمد میاں مخدوم نے ظاہری علوم مولانا صدر جہاں سے حاصل کئے۔ بارہ سال کی عمر میں حضرت شاہ عالم قدس سرہٗ سے بیعت و ارادت کا شرف حاصل کیا بارہ سال حضرت شاہ عالم کی خدمت میں گزارے اور دوسرے بارہ سال حضرت کے ظاہری و باطنی امور کے شغل اور حضرت کی طرف سے وزارت میں اور خانقاہی اور گھریلو کاموں کے ادا کرنے میں گذارے۔ کہتے ہیں حضرت سے ارادت قائم کرنے کے بعد ہاتھ کو کبھی زیر ناف تک نہیں لیگئے حتیٰ کے سونے کی حالت میں بھی ہاتھ کو گردن سے لپیٹ کر سوتے۔

اور رسول آباد میں سکونت پذیر ہونے کے باوجود ادب کے خاطر استنجاء اور پاخانہ سے فراغت اس جگہ کبھی نہیں کرتے تھے۔ حضرت شاہ عالم کے وصال

کے بعد دس سال بقیدِ حیات رہے اور چونسٹھ سال عمر گذار کر ۲۲ ربیع الثانی کو آپ نے انتقال فرمایا۔ تاریخی کلمہ بعضوں نے "اخیر الاولیاء" کہا ہے۔

احمدآباد میں واقع تاجپور میں آپ کو آسودہ لحد کیا گیا جہاں آپ کی خانقاہ اور آپ کی مسجد ہے۔[1]

سید جلال الدین ابو محمد ماہ عالم

(م ۱۰۰۳ھ ۱۴ ذوالقعدہ)

سید جلال الدین بن سید حسن بن سید احمد عبدالغفور بن سید احمد بن سید راجو بن حضرت شاہ عالم۔ آپ کی ولادت ۹۵۹ھ میں ۶ ذی قعدہ کو احمدآباد میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ خوندا گوہر ملک خضر کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کی ذات عالی ایک زمانے کے گذرنے کے بعد حضرت شاہ عالم کے سلسلہ سے وابستگی کا ذریعہ اور باعث برکت رہ گئی تھی۔ جب یہ علاقہ بہت سے انقلابات سے گذرا اور اکبر بادشاہ کا زمانہ آیا تو نائب شہر خان اعظم کی کوشش سے آستانہ عالیہ شاہیہ کی سجادگی آپ کے نام مقرر کی گئی۔ آپ حضرت شیر محمد بن احمد بن سید عرب شاہ بن حضرت سید راجو قدس سرہٗ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ سلوک ان کی تعلیمات سے اتمام تک پہنچایا۔ اور آپ نے ظاہری علوم حضرت مولانا میاں وجیہہ الدین رح سے حاصل کئے تھے۔ ایک مرتبہ سید ابوتراب شیرازی نے ضیافت کی بہت سے بزرگانِ دین کو مدعو کیا۔ سید جلال بھی تشریف لے گئے۔ سردی کا زمانہ تھا راستے میں کسی سائل نے آپ سے تبرک مانگا تو آپ جو پیراہن اوڑھ کر سردی میں آرہے تھے وہی اس کو بخش دیا جب ہوا زیادہ تیز ہوگئی اور سردی بڑھ گئی

---

[1] خاتمہ مرآت احمدی ص۴۴۔

تو سید جلال کے ساتھی خادم سید امین محمد سے کہا گیا کہ حضرت کے لئے دو شالہ لائیے وہ باہر آئے۔ اس وقت ان کے پاس موجود نہیں تھا امین محمد پریشان کھڑے تھے۔ کہ حضرت کیلئے دو شالہ کا انتظام کیسے کریں کہ اتنے میں دیکھا کہ سامنے سے حضرت کے مریدوں میں سے ایک صاحب تشریف لا رہے ہیں اور دو شالہ ان کے پاس ہے۔ وہ آئے اور کہنے لگے کہ حضرت کی خدمت میں ہدیہ کرنے کیلئے میں اس کو لایا ہوں۔ دیر تک میں یہاں حضرت کے لئے اس کو لے کر منتظر تھا فطری اور جبلی جود و سخا کا جذبہ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ گھر کے خانہ داری کے کپڑے اور لباس اور ظروف و برتن تک حضرت نے تمام سخاوت کر دیئے تھے ۱۰۰۳ھ میں ۱۴ ذوالقعدہ کو نصفِ شب میں آپ نے انتقال فرمایا اور مقبرہ شاہیہ میں دفن کئے گئے۔ [1]

سید جعفر بدر عالم

متوفی ۱۰۸۵ھ

آپ سید جلال مقصود عالم کے فرزند شاہ عالم کی اولاد سے تھے۔ ولادت ۱۰۲۳ھ بمقام احمد آباد ہوئی، سات سال کی عمر میں قرآن مجید ختم کیا۔ اپنے والد اور جد امجد سے تحصیل علم کیا۔ تفسیر و حدیث میں کمال حاصل تھا۔ خوش نویس بھی تھے، خط نستعلیق میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ایک دفعہ صرف دو روز میں مکمل قرآن مجید کی کتابت کی اس نسخے

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی ص ۴۰، نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۶۰۔

کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک فقیر نے آپ سے قرآن مجید مانگا آپ نے دوسرے دن دینے کا وعدہ کیا۔ فقیر نے کہا وہ رکھا ہوا نسخہ کیوں نہیں دیتے آپ کو فوراً لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون والی آیت یاد آئی چنانچہ وہ نسخہ فقیر کے حوالے کر دیا۔

۱۰۵۴ھ میں شاہ جہاں سے ملاقات ہوئی اس نے آپ کو صدارت کا عہدہ دینا چاہا مگر آپ نے انکار کر دیا۔

۱۰۸۵ھ میں رحلت ہوئی۔ احمد آباد میں مدفون ہیں۔[۱]

سید ابوالمجد محمد بن جعفر محبوبِ عالم

م ۱۰ رجمادی الآخریٰ سنہ ۱۱۱۱ھ

فقیہہ محمد بن جعفر بن جلال بن محمد حسینی بخاری۔ جن کی کنیت ابوالمجد ہے۔ اور محبوب عالم کے لقب سے آپ مشہور ہیں۔ شیخ جلال الدین حسینی بخاری اُچی کے خاندان سے ہیں۔ آپ کی ولادت گجرات میں ۲ ربیع الاول ۱۰۴۷ھ میں ہے۔ اپنے والد محترم سے آپ نے پڑھا۔ اور دیگر علماءِ احمد آباد سے بھی آپ نے علم حاصل کیا۔ پھر درس و تدریس کو مشغلہ بنایا۔ آپ کے تلامذہ میں شیخ نور الدین بن محمد صالح مشہور ہیں۔ آپ نے قرآن کریم کی فارسی میں تفسیر (لوبتھ ۱۰۳۶ھ) بھی لکھی۔ اسی طرح عربی میں جلالین کے نہج پر آپ نے ایک تفسیر لکھی، اسی طرح حدیث میں آپ کی مشکوٰۃ کی شرح زینۃ النکات فی شرح المشکوٰۃ (تذکرہ صفحہ ۲۱۴) بڑی مشہور رہے۔ اسکے علاوہ آپ کی دیگر تصنیفات بھی ہیں۔

---

[۱] تذکرہ قاریانِ ہند صفحہ ۱۲۶۔

۱۰ / جمادی الاخری ۱۱۱۱ھ کو آپ نے وفات پائی۔ احمد آباد میں آپ کو دفن کیا گیا۔ [۱]

تفسیر شاہیہ یہ سید محمد محبوب عالم بن سید جلال جعفر بدر عالم شاہی رضوی متوفیٰ ۱۱۱۱ھ کی تصنیف ہے۔ فارسی زبان میں ہے تمام تر اہلِ بیت کی روایت سے تفسیر کی ہے۔ یاد ایام مؤلفہ مولانا حکیم عبدالحیؒ کے ص۶۱ پر اسی تفسیر کا ذکر ہے۔ تین جلدوں میں ہے۔ حاشیہ میں جابجا تصحیح ہے۔ اس کتب خانہ میں اس کی صرف دو جلدیں ہیں۔ دھرو ج کے قاضی صاحب کے کتب خانہ میں تھی) [۲]

سید جلال حمید عالم

م ۲۰ / ذی الحجہ سنہ ۱۱۰۴ھ

شیخ جلال الدین بن محمد بن جعفر بن جلال بن محمد حسینی بخاری۔ آپ فقہ وتصوف کے مشہور عالم تھے۔ آپ ابوالمجد محبوب عالم کے فرزند تھے۔ ولادت احمد آباد میں ۱۰۶۳ھ میں ہوئی، والد گرامی سے تحصیل علم کیا۔ پھر مدت العمر درس وتدریس میں مشغول رہے۔ والد ہی سے سلوک وتصوف میں بھی کمال حاصل کیا۔ [۳]

میدان تصنیف میں بھی آپنے قدم رکھا "مرأة الرؤیا فی تاویل الاحلام"، اور "مفتاح الحاجات فی الاذکار والاشغال" مشہور رہیں۔

آخر عمر میں ایک سخت بیماری میں مبتلا ہوئے اور ایک مدت تک ہر قسم کی غذا ترک کردی تھی۔ صرف انجیر اور انار پر اکتفا تھا۔ ۲۰ / ذی الحجہ ۱۱۰۴ھ کو وفات ہوئی

---

[۱] مرات احمدی [۲] گجرات کی تمدنی تاریخ ص۲۳۱ [۳] تذکرہ قاریانِ ہند۔

احمدآباد میں مدفون ہیں۔ [1]

سیّد جعفر مجید عالم

وفات ۱۱۰۹ھ

آپ سیّد جلال حمید عالم کے بیٹے تھے۔ ولادت احمدآباد میں ۱۰۸۱ھ ربیع الثانی میں ہوئی۔ نو سال کی عمر میں قرآن مجید تجوید کے ساتھ حاصل کیا۔ احمدآباد ہی میں نشو و نما پائی۔ فضل و صلاح میں مشہور ہوئے۔

آپنے والد ماجد سے علوم دین اور تصوف و سلوک کی منزلیں طے کیں پھر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ اور والد صاحب کے جانشین ہوتے۔ آپ صاحب کشف و کرامات اور صاحب وجد و حال تھے اکثر اوقات جو قول زبان پر جاری ہوتا اسی طرح ظہور پذیر رہتا۔

آپ کی وفات محرم ۱۱۰۹ھ/ ۱۱۲۰ء میں ہوئی، آپ کے انتقال کیوقت والد محترم سید جلال الدین حمید عالم بقید حیات تھے۔ احمدآباد میں مدفون ہوئے۔ [2]

سیّد محمد محمود عالم

(م ۱۱۴۹ھ)

سید محمد محمود عالم سید محمد بن سید جعفر مجید عالم، آپکی ابتدائی زندگی کو چھوڑ کر اخیر عمر میں آپ پر جذبۂ الٰہی کا اور شغل بحق کا غلبہ ہو گیا تھا ۱۱۴۹ھ ۹ رشعبان کو آپ

---

[1] نزہۃ الخواطر عربی ج ۶، ص ۱۱۴ [2] خاتمہ مرآۃ احمدی ص ۴۵ تذکرہ قاریان ہند نزہۃ الخواطر۔

نے انتقال فرمایا۔ اپنے پدر بزرگوار کے پائنتی میں آپ کو دفن کیا گیا آپ کے بعد سید عبدالشکور بن موسیٰ آپ کے بھتیجے سجادہ نشین ہوئے۔ [۱]

سید محمد مراد

سادات مشہدی میں سے سید محمد مراد ہیں آپ حضرت سید محمد محبوب عالم کے شاگرد تھے۔

آپ کا مزار نوتار میں ہے۔ [۲]

شیخ نور الدّین

(متوفی ۹ رشعبان ۱۱۵۵ھ/ ۸ راکتوبر ۴۲ ۱۷ء)

شیخ عالم صالح نور الدین بن محمد صالح آپکا مولد و منشا احمدآباد ہے آپکا شماران علماء میں ہے جنہوں نے اپنی زندگی علم کی خدمت میں فنا کردی اور دنیا کے عیش و آرام سے کوئی تمتع حاصل نہیں کیا آپکی ولادت ۱۰ رجمادی الاولیٰ ۱۰۶۳ھ/ ۱۶۴۳ء میں ہوئی انکی والدہ ماجدہ بھی عالمہ زاہدہ تھیں اپنے لڑکے کو فارسی خود پڑھائی۔ سات دن میں گلستاں پڑھادی۔ دس سال کی عمر میں حفظ کی تکمیل کی۔ درسی کتابیں مولانا احمد بن سلیمان اور مولانا فرید الدین سے پڑھیں۔ علوم حدیث شیخ محمد بن جعفر حسینی بخاری سے حاصل کئے۔ نیز سلوک بھی ان کی خدمت میں رہ کر طے کیا اور بڑا مقام حاصل کیا۔ علامہ وجیہہ الدین کے بعد گجرات میں باعتبار درس و تدریس اور کثرت تصانیف کے ان سے بڑھ کر کوئی نہیں تھا۔ علامہ ممدوح کی تمام کتب درسیہ کی شروح و حواشی لکھے۔ آپ نے ایک سو ستّر کتابیں تصنیف کیں۔

---

[۱] خاتمہ مرآۃ احمدی صـ۴۵۔ [۲] ایضاً صـ۶۔

آپ کے ایک شاگرد (جو آپ کے مرید بھی تھے) محمد اکرام الدین نامی تھے۔ یہ شیخ الاسلام ابن قاضی القضاۃ عبدالوہاب بھورا کے فرزند تھے جب یہ احمدآباد کے صوبیدار مقرر ہوئے تو انہوں نے ایک لاکھ چوبیس ہزار کے خرچ سے ایک عظیم الشان مدرسہ اور خانقاہ کی عمارت تعمیر کرائی۔ آپ (یعنی شیخ نورالدین) نے سید محبوب عالم سے خرقہ خلافت پہنا۔

شیخ نورالدین نہایت عابد وزاہد تھے شب میں دو مرتبہ اٹھ کر نماز پڑھتے تھے اور لیٹنے سے پہلے ایک ہزار مرتبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اور ایک ہزار مرتبہ درود شریف کا معمول تھا۔ اس کے علاوہ روزانہ قرآن مجید ختم کرنے کا بھی معمول تھا۔ ۱۱۴۲ھ میں حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔

آپ نے قرآن کی تفسیر "التفسیر النورانی للسبع المثانی (کتب خانہ پیر محمد شاہ) کے نام سے تصنیف فرمائی۔ آپ نے تفسیر بیضاوی پر حاشیہ بھی لکھا نیز بخاری شریف کی ایک شرح لکھی جو نورالقاری شرح صحیح البخاری" کے نام سے موسوم ہے اس کے علاوہ بھی آپ کی بہت سی تصانیف ہیں مثلاً الحاشیۃ القویمۃ علی الحاشیۃ القدیمۃ، حاشیہ شرح مواقف، حاشیہ شرح مقاصد۔ حاشیہ شرح مطالع، حاشیہ تلویح۔ حاشیہ عضدیہ۔ حاشیہ شرح وقایہ۔ حاشیہ مطول۔ شرح ملا۔ حاشیہ قطبی۔ شرح کافیہ کا حاشیہ۔ حاشیہ بر منہل۔ شرح تہذیب المنطق، شرح فصوص الحکم وغیرہ جنکی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو تک ہے۔

آپکی وفات منگل ۹ شعبان ۱۱۵۵ھ ۸ اکتوبر ۱۷۴۲ء کو ہوئی اور اپنے مدرسہ کے قریب آپ احمدآباد میں مدفون ہیں۔ نوراللہ مرقدہٗ۔ [۱]

---

[۱] تاریخ گجرات۔ نزہۃ الخواطر ۶/۳۹۔ تذکرہ قاریان ہند ج ۲ ص ۲۱۔ اعیان الحجاج تاریخ ادبیات مسلمانان ہندو پاک ۲/ ص ۳۲۹۔ [۲] گجرات کی تمدنی تاریخ ص ۲۳۱۔

آپ کی شرح بخاری کے متعلق مولانا ابوظفر ندوی لکھتے ہیں کہ :

؛ نور القاری فی شرح بخاری ،، یہ علامہ نورالدین بن حاجی محمد صدیق احمد آبادی متوفی (۱۱۵۵ھ / ۱۷۴۲ ء) کی شرح بخاری شریف ہے ۔ جو نایاب ہے (جو بھروچ کے قاضی صاحب کے کتب خانہ میں تھی)۔

خاتمہ مراۃ احمدی میں آپ کے مفصل حالات درج ہیں چنانچہ لکھا ہے کہ مولانا شیخ محمد نورالدین بن شیخ محمد صالح کی ولادت ۱۰ رجمادی الاولیٰ ۱۰۶۳ھ میں ہوئی ۔ خدا طلبی اور علمی تشنگی کا داعیہ شروع ہی سے آپ کی جبلت میں ودیعت تھا اور السعید من سعد فی بطن امہ کے مطابق ھدایت اور بزرگی کے آثار شروع ہی سے آپ پر روشن اور درخشاں معلوم ہوتے تھے اسی لئے شیخ سعدی کی گلستاں بچپن میں معنیٰ سمیت اپنے والد ماجد سے صرف سات روز میں پڑھی اور اکثر علوم ظاہری کی تحصیل خوند صاحب ، مولانا احمد بن سلیمان سے کی علم باطنی اور قرأت و حدیث کا حصول سید محمد ابوالمجد محبوب عالم کی خدمت میں رہ کر کیا اور بعد ازاں انہی سے ارادات قائم کر کے سلوک کو اتمام تک پہنچایا اور سلسلہ سہروردیہ اور بقیہ جمیع سلاسل میں ان سے اجازت و خلافت حاصل کی ، علوم عربیہ میں آپ یکتائے روزگار تھے آپ کے علم کا شہرہ اطراف عالم میں دور دور تک پہنچ چکا تھا دور دور سے طلباء آکر مدرسہ ہدایت بخش میں قیام کرتے جو محمد اکرم الدین نے (جو شیخ الاسلام کے خطاب سے مخاطب تھے اور صوبہ احمد آباد کے صدر اور حضرت کے مرید تھے انہوں نے) ایک لاکھ اور کئی ہزار روپیہ صرف کر کے تعمیر کیا ۱۱۰۲ھ میں اس مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی اور زمین وغیرہ کا کام ۱۱۰۹ھ میں بتدریج مکمل ہوا ۔ جس کے بعد مسجد کی تعمیر اتمام کو پہنچی ۔

مسجد کی تاریخِ تکمیل اس کلمہ سے مستفاد ہوتی ہے : هُوَ الْمَسْجِدُ اُسِّسَ عَلَے التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ ؛ اور مدرسہ کی بقیہ عمارتوں کی تکمیل کی تاریخ اس کلمہ سے ، مدرسۃ فیہا الھدیٰ للعالمین ، ایک لاکھ جو بیس ہزار روپیہ عمارتوں میں صرف کیا ۔ غرض حضرت مولانا نورالدین کی ذات اپنے زمانے میں مرجع خلائق تھی اور آپ اپنے زمانے کے بڑے علماء میں سے تھے ۔ آپ کی تصنیفات و تالیفات ہر علم میں ملتی ہیں اور اکثر کتب آپ کے شروح و حواشی ہیں ۔ ایک سو ستر سے زائد کتابیں آپ نے تصنیف فرمائیں ۔ سورہ فاتحہ کی تفسیر نظم میں ہے جس کے بارہ ہزار بیت ہیں ۔ اس طرح پارہ الٓم کی تفسیر چھ ہزار بیت میں آپ نے فرمائی ہے یہ تصانیف آپکے علم و فضل ، فصاحت و بلاغت کی شاہد ہیں ۔

۱۱۴۳ھ میں آپ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے اور وطن واپس لوٹے اور ریاضت و مجاہدات و عبادات میں مشغول رہے ۔ باوجود درس و تدریس اوراد و وظائف کے روزانہ آپ ایک قرآن کریم ختم فرماتے تھے اور ہر رات میں دو دفعہ صلوٰۃ اللیل اور تہجد کے ادا کرنے کا معمول تھا اور جب بھی آنکھ کھلتی اور پہلو بدلتے ایک ہزار دفعہ لا الہ الا اللہ اور ایک ہزار دفعہ درود شریف پڑھتے آپ کی عمر کے پندرہویں سال سے لے کر اخیر عمر تک آپ کا اربعینہ چلہ اور اعتکاف کبھی فوت نہیں ہوا ۔ اور شاہی وظیفہ آپ نے کبھی قبول نہیں فرمایا باوجود اسباب ظاہری کے کبھی بھی سونا چاندی کو آپ نے نہیں لیا ۔ جب آپ کی عمر شریف ۱۹ برس کی ہوئی تو سہ شنبہ کے دوپہر کو نو شعبان ۱۱۵۵ھ میں آپ نے وصال فرمایا ۔ آپ کی تاریخ وفات اسقدر کہی گئیں کہ ان کو ایک رسالے میں جمع کیا گیا جن میں سب سے اکمل تاریخ ہے : وارثِ اہل سنت است ۔

مدرسہ سے متصل آپ کے خانقاہ میں آپ کو دفن کیا گیا آپ کے پانچ صاحبزادے

اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ [1]

شیخ نورالدین کا مدرسہ

مدرسہ ھدایت بخش: شیخ الکل مولانا شیخ نورالدین کا مدرسہ بہت مشہور تھا۔ محمد اکرام الدین خاں شیخ الاسلام نے جو حضرت شیخ کے شاگرد اور مرید خاص تھے۔ بمقام احمدآباد محلہ اسلوریہ میں خاص آپ کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا اور اس کا نام "مدرسہ ہدایت بخش" رکھا۔ ۱۱۰۹ھ/ ۱۶۹۷ء میں ان عمارتوں کی ابتداء ہوئی اور ۱۱۱۱ھ/ ۱۶۹۹ء میں مدرسہ، مسجد اور دارالاقامہ وغیرہ تمام عمارتیں مکمل ہوگئیں۔ مدرسہ کی تاریخ بنا ر "فیها الھدیٰ للعالمین" سے نکلتی ہے۔ ان کی تعمیر میں ایک لاکھ چوبیس ہزار روپے صرف ہوئے تھے۔ طلبہ کے رہنے کے لئے بورڈنگ بھی بنوایا اور ان کے وظائف اور اخراجات کیلئے متعدد گاؤں وقف کئے۔ دور دور سے طلبہ یہاں آکر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ۱۱۵۵ھ/ ۱۷۴۲ء تک شیخ الاسلام خود ان کے ناظم رہے۔ آپکے بعد آپکے لڑکوں اور پوتوں کے زیرنگرانی یہ مدرسہ چلتا رہا جو اس وقت ترقی کرکے فرسٹ کلاس کا کالج بن گیا تھا۔

اس میں دینی علوم کے علاوہ منطق، فلسفہ اور ریاضی وغیرہ دنیوی علوم کی بھی اعلیٰ پیمانہ پر تعلیم ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ ایک عظیم الشان کتب خانہ بھی تھا ۱۱۷۴ھ ۱۷۶۰ء تک یہ کالج قائم رہا اور اس کے بعد مرہٹہ گردی میں بالکل تباہ ہوگیا۔ مسجد آج تک محلہ والوں کے قبضے میں ہے۔ بورڈنگ کی صورت کو مسخ کرکے کمروں کو کرایہ پر دے دیا گیا ہے۔

اسی مدرسہ میں مولانا سید سعداللہ بن سید مرتضیٰ بلگرامی بعد فراغت حج

---

[1] خاتمہ مرات احمدی صـ۵۸۔

آکر مقیم ہوئے تھے ۔ رات عبادت و ریاضت میں اور دن درس و تعلیم میں صرف کرتے تھے
آپ کے مشہور شاگردوں میں شیخ محمد طاہر احمدآبادی ہیں ۱۱۱۹ھ/ ۱۷۰۷ء میں اسی جگہ ان کا انتقال ہوا ۔ اور شاہ بھیکن کے روضہ میں مدفون ہوئے "یَشْرَبُ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا" سے تاریخ وفات نکلتی ہے ۔

مولانا ابوظفر ندوی لکھتے ہیں کہ اس مدرسہ کے سالانہ اخراجات کا کوئی بندوبست نہیں تھا ۔ مدرسین اور طلبہ بہت پریشان رہتے تھے ۱۱۱۲ھ میں طلبہ نے شیخ غلام محمد منصب دار شاہی کے توسط سے ایک درخواست بادشاہ کی خدمت میں ارسال کی ۔ اس درخواست کی نقل میرے عزیز اور لائق دوست حکیم بہاؤالدین صدیقی (ہردوئی) کے پاس موجود ہے ۔ شیخ غلام محمد ان ہی کے جد امجد تھے جو عالمگیری منصب دار تھے اور شاہزادہ اعظم شاہ صوبہ دار احمدآباد (۱۱۰۳ھ) کی ملازمت میں رہتے تھے ۔ یہ صاف طور پر پتہ نہیں چلتا کہ وہ کس عہدے پر تھے اور انکا کیا کام تھا ۔ لیکن ان کے وارثوں کے پاس جو کتب اور فرامین وغیرہ حوادث زمانہ سے بچ گئے ہیں ان میں زیادہ تر ایسی درخواستیں ہیں جن کو بادشاہ تک پہنچانے کی ان سے التجا کی گئی ہے جس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ درباری پیش کار تھے ۔

۱۱۱۶ھ میں احمدآباد میں انکا انتقال ہوا اور جنازہ احمدآباد سے ان کے وطن گوپامئو (ضلع ہردوئی) میں لایا گیا ۔ اور وہیں دفن کئے گئے ۔ پھر ان کے لڑکے غلام حسن اور پوتے غلام نبی سرکاری ملازمت میں آئے ۔

انہی فرامین اور خطوط میں ایک نقل مدرسہ "ہدایت بخش" کے طلبہ کی بھی ہے جو اس وقت میرے پیش نظر ہے اور اسی کی مدد سے مندرجہ ذیل سطور کا اضافہ کرتا ہوں جس کے لئے میں شیخ غلام محمد کے پرپوتے محمد بہاؤالدین گوپامئوی کا شکرگذار ہوں ۔

اس وقت اس مدرسہ میں سات ماہر فن اساتذہ تعلیم دیتے تھے جن کے نام یہ ہیں ۱؎ ملا محمد حسین ۲؎ ملا شیخ محمد ۳؎ سید ہاشم ۴؎ سید احمد ۵؎ ملا عبدالنبی ۶؎ شیخ اللہ بخش اور ۷؎ شیخ نورالدین استاد کل کے شاگرد رشید مولانا شیخ فرید گجراتی۔ لیکن بدقسمتی سے درخواست دینے سے پہلے ہی انکی وفات ہوگئی۔ خود شیخ نورالدین استاد کل اس کے افسر اعلیٰ تھے۔ ان معلموں نے طلبہ کی درخواست پر اپنی اپنی سفارشیں بھی لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک نے لکھا ہے: ھٰذِہٖ الْمَدْرَسَۃُ الشَّامِخَۃُ الْبِنَاءِ مَشْحُوْنَۃٌ بِالْمُحَصِّلِیْنَ وَالْعُلَمَاءِ وَھُمْ مُفْتَقِرُوْنَ اِلٰی کَرَمِ السُّلْطَانِ الْمُزْلِیْ لِلْفُضَلَاءِ؛ دوسرے نے لکھا ہے: ھٰذِہٖ الْمَدْرَسَۃُ الرَّاسِخَۃُ الْاَسَاسِ مَعْمُوْرَۃٌ بِتَکْمِیْلِ النَّاسِ وَاَھْلُھَا مُحْتَاجُوْنَ اِلٰی تَفَضُّلِ الْخَلِیْفَۃِ الْخَارِجِ اَوْصَافُہٗ عَنِ الْقِیَاسِ، ایک صاحب نے لکھا ہے: ھٰذِہٖ الْمَدْرَسَۃُ الرَّفِیْعَۃُ الشَّانِ مَعْمُوْرَۃٌ مِنَ الطَّلَبَۃِ وَاَھْلِ الْعِرْفَانِ وَھُمْ مُحْتَاجُوْنَ اِلٰی تَفَضُّلِ خَلِیْفَۃِ الرَّحْمٰنِ؛ ایک مدرس نے تحریر کیا ہے: ھٰذِہٖ الْمَدْرَسَۃُ الْعَلِیَّۃُ مُوْطَنٌ لِاَھْلِ الْعُلُوْمِ الدِّیْنِیَّۃِ وَالْمَعَارِفِ الْیَقِیْنِیَّۃِ وَھُمْ فِرْقَۃٌ ضَعِیْفَۃُ الْاَحْوَالِ، شَاغِلُوْنَ عَنِ الْمَعَاشِ لِشُغْلِھِمْ بِاُمُوْرِ الْمَعَادِ حُوْجِیْنَ اِلٰی تَفْضِیْلِ خَلِیْفَۃِ اللّٰہِ، ملا عبدالنبی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ھٰذِہٖ الْمَدْرَسَۃُ رَفِیْعَۃُ الْقَدْرِ مَسْکُوْنَۃٌ لِلْمَسَاکِیْنِ الْفُضَلَاءِ وَطُلَّابِ الْعِلْمِ الْمُفْتَقِرَۃِ اِلٰی اِعَانَۃِ الْخَلِیْفَۃِ السَّاعِیْ فِیْ اِعْلَاءِ کَلِمَۃِ اللّٰہِ الشَّرِیْعَۃِ، شیخ احمد لکھتے ہیں: ھٰذِہٖ مَدْرَسَۃٌ مُنِیْفَۃٌ مَشْحُوْنَۃٌ بِطَلَبَۃِ حَفِیْفَۃِ وَھُمْ مُحْتَاجُوْنَ اِلٰی التَّفَضُّلِ مِنْ بَابِ الْخَلِیْفَۃِ الَّذِیْ لَا یَعْنِی الْبَیَانَ بِاَوْصَافِ الْجَلِیْلَۃِ، ان میں سے ہر شخص نے اپنے آپ کو علامہ نورالدین کا شاگرد اور مرید بتایا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اسی مدرسہ کے تعلیم یافتہ تھے اور استاد نے ان سب کو اسی مدرسہ میں معلم

رکھ لیا۔ اور یقیناً یہ اپنے تمام معاصرین میں درس و تدریس کے لحاظ سے ممتاز رہے ہونگے۔[۱]

کتب خانہ مدرسہ ہدایت بخش مولانا شیخ نورالدین احمد آباد میں یگانۂ روزگار عالم تھے۔ متقی، صوفی، عالم اور فلسفہ و منطق و ریاضی کے بڑے ماہر تھے۔

شیخ الاسلام نے "ہدایت بخش" کے نام سے ان کے لئے جو مدرسہ قائم کیا تھا اس کے ساتھ ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا جس میں ہر فن کی کتابیں موجود تھیں۔ خواص کے ساتھ عوام بھی اس کتب خانہ سے فیض یاب ہوتے تھے۔ مرہٹہ گردی میں مدرسہ و کتب خانہ دونوں برباد ہوگئے۔ اس کتب خانہ کی کچھ کتابیں، کتب خانہ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ میں منتقل کردی گئی تھیں۔ اور کچھ قاضی نورالدین (قاضی بھروچ) کے کتب خانہ میں۔[۲]

نورالعرفان مؤلفہ شیخ محمد عرفان متوفی ۱۱۴۷ھ کی تصنیف ہے جس میں مدرسہ ہدایت بخش کے اوصاف درج ہیں۔

نورِ معرفت:۔ مصنفہ شاہ محمد ولی، یہ بھی مدرسہ ہدایت بخش کے اوصاف میں ہے۔[۳]

مدرسہ ہدایت بخش کا مطب

مدرسہ ہدایت بخش کے لئے ایک سرکاری طبیب مقرر تھا جو طلبہ کی طبی نگرانی کرتا تھا۔ اور مفت علاج کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا۔[۴]

بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ مخدوم نورالدین رحمۃ اللہ علیہ کے پانچویں صاحبزادے بہاؤالدین

---

[۱] گجرات کی تمدنی تہذیب ص۲۰۰ تا ۲۱۰ [۲] گجرات کی تمدنی تاریخ ص۲۲۵ [۳] ایضاً ص۲۲۴ [۴] ایضاً ص۲۰۰

ہیں جو صغرسنی میں انتقال کر گئے۔
حضرت شیخ نورالدینؒ کی تین صاحبزادیوں کے نام حمیدہ، سعیدہ، اور عفیفہ ہیں جو بہت نیک اور صالحہ تھیں۔ [1]

شیخ محمد صالح عرف بیر بابا

آپ مخدوم العالم شیخ نورالدین کے صاحبزادے تھے اسم با مسمیٰ تھے صاحب علم و تقویٰ، جود و سخا تھے۔ آپ اپنے والد باجد کے جانشین ان کے شاگرد اور انکے مرید تھے ابتدا سے لیکر انتہا تک تمام علوم آپ نے اپنے والد محترم سے حاصل کئے سات سال کی عمر میں قرآن تجوید کے ساتھ حفظ کر لیا تھا اور خوب یاد تھا اس طرح کہ محمد اعظم شاہ جب اس علاقہ کی صوبہ داری پر متعین ہو گئے تو آپکا شہرہ سنکر آپ کو اپنے پاس بلوایا آپ نے بہت اچھی طرح "سورۂ رحمٰن" سنائی۔ سنکر بہت خوش ہوئے اور آپ کو نقدی اور تاجپور کا علاقہ (جو پرگنہ بیرمکانو میں ہے) جاگیر کے طور پر مرحمت فرمایا۔ اور ان کو اپنے ہاتھ سے فرمان عطا کیا۔
اسی طرح دو مرتبہ سلاطین مغلیہ کے طلب پر وہاں آپ پہنچے ایک محمد فرخ سیر کے عہد میں۔ دوسرے شاہ بادشاہ کے زمانے میں۔ ہر مرتبہ آپ کا اعزاز و اکرام کیا گیا اس علاقہ کے امراء و فضلاء بھی آپ کی قابلیت اور استعداد کے معترف ہوئے۔ غرض آپ صلاح و تقویٰ علم و حلم کے پیکر تھے" اور الولد سر لابیہٖ کا مصداق تھے۔ ۱۶ ارجمادی الثانی، ۱۱۴۴ھ آپ نے شاہ جہاں آباد میں انتقال کیا اور وہاں سے آپ کا صندوق لاکر آپ کے جدی قبرستان میں جہاں مولانا محمود بخش امام مدفون ہے وہاں آپ کو دفن کیا گیا آپ کے انتقال سے پیشتر ہی خواب

---

[1] خاتمہ مرات احمدی ص۶۱ ۔

میں کسی نے دیکھا تھا کہ مرادبخش خطاب ملا ہے اور اسی کلمہ سے آپ کی تاریخ وصال مستفاد ہوتی ہے۔

آپ کے پانچ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھی۔ [1]

قاضی محمد رکن الحق خاںؒ بن مولانا نورالدین

مرأت احمدی کے خاتمہ میں جن بزرگوں کا حال مذکور ہے وہ مولانا نورالدین رحؒ کے صاحبزادے صاحب ترجمہ محمد رکن الحق خاں قاضی نے صاحب مراۃ احمدی کو فراہم کئے مگر افسوس کہ خود آپ کے حالات نہ مل سکے۔ [2]

شیخ فخرالدین رحمۃ اللہ علیہ

شیخ نورالدین رحمۃ اللہ علیہ کے چوتھے صاحبزادے شیخ فخرالدین ہیں جن کا عرف شیخ بزرگ تھا۔ آپ اگرچہ مادرزاد گونگے اور بہرے تھے مگر عقل و فراست میں مرتبہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ خط نستعلیق بہت خوبصورت لکھتے تھے بارہا آپ نے کلام اللہ تحریر فرمایا۔ آپ کو پارہ عم یاد تھا۔ اور اس حفظ لکھتے تھے۔ [3]

قاضی شمس الدین شیبانیؒ

۸۰۷ھ/۱۴۰۶ء — ۸۰۹ھ/۱۴۳۹ء

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحؒ فرماتے ہیں کہ :

آپ بہت بڑے عقلمند تھے۔ سلطان محمد تغلق کے زمانے میں دہلی سے نارنول

---

[1] خاتمہ مرات احمدی [2] ایضاً صہ ۲۴ [3] ایضاً صہ ۶۱ ۔

تشریف لے گئے تھے ۔ ابتدائی زمانہ میں شادی سے پہلے حج کے ارادے سے نکلے ۔ راستہ میں جب گجرات پہنچے تو ایک مسجد میں دیکھا کہ ایک معتزلی منبر پر اپنے مذہب معتزلہ کے پیشِ نظر بندوں کے خالق افعال ہونے پر تقریر کر رہا ہے ۔ اس نے اپنی تقریر کے دوران لوگوں سے کہا کہ دیکھو یہ میرا ہاتھ ہے ۔ اگر میں اسے کھولنا چاہتا ہوں تو یہ کھلتا ہے اور اگر مٹھی بند کرنا چاہتا ہوں تو بند ہو جاتی ہے ۔ قاضی شمس الدین صاحب کھڑے ہوئے اور آپ نے اس معتزلی سے فرمایا کہ اگر آپ اپنے تمام افعال کے خالق ہیں اور اپنے وجود کے متعلق سب کچھ کر سکتے ہیں تو پھر اپنے ہاتھ کو پیٹھ پر لے جا کر کیوں نہیں ملا سکتے ؟ قاضی شمس الدین کا یہ اعتراض حاکم گجرات کو بہت پسند آیا ۔ اور اس پسندیدگی کا اظہار اس طرح کیا کہ دارالحرب سے جو لونڈیاں آئی تھیں ان میں سے ایک لونڈی شیخ کی خدمت میں پیش کی جس کے بطن سے آپ کو اولاد ہوئی ۔ اللہ رب العزت نے آپ کی اولاد میں اس طرح برکت عطا فرمائی کہ سب کو علم سے نوازا ۔ آپ کی اولاد میں سے ایک بزرگ جن کا لقب تاج الافاضل تھا ۔ ان کے پانچ لڑکے تھے جو سب کے سب عالم ، متقی اور بڑے عقلمند تھے ۔ آپؒ (یعنی تاج الافاضل رحؒ) کے ایک صاحبزادے قاضی مجد بھی تھے جو شیخ احمد مجد کے والد تھے ۔ ان سے بھی سات لڑکے ہوئے جو سب کے سب عالم باعمل تھے ۔ [1] آپ مجدالدین فیروزآبادی کے ہمعصر ہیں :

شیخ علم الدّین

(م ۸۰۹ھ – ۱۴۰۶ء)

شیخ فاضل علامہ علم الدین بن سراج الدین بن کمال الدین عمری دہلوی ۔ اکابر مشائخ چشتیہ میں سے ایک تھے مولد و منشاء گجرات ہے ۔ اپنے والد اور دوسرے

---

[1] اخبار الاخیار ص ۳۲۴ ، ص ۳۲۵ ۔

علماء سے پڑھ کر فائق الاقران ہوئے ۔ اور اپنے والد کی رحلت کے بعد منصب مشیخت پر متمکن ہوئے ۔ شیخ بدرالدین محمد بن احمد مالکی دمامینی شارح مغنی اللبیب کے زاویہ میں مقیم ہوئے ۔ ان کے پاس برسوں رہے ۔ ممدوح آپ کے تبحر علمی کے بڑے مداح تھے [1] شیخ علم الدین معاصر صاحبِ قاموس ہیں ۔

شیخ محمد بن ابوبکر دمامینی

(وفات ۸۲۷ھ - ۱۴۲۳ء)

علامہ بدرالدین محمد بن ابوبکر بن عمر بن ابوبکر بن محمد سکندری ہندی مالکی مشہور بہ ابن دمامینی ۷۶۳ھ (۱۳۶۱ء) میں بمقام اسکندریہ آپ کی ولادت ہوئی اسکندریہ ہی میں فضلائے وقت سے درسی علوم حاصل کئے ۔ بہار ابن دمامینی سے علم حدیث کی تحصیل کی ۔ آپ نے دیگر اساتذہ سے بھی پڑھا جن میں شیخ عبدالوہاب الفروی ، قاہرہ میں شیخ سراج ابن الملقن اور مکہ مکرمہ میں قاضی ابوالفضل شوبری سرفہرست ہیں ۔

فراغت کے بعد اسکندریہ ہی میں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور مختلف مدارس میں فقہ و ادب کا درس دیتے رہے ۔

ایک عرصہ بعد آپ اسکندریہ سے قاہرہ تشریف لائے اور جامع ازہر میں علم نحو پڑھانے کا تقرر ہوا ۔ ایک مدت بعد پھر اسکندریہ لوٹ آئے ۸۰۰ھ میں حج بیت اللہ کیا ۔ حج سے فراغت کے بعد جب وطن لوٹے ہیں تو جامع مسجد اسکندریہ کے خطیب مقرر ہوئے ۔ ۸۱۹ھ میں پھر حج کے لئے تشریف لے گئے ۔

---

[1] نزہۃ الخواطر ص ۱۳۵ ، ۱۳۶

۸۲۰ھ میں یمن تشریف لائے ۔ یہاں تقریباً ایک سال تک جامع زبید میں مسند درس آراستہ فرمائی پھر ۸۲۰ھ ہی میں ہند کا سفر کیا۔[۱] اور شعبان کے آخر میں سلطان احمد بن محمد بن مظفر کے عہد میں گجرات تشریف لائے ۔ مولانا عبدالحی نے یاد ایام میں آپکی ہندوستان آمد کی تاریخ ۸۰۰ھ[۲] لکھی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں

علوم ادبیہ کے امام علامہ بدرالدین محمد بن ابی ابوبکر الدمامینی کا نام آپ نے سنا ہوگا وہ ۸۰۰ھ میں گجرات تشریف لائے اور برسوں احمدآباد میں درس و تدریس فرماتے رہے ۔ تسہیل ابن مالک کا نسخہ احمدآباد ہی میں ان کو ملا تھا جس کی ایک مبسوط شرح لکھ کر احمدشاہ گجراتی کے نام پر معنون کی ۔ علاوہ اس کے شرح مغنی اللبیب ، شرح صحیح بخاری اور عین الحیوٰۃ ، خلاصہ حیوٰۃ الحیوان یہ تینوں کتابیں اسی بادشاہ کے نام پر معنون کی تھیں ۔[۳]

بہرحال جب آپ گجرات تشریف لائے تو سلطان احمد بن محمد مظفر گجراتی کا دور تھا ۔ بادشاہ کے یہاں آپ کو بہت عروج حاصل ہوا اور لوگوں نے آپ سے خوب استفادہ کیا

تصانیف :- آپ ایک مدرس اور خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ زبردست مصنف بھی تھے چنانچہ آپ نے اس میدان میں بھی نمایاں خدمات انجام دی ہیں ۔ چند تصانیف کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے ۔

(۱) شرح تسہیل لابن مالکی الطائی جو تاریخ الفوائد کے نام سے موسوم ہے ۔ تاریخ الفوائد میں لکھا ہے کہ جب میں گجرات پہنچا تو یہاں مجھے یہ کتاب (تسہیل ابن مالک) دستیاب ہوئی ۔ میرے ساتھی طلبہ نے اس کی شرح کی درخواست کی چنانچہ میں نے اس کی شرح لکھی ۔ اس شرح کے مقدمہ میں احمدشاہ گجراتی کا ذکر خیر بھی ہے ۔

(۲) مصابیح الجوامع شرح صحیح بخاری جس کی ابتدا اس طرح فرمائی ۔ الحمد للہ الذی فی خدمۃ السنۃ النبویہ اعظم سیادۃ الخ اس شرح میں کچھ ابواب اور غریب الفاظ و اعراب کی بحث بھی ہے ۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے یہ شرح

---

[۱] توشیح الدیباج [۲] دعائیاں حذف کرکے [۳] یاد ایام بحوالہ کشف الظنون

احمد شاہ گجراتی کے لئے لکھی ہے ۔
(۳) عین الحیوٰۃ ۔ علامہ دمیری کی کتاب الحیوان کا اختصار ہے ۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوئی ۔ الحمد للہ الذی اوجد بفضلہ حیوٰۃ الحیوان ۔ اس کتاب کو لکھ کر سلطان احمد شاہ گجراتی کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کی ۔ اس کتاب کی تکمیل شعبان ۸۲۳ھ میں ہوئی ۔ [1]

(۴) کتاب : المنہل الصافی ؛ یہ محمد بن عثمان البلغی کی کتاب ـ الوافی ، کی شرح ہے ۔ ابن الدمامینی نے یہ کتاب احمد شاہ اول بہمنی والیٔ دکن (۱۴۲۱ء ۱۴۳۴/ ۸۲۵ھ ۸۳۸ھ) کی طرف منسوب کر کے ان کو پیش کی تھی اس نسبت پر ظفر الوالہ میں لکھا ہے کہ نام دونوں کا احمد تھا ۔ صرف بہمنی کا اضافہ کوئی دشوار نہ تھا ۔ ابن الدمامینی نے یہ شرح بھی ہندوستان وارد ہونے کے بعد لکھی المنہل الصافی کے سلسلہ میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اسے انہوں نے صرف تین ماہ کے قلیل عرصے میں تصنیف کیا ۔ اور احمد شاہ کی خدمت میں پیش کی ۔ کتاب کے مقدمے میں البلغی کے تعارف اور علم النحو کی اہمیت سے بحث کی ہے ۔ اور پھر : الوافی فی النحو ، کے حسن ترتیب اور افادیت کا تذکرہ کیا ہے ۔ دمامینی (ماہم بمبئی) قیام کے دوران المنہل کو تصنیف کیا ۔

(۵) کتاب "تحفۃ الغریب" یہ ابن ہشام کی معرکۃ الآرا کتاب مغنی اللبیب ، کی شرح ہے ۔ حاجی خلیفہ نے کتاب مغنی اللبیب کی پچاس سے زائد شروح کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک شرح ابن دمامینی کی بھی ہے جس کا نام : تحفۃ الغریب بشرح مغنی اللبیب ، ہے ۔

---

[1] الضوء اللامع ج ۷ ص ۱۸۵ ، تاریخ ادبیات ج ۲ ص ۱۷۵

علم نحو میں دمامینی کی یہ تیسری تصنیف ہے یہ شرح ۸۲۸ھ/۱۴۲۱ء میں لکھی گئی تھی اس وقت آپ نہر والہ میں مقیم تھے۔ یہ تینوں کتابیں آپ نے ہند میں اور ہندی سرپرستی میں لکھی تھیں۔ بہت ہی قیمتی تصانیف ہیں۔ بغیۃ الوعاۃ میں سیوطی نے ان کتابوں کے مصنف کی بہت تعریف کی ہے۔ ؎1

ان کے علاوہ ابن الدمامینی کی تصنیفات میں سے الفتح الربانی، شرح القصیدۃ الخزرجیہ۔ مقاطع الشرب، شمس المغرب فی المرقص والمطرب، جواہر البحور فی العروض، اظہار التعلیل المغلق فی النحو، نزول الغیث الذی انسجم فی شرح لامیۃ العجم مصنفدی۔ اور مجموعہ اشعار الفواکہ البدریہ قابل ذکر ہیں۔ ابن العماد، سیوطی، اور سخاوی وغیرہ نے ابن الدمامینی کی بڑی تعریف کی ہے۔ سخاوی نے ایک جگہ قصائد وقطعات میں تعریف کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ وہ فنون ادب پر کلام کرنے والوں میں سے ایک تھے۔ ادبار نے ان کی فضیلت کا اعتراف کیا ہے اور قصائد و قطعات میں تعریف و مدح کی ہے آپ بڑے خوشخط تھے اور دستاویز نویسی میں بڑی پختگی حاصل تھی۔

آپ کی وفات ۸۲۷ھ/۱۴۲۳ء میں ہوئی۔ اور گلبرگہ میں دفن ہوئے۔ بقول ابن فہد آپ کو زہر دیا گیا تھا۔ ؎2 بعضوں نے لکھا کہ انگور میں زہر دیا گیا تھا۔

ابن دمامینی لغت و نحو اور فقہ و حدیث کے امام ہونے کے علاوہ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ اور ان کے اشعار مختلف کتب تراجم میں بکھرے پڑے ہیں۔ چند اشعار حسب ذیل ہیں۔

؎1 عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص۱۹۸ ؎2 الضوء اللامع ج ۷، ص۱۸۵ بحوالہ تاریخ ادبیات ج ۲ ص۱۷۵

قلت لہ والدجیٰ مول ! ونحن بالانس فی التلاقی
قد عطس الصبح یاجبیبی فلا تشمتنہ بالفراق
یاعذولی فی مغن مطرب حرك الاوتار لما سفرا !
کم یھزا لعطف منہ طربا عند ما یسمع منہ وترا
لاماعذاریك ھما اوقعا قلب المحب الصب فی الحین
فجد لہ بالوصل واسمح بہ ففیك قدھام بلا مین
اللہ اکبر یامحراب طرتہ کم ذاتصلی بنارالحب من صادٍ
وکم اقمت باحشائی حروب ھوی فمنك قلبی مفتون بمحراب [1]

ایک رباعی میں وہ زمانے کا یوں شکوہ کرتے ہیں ۔

رمانی زمانی بما ساءنی ! فجاءت نحوس وغابت سعود
واصبحت بین الوریٰ بالمشیب علیلاً فلیت الشباب یعود

(۱) میرے زمانے نے مجھے ایسے تیر مارے ہیں جو مجھے بہت ناگوار گذرے ہیں ۔ اور جن کے باعث نحوستیں آگئیں ۔ اور خوش بختیاں غائب ہو گئی ہیں ۔
(۲) اب میں دنیا والوں میں بڑھاپے میں تشنہ لب پھرتا ہوں کاش جوانی لوٹ آتی ۔ [2]

دمامینی کی کتب ذیل میں سے بعض دستیاب ہیں ۔
(۱) تحفۃ الغریب فی شرح مغنی اللبیب ۔
مخطوطات ۔ برلن ۸ ــ ۶۷۲ ــ لوتھ، ۹۶۷ ــ لیڈ، ۲۱۷ ــ اسکر ۲۰۳
قاہرہ، ۴/۵۷ ــ ینی ۹۸ ــ ۱۰۸۸ ــ حمیدیہ ۱۸۱۶۷ ــ نورعثمانیہ، ۴۲۰۶ ۔
میونخ ۳۹۷ ــ ندوہ ۶۷۲ ــ آصفیہ، ۱۶۴۴/۲ ــ علی گڑھ [12] ــ بانگی پور ۲۱۲۰ ۔

---

[1] البدر الطالع جزء ۲ ص ۱۵۱ ۔ [2] الضوء اللامع ص ۱۸۴/۷ ۔ نزھۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۲۷ ۔ اتحاف النبلاء ص ۳۹۵ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند ج ۴ ص ۱۷۶، ۱۰۵ ۔

(۲) تعلیق الزائد علی تسہیل الفوائد و تکمیل المقاصد ۔

(۳) المنہل الصافی فی شرح الوافی ۔ لوتھ ۹۷۲ ۔ رام پور، ۵۶ ھ بانکی پور ۱۲۲۸ ۔

ظفر الوالہ میں آپ کا تذکرہ یوں ہے ۔

سلطان احمد کی وفات کے بعد بدر دمامینی سلطان دکن احمد شاہ بہمنی کے پاس سفر کر گئے اور اپنی تالیف شرح المنہل کی انکی طرف نسبت کی چونکہ سلطان اور شیخ دونوں کا نام احمد ہے ۔ اس لئے سلطان کو صرف لفظ بہمنی بڑھانے کی تکلیف کرنی تھی ۔ مگر اس قدر زیادتی سے وہ مستغنی تھے ۔ سخاوی کی الضوء اللامع میں ان کے مولد، نسب اور وفات کے متعلق تفصیل موجود ہے اور نسب یوں ہے ۔ احمد بن ابی بکر بن عمر بن ابی بکر بن محمد بن سلیمان بن جعفر ابن یحییٰ بن حسین بن محمد بن احمد بن ابی بکر بن یوسف بن علی بن صالح ابن ابراہیم البدر القرشی المخزومی السکندری المالکی ۔ لیکن سخاوی نے الضوء اللامع میں آپ کا نسب محامدہ میں ذکر کیا ۔ آپ کا سن ولادت ۷۹۰ھ ہے ۔ سکندریہ میں آپ پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما پائی ۔

آپ کے ترجمے میں لکھا ہے کہ آپ بڑے اچھے آدمی تھے تمام لوگوں سے الگ تھلگ رہنے والے تھے ۔ اپنے علاقے میں بڑی وجاہت والے عالم فاضل تھے ۔ بڑے حساس تھے ۔ ادب سے خاص لگاؤ تھا ۔ ۸۰۶ھ کے قریب گلبرگہ میں آپ نے وفات پائی ۔

سخاوی کے علاوہ دوسروں نے یہ بھی کہا ہے : مَاتَ فِیْهَا مَسْمُوْمًا، کہ گلبرگہ میں آپ کو زہر دیا گیا جس سے اپ کی وفات ہوئی ۔ [1]

---

[1] ظفر الوالہ ج ۱ ۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بستان المحدثین میں آپکے حالات تحریر کئے ہیں انمیں وہ لکھتے

تعلیق المصابیح ابواب الجامع الصحیح
بدرالدین دمامینی

ہیں کہ یہ کتاب ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر بن عمر بن ابی بکر قرشی مخزومی اسکندری کی تصنیف ہے۔ ان کا لقب بدرالدین ہے۔ اور دمامینی (یا ابن الدامینی) کے نام سے مشہور ہیں۔

آپ اس حدیث کی شرح میں (جس میں حضرت صفیہ رضؓ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف تھے اور وہ آپؐ کی زیارت کے لئے مسجد میں تشریف لائی تھیں۔ جب مکان کو واپس جانے لگیں تو چونکہ رات زیادہ ہوگئی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پہنچانے کے لئے مسجد سے باہر تشریف لائے۔ راستہ میں ایک انصاری ملے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت صفیہ رضؓ کے ہمراہ دیکھ کر ایک طرف ایک گوشہ میں ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ: تَعَالَ هِيَ صَفِيَّةُ، (یعنی کچھ کھٹکا مت کرو چلے آؤ یہ تو صفیہ رضؓ ہیں) یہ کہتے ہیں کہ تعالَ کا لام ہمیشہ مفتوح پڑھا جاتا ہے خواہ مفرد سے خطاب کیا جائے یا غیر مفرد سے، خواہ مذکر سے یا مؤنث سے۔ ابی فراس بن حمدانکے بہت سے اشعار میں (جو نہایت عمدہ ہیں) مؤنث کو خطاب کرنے کے وقت لام کا کسرہ بھی واقع ہوا ہے۔ ان اشعار کی لطافت کے باعث میں چاہتا ہوں کہ ان کو نقل کروں۔ یہ ابیات اس نے اس وقت نظم کئے جب ایک کبوتری کو اس نے اپنے قریب نوحہ زن دیکھا۔

ابی فراس بن حمدان کے چند اشعار

اقول وقد ناحت بقربي حمامةٌ ایاجارةٌ هل تشعرین بحالی

جب میرے قریب ایک کبوتری نوحہ زن ہوئی تو میں اُسے کہتا ہوں اے میری پڑوسن کیا تجھ کو میرے حال کی کچھ خبر ہے ۔

مَعَاذَ النَّوٰی مَاذُقْتِ طَارِقَةَ النَّوٰی　　وَلَاخَطَرَتْ مِنْكِ الْهُمُوْمُ بِبَالِ

غم فرقت سے پناہ ؛ خدا کرے تو کبھی کھٹکھٹا دینے والی جدائی کا مزہ نہ چکھے ۔ اور نہ کبھی غم تیرے دل میں واقع ہو ۔

اَیَاجَارَةً مَا اَنْصَفَ الدَّهْرُ بَیْنَنَا　　تَعَالِی اُقَاسِمْكِ الْهُمُوْمَ تَعَالِی

اے پڑوسن میرے تیرے درمیان زمانہ نے انصاف نہیں برتا ۔ چلی آتا کہ ہم غم کو باہم تقسیم کرلیں چلی آ ۔

تَعَالِی تَرٰی رُوْحًا لَدَیَّ ضَعِیْفَةً　　تَرَدَّدُ فِیْ جِسْمٍ یُعَذَّبُ بَالِ

آجاتا کہ تو میرے پاس ایک ایسی کمزور روح کو دیکھے ۔ ایسے جسم میں جو بوسیدہ ہو گیا ہے اور عذاب دیا جاتا ہے ۔

اَیَضْحَكُ مَاسُوْرٌ وَتَبْكِیْ طَلِیْقَةٌ　　وَیَسْكُتُ مَحْزُوْنٌ وَیَنْدُبُ سَالِی

کیا قیدی ہنستا ہے اور آزاد روتا ہے ۔ دکیا غمزدہ خاموش رہتا ہے غمگین اور بے غم نوحہ گر ہوتا ہے ۔

لَقَدْ كُنْتُ اَوْلٰی مِنْكِ بِالدَّمْعِ مُقْلَةً　　وَلٰكِنَّ دَمْعِیْ فِی الْحَوَادِثِ غَالِی

بیشک میری آنکھ آنسو کیلئے تجھ سے زیادہ مستحق تھی ۔ لیکن میرے آنسو حوادث میں بہنے سے بالاتر ہیں ۔

بدرالدین رح کی ولادت ۷۶۳ھ میں ہوئی ۔ ابتدا ہی سے تحصیل علم میں مشغول رہے ۔ اور اسی میں نشو ونما پائی ۔ سرعتِ ادراک اور قوتِ حافظہ میں اپنے ہمعصروں میں یکتا تھے ۔ خصوصاً علوم ادبیہ ، نحو اور نظم ونثر میں تو سب پر صاف برتری

حاصل تھی، فقہیات، علم شروط اور سجلات میں بھی اصحاب فن کے ساتھ مشارکت تامہ رکھتے تھے۔ جامع ازہر میں ایک عرصہ تک علم نحو کے درس میں مشغول رہے پھر اسکندریہ لوٹ آئے۔ تحصیل مال کی طرف راغب ہوئے۔ تو ایک بڑا کارخانہ کھولا اس میں بہت سے جولاہوں کو اجرت پر رکھ کر کام میں لگایا۔ تقدیر الہٰی سے عمارتِ کارخانہ میں آگ لگ گئی۔ اور سوت و روئی نیز اس صنعت کا بہت سا سامان نذرِ آتش ہوگیا۔ بہت سا قرضہ ان کے ذمہ باقی رہ گیا۔ جب قرضداروں نے تنگ کرنا شروع کیا تو مجبوراً اسکندریہ سے صعید (بالائی مصر) کی طرف چل دیئے قرضداروں نے بھی انکا تعاقب کیا۔ آخر کار قاہرہ میں گرفتار ہوکر آئے۔ تقی الدین بن حجۃ اور ناصر الدین البارزی (کاتب السر) انکی پرورش وحمایت کے لئے کمربستہ ہوئے اور ان کا حال ایک حد تک اصلاح پذیر ہوگیا۔ پھر وہاں سے یمن کی طرف رحلت کی اور وہاں سے بلاد ہند پہنچے۔ اور شہر احمد آباد وگجرات میں جو اس وقت حسن آباد کے نام سے مشہور تھا آئے۔ یہاں انہیں اقبال نصیب ہوا۔ اور انہوں نے سلطانِ وقت سے بہت فائدہ اٹھایا۔ اب ان کی زندگی نہایت خوشحالی سے گزرنے لگی یہاں تک کہ ماہِ شعبان ۸۲۸ھ میں انتقال ہوگیا۔ چونکہ ان کی موت ناگہانی واقع ہوئی تھی اس وجہ سے لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ کسی نے ان کو زہر دیدیا ہے۔ واللہ اعلم (آپ شہر گلبرگہ، دکن میں مدفون ہیں)

علم حدیث میں ان کی صرف یہی شرح ہے مگر علم ادب میں ان کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں سے شرح تسہیل اور شرح خزرجیہ ہے۔ عروض میں ان کی تالیف جواہر البحور ہے۔ الفواکہ البدریہ بھی اُن ہی کی منظومات میں سے ہے۔

: مقاطع الشرب اور نزول[1] الغیث فی الارض علی الغیب الذی التحم فی شرح لامیہ العجم والغیث الذی السجم، بھی ان کی تالیف کردہ ہے۔ یہ (شرح لامیۃ العجم)

---

[1] نزول الغیث الذی انسجم فی شرح لامیۃ العجم للصفدی۔

علامہ صفدی کی تالیف ہے۔ جو صلاح الدین کے لقب سے ملقب اور علم ادب میں یکتا و مشہور ہیں۔ جواہر البحور کی ایک شرح بھی لکھی ہے۔ اور تحفۃ الغریب فی شرح مغنی اللبیب بھی ان (بدر الدین) کی ہی تالیف ہے۔ ان کی منظومات میں سے یہ چند اشعار سپرد قلم ہیں۔

علامہ بدر الدّین دمامینی کے چند اشعار

اَیَا عُلَمَاءَ الْهِنْدِ اِنِّیْ سَائِلٌ	فَمُنُّوْا بِتَحْقِیْقٍ بِہٖ یُظْهَرُ السِّرُّ
اے علماء ہند میں ایک سوال پیش کرتا ہوں	پس راز کو حل کرنیوالی تحقیق سے واقف فرما کر مجھکو ممنون فرمائیں
اَرٰی فَاعِلاً لِلْفِعْلِ اُعْرِبَ لَفْظُہٗ	بِجَرٍّ وَلَا حَرْفٌ بِہٖ یُمْکِنُ الْجَرُّ[1]
ایک فعل کا فاعل ہے جسے جر کا اعراب دیا گیا ہے	حالانکہ کوئی حرف ایسا نہیں ہے جس سے جر دیا جا سکے
وَلَیْسَ بِمُحْکِیٍّ وَلَا بِمُجَاوِرٍ	لِذِی الْخَفْضِ وَالْاِنْسَانُ بِالْبَحْثِ یُضْطَرُّ
اور نہ وہ محکی ہے اور نہ کسی مجرور کے متصل ہے	اور انسان تفتیش و تحقیق کرنے پر مجبور ہے
فَهَلْ مِنْ جَوَابٍ عِنْدَکُمْ اَسْتَفِیْدُہٗ	فَمِنْ بَحْرِکُمْ مَازَالَ یُسْتَخْرَجُ الدُّرُّ
تو کیا تمہارے پاس کوئی جواب ہے جس سے میں استفادہ کر سکوں	کیونکہ تمہارے سمندر سے ہمیشہ موتی ہی نکلتے ہیں۔

مترجم کہتا ہے کہ اس سے مراد لفظ صبر ہے جو ذیل کے شعر میں ہاج کا فاعل واقع ہوا ہے۔ یہ شعر طرفۃ بن العبد کا ہے۔

بِجِفَانٍ تَعْتَرِیْ نَادِیْنَا	وَسَدِیْفٍ حِیْنَ هَاجَ الصِّنَّبْرِ

یہ اشعار بھی ان ہی کے ہیں۔

---

[1] بعض نے یہ شعر اس طرح لکھا ہے۔

فَمَا فاعل قد جر بالخفض لفظہ   صریحًا ولا حرف یکون بہ جر

اَلَا یَاعِذَارَیْکَ ھُمَا اَوْقَعَا قَلْبُ لِصَبٍّ فِی الْحَیْنِ

اے معشوق! اپنے رخساروں کی خبر لے۔ اس لئے کہ انہوں نے میرے مصیبت زدہ حیران دل کو موت کی ہلاکت میں ڈال دیا ہے

فَجُدْ لَہٗ بِالْوَصْلِ وَاَسْمِحْ بِہٖ فَکَیْفَ قَدْ ھَامَ بِلَا مَیْنَ

پس اسکو وصل دیکر اسکے ساتھ سخاوت و بخشش سے پیش آ۔ اور ایسا تو کیوں نہ کرے جبکہ وہ بغیر جھوٹ کے (یعنی سچ مچ) سرگشتہ اور حیران ہے۔

یہ اپنے استاد سے ایک عجیب لطیفہ نقل کرتے ہیں کہ میں ایک روز اسکندریہ میں ان کے درس میں حاضر تھا ان کے تلامذہ میں سے ایک شخص انکی کتاب مختصر جو فقہ میں ہے پڑھتا تھا۔ کتاب الحج چل رہی تھی۔ اسی مجلس میں بعض ایسے طلبہ بھی حاضر تھے جو بحث و اعتراض کے زیادہ دلدادہ تھے۔ اتفاقاً اس میں ایک ایسی عبارت واقع ہوئی جس میں مضاف الیہ کی طرف ضمیر راجع ہوتی تھی۔ طالب علم مذکور نے جرأت کرکے استاد سے پوچھا نحوی کہتے ہیں کہ مضاف الیہ کی طرف ضمیر کو نہیں پھیرنا چاہیئے تو پھر یہ عبارت کیسے درست ہوئی۔ شیخ نے جواب میں فوراً یہ آیت پڑھی۔ قال اللہ تعالیٰ کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا۔ یعنی یحمل کی ضمیر حمار کی طرف جو مضاف الیہ ہے راجع ہے اس جواب میں جو لطافت ہے وہ پوشیدہ نہیں۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ مضاف الیہ کی طرف ضمیر کا لوٹانا منع نہیں ہے البتہ اگر مضاف اور مضاف الیہ دونوں کی طرف ضمیر کا راجع ہونا ممکن ہو تو اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ مضاف کی طرف ضمیر کو راجع کریں۔ کیونکہ کلام سے مقصود مضاف ہی ہوتا ہے۔ [۱]

---

[۱] بستان المحدثین صنا۲۱ ۔

شیخ غوث الدین

متوفی ۲۲ ر صفر ۸۳۵ھ - ۲۸ ر اکتوبر ۱۴۳۱ء

شیخ عالم فقیہ غوث الدین قادری بغدادیؒ کا وطن بغداد تھا وہاں سے ہندوستان تشریف لاکر احمد آباد کو اپنا وطن بنالیا تھا۔ جہاں خود ایک مدرسہ کی تعمیر کرائی جس میں برسوں مسندِ تدریس کو زینت بخشی۔ تعلیم و تلقین دونوں سے مسترشدین کو مستفیض فرمایا۔ حضرت شیخ یعقوب بن خوند میر اور ان کے علاوہ بے شمار مشائخ نے آپ سے استفادہ کیا تھا۔ قدس سرہٗ

۲۲ ر صفر المظفر ۸۳۵ھ / ۲۸ ر اکتوبر ۱۴۳۱ء کو عالم ملکوت کو کوچ فرمایا۔ [1] آپ قلقشندی کے معاصر ہیں۔

مُلّا جعفر

م ۱۳ ر صفر ۸۴۶ھ ۲۱ ر جون ۱۴۴۲ء

جماعت جعفریہ کے بانی ، مُلّا جعفر، پٹن (گجرات) میں پیدا ہوئے ، اور اسی جگہ ابتدائی تعلیم حاصل کی ، متوسط تعلیم احمد آباد کے مدرسہ میں ختم کرکے یمن چلے گئے۔ جہاں سید شمس الدین علی داعی وقت تھے ، چند سال کے بعد وہ ہندوستان واپس آئے ، مگر چونکہ والئ ہند ملا حسن بن آدم کی اجازت کے بغیر گئے تھے ، اسلئے سیدنا علی یمنی داعی وقت نے ان کو تعلیمی سند عطاء کی نہ کوئی اور خطاب ، ہندوستان پہنچ کر انہوں نے بغیر اجازت نماز پڑھادی ، اس پر والی اور ملا جعفر میں خوب خوب گرماگرم بحث ہوئی ، آخر ملا جعفر

---

[1] نزھۃ الخواطر اردو ۱۵۱ عربی ۱۵۱ ج ۳

احمدآباد سے پٹن آئے۔ اور لوگوں کو تشیع سے تسنن کی طرف دعوت دینی شروع کی، اور اس میں بہت کامیاب رہے۔ یہ واقعہ تقریباً ۸۲۰ھ کا ہے، جو احمد شاہ اول بانی احمدآباد کا عہد ہے۔ ملا جعفر نے گجرات کا دورہ کرکے اپنی تبلیغ کو بڑی وسعت دی ۸۲۶ھ/۱۴۲۲ء میں بعہد محمد شاہ بن احمد شاہ وہ احمدآباد آئے، دربار میں ان کی بڑی عزت افزائی ہوئی عرصہ تک اپنے فرائض ادا کرتے رہے، آخر شیعہ بوہروں نے چانپانیر آنے کی دعوت دی، جو ایک خود مختار راجہ کا پایۂ تخت تھا۔ جب جعفر صاحب وہاں پہنچے تو چند دنوں کے بعد شیعہ بوہروں نے برسر بازار ۱۳ صفر آپ کو قتل کر دیا اسی جگہ ان کا مزار ہے، اس کے بعد انکا کوئی جانشین نہ ہوا، لیکن جعفری اورنگزیب عالمگیر کے عہد تک ان سے مناظرہ اور مکالمہ کرتے رہے آجکل جعفری اپنے کو جعفری نہیں کہتے، بلکہ سُنی بوہرہ کہتے ہیں۔ [1]؛ ملا جعفرؒ علامہ مقریزی کے ہمعصر ہیں؛

سیّد محمّد خُدابخش

م ۵ جمادی الثانی سنہ ۸۴۷ھ

سید محمد جو سید خدابخش کے نام سے معروف ہیں۔ میر سیّد محمد بن حضرت سید حسین جو حضرت سر اللہ المتعال کے مرید تھے۔ سر اللہ المتعال مخدوم سید راجو قتال کے مرید تھے۔ اور حضرت قطب عالم کے خلیفہ تھے آپ اُوچ شریف سے بی بی سعادت خاتون (جو حضرت قطب عالم کی والدہ ہیں) کے ہمراہ حضرت سید راجو قتال کے حکم سے یہاں تشریف لائے تھے۔ حضرت قطب عالم کے ہمرکاب آپ پٹن پہنچے۔ آپ نے علم صوری و معنوی کا اکتساب اپنے والد بزرگ کی خدمت سے کیا تھا۔

---

[1] معارف ج ۵/۵۴ ص ۲۲۳،۲۲۴۔ تذکرہ علامہ شیخ محمد بن طاہر پٹنی ص ۲۵

اور اپنے پیر دستگیر سے بھی علوم حاصل کئے تھے۔ آپ فقیہ کامل اور بڑے محدث تھے، اور سلسلہ چشتیہ سے ارادت رکھتے تھے۔

۵ رجمادی الثانی ۸۴۷ھ میں دوشنبہ کے روز آپ نے رحلت فرمائی۔ [1]

: آپؒ حافظ ابن حجر عسقلانی رح کے معاصر ہیں۔

شیخ حاجی رجب

ظفر الوالہ میں صرف اتنا لکھا ہے کہ!

جس وقت عماد الملک جاور اور ساپخور کو فتح کرنے کے لئے مامور ہوئے تو قطب ربانی شیخ حاجی رجب کے آنگن میں پہلے جاکر اترے یہ ۸۵۰ھ کا واقعہ ہے۔ [2]

شیخ عزیز اللہ مندوی

م ۲۳ / صفر سنہ ۸۵۲ھ ۲۶ / اپریل سنہ ۱۴۴۸ء

فقیہ عزیز اللہ بن یحییٰ بن لطف اللہ عمری مندوی۔ شہاب فرخ شاہ عمری کابلی کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت رکن الدین مودود گجراتی کی خدمت میں برسوں باریاب رہے حتیٰ کہ مرتبہ کمال تک پہنچے۔ پھر احمد آباد اور دکن کے کئی شہروں سے گذر کر منڈو (مالوہ) میں فروکش ہو گئے۔ زہد، توکل اور قناعت وضبط میں کوئی انکا نظیر نہ تھا۔

---

[1] خاتمہ مرأت احمدی صد ۱۱۴۔ [2] ظفر الوالہ صد ۲۱/۶۔

کسی قسم کا نذرانہ قبول نہ کرتے نہ اپنے پاس کسی چیز کا اندوختہ رکھتے۔ ایک مرتبہ قلب پر قبض کی سی کیفیت طاری ہوئی تو تلاش پر معلوم ہوا کہ بی بی صاحبہ نے ایک روٹی کا ٹکڑا بچا لیا تھا جسے بچے کیلئے دودھ میں بھگو دیا جب شیخ کو اس بات کا علم ہوا تو بی بی صاحبہ کو حکم دیا کہ دودھ میں بھیگی ہوئی روٹی کسی کو دیدیں اور آئندہ کبھی گھر میں کسی قسم کا اندوختہ جمع نہ رہنے دیں (بحوالہ گلزار ابرار)

شیخ کے پانچ فرزند تھے (۱) سعد اللہ (۲) رحمت اللہ (۳) حسن سرمست (۴) نصر اللہ (۵) شہر اللہ۔ (بحوالہ مجمع البحار) کتاب خزینۃ الاصفیاء میں جو آپ کا سنِ رحلت ۹۱۲ ھ لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ آپ حافظ ابن حجر عسقلانی کے ہمعصر ہیں۔

شاہ موسیٰ سہاگ

م سنہ ۸۵۳ھ - سنہ ۱۴۴۹ء

حضرت شاہ موسیٰ سہاگ مردِ کامل تھے۔ شاہ سکندر بود کے مرید تھے۔ سدا سہاگ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ہجڑوں کے ہمراہ محفل سماع کرتے اور گاتے تھے۔ [1]

آپ کی کرامتوں کا شہرہ بہت تھا۔ ایک مرتبہ احمدآباد میں بارش نہیں ہو رہی تھی بادشاہ نے شہر کے قاضی کو دعا کرنے کے لئے کہا قاضی نے کہا کہ میرے دعا کرنے سے کچھ نہ ہوگا۔

آپ شاہ موسیٰ سہاگ سے دعا کرائیے، وہ دعا کریںگے تو ضرور بارش ہوگی۔ بادشاہ اور قاضی دونوں حضرت کے مکان پر حاضر ہوئے اور آپ سے التجا کی کہ دعا کریں کہ بارش ہو اور خشک سالی دور ہو۔ آپ نے فرمایا تم دونوں کو دھوکہ ہوا ہے۔ شاہ موسیٰ تو

---

[1] نزہۃ الخواطر اردو ص ۵۲۷۔ تذکرہ صوفیائے میوات ص ۶۶

کوئی اور ہونگے ان کے پاس جاؤ اور ان سے دعا کراؤ میں تو ایک گنہگار بندی ہوں اور یہاں لوگوں میں رہکر اپنا گذارا کرتی ہوں۔ بادشاہ اور قاضی برابر اصرار کرتے رہے چنانچہ آپ راضی ہو گئے۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو تھے آپ نے دعا کی کہ اے میرے خاوند اگر تو نے میری التجا قبول نہ کی اور پانی نہ برسایا تو میں اپنا سہاگ چھوڑ دونگی۔ یہ کہہ کر اپنی چوڑیاں توڑنے لگے کہ آسمان پر ابر نمودار ہوا اور زور کی بارش ہوئی۔ [۱]

آپ زنانہ لباس پہنتے تھے۔ احمد آباد کے علماء نے ایک دفعہ آپ کو جامع مسجد بلایا آپ وہاں گئے۔ علماء نے آپکی مرضی کے خلاف آپ کا زنانہ لباس اتروایا اور آپ کو سفید لباس پہنایا۔ وضو کرکے آپ نماز میں شریک ہوئے اللہ اکبر کہتے ہی وہ سفید لباس سرخ ہو گیا۔ نماز کے بعد آپنے فرمایا کہ میرا میاں کہتا ہے کہ تو سہاگن رہ اور یہ موئے کہتے ہیں رانڈ ہو جا۔ میں تو میاں کے کہنے پر چلونگی۔ یہ کرامت دیکھ کر علماء متعجب ہوئے اور آپ کو آپ کے حال پر چھوڑ دیا۔

شاہ موسیٰ سہاگ کی وفات ۸۵۳ھ ۱۴۴۹ء میں ہوئی۔ مدفن احمد آباد گجرات ہے۔ [۲]

مرزا حسن نے آپ کے متعلق لکھا ہے کہ!

مشہور ہے کہ آپ بھی سلسلۂ چشتیہ سے ارادت کا تعلق رکھتے تھے اور ہاتھوں میں چوڑیاں پہنتے تھے اور رقاصہ اور گانے والوں کے طائفہ میں رہتے تھے۔ اور اس لباس میں رہکر اپنے آپ کو پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے۔

روضات شاہی میں لکھا ہے کہ میاں موسیٰ درویش جو موسیٰ سہاگ کے نام

---

[۱] اولیائے ہند و پاکستان صفحہ ۳۲۔ تذکرہ صوفیائے گجرات۔ [۲] نزھۃ الخواطر اردو صفحہ ۵۳ تذکرہ صوفیائے میوات صفحہ ۶۶۔

سے مشہور تھے، شہر احمد آباد میں سکونت پذیر تھے اور ہمیشہ اپنے ہاتھ میں چوڑیاں پہنتے تھے ایک روز جب کہ آپ کا وقتِ موعود آپہنچا تو حضرت شاہ عالم کو منکشوف ہوگیا۔ حضرت نے اپنے خلیفۂ خاص میاں مخدوم سے فرمایا کہ میاں موسیٰ سہاگؒ کا انتقال ہوگیا ہے تم جلدی جلدی جاؤ اور ان کے تجہیز وتکفین وغیرہ میں شریک ہوجاؤ اور خبردار! ان کی چوڑیاں ان کے ہاتھ سے نہ نکالنا: کما تعیشون تموتون، کے موافق ان کو سپردِ خاک کردیا گیا۔ جس طرح وہ زندگی کے ایام میں اپنے آپ کو عامیانہ لباس۔۔ میں رکھ کر لوگوں سے چھپانا چاہتے تھے تو اسیطرح مرنے کے بعد بھی انکی قبر نامعین رہی کہ چار قبروں میں سے جو اس احاطہ میں ہیں۔ معلوم نہیں کہ آپ کی قبر کون سی ہے۔ باغ شاہی کے کنارے پر آپ کا مزار ہے وہاں چار قبریں ہیں۔ [1]

شیخ کبیر الدینؒ ناگوری

(م ۱۷ ذیقعدہ ۸۳۵ھ/۸۵۶ھ ۱۵ جولائی ۱۴۳۲ء/۱۴۵۲ء)

شیخ کبیر الدین ابن فرید الدین بن عبدالعزیز ناگوری۔ مشہور عالم ربانی، بڑے بزرگ اور بلند مرتبہ ولی تھے۔ علوم ظاہری وباطنی میں آپ کو کمال حاصل تھا۔

ان کی یادگاران کی تصانیف ہیں۔ منجملہ ان کے ایک بہت اہم شرح المصباح فی النحو ہے جس کا نام دہن ہے۔ گلزار ابرار میں تحریر ہے کہ کافروں کی فرقہ پردازیوں کیوجہ سے ہجرت کرکے گجرات تشریف لائے اور احمد آباد میں اقامت اختیار کی اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور عرصۂ دراز تک آپکا چشمۂ فیض جاری

---

[1] خاتمہ مرآت احمدی ص۴۲۔

رہا۔ بہت سے لوگوں نے آپ سے نفع حاصل کیا اور آپ سے فیض یاب ہوئے آپ سے مستفید ہونے والوں میں اہم ترین شخصیت شیخ حسین بن خالد ناگوری کی ہے۔

وفات: ۱۰ر ذیقعدہ ۸۲۵ یا ۸۵۶ھ میں وفات پائی اور احمد آباد میں دفن ہوئے۔ ۱۵ر جولائی ۱۴۲۲ء یا ۱۴۵۲ء [1]

آپ تقی الدین الفاسی رح کے ہم عصر ہیں۔

خزینۃ الاصفیاء میں آپ کے متعلق اس طرح لکھا ہے کہ!

آپ حضرت شیخ فرید بن عبدالعزیز صوفی حمیدالدین ناگوری قدس سرہم کی اولاد میں سے تھے۔ اور اس سلسلہ میں مرید بھی تھے۔ علوم ظاہری اور باطنی میں کمال حاصل تھا آپ کی کتاب؛ ضوء المصباح،، بڑی بلند پایہ تصنیف ہے۔ آپ کافی عرصہ ناگور میں رہے مگر جب ناگور میں ہندو مسلم فساد ہوا تو آپ ناگور کو چھوڑ کر گجرات چلے آئے۔ اور ۱۵ر ربیع الاول ۸۵۸ھ/۴ر مارچ ۱۴۵۴ء کو رحلت فرمائی۔

قطعۂ تاریخ

بجنت چو رفت از جہاں فنا
کبیر آں شہ پیر برنا دپیر
بتاریخ ترحیل آں شاہ دین
بگو قبلہ اہل جنت کبیر

---

[1] اذکار ابرار۔ تذکرہ صوفیاء میوات۔ اخبار الاخیار نزھۃ الخواطر اردو ۱۶۹ ایضاً عربی ۱۲۹، ۱۷۰

شیخ کمال الدین کرمانی

(م ۸۶۵ھ — ۱۴۶۸ء)

شیخ کمال الدین کرمانی، اولیاء سالکین راہ خدا میں سے تھے۔ آپؒ کے شیخ طریقت شیخ نعمت اللہ کرمانی ہیں۔ آپ ہندوستان وارد ہوئے اور احمد آباد میں اقامت اختیار فرمائی اور قبول عظیم آپ کو حاصل ہوا۔ آپؒ نے ۸۶۵ھ میں انتقال فرمایا۔ [۱]

خاتمہ مرأت احمدی میں ہے کہ

حضرت قطب عالم ایک مرتبہ شیخ کمال کرمانی کی زیارت کے لئے تشریف لےگئے تھے۔ اور آپ کے دست مبارک میں سیاہ دانوں کی تسبیح تھی۔ شیخ کمال کہنے لگے کہ سیاہ دانوں کی تسبیح موروث فقر ہے۔ حضرت فرمانے لگے کہ کوئی شخص بطور فخر کے فقر کو اختیار کئے ہوئے ہو اس کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں۔ شیخ کمال نے دونوں ہاتھ اپنے سر پر مار کر عرض کیا کہ کمال کی کیا مجال ہے کہ آپ کے موروثی اختیاری فقر کا قصہ زبان پر لائے۔ لیکن اس قسم کی تسبیح رکھنا موجب فقر اضطراری ہے۔ اس لئے گستاخی میری طرف سے ہوئی۔ حضرت قطب عالم نے اپنی تسبیح کو کھول لیا اور شیخ کمال نے بھی اپنی تسبیح کو جو مرجان کے دانوں کی تھی کھول لیا۔ اور اب دونوں تسبیح کے دانوں کو ملا کر دو تسبیح جو سرخ اور سیاہ دانوں پر مشتمل تھیں بنا لی گئیں۔

ایک قطب عالم نے رکھ لی اور ایک شیخ کمال نے رکھ لی۔ یہ شیخ کمال سید نعمت اللہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ اور سید نعمت اللہؒ شیخ مکہ عبداللہ یافعی کے مرید و خلیفہ تھے شیخ کمال کرمانی کی قبر بہرام پور میں واقع ہے۔ [۲]

آپؒ ابن الہمام کے معاصر ہیں۔

---

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۲۹ — ۱۷۲۔ [۲] خاتمہ مرأت احمدی ص ۹۶۔

شیخ حسن بن محمد اساولی

(متوفی ۱۳؍شوال ۸۷۰ھ/۲۷؍مئی ۱۴۶۶ء)

شیخ حسن بن محمد اساولی ۔ آپ کا معروف نام اڈھن ہے خطۂ گجرات کے ممتاز شیخ طریقت ہیں ۔ آپ عالم ارواح اور عالم اجسام دونوں کے رموز سے آگاہ اور عقلی اور نقلی کتب کے عالم تھے ۔

آپ کی ولادت ۸۱۴ھ/۱۴۱۱ء میں ہوئی ۔

آپ نے بہت سے مشائخ سے ملاقات کی اور ان سے فیض حاصل کیا ۔ طریقت میں حضرت عبداللہ بن محمود حسینی سے فیض حاصل کیا ۔ ان کے بعد شیخ نصیر بن جمال نوساوری کی خدمت میں رہے اور خرقۂ خلافت سے نوازے گئے ۔

آپ نے ۱۳؍شوال ۸۷۰ھ ۲۷؍مئی ۱۴۶۶ء کو انتقال فرمایا ۔ آپکی قبر اساول میں ہے ۔ اساول احمد آباد کی ایک بڑی بستی کا نام ہے ۔ [۱] آپ قاسم بن قطلو بغار کے معاصر ہیں ،

بی بی خوندکار دی والدہ سیّد خوندمیر

بی بی خوندکاردی گیارھویں صدی ہجری یعنی سترھویں صدی عیسوی کی ایک بزرگ خاتون ہیں ۔ برصغیر میں جہاں مردوں نے اسلام کی خدمت اور دین کی تبلیغ کے لئے بزرگی کا مسلک اور تصوف کا راستہ اختیار کیا ہے عورتوں میں سے بھی بعض نے

---

[۱] گلزار ابرار ص ۱۵۳ ۔ نزھۃ الخواطر عربی ج ۳ ص ۶۱ ۔

مقدور بھر اس مرتبہ و شرف کو پایا ہے۔

مولوی نور احمد فریدی نے سید خوندمیر اور انکی والدہ بی بی جیو کا حال لکھا ہے سید خوندمیر کے متعلق مرزا محمد حسن "مرآۃ احمدی، جلد دوئم میں لکھتے ہیں کہ سید بڈا ابن سید یعقوب کے بیٹے تھے۔ خلافت اپنے چچا سید شادی بن سید یعقوب بن سید محمود کبیر برادر سید حسین خنک سوار (خلیفہ حضرت سلطان الاولیاء والمشائخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ) سے حاصل کی تھی۔ جب حضرت خوندمیر ابھی دودھ پیتے بچے تھے تو ان کی والدہ بی بی جیو وضو کرتیں، دوگانہ ادا کرتیں اور بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اٹھاکر کہتیں۔ یاالٰہی اگر یہ بچہ تیرے پسندیدہ لوگوں میں سے ہے تو اسے زندہ رکھیو ورنہ اسے موت دے دیجیو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خوندمیر کو وہ درجہ عطاء کیا کہ خود بی بی خوند جیو ان کی مرید ہوئیں۔ بڑی ہی صالحہ، عابدہ، شب بیدار اور نیک خاتون تھیں۔ کئی تذکرہ نگاروں نے ان کا اور ان کے اوصاف کا ذکر کیا ہے۔ عبدالجبار ملکاپوری نے "محبوب ذی المنن تذکرہ اولیائے دکن" میں ان کے حال میں لکھا ہے کہ رابعہ ثانیہ تھیں۔ بی بی پورہ واقع احمدآباد میں مدفون ہیں۔ میر علی شیر قانع نے "تحفۃ الکرام" میں بھی انکے اوصاف کا ذکر کیا ہے۔ [1]

شیخ خوندمیر

(م ۱۰ ربیع الثانی ۸۷۴ھ/۱۶/اکتوبر ۱۴۶۹ء)

شیخ فقیہ خوند بن سید بڈھا بن یعقوب بن محمود حسینی۔ آپ کا مولد منشاء گجرات ہے۔ اپنے چچا شادی بن یعقوب سے پڑھا اور انہی سے طریقت میں سرفراز ہوکر

---

[1] تاریخ ادبیات ج ۲ ص ۲۴۲۔

پٹن سے احمد آباد تشریف لائے۔ یہاں شیخ عبداللہ بن محمود حسینی سے اکتساب کیا۔
آپ نہایت بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ آپ سے ہزاروں افراد نے کسب فیض کیا۔ آپ کے کشوف کرامات مشہور ہیں۔ آپ نے ۱۰ ربیع الثانی ۸۷۴ھ/۱۶ اکتوبر ۱۴۶۹ء میں رحلت فرمائی۔ [1]

خاتمہ مرآت احمدی میں آپ کا ذکر تفصیل سے ہے لکھا ہے کہ!

سادات عریضی میں سید خوندمیر ہیں۔ سید خوندمیر بن سید بڈھا بن سید یعقوب۔ آپ نے بیعت کا تعلق اپنے چچا سے استوار کیا تھا اور انہی سے خلافت پائی تھی، جن کا اسم گرامی سید شادی بن سید یعقوب بن سید محمود بن سید کبیر۔ جو سید حسین خنک سوار کے بھائی ہیں۔ اور یہ سید حسین خنک سوار حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رح کے خلیفہ تھے۔ ولایت عجم سے آکر پٹن میں مقیم ہوئے اور وہیں مدفون ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ جب سید خوندمیر ایام ———— رضاعت میں دودھ کے خواستگار ہوتے تو آپ کی والدہ ماجدہ بی بی جیو تازہ وضو فرماتیں اور دوگانہ نماز ادا فرماتیں اور حق تعالیٰ شانہ، سے دعا کرتیں کہ الٰہی اگر یہ بچہ تیری بارگاہ میں مقربین میں سے ہونے والا ہے تو اس کی حفاظت فرما ورنہ اس کا خاک ہو جانا بہتر ہے۔ اس دعا کے بعد وہ آپ کو دودھ پلاتیں۔ ڈھائی سال کی عمر کے بعد والدہ ماجدہ نے آپ کی تربیت فرمائی۔ اور آپ کے چچا والدہ کی اس پرورش کرنے میں انکی مدد فرماتے تھے۔ آپ کے چچا نے آپ کے ظاہر و باطن کی اچھی طرح تربیت فرما کر بارہ سال ہی کی عمر میں اپنا قائم مقام بنا دیا تھا۔ اور اس کے بعد وہ رحلت فرما گئے تھے: ———— آپ چچا کی رحلت کے

---

[1] نزہۃ الخواطر ۴ ج صفحہ ۳ ۔

بعد مخدوم سید حسین کی بشارت پر اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ پٹن سے منتقل ہو کر احمد آباد میں سکونت پذیر ہو گئے۔ یہاں آکر نکاح کیا اور حضرت سید برہان الدین قطب عالم کی خدمت میں رہکر فیضیاب ہونے لگے۔ نیز شیخ عبدالفتاح سے بھی تلقین حاصل کرتے رہے۔ اور ان سے بھی فیوض پاتے رہے۔ سید عبدالفتاح جو سید علاؤالدین کے خلیفہ تھے اور وہ سید محمود گیسو دراز کے خلیفہ تھے۔ سید خوندمیر کہا کرتے تھے کہ جو نعمت میں حاصل کرتا ہوں اس کو تین حصوں میں منقسم کرتا ہوں ایک اپنے لئے اور ایک اپنے فرزندوں کے لئے اور ایک بندگانِ خدا کے لئے۔ اگر وہ نیک صلحا میں سے ہوں تو میں ان پر ایثار کرتا ہوں کہتے ہیں کہ ملک شعبان جو سلطان احمد کے وزیر تھے یہ آپ کے یعنی سید خوندمیر کے بڑے معتقد تھے مگر وہ امور سلطنت میں انتظام، امور سلطنت کی نگرانی اور انتظامات کی ذمہ داری کی بنا پر حاضر خدمت نہیں ہو سکتے تھے اس لئے اپنے صاحبزادے ملک خوش باش کو آپ کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے کہ وہ روزانہ آپ کی خدمت میں جائے اور دعا کے لئے درخواست کرے۔ ایک روز بی بی جی جو سید خوندمیر کی والدہ ماجدہ تھیں۔ انہوں نے سید سے فرمایا کہ ملک شعبان سے قبرستان کی زمین مانگو۔ سید خوندمیر نے وزیر کے صاحبزادے ملک خوش باش سے فرمایا اور انہوں نے ملک شعبان وزیر تک پیغام پہنچایا۔ ملک شعبان نے بارہ گاؤں کا پروانہ ان کے نام لکھدیا مگر قبول نہیں کیا، اس وقت ملک خوش باش نے عرض کیا کہ میں نے خود اپنے لئے ایک قبرستان کی جگہ لی ہوئی ہے اگر آپ چاہیں تو قبول فرمالیں۔ بی بی جی بہل کے اوپر سوار ہو کر وہاں گئیں اور اس جگہ کو ملاحظہ فرما کر کہنے لگی کہ: ایں جائے ما است، کہ یہ ہماری جگہ ہے۔ اس کے

بعد جب پہلے ملک خوش باش کا انتقال ہوا تو ان کو اسی جگہ دفن کیا گیا اور سید خوندمیر کا انتقال ۴ ۷ ۸ ھ ۴ ربیع الثانی کو ہوا ۔ اور بی بی پور میں اپنے والدہ ماجدہ کے مقبرہ میں آپ کو دفن کیا گیا ۔ بی بی جی خود اپنے صاحبزادے سید خوندمیر سے بیعت تھیں آپ کے والد ماجد بڑے صاحبِ تقویٰ تھے ۔ ان کی والدہ ماجدہ مغلی جو مولانا ضیاء کی صاحبزادی تھیں بڑی ورع وتقوی والی اور عفیف پاکدامن خاتون تھیں بزرگوں سے فیض پایا تھا ۔ جب ان کے شوہر کا انتقال ہوگیا ۔ اس وقت بیٹے کی عمر ڈھائی سال تھی ان کی پرورش اور تربیت کی جب کمال کو پہنچے تو ان کی مرید ہوئیں ۔ ایک روز اپنے صاحبزادے کو ایک اشرفی دی کہ بازار سے کپڑا خرید کرلے آو ۔ اتفاق سے راستہ میں ان کے ہاتھ سے اشرفی گر گئی ۔ جب زمین پر گری تو دیکھا کہ وہاں پہلے سے ایک اشرفی پڑی ہوئی تھی تو سو اشرفیاں ہیں دونوں کو زمین پر چھوڑ کر گھر واپس پہنچے پوچھا کیوں نہیں لائے عرض کیا کہ اشرفی میرے ہاتھ سے گر گئی تھی جب میں نے دیکھا تو ایک کے بجائے دو تھیں میرے دل میں خوف آیا کہ مبادا کسی دوسرے کا حق ہو جو میرے ہاتھ میں آجائے اس لئے میں نے دونوں ہی کو وہاں چھوڑ دیا معلوم نہیں تھا کہ میری کون سی ہے اور پہلے سے گری ہوئی کونسی ہے ۔ ۴ ر جمادی الثانیہ کو انہوں نے وفات پائی[۱]

آپ قاسم بن قطلوبغا ، اور صاحبُ النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرۃ ، ابن تغری البردی کے ہم عصر ہیں ۔

---

۱ خاتمہ مرآت احمدی ص ____

سیّد یعقوب چشتی

سیّد یعقوب چشتی سید خوندمیر کے صاحبزادے ہیں۔ اور اپنے والد محترم سے بیعت تھے، بچپن میں بڑے صبیح و ملیح نہایت خوبصورت تھے۔ ملک محمد اختیار کو خیال گذرا کہ اتنے خوبصورت لڑکے ہیں کہ ایک ہی نظر میں وہ ہمیشہ کیلئے منظور بن جاتا ہے سیّد خوندمیر نے کشفِ باطن سے ملک محمد اختیار کا حال معلوم کر لیا تو بچے کو پاکیزہ لباس پہنا کر ملک کے سپرد کر دیا کہ اس کو میں آپ کی فرزندی میں دیتا ہوں، ملک محمد اختیار اپنی صحبت میں ان کو رکھنے لگے علم ظاہری و باطنی سے انکو آراستہ کیا اور نہایت ہی شفقت کی وجہ سے خوند سعید لقب دیا کرتے تھے۔ ایک روز سیّد خوندمیر نے ملک محمد اختیار سے درخواست کی کہ اپنے سر کی کلاہِ مبارک سید یعقوب کو عنایت کیجئے۔ سید یعقوب نے انکار کرتے ہوئے عرض کیا کہ یہ عنایت میرے بھائی ملک مسکین پر ہو جائے جو ملک محمد اختیار کے صاحبزادے تھے۔ اپنے گھر جب پہنچے تو سیّد خوندمیر نے سید یعقوب کو ڈانٹا کہ میں نے تمہیں ایک کام کے واسطے سپرد کیا ہوا تھا آج وہ میسر آرہا تھا اور تم نے انکار کر دیا۔ کچھ نقدی سیّد یعقوب کو دی اور فرمایا کہ اس کا میوہ خرید کر حضرت ملک کی خدمت میں لے جاؤ اور عرض کرو کہ مجھے بہت تمنا اور آرزو ہے کہ وہ کلاہِ مبارک عنایت ہو جائے۔ جب حضرت ملک کی خدمت میں پہنچے اور آرزو ظاہر کی تو تو فرمانے لگے کہ یہ خوند سعید کی طرف سے نہیں ہے بلکہ یہ بڑے خوندکار کی طرف سے درخواست ہے اور اپنے سامنے بلوا کر نعمت ایثار فرمائی اور کلاہِ مبارک اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر رکھی اور فرمایا کہ اگر کام سونپنا اور نعمتوں کا عنایت کرنا میرے ہاتھ میں ہوتا تو اپنے فرزند کو دیتا مگر ہم تو

امانتدار ہیں، حق تعالیٰ شانہ، کا خزانہ ہمارے ہاتھ میں امانت ہوتا ہے جہاں حکم ہوتا ہے وہاں دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ آپ کے متعلق حکم ہوا ہے کہ تم فرزند سے بھی زیادہ عزیز ہو۔ اس وقت سید یعقوب نے اپنے بھائی ملک مسکین کے لئے پھر سفارش کی تو فرمایا کہ تم اپنی طرف سے دے دو۔ اس پر سید یعقوب نے وہ کلاہ مبارک ملک مسکین کو دے دیا۔ ان کے ملفوظات میں ملتا ہے کہ شاہ عالم و سید یعقوب کے درمیان بڑا زبردست اتّحاد تھا۔ ستر دفعہ اس طرح کی صحبتیں رہی ہونگی کہ از راہ محبت ایک دوسرے کے کپڑے ادل بدل لیتے تھے اور یہ کہکر پہنتے تھے .... کہ یہ پیراہن خلافت میں پہن رہا ہوں سلاطین و امراء صلحاء و مشائخ، اہلِ سلوک ہر طبقہ کے لوگ آپ کی خدمت میں آتے ہر ایک اپنا مدعیٰ عرض کرتے اور فیضیاب ہوتے اور معمولات کی اس قدر پابندی فرمایا کرتے تھے گویا معلوم ہوتا تھا کہ اَوراد کا فوت ہو جانا اس درویش کے نزدیک موت سے بھی بدتر ہے۔ فرماتے کہ: الفوت اشد من الموت ۹۲۷ھ ۲ ذی قعدہ آپنے انتقال فرمایا۔ [1] آپؒ قاسم بن قطلو بغا رح کے ہم عصر ہیں۔

شیخ محمود بن عبداللہ بخاری

از ۲۳ رمضان المبارک سنہ ۸۰۹ھ تا ۱ ذیقعدہ سنہ ۸۸۰ھ

۲ مارچ ۱۴۰۷ء - فروری / مارچ ۱۴۷۶ء

شیخ محمود بن عبداللہ بن محمود بن الحسین حسینی بخاری۔ آپ کا لقب ناصر الدین اور کنیت ابو الحسن تھی۔ گجرات کے مشہور مشائخ میں سے تھے، مولد و مدفن قریہ بٹوہ احمد آباد ہے سلطان خاتون بنت خداوند خاں انکی والدہ تھیں۔ اپنے والد سے برسوں پڑھتے

[1] خاتمہ مرات احمدی ص ۲۲۔

رہے اور ان کی رحلت کے بعد مسندِ مشیخت پر متمکن ہوئے ۔ بہت سے لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا ۔ لہ بحوالہ مرآۃ احمدی

شاہ جلال الدین

(م ۸۸۱ھ - ۱۴۷۶ء)

آپ حضرت شیخ پیارا کے خلیفہ اعظم تھے ۔ بڑے صاحبِ تصرف اور کامل شیخ طریقت تھے ۔ آپ کا وطن گجرات تھا ، مگر بنگال میں زندگی بسر کی ، اخبار الاخیار اور معارج الولایت میں لکھا ہے کہ آپ اپنی خانقاہ میں ایک شاہانہ تخت پر بادشاہوں کی طرح بیٹھتے تھے اور اپنے مریدوں اور خادموں کے نام بادشاہوں کی طرح فرمان جاری کیا کرتے تھے ۔ آخر ایک بدباطن شخص نے بادشاہِ وقت کے کان بھرے کہ شاہ جلال الدین آپکی سلطنت کے اندر ایک متبادل سلطنت چلا رہے ہیں یہ سلسلہ قائم رہا تو ایکدن آپکو اپنی سلطنت سے ہاتھ دھونا پڑے گا ۔ بادشاہ اس کی باتوں میں آگیا ۔ اور فوج کو حکم دیا کہ شاہ جلال الدین اور ان کے مریدوں کو قتل کر دیا جائے ۔ چنانچہ فوج نے بڑھ کر خانقاہ پر حملہ کرکے آپ کو مریدوں سمیت قتل کر دیا ۔ فوج خانقاہ میں آپ کے مریدوں کو تہہ تیغ کر رہی تھی ۔ تو شاہ جلال الدین یا قہار یا قہار کا نعرہ لگا رہے تھے ۔ مگر جب آپ پر تلوار چلائی گئی تو آپ نے تین بار یا رحمٰن یا رحمٰن یا رحمٰن کا نعرہ مارا آپ کا سر تن سے جدا ہو کر گر پڑا آپ کے سر سے اللہ اللہ ، اللہ کی آواز آ رہی تھی ۔ : آپ قاسم بن قطلوبغا کے ہم عصر ہیں ،

آپ کی شہادت کا یہ واقعہ ۸۸۱ھ/۱۴۷۶ء میں ہوا ۔

لہ نزھۃ الخواطر ص ۱۹۵ ۔

رفت چوں از جہاں بخلد بریں
شیخ والا جلال عالی جاہ

گفت سرور بسال رحلتِ او
والی حق جلال شہنشاہ [1]

شیخ احمد بن برہان الدین آخر الاولیاء

(متوفی ۲۲/ربیع الثانی ۸۸۲ھ/۱۲/اگست ۱۴۷۷ء)

شیخ عالم صالح احمد بن برہان بن ابو محمد ابن ابراہیم بن محمد الغوری شاہان غوریہ گجراتیہ کی نسل سے تھے۔ مولد ومنشا گجرات ہے۔ شیخ صدر جہان گجراتی سے پڑھا اور طریقت میں شیخ محمد بن عبداللہ حسینی البخاری سے فیضیاب ہوئے حتی کہ مرتبۂ کمال تک پہنچے اور ان سے بہت سے لوگوں نے اکتساب کیا۔

اپنے شیخ کی وفات کے بعد ۲۲ ربیع الثانی ۸۸۲ھ ۲ اگست ۱۴۷۷ء میں وفات پائی اور تاج پور ملحقہ احمد آباد میں آسودۂ لحد ہوئے انکی عمر ۶۴ سال تھی بعض حضرات نے ان کی تاریخ وفات آخر الاولیاء لکھی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ [2]

:آپ قاسم بن قطلوبغا کے معاصر ہیں،

---

[1] خزینۃ الاصفیاء ص ج ۲/۳، اخبار الاخیار ص ۲۷۳ [2] نزھۃ الخواطر اردو ج ۷، نزھۃ الخواطر عربی ج ۳/۵ ص، مراۃ احمدی۔

مخدوم العالم محمد بن اسمٰعیل بن ابوالقاسم بن ابوجعفر بن ابویوسف یعقوب نہروالی

(م ۱۳ ر جمادی الاولیٰ ۸۸۲ھ مطابق ۲۲ ر اگست ۱۴۷۷ء)

آپ علماء صلحاء اور محدثین کے خانوادۂ عظمیٰ کے فرد فرید تھے ۔ شریعت محمدیہ وسنتِ نبویہ کے شیدائی ، صائم الدھر قائم اللیل بزرگ تھے ۔

پٹن کے مایۂ ناز تعمیرات جلیلہ میں سے ظفر خاں معروف بہ سلطان مظفر اول کا تعمیر کردہ گنبد آپ ہی کی اجازت ومشورہ سے تعمیر کیا گیا تھا ۔ جبکہ آپ کی زبانی سلطان مظفر کو معلوم ہوا کہ یہ مسجد الف خاں سنجر کی تعمیر کردہ ہے اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے اس میں دس نمازیں ادا فرمائی ہیں چنانچہ سلطان مظفر نے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے مصلیٰ پر دس روز کا اعتکاف فرمایا اور مسجد کے سامنے آپ کی اجازت سے ایک گنبد تعمیر کروایا ۔ گنبد کا حسن وجمال اور اس کی وسعت ان اشعار سے معلوم کی جاسکتی ہے ۔ [۱]

بحکم سیّد الاقطاب مخدوم	زہندوستان بپٹن شاہ مظفر
بشارت یافت از مخدوم عالم	نشستہ معتکف در زیر منبر
بامر شاید سلطان اعظم	بماندہ پیش او مخدوم اکبر
بحکم شاہ ستونہا رامسجد	شمردہ مردماں از راہ اظہر
ستونہا پنج ہزار و پنجصد و پنج	درآں مسجد نہادہ شد بزیور
چوں درآمد مظفر دید مسجد	بہ صحنش کرد گنبد یک مقرر
بگوتاریخ سال گنبد او	بدہ ہفت صد نود و پنج برسر سال

۱۔ اکابرین گجرات ۵۸ھ تذکرہ دوام ، دستور الخلافۃ ، مراقب الطالبین

حق تعالیٰ نے آپ کو ۱۱۵ برس کی عمر طویل ــــــــ عطا فرمائی اور تیرہ جمادی الاولیٰ کی شب میں ۸۸۲ھ؁ میں آپ نے رحلت فرمائی۔ : آپ قاسم بن قطلوبغاؒ کے معاصر ہیں :

مخدوم بن برہان الدّین

(م ۸۹۰ھ/۱۴۸۵ء)

مخدوم بن برہان الدّین ہندی ۔ آپ نے شیخ راجح بن داؤد کے علاوہ دیگر علما ر نے بھی تعلیم حاصل کی ۔ تقریباً چالیس سال کی عمر میں ۸۹۰ھ؁ ۱۴۸۵ء میں انتقال ہوا ۔ جہاں آپ درس دیتے تھے وہی آپ کی رہائش گاہ تھی اور بعد میں اسی جگہ دفن ہوئے ۔ [۱]

: آپ ابوبکر العامری : صاحب بہجۃ المحافل : کے ہم عصر ہیں :

سیّد غوث الدّین بغدادی قادری

(م ۲۲ صفر ۸۹۵ھ مطابق ۱۳ جنوری ۱۴۹۰ء)

پیرانِ پیر سیّد عبدالقادر جیلانی رح سے آپ کو قرابت حاصل تھی اور بغداد کے مرجع خواص وعوام مشائخ میں سے تھے ۔

خواب میں سیّد الکونین فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ احمدآباد جا کر دعوتِ دینِ اسلام کی تبلیغ کا کام انجام دیں ۔

دوسری طرف یہی حکم نبوی میزبانوں کو بھی بلا واسطہ خواب میں دیا گیا چنانچہ جب آپ پہنچے تو دیکھا کہ آپ کے لئے قیام کے تمام انتظامات کے بعد انتظار ہو رہا ہے آپ نے تشریف آوری کے بعد ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی جس سے تھوڑی ہی مدت میں

---

[۱] الضوء اللامع ۔

بہت فیض عام ہوا۔

آپ نے رشتہ ازدواج شاہ علم الدین چشتی کی صاحبزادی سے قائم کیا۔ چند ہی سال قیام کے بعد حرمین اور وطن کی کشش آپ کو واپس دیار عرب لے گئی اور حج زیارت اور اقربار سے ملکر دوبارہ اکتالیس سال کی عمر میں جب آپ دوبارہ گجرات پہنچے اس وقت ——— سینکڑوں کی تعداد آپ کے خلفار و مریدین کی ساتھ تھی۔ بعضوں نے اسی قافلہ کی تعداد بارہ سو بتائی ہے۔

اثنار سفر میں جب یہ قافلہ کچھ میں اترا ہے تو وہاں کا ہندو راجہ اجنبیوں کی اتنی بڑی جمعیت دیکھ کر حملہ کے لئے تیار ہو گیا۔ آپ کی کرامت کہ دشمن کی فوج کی سواریاں چلنے سے معذور ہو گئیں اور فوج کے سپاہی آنکھوں سے محروم ہو گئے اللہ نے راجہ کو ہدایت دی اس نے مع اپنی رعایا کے اسلام قبول کیا اور نومسلم راجہ نے اپنی دختر نیک اختر کو آپ کے نکاح میں پیش کیا جن سے آپ کے صاحبزادے شیخ ابوسعید، عبدالجبار متولد ہوئے جو بڑے ہو کر صاحب سلسلہ شیوخ میں سے ہوئے۔

اقوام و افراد کی ہدایت کے نبوی بارگاہ سے سپرد فرمودہ فریضے کو انجام دینے کے بعد ۲۲ر صفر ۸۹۵ھ (۱۴ر جنوری ۱۴۹۰ء) کو آپ نے رحلت فرمائی اور احمد آباد میں مدفون ہوئے۔ [۱]

؎ آپ علامہ سخاوی کے ہم عصر ہیں۔

---

[۱] اکابرین گجرات

حضرت شیخ محمود راجن بن علیم الدین عمری

(متوفی ۲۲ صفر سنہ ۹۰۰ھ ۲۰ نومبر سنہ ۱۴۹۴ء)

آپ کا نام محمود اور لقب راجن ہے۔ آپ اپنے والدِ ماجد شیخ علم الدین رح کے مرید و خلیفہ ہیں۔ آپ نے خاندانِ سہروردیہ اور شطاریہ کا خرقہ شیخ قاذن رح کے ہاتھوں پہنا، ایک خرقہِ خلافت چشتیہ سلسلہ کا شیخ ابوالفتح رح سے بھی حاصل کیا، جو حضرت خواجہ سیّد محمد گیسو دراز رح کے مرید و خلیفہ تھے۔ اور ایک خرقہِ خلافت چشتیہ سلسلہ کا شیخ عزیز اللہ المتوکل علیٰ اللہ رح بن شیخ یحییٰ بن شیخ لطیف الدین سے بھی پہنا جو حضرت سلطان المشائخ محبوبِ الٰہی کے خلیفہ تھے۔ شیخ عزیز اللہ، شیخ زاھد چشتی کے مرید و خلیفہ تھے۔ اور ایک خرقہٴ خلافت انہوں نے اپنے پیر بھائی شیخ رکن الدین کان شکر سے بھی پہنا تھا۔ حضرت شیخ محمود راجن کو خاندانِ سلسلہٴ مغربیہ کی خلافت بھی حضرت شیخ احمد کھٹو سے پہنچی تھی۔

وصال:۔ حضرت شیخ محمود راجن کا وصال ۲۲ صفر ۹۰۰ھ مطابق ۲۰ نومبر ۱۴۹۴ء بروز جمعۃ المبارک صبحِ صادق کے وقت ہوا۔

مزارِ مبارک:۔ آپ کو پہلے احمدآباد گجرات میں دفن کیا گیا تھا۔ مگر پانچ ماہ بعد آپ کے بیٹے شیخ جمال الدین چشتی جمن نے آپ کے جسدِ مبارک کو وہاں سے نکالا اور پیرانِ پٹن نہروالہ محلہ مبارک پورہ میں دفن کیا جیسا کہ مخزالاولیا میں لکھا ہے۔

خلفاء:۔ آپ کے خلفا بہت تھے مگر سلسلہٴ چشتیہ آپ کے بیٹے شیخ جمال الدین جمن سے جاری ہوا۔ مؤلف مناقب نے آپ کے سلسلہٴ چشتیہ کے تمام سلاسل

اور سلاسلِ سہروردیہ، شطاریہ، مغربیہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ [۱]

• آپؒ علامہ سخاویؒ کے ہم عصر ہیں۔

شیخ محمدؒ فلاوہ قدس سرہٗ

م سنہ ۹۰۰ھ / سنہ ۱۴۹۴ء

صاحب اخبار الاخیار اور مولانا جمالی نے سیر العارفین میں محمد ملاوہ لکھا ہے، جبکہ صاحب خزینۃ الاصفیاء نے فلاوہ لکھا ہے۔ آپ ابتدائے کار میں حضرت شیخ احمد بدایونی کے حلقہ مرید تھے ریاضت و مجاہدہ میں ایک مدت و طویل وقت صرف کیا۔ پھر حضرت جلال گجراتی کی صحبت میں آئے اور عشق کے معاملات کو درست کرکے اعلیٰ مقامات پر پہنچے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت شیخ محمد مجلسِ سماع میں تشریف فرما تھے۔ قوالوں نے ایک ایسی غزل چھیڑ دی جس میں بُعد و فراق کے احوال و کیفیت کی ترجمانی تھی۔ شیخ کو اس قدر رقت اور وجد طاری ہوا کہ روح جلنے لگی۔ ایک واقف حال نے قوالوں کو کہا کہ اب ایسی غزل چھیڑو جس میں قرب و وصال کی کیفیت بیان کی گئی ہو۔ قوالوں نے اشعارِ وصل شروع کیے تو شیخ کے دل کی کیفیت خوشگوار ہوگئی اور چہرے پر رونق آگئی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ ازسرِنو زندگی آگئی ہے۔ اور شیخ میں تازہ روح کام کرنے لگی ہے۔

ایک بار آپ کے گھر آگ لگ گئی۔ غلّہ دان میں جس قدر آئندہ فصل کے لئے بیج رکھا تھا تمام کا تمام جل گیا۔ فصل کا موسم آیا تو آپ کو بتایا گیا کہ سارا بیج تو عرصہ ہوا جل گیا تھا فرمانے لگے: ہم تو خود سوختہ جاں ہیں، ہمارے پاس جلے ہوئے بیجوں کے سوا اور کیا

---

[۱] نزہۃ الخواطر ص ۳۵۳، مناقب المحبوبین ص ۵۔

ہو گا، پھر بارگاہِ الہٰی میں ہاتھ اٹھا کر کہنے لگے، اے اللہ! ہر بار تو اپنے کرم اور مرضی سے میرے کام سنوارتا ہے اب میری التجا پر فضل فرما۔ میرے پاس غلّہ دان میں وہی بیج ہے جو جل گیا تھا اب میرے پاس تو کچھ بھی نہیں تیرا فضل ہی ہونا چاہیے۔ اب میں تو جلا ہوا بیج ہی اپنے کھیت میں ڈالوں گا۔ اور کیا کر سکتا ہوں، کہتے ہیں کہ جلے ہوئے بیج سے اتنی فصل ہوئی کہ ایک ایک بوٹے کے ساتھ سات سات خوشے نکلے اور ایک ایک خوشے میں بھرے ہوئے دانے لوگوں نے دیکھے تو حیران رہ گئے۔ یہ بات بادشاہ وقت سکندر لودھی کے سامنے بیان کی گئی تو بادشاہ نے دو نفل ادا کر کے اللہ کا شکر ادا کیا کہ میرے عہد حکومت میں ایسے ایسے صاحبِ کرامت لوگ بھی موجود ہیں جن کی دعا سے جلے ہوئے بیج سے بھرپور فصل پیدا ہوتی ہے۔

ایک مجلسِ سماع میں آپ پر وجد طاری تھا اور آپ رقص کر رہے تھے۔ اس علاقہ کا ایک امیر اور رئیس ہندو وہاں سے گذرا۔ مجلسِ سماع کے پاس کھڑا ہو کر سننے لگا۔ چند لمحوں بعد اس پر رقّت طاری ہو گئی وہ چلّا کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا؛ مجھے یہاں سے لے چلو۔ ورنہ میں اپنے دین سے دست بردار ہو کر مسلمان ہو جاؤنگا اس کے ساتھیوں نے اسے اٹھایا اور دور لے گئے۔ کچھ وقت کے بعد وہ ہوش میں آیا تو کہنے لگا؛ یہ مسلمان اپنے خدا کو اٹھائے رقص کر رہے تھے۔ اگر چند لمحے اور ٹھہرتے تو میں مسلمان ہو چلا تھا۔ اور ان کے پاؤں میں گر کر ہندوئیت سے توبہ کرنے والا تھا؛۔

معارج الولائت نے آپ کا سنِ وفات ۹۰۰ھ لکھا ہے۔ آپ کا مزار ملاوہ مضافات قنوج میں ہے۔ ؎

چو از دنیا بفردوس بریں رفت محمد طارج معراج اسرار

وصال او زپیرِ محترم کبیر ۹۰۰ھ ۱۴۹۴ء وگر فرما محمد تاج ابرار ۹۰۰ھ ۱۴۹۴ء[1]

" آپ علامہ سخاوی کے ہمعصر ہیں "

شیخ رزق اللہ رح

(م ۲۰ ربیع الاوّل ۹۸۹ھ ۲۳ اپریل ۱۵۸۱ء)

آپ کا تخلص مشتاق تھا۔ آپ بھی شیخ محمد ملاوہ کے مریدوں میں سے تھے۔ اور شیخ آپ پر خصوصی عنایت فرمایا کرتے تھے۔ شیخ رزق اللہ مردِ کامل، فاضل فواد، روزگار اور یادگارِ سلف صالحین تھے۔ فضائل صوری اور معنوی میں جامع تھے اسی طرح مشربِ عشق ومحبت، سلامت عقل اور وسعت حوصلہ وصبر کے مالک تھے۔ دوامِ حضور اور مستقل مزاج ہونے میں یکتائے روزگار تھے۔ بانوے برس کی عمر تک پہنچ جانے کے باوجود آپ کے اندر عشق وذوق اسی طرح تازہ تھا جس طرح کہ جوانی کے عالم میں تھا۔ ع

من اگرچہ پیر شدم عشق جوان است ہنوز

آپ کی شان پر بڑا صادق آتا ہے۔ آپ سے جو کوئی ملاقات کرتا اس سے ایسے معارف آمیز اور محبت انگیز نکات بیان فرمایا کرتے تھے جنہیں اہل وجدا ور اہل ذوق سن کر تڑپ جایا کرتے تھے، قصے اور مشائخ کے احوال اور ہندوستان کے بادشاہوں کی تاریخ بڑی خوش اسلوبی اور روانی کے ساتھ بیان فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی مثل بہت کم اولیاء اللہ گذرے ہیں۔ آپ نہایت اطمینان اور بے نظیر انداز

---

[1] اخبار الاخیار ص ۳۰۳۔ خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴۔

سے گفتگو کیا کرتے تھے، محبت کی باتوں کو بڑے شوق سے کہتے اور سنتے تھے۔ اور اس وقت اکثر وبیشتر آبدیدہ ہوا کرتے تھے۔ آپ کثیر الاسفار تھے اور ان سفروں میں لوگوں کی صحبت حاصل کرکے بڑے تجربہ کار بن گئے۔ آپ ہمیشہ فقیروں، درویشوں اور مشائخ کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے، ہندی اور فارسی کے شاعر بھی تھے، مدتِ دراز تک ہندی زبان میں شعر کہتے رہے۔ آپ کی نظموں کا مجموعہ "پیمان وجوت نرنجن" نہایت مقبول ہے، ہندی زبان میں جب شعر کہتے تو اپنا تخلص راجن اور فارسی میں مشتاق رکھتے تھے ۸۹۷ھ/۱۴۹۱ء میں پیدا ہوئے اور ۲۰ ربیع الاول ۹۸۹ھ ۲۳ اپریل ۱۵۸۱ء میں عالم دنیا سے عالم پائیدار میں چلے گئے۔ مصنف اخبار الاخیار نے ان کی تاریخ وفات اس طرح کہی ہے

قطعہ

مخدومی عارف زماں مشتاقے | ولے گفت بوقت نقل مشتاق حقم
حقے جو بتاریخ وفاتش نگریست | نوک قلمش ہماں سخن کرد رقم

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ جمیع اسلافنا۔ [1]

شیخ سعد اللہؒ

(۸۵۱ھ/۱۴۴۷ء — ۹۱۷ھ/۱۵۱۱ء)

آپ شیخ محمد ملادہؒ کے مرید تھے۔ سلطان سکندرؒ کے دورِ حکومت میں جب شیخ ملادہ دہلی تشریف لائے تو آپ کی خدمت میں شیخ سعد اللہ ایک عرصہ دراز تک آتے جاتے اور خدمت کرتے رہے۔ شیخ سعد اللہ نے درد وعشق اور ثابت قدمی کے اپنے شیخ سے سبق سیکھے تھے۔ اور مصنف اخبار الاخیار کے آپ بڑے چچا تھے۔[2]

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۷۷ ص ۲۷۶ [2] ایضاً ص ۲۷۶ ص ۲۷۵۔

خواجہ حسین ناگوری

۸۹۰ھ/۱۴۹۵ء - ۷۹۲ھ/۱۳۹۰ء

آپ صوفی حمید الدین ناگوری کی اولاد میں سے تھے۔ بڑے ولی اللہ اور صاحب کرامات و صاحب مقامات عالیہ تھے۔ علم شریعت، طریقت، حقیقت کے جامع بزرگ تھے تمام ساکنانِ ناگور کے نزدیک آپ مسلم بزرگ تھے۔ ذوق میں کامل، عشق میں اکمل اور علم میں اتم، زہد و تقویٰ میں اعرف تھے۔ شیخ وحید کی اولاد میں سے اور شیخ کبیر کے مریدوں میں سے تھے۔ اپنے شیخ کی گجرات میں عرصہ دراز تک خدمت کرتے رہے۔ اللہ کے فضل و کرم اور ذاتی محنت کی بدولت ظاہری علوم سے فراغت حاصل کر لینے کے بعد اپنے وطن تشریف لائے اور عرصہ دراز تک خواجہ معین الدین رح کے مزار پر مجاور رہے اور خدا کی عبادت کرتے رہے۔

جس زمانے میں اجمیر غیر آباد تھا اور اس کے ارد گرد شیروں کی چراگاہیں تھیں اس وقت خواجہ معین الدین کے مزار کے قریب اقامت فرما رہے۔ پھر خواجہ صاحب ہی کے اشارے سے اجمیر کو چھوڑ کر ناگور چلے گئے اور علم دین کی تعلیم اور ارباب یقین کے طریقہ کی تلقین میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے ایک تفسیر بنام "نور الہٰی" (عربی ادبیات میں اس کا نام نور النبی ہے) لکھی ہے۔ جس میں ہر پارے کی علیحدہ علیحدہ تفسیر ہے۔ اور ہر ایک کی جدا جدا جلدیں ہیں۔ اس میں آپ نے حلِ تراکیب اور قرآن کریم کے وہی معنیٰ جو دوسرے مفسرین نے لکھے ہیں۔ بڑی وضاحت سے بیان کئے ہیں۔ مفتاح کی قسم ثالث پر بھی آپ نے ایک شرح[1] لکھی ہے۔ علاوہ

---

[1] تذکرہ صفحہ۔

ازیں اور بھی متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔

کہتے ہیں کہ سوانح شیخ احمد غزالی کی بھی شرح لکھی ہے۔ آپؒ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں فنا تھے۔ چنانچہ اپنا گھر، کنواں اور ایک باغ جو آپؒ کا اثاثہ تھا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر وقف کر دیا تھا۔

اتفاقاً غیب سے چار آدمی آئے جنہیں کوئی نہیں جانتا تھا اور یہ چاروں کوڑھی تھے اور یہ مرض اتنا سخت تھا کہ انگلیوں سے خون اور پیپ ٹپک رہا تھا۔ انہوں نے آپ سے کھانا طلب کیا۔ خواجہ صاحب نے جو کھانا اپنے لئے رکھا تھا وہ ان کے حوالہ کر دیا۔ انہوں نے وہ کھانا کھا کر تھوڑا سا اس برتن میں بچا دیا۔ اور خواجہ صاحب سے کہا کہ اسے تم کھا لینا۔ چنانچہ خواجہ صاحب نے وہ پس خوردہ سب کھا لیا۔ اس دن کے بعد خواجہ صاحب کے لئے خدا تعالیٰ نے ایک دوسرا دروازہ کھول دیا۔

منقول ہے کہ اہلِ ناگور کے رواج کے مطابق آپ کے پاس بھی ایک بیل گاڑی تھی جس پر سوار ہو کر خود ہی چلایا کرتے تھے اور خود ہی گاڑی کے بیلوں کی نگہداشت کیا کرتے تھے پھٹے پرانے کپڑے زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی اولاد میں سے شیخ عبدالقادر نامی ایک شخص جو فقیرانہ مسلک رکھتا تھا دہلی آیا۔ اس کے پاس آپکی اکثر بیشتر چیزیں تھیں ان چیزوں میں آپ کی پگڑی، کرتہ، پائجامہ بھی تھا۔ لیکن ان کپڑوں کی کیفیت یہ تھی کہ ان میں سے ایک دو کپڑے تو ایسے تھے کہ جنکی قیمت بمشکل ایک پیسہ فی گز ہو گی۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ سماع میں آپ پر ایک حالت طاری ہوئی آپ اسی حالت میں جنگل کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک خاکروب آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا، وہ اور کچھ غزل خواں بھی آپ کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ یہ نومسلم

ظاہراً و باطناً پاکیزہ اور صاف تھا، شہر ناگور کے باہر ایک بڑا حوض ہے۔ شیخ اس حوض پر حالتِ جذب میں اس طرح چلنے لگے جیسے کوئی زمین پر چلتا ہے یہ نومسلم بھی آپ کے پیچھے اس طرح چلتا رہا کہ کبھی گرتا اور کبھی اٹھتا اور پھر چلتا۔

منقول ہے کہ مندو کے بادشاہ سلطان غیاث الدین خلجی نے آپ کو بلایا مگر آپؒ اس کے پاس تشریف نہ لے گئے ایک دفعہ سلطان کے پاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک لایا گیا۔ لوگوں نے بادشاہ سے کہا اگر موئے مبارک کی اطلاع خواجہ حسین کو ہو جائے تو بے اختیار فوراً یہاں آجائے۔ چنانچہ بادشاہ نے آپ کو اطلاع کرادی تو آپؒ اسی وقت مندو کا قصد کرکے درود شریف پڑھتے ہوئے نہایت ذوق و شوق سے روانہ ہوئے۔ اور جب مندو کے نزدیک پہنچے تو بادشاہ اپنے شاہی اعزاز کے ساتھ آپ کے استقبال کے لئے آیا۔ جب اس نے دیکھا کہ ایک غبار آلود پھٹے پرانے کپڑوں والا اپنی گاڑی خود چلاتے ہوئے آرہا ہے تو وہ سمجھا کہ خواجہ حسین شاید کوئی اور ہونگے جب لوگوں نے بتلایا کہ خواجہ صاحب یہی ہیں تو اس نے خواجہ صاحب کا مزاج پوچھنا چاہا لیکن شیخ کو اس کے جواب کی فرصت کب تھی وہ تو بے خودی کے عالم میں موئے مبارک کے دیدار کے لئے آرہے تھے۔ کہتے ہیں کہ موئے مبارک کی زیارت کے بعد بادشاہ آپ کو اپنے والد بزرگوار کی قبر پر لے گئے اور اس کے لئے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے دعا کی اور کشف کے ذریعہ صاحب قبر کی جو حالت معلوم ہوئی وہ بتلادی اس کے بعد سلطان بادشاہ نے آپ کو بڑے قیمتی تحائف دینا چاہے مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔ کہتے ہیں کہ ان تحائف کو دیکھ کر خواجہ صاحب کے لڑکے کے دل میں کچھ رغبت پیدا ہوئی۔ شیخ کو کشف کے ذریعہ

اس کا علم ہوگیا تو فرمایا اے بیٹے! یہ سانپ ہیں اور سانپ کو کوئی شخص بھی رکھنا پسند نہیں کرتا۔

خواجہ صاحب کی مزار کی بالائی عمارت سلطان غیاث الدین خلجی نے بنوائی تھی البتہ آپ کے روضہ کا دروازہ مندو کے دوسرے بادشاہوں نے بنوایا تھا۔ شیخ حمید الدین صوفی ناگوری کے روضہ اور دروازہ کی عمارت اور مقبرہ اور ناگور کی چار دیواری سلطان محمد تغلق نے بنوائی تھی۔ [1] آپ کے مزید حالات آئین دوم ص ۲۲۲ اور تذکرہ ص ۴۹ میں مل سکتے ہیں۔

مؤلف تاریخ مظفر شاہی

(ولادت ۸۴۸ھ / ۲۶ مارچ ۱۴۴۵ء)

نہ تو خود مصنف نے کتاب میں اپنا نام بتایا ہے اور نہ کسی اور کتاب سے ان کے نام اور حالات کی تفصیل ملتی ہے۔ البتہ ۱۴۴۲ء - ۱۴۴۴ء/ ۸۴۷ھ - ۸۴۸ھ کے تحت مذکورہ واقعات سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ اس سال ۱۸ ذی الحجہ کو پیدا ہوئے تھے، جب انکے والد سلطان علاؤ الدین بن احمد بہمنی کی مہم قلعہ مدکل ورنگل میں شریک تھے۔

مؤلف نے دیباچے میں کتاب کا بھی نام نہیں دیا۔ تاہم انڈیا آفس لائبریری میں اس کا جو مخطوطہ موجود ہے اس پر "تاریخ مظفر شاہی" ہی لکھا ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ یہ "مظفریہ خاندان" کی تاریخ ہے جو محمود شاہ بیگڑہ کے عہد میں لکھی گئی، ۱۴۸۴ء/ ۸۸۹ھ تک یا اس کے لگ بھگ کے واقعات پر مشتمل ہے اور رنگین و مرصع نثر میں

---

[1] نزہۃ الخواطر ص ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶۔

لکھی گئی ہے۔ [1]

شیخ یوسف

ولادت ۸۴۹ھ / ۱۴۴۵ء

شیخ یوسف بن احمد بن محمد جمال ملتانی ۸۴۹ھ/۱۴۴۵ء میں بمقام احمد آباد آپ کی ولادت ہوئی شیخ نظام الدین غوث الملک سے معقولات میں شرح مواقف اور اللوامع پڑھی۔ دیگر اساتذہ سے نحو، صرف، منطق اور تاریخ کی تعلیم حاصل کی۔ تحصیل علوم سے فراغت کے بعد درس و تدریس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

علامہ سخاوی نے "الضوء اللامع" میں لکھا ہے کہ سلطان محمود نے آپ کو سلطنت کے حساب وکتاب کا ذمہ دار مقرر کیا تھا۔ [2]

شیخ قاسم بن داؤد

ولادت ۸۶۹ھ / ۱۴۶۴ء

شیخ قاسم بن داؤد بن محمد بن عیسیٰ بن احمد۔ آپ شیخ راجح بن داؤد کے بڑے بھائی ہیں ۸۶۹ھ/۱۴۶۴ء میں ولادت ہوئی۔

علامہ سخاوی نے "الضوء اللامع" میں تحریر فرمایا ہے کہ شیخ قاسم نے مکہ مکرمہ میں مجھ سے پڑھا ہے اور میری الفیہ کی شرح کی کتابت میں مدد کی ہے۔ [3]

---

[1] تاریخ ادبیات فارسی ج ۱ ص ۲۸۷ [2] الضوء اللامع۔ [3] ایضاً۔

قطب العالم سید برہان الدین ابو محمد عبد اللہ بخاری

ولادت ۱۴؍رجب ۷۹۰ھ وفات ۸۵۷ھ

سید برہان الدین ابو محمد عبد اللہ بخاری۔ جو قطب العالم بن سید ناصر الدین محمود بن سید الاقطاب مخدوم جہانیاں بخاری کے لقب سے مشہور رہیں۔ جن کا نسبی سلسلہ سید جعفر مثنیٰ جو حضرت امام حسن عسکری کے برادر ہیں وہاں پہنچ کر منتہی ہوتا ہے۔ آپ ۷۰۹ھ میں ۱۴؍رجب دوشنبہ کی رات کو صبح کے قریب پیدا ہوئے۔ دس سال کی عمر میں والد ماجد کا انتقال ہوگیا۔ اور شاہ راجو قتال جو والد محترم کے چچا تھے آپ کے کفیل بنے۔ اور انہوں نے آپ کی تربیت کی، اور دو سال میں آپ کو مرتبہ ہدایت تک پہنچا کر فرمایا کہ گجرات والوں کی رشد و ہدایت کا کام آپ کو سپرد کیا جاتا ہے اس لئے آپ وہاں تشریف لے جائیں

اس لئے آپ اپنی والدہ کے ساتھ (جن کا نام بی بی ہاجرہ اور لقب سعادت خاتون تھا) ۸۰۲ھ میں پٹن تشریف لائے۔ اس زمانے میں حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے صاحبزادے شیخ رکن الدین کان شکر پٹن میں مقیم تھے۔ جن کو پیران پٹن بھی کہا جاتا ہے۔

سید راجو قتال کے مشورہ سے آپ انکی خدمت میں رہے اور ظاہر و باطن کی اصلاح میں مشغول ہوئے۔ احمد آباد کے سلطان مظفر چونکہ سید الاقطاب مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے مرید تھے۔ اس لئے انہوں نے جب سنا تو انہوں نے صاحبزادے کا خاطر خواہ استقبال کیا پٹن میں اس وقت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کے نواسے شیخ رکن الدین کی خانقاہ تھی۔ ان سے باطنی ترقیات حاصل

کیں ۔ اور ظاہری علوم مولانا شیر علی سے حاصل کئے ، جنکا مدرسہ اس زمانہ میں پٹن میں مشہور تھا
جب سلطان احمد شاہ نے احمد آباد تعمیر کیا تو قطب العالم سے درخواست کی کہ آپ پٹن سے احمد آباد تشریف لاکر یہاں قیام فرمائیں ۔ پھر آپ وہاں سے منتقل ہوکر احمد آباد تشریف لے آئے ۔ قطب العالم کی احمد آباد آمد پر سلطان احمد شاہ نے قصیدہ لکھا اور خدمت میں حاضر ہوکر شعرار کی طرح خود کھڑے ہوکر انہوں نے وہ قصیدہ پڑھا جس کا یہ مطلع ہے ۔ ؎

قطبِ زمانہ ما برہان بس است مارا　　برہان او ہمیشہ چوں نامش آشکارا

قصیدہ سنانے کے بعد سلطان نے دعا کی درخواست کی ۔ تو آپ نے فرمایا کہ آپ کے خاندان کے لئے ہمارے جد امجد مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح نے دعا کی ہے ۔ سلطان نے عرض کیا کہ انہوں نے ہمارے جد امجد سلطان مظفر کی اولاد کے لئے دعا کی ہے ۔ اور ان کے لئے سلطنت کی دعا کی ہے ۔ آپ شہر کی آبادی اور قبولیت کے لئے دعا فرمائیں ۔ اس پر قطب عالم نے فرمایا کہ

احمدآباد ابدالآباد انشاءاللہ الرؤف باالعباد ۔ قطب عالم نے پرانے اساول میں سابرمتی کے کنارے سکونت اختیار کی اور وہاں پر ایک مسجد کی تعمیر کی احمدآباد کے قیام میں شیخ احمد کھٹو سے بھی روحانی تربیت پائی اور ان کی طرف سے خلافت ملی کچھ عرصہ کے بعد آپ موضع بٹوہ میں مقیم ہوگئے ۔ اور سلطان نے سرکاری طور پر رہائش وغیرہ کے تمام انتظامات کئے ۔ اور وہاں ۔۔ آپ مرجع خواص و عام بنے اور آپ کے کشف و کرامات بڑی مشہور ہوئیں جن میں سے "یہ کیا ہے لوہا ہے لکڑ ہے کہ پتھر ہے" کے کلمات کا کرشمہ اب تک مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالی ان کلمات کی برکت سے اسمیں لوہا ، لکڑی ، پتھر تینوں خاصیتیں بیک وقت ایک ہی چیز میں پیدا کردیں ۔ مگر اس کی شہرت پر حضرت نے خادم

کو حکم فرمایا کہ اس کو ایک کونے میں دفن کردو ۔ اور آپ نے دھمکی بھی دی کہ جو اس کو نکالے گا وہ منقطوع النسل ہوگا ۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک معتقد نے کہا مجھے بےنسل ہونا منظور رہے لیکن میں اس کو نکالوں گا ۔ اس کے بعد وہ تبرک نکالا گیا اور وہ زیارت گاہ خواص و عوام بنا ۔

اس کا ایک حصہ کاٹ کر اکبر دہلی لے گئے اور اس کا ایک حصہ احمدآباد میں باقی رہا ۔

وفات:- قطب العالم رح ۸ ذی الحجہ، ۸۵۷ھ کو یا حی یا قیوم کہتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو گئے اس وقت آپکی عمر مبارک ۶۸ سال، چار مہینے اور چوبیس روز تھی ۔ تاریخ وفات : مطلع یوم الترویہ ، سے نکلتی ہے اور احمدآباد کے موضع بٹوہ میں آپ کو دفن کیا گیا ۔

قطب العالم کے بارہ [۱۲] صاحبزادے اور سترہ صاحبزادیاں تھیں ۔ [۱]

سید شرف الدین مشہدی سے ملاقات

سید شرف الدین مشہدی (جو بھروچ میں رہتے تھے) جب آپ کے پٹن میں قیام کا علم ہوا تو وہ آپ سے ملنے کے لئے پٹن روانہ ہوئے راستہ میں احمدآباد رکے پھر سرکھیج شیخ احمد کھٹو کی خدمت میں پہنچے اور پھر پٹن پہونچے قطب عالم سے ملاقات کی ۔

---

[۱] خاتمہ مراۃ احمدی صـ ۲۶ ۔

سید گیسو دراز سے ملاقات آپ کی عمر تقریباً چودہ سال تھی کہ سید گیسو دراز دکن سے گجرات تشریف لے گئے۔ اور پھر جب قطب عالم سے ملاقات کی اور آپ کے اندر قطبیت کے آثار دیکھے تو بڑے خوش ہوئے اور فرمایا کہ : میرے بزرگوں سے جو فیض مجھے ملا ہے وہ میں آپ کو بطور تحفہ دینا چاہتا ہوں ،

نکاح :۔ حضرت قطب عالم کا پہلا نکاح بادشاہ وقت کی صاحبزادی سے ہوا پھر دوسری بار بادشاہ کے وزیر امین الدین خداوند خاں کی صاحبزادی سے ہوا ان دو کے علاوہ ایک اور خاتون سے بھی آپ کا نکاح ہوا ہے ۔ آپ کی کئی اولاد ہوئیں جن میں یہ چند حضرات مشہور رہیں ۔ (۱) شاہ عالم (۲) شیخ محمود دریا نوش (۳) حضرت شاہ زاہد (۴) حضرت شاہ محمد امین (۵) حضرت سید احمد شاہ پیر

سلاطین سے تعلقات سلطان مظفر شاہ آپ کے دادا حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت کے مرید تھے ۔ قطب عالم جب گجرات میں رونق افروز ہوئے اور پٹن میں قیام فرمایا تو مظفر شاہ حضرت کو خراج عقیدت پیش کرنے حاضر خدمت ہوئے اور آخر تک حضرت کے عقیدت مند رہے ۔ اسی طرح سلطان احمد شاہ بھی بہت معتقد رہے ۔

پھر احمد شاہ کے بعد سلطان قطب الدین تخت نشین ہوئے تو وہ بھی حضرت کے مرید ہو گئے ۔

اوصاف و کمالات :۔ آپ نہایت زاہد عن الدنیا تھے ۔ توکل و قناعت کی دولت سے مالا مال تھے ۔ اکثر ریاضت و مجاہدات میں وقت گذارتے جود و سخاوت میں مشہور تھے ۔ شریعت و حقیقت و طریقت میں کامل تھے ۔

آپ کی عمر نو ۹ سال تھی کہ ایک دن خیال آیا کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری میں ہوتا تو قدم بوسی کا شرف حاصل ہوتا۔ اسی رات کو سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ [۱]

کرامات:۔ آپ کی کرامات بے شمار ہیں کہتے ہیں کہ ایک دن علی الصباح گھر سے مسجد تشریف لے جا رہے تھے۔ اچانک آپ کے پیر میں کوئی چیز لگی۔ بے ساختہ آپ کی زبان سے نکلا کہ یہ پتھر ہے یا لوہا ہے یا لکڑ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تینوں صفتیں اس میں پیدا کر دیں۔ کبھی پتھر نظر آتا ہے کبھی لوہا اور کبھی لکڑی۔ [۲]

مرأت احمدی کی عبارت ہے: قضارا پائے ایشاں بہ آنچوب خورد افتاد چنانچہ مجروح گشت وخون آلود گردید بر زبان مبارک گذشت، کیا ہے لوہا ہے لکڑی ہے کہ پتھر ہے۔

شہنشاہِ ہمایوں نے اس یادگار کو دیکھا اور اکبر بھی جب احمد آباد آیا تو متبرک یادگار کو دیکھا اور اس کا آدھا حصہ آگرہ لے گیا۔ [۳]

قطب العالم کی زبان تحفۃ الکرام، اخبار الاخیار، اور بعض دوسری کتابوں میں حضرت قطب عالم رح کے حالات کے ضمن میں ہندی

---

[۱] تاریخ صوفیائے گجرات [۲] گلزار ابرار ص۱۴۷ [۳] مرأۃ سکندری اخبار الاخیار ص۲۴۹ تذکرہ قاریانِ ہند ج ا ص۱۳۴، تذکرہ اولیائے پاک و ہند ص۱۹۸ ۳۲۔

ملفوظات بھی دیکھنے میں آئے ہیں ۔ جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ بزرگ موصوف نے مقامی زبان کو استعمال کیا ہے ۔

اور اس میں پنجابی عنصر زیادہ ہے ۔ جس کی وجہ شاید یہ ہے کہ حضرت قطب عالم کی پیدائش اوچ شریف کی ہے ۔ اور انکی ابتدائی پرورش پنجاب اور پنجابی ماحول میں ہی ہوئی ۔ اس سلسلہ میں حضرت قطبِ عالم کی زبان سے ادا ہونے والے چند فقرے دیکھیئے ۔ جو مختلف کتابوں میں محفوظ ہیں ۔

(الف) تساں راجے اساں خواجے (یعنی تم بادشاہ اور ہم وزیر)

(ب) بھائی محمود خوش ہو اساں تھیں وڈا تساں تھیں وڈا، اساڈے گھر جلال جہانیاں آیا ۔

(ج) کیا ہے لوہا ہے کہ لکڑی ہے کہ پتھر ہے ۔

لوہا ہے لکڑ ہے پتھر ہے ۔

پتھر ہے یا لوہا ہے یا لکڑی ۔

(د) بیٹی تساڈ نصیب دھیوں ویچہ ۔

چشتیوں نے پکئ اور اسے بخاریوں نے کھائی [1] حضرت قطب عالمؒ ابن قاضی شہبہ صاحب تاریخ مدینہ کے معاصر ہیں ۔

---

[1] تاریخ ادبیات ج ۲ ص ۲۱۱ ۔

سیّد محمود عرف شاہ بدا

م ۸۸۴ھ / ۱۴۷۹ء

قطب عالم کے صاحبزادے سید محمود جن کا عرف شاہ بدا تھا۔ آپ کی ولادت باسعادت ۸۰۹ھ میں ۲۳ رمضان المبارک کو پٹن میں ہوئی۔ والدۂ محترمہ کا اسم گرامی بی بی سلطان خاتون بنت خداوند خان ہے۔ آپ قطب العالم کے مرید تھے ان سے اجازت و خلافت پائی اور قطب العالم کے بعد سجادہ نشین ہوئے نیز سید راجو قتال نے بھی آپ کے نام خلافت نامہ اُوچ شریف سے ارسال کیا۔ ۸۸۴ھ میں یکم ذوالقعدہ کو بٹوہ میں آپ نے انتقال فرمایا، اور قطب العالم کے پاس آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کے پانچ صاحبزادے تھے۔ شاہ پیارن[۱] سید ذاکر محمد[۲]، سید شیر محمد[۳]، سید جلال الدین[۴] جن کو شاہ شیخ جیو کہتے تھے۔ اور شاہ عتیق اللہ[۵]۔

شیخ جیو اگرچہ آپ کے چھوٹے فرزند تھے لیکن کمالات صوری اور معنوی میں تمام سے بڑھے ہوئے تھے۔ انکی ولادت باسعادت اساول میں ہوئی ہے۔[۱]

تاریخ اولیائے گجرات کے مصنف لکھتے ہیں۔

آپ قطب عالم کے صاحبزادے اور حاکم گجرات خداوند خاں کے نواسے تھے آپ مرج البحرین ہیں۔ اس لئے کہ اپنے والد

۱۔ خاتمہ مرات احمدی صفحہ ۲۶۔

سے بھی تعلق ارادت کے بعد خلافت ملی اور اوچ شریف سے شاہ راجو قتال کی طرف سے بھی خرقۂ خلافت پایا ۔

۸۸۴ھ/۱۴۷۹ء بمقام بٹوہ آپ نے وفات پائی۔ اور والد محترم کی قبر کے نزدیک مدفون ہیں۔[۱]

مقالاتِ شیرانی میں ہے کہ :

جب قطب عالم کے فرزند سید محمود المعروف بہ شاہ بدھ کے ہاں ۸۵۲ھ میں شاہ شیخ جیو پیدا ہوئے تو نئے مولود کی خوشخبری حضرت کی خدمت میں پہنچائی گئی آپ بے حد مسرور ہوئے اور اپنے ایک مرید کو خطاب کر کے مسرت کے لہجے میں کہنے لگے ۔

: بھائی محمود خوش ہوا ساں تھیں وڈا نساں تھیں وڈا ساں نڈے گھر جلال جہانیاں آیا ہے ۔[۲]

مولانا سیّد جیو

چنگیز خاں کے ساتھ صلح کرانے کے لئے شہر کے جو ائمہ جمع ہوئے تھے ۔ ان میں مولانا سید جیو بھی تھے جو برہان الدین قطب عالم قدس سرہٗ کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ شاہ ابوتراب، مولانا شیخ ماہ علامہ مدار الملک محمود دیار داد سلسلہ قطب الدین میں سے ملک شیرو کے نام بھی ان ائمہ کی فہرست میں ملتے ہیں جو اس مقصد کی خاطر جمع ہوئے تھے۔ مگر فتنہ پردازوں کے اثر کی وجہ سے صلح جو اتمام کو پہنچنے کے قریب ہوگئی تھی وہ نہ ہو سکی۔[۳]

---

[۱] اکابرین گجرات ص ۴۶۹ ، تاریخ اولیاء گجرات [۲] مرآۃ احمدی ، مقالات شیرانی ج ۱۵۳/۱۷

[۳] ظفر الوالہ بمظفر وآلہ ص ۴۴۹

قطب عالمؒ کی دیگر اولاد

خاتمہ مرآت احمدی میں لکھا ہے کہ آپ کے کل بارہ صاحبزادے تھے۔

شاہ حامد :۔ آپ قطب العالم کے مرید اور ان کے خلیفہ تھے۔

سید صالح :آپ بھی قطب العالم کے مرید اور انکے خلیفہ تھے آپ سے بڑے عجیب واقعات سرزد ہوئے

شاہ امین اللہ اور سید محمد زاھد :شاہ امین قطب العالم کے مرید اور ان کے خلیفہ تھے جب آپکو قبر میں رکھدیا گیا اور قبر بند کردی گئی، دفن کرکے لوگ واپس آئے تو رات سید محمد زاہد نے خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ میری ایک انگلی صندوق کے تختے کے نیچے دبی ہوئی ہے اس کو نکلوا دیجئے خواب سمجھ کر اعتبار نہیں کیا گیا تین دن مسلسل خواب کے بعد جب قبر کو کھولا گیا تو دیکھا واقعی پیر کی انگلی تختے کے نیچے پھنسی ہوئی ہے اور اس میں سے خون بہہ رہا ہے۔ انہوں نے اس کو درست کرکے دوبارہ آپ کو دفن کیا۔

سید محمد زاہد کے تفصیلی حالات آگے آرہے ہیں۔

سید محمد اصغر :۔ یہ شاہ شیخ محمد کے نام سے مشہور رہتے انہوں نے اپنا سلوک اپنے بڑے بھائی سید ناصر الدین کی خدمت میں رہ کر اتمام کو پہنچایا۔

سید محمد صادق :۔ انہوں نے بھی بڑے بھائی سے ارشاد و تربیت پائی۔ جوانی ہی میں انتقال کیا۔ آپ کی ۲۶ سال عمر ہوئی۔

سید محمد راجو :۔ آپ بھی حضرت قطب العالم کے مرید د خلیفہ تھے۔ آپ کو بچپن میں کسی واقعہ پر حضرت قطب العالم نے بارہ صاحبزادوں کی بشارت دی تو وہ پوری ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بارہ صاحبزادے عنایت کئے آپکی قبر محمد آباد معروف بہ چانپانیر میں واقع ہے۔

شاہ سالو:- آپ قطب العالم کے مرید تھے۔ اور خلافت اپنے بڑے بھائی سے پائی۔ آپ اہلِ سماع میں سے تھے۔ بعض دفعہ تین چار روز آپ پر حال طاری رہتا۔ کھانا، پینا متروک ہو جاتا۔ آپ بھی قطب العالم کے قریب مدفون ہیں۔

سید علم الدین:- ایام شیر خوارگی میں انتقال کر گئے۔

قطب العالم کے خلفاء میں سید عثمان جو شمع برہانی کے لقب سے معروف ہیں جو قطب العالم کے خلیفۂ خاص اور آپ کے متبنّیٰ تھے اس علاقے کے مشائخ کبار سے صغر سنی میں مرید ہوئے اس کے بعد قطب العالم کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا اور انکی صحبت میں رہ کر مقامات علیا اور سلوک کی منازل طے کیں۔ جب حضرت شمع برہانی کی طرف خلائق کا رجوع ہوا تو حضرت قطب عالم کے ارشاد سے آپ بہاؤالدین پور منتقل ہو گئے۔ اور وہاں بھی طلباء، علماء، امراء، سلاطین کا اس قدر ہجوم ہوا کہ تنگی ہونے لگی۔ تو وہاں سے آپ اس جگہ منتقل ہو گئے (جو احمدآباد سے متصل) عثمان پور کے نام سے مشہور حالانکہ اس جگہ پر سب سے پہلے تنہا آپ نے اپنا خیمہ گاڑا تھا بعد میں آبادی بڑھی اور ایک پورہ آباد ہو گیا۔ جو عثمان پور کے نام سے معروف ہوا۔

آپ کی تصانیف بکثرت ہیں جن میں سے مدارج المعارج مشہور ہے۔ آپ کبھی ذوق شوق میں غزل کہتے۔ ایک غزل کا مطلع یہ ہے۔ [1]

عرش فرشیست کہ در خلوت درویشاں است
رنجہ کنجیست کہ ہم صحبت درویشاں است

---

[1] خاتمہ مرآۃ احمدی ص ۳۰۔

شیخ محمد عثمانؒ الملقب بہ شمع برہانی

(م ۱۵/جمادی الاولیٰ ۸۶۳ھ ۱۹/مارچ ۱۴۵۹ء)

آپ کے قدرے تفصیل سے حالات اس قدر مل سکے ہیں کہ آپ گجرات کے ممتاز مشائخ میں سے تھے۔ طریقت میں شیخ برہان الدین سے مستفیض ہوئے جن کی برسوں تک خدمت کی اور آخر ان سے 'شمعِ برہانی' کا خطاب پایا۔ سلطان محمود بن احمد آپ کے بے حد معتقد اور آپ کے شاگرد تھے۔

نور احمد فریدی نے لکھا ہے کہ آپ حضرت قطب العالم شیخ عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی (م ۱۴۵۲ء/۸۵۶ھ) کے خلیفہ تھے۔ سید ابوظفر ندوی نے بھی مرآۃ احمدی کے حوالے سے ایسا ہی لکھا ہے۔ ممکن ہے دونوں بزرگوں سے خرقہ خلافت حاصل کیا ہو۔ سابرمتی ندی کے پار عثمان پورہ کے نام سے جو بستی آپ نے آباد کی۔ اس کی آبادی ایک زمانے میں اتنی بڑھ گئی تھی کہ دس ہزار گھر صرف کاریگروں کے تھے۔

شمعِ برہانی نے ایک مدرسہ کے علاوہ ایک کتب خانہ بھی قائم کیا تھا۔ جو مرہٹوں کی لوٹ مار کے دوران تباہ ہوگیا۔

طلبا مسجد کے متعدد حجروں میں رہتے تھے۔ شمع برہانی کے کتب خانے کی بہت سی کتابیں اکبر بادشاہ فتح گجرات کے بعد اپنے ساتھ لے گیا۔ جن میں کچھ کتابیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور کچھ ملا عبدالقادر بدایونی اور کچھ مشہور شاعر فیضی کو ملیں اور باقی شاہی کتب خانے میں داخل کردی گئیں۔

آپ نے ۲۰/مارچ ۱۴۵۹ء/۱۵/جمادی الاول ۸۶۳ھ کو وفات پائی اور سابرمتی دریا کے کنارے عثمان پور میں آپ کو دفن کیا گیا۔

تصوف میں آپکی تصانیف میں سے "مدارج المعارج" مشہور رہے لیکن افسوس کہ تذکروں میں کرامات کا ذکر تو کیا گیا ہے مگر تصنیف پر روشنی نہیں ڈالی گئی۔ آپ شعر بھی کہتے تھے۔ جن میں فقر و درویشی اور سلوک و طریقت کے رموز بلیغ انداز میں بیان فرماتے تھے۔ ایک غزل کا مطلع یہ ہے۔ [۱]

عرش و فرش است کہ در خلوت درویشاں است
رنج گنج است کہ ہم صحبت درویشاں است

"خطۂ پاک اوچ" کے مصنف لکھتے ہیں:

آپ نہایت عابد و زاہد و متوکل و قانع بزرگ تھے۔ آپ کی درگاہ کے خادم نے ایک مرتبہ شکایت کی کہ لنگر کا خرچہ پورا نہیں پڑتا۔ آپ نے فرمایا: سابرمتی دریا کے کنارے جاکر وہاں سے روزانہ خرچ لے آیا کرو، خادم حکم کے مطابق دریا پر جاتا اور دیکھتا کہ بجائے پانی کے اشرفیاں بہہ رہی ہیں ضرورت کے مطابق رقم وہاں سے لے آتا۔ یہ برکت آپ کے خاندان میں ایک عرصہ تک قائم رہی۔

حضرت قطب العالم نے آپ کو اپنے صاحبزادہ حضرت شاہ عالم کی طرح خزانۂ الہٰی میں تصرف کی طاقت عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ سابرمتی کے کنارے وضو کے لئے تشریف لائے۔ سوچ رہے تھے کہ اگر کوئی برتن ہوتا تو اہلیہ کے لئے بھی وضو کا پانی لے جاتا اتنے میں ایک ہندو لڑکا جس کا نام گرادھو تھا تانبہ کے برتن میں پانی لینے کے لئے دریا کے کنارے پہنچا آپ نے اسے دیکھا تو فرمایا: اگر یہ برتن مجھے دے دو تو میں پانی گھر پہنچا کر برتن واپس کردونگا۔ اس نے آپ کی بات مان لی۔ آپ پانی لے کر گھر پہنچے اور راس

---

[۱] نزہۃ الخواطر اردو ص۱۳۲ اکابرین گجرات ص۱۲۰، تاریخ تمدن گجرات ص۱۹۶ تاریخ ادبیات ج۵ (فارسی ادب) ص۱۲۵۔

لڑکے کو برتن واپس کرتے ہوئے فرمایا: "تم بھی ہمارے پاس ہی آجاؤ گے اور یہیں رہو گے۔

اس وقت آپ کے مکان کے ارد گرد دور دور تک کوئی بستی نہ تھی اس لئے بچہ آپ کی بات سن کر متعجب ہوا اور دل میں سوچنے لگا کہ اس اجاڑ جگہ پر کون آکر رہے گا۔ جب وہ دریا پر دوبارہ برتن بھرنے کے لئے گیا تو دیکھا بجائے پانی کے اشرفیاں بہہ رہی ہیں۔ جب واقعہ کا چرچا ہوا تو لوگ دھڑا دھڑ آپ کے پاس آنے لگے اور بہت جلد یہاں ایک بستی بس گئی جو عثمان پورہ کے نام سے اب تک مشہور ہے۔ آپ کی طرف رجوعِ خلق بہت زیادہ تھا۔ بے شمار غیر مسلم آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ [1]

عثمان پُورہ کا کتب خانہ

عثمان پورہ میں سلطان محمد شاہ کی مدد سے ایک مسجد اور ایک مدرسہ تعمیر کرایا گیا جس کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی تھا جس میں اور کتابوں کے علاوہ شاہی کتب خانہ کی وقف شدہ کتابیں بھی تھیں۔

۸۶۳ھ/۱۴۵۸ء تک تو شیخ عثمان خود اس کے نگراں اور منتظم رہے پھر ان کے لڑکے اور پوتے اس کے ناظم ہوئے مرہٹوں کی لوٹ مار میں یہ تباہ ہو گیا مسجد اور مقبرہ اب تک بطور یادگار قائم ہیں۔ [2]

سید عثمان شمع برہانی اور آپ کے خانوادہ سے محمود بیگڑہ اور دیگر سلاطین کو بہت عقیدت تھی۔ اس کا ثبوت ان کے مزار اور مسجد کی پرشکوہ عمارتوں سے ملتا ہے۔ جو آج سید عثمان کے خطاب شمع برہانی کے نام سے مشہور ہیں اور سابرمتی کے مغربی کنارے پر مرجع خاص و عام ہیں اگر اس مسجد کا کتبہ گم نہ ہو گیا

---

[1] خطہ پاک اوچ ص ۳۰۵،۳۰۶۔ [2] گجرات کی تمدنی تاریخ ص ۲۱۹۔

ہوتا تو اس پر بھی روشنی پڑ سکتی تھی کہ یہ عمارتیں کب اور کس نے بنوائیں۔

سلطان محمود ثالث کے عہد میں سید عثمان کے خاندان کے ایک اور فرد سید اکبر اعظم بن سید آدم عالم کا نام ملتا ہے جو کبر سنی میں بھی دینی امور کی تحقیق و تدقیق میں ہمہ تن مشغول تھے۔ ان سے سلطان محمود کو بے حد عقیدت تھی۔ [۱]

مولانا ابوظفر نے آپ کے مدرسہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شیخ محمد عثمان الملقب بہ شمع برہانی، متوفی ۸۶۳ھ/۱۴۵۸ء خلیفہ حضرت قطب عالم متوفی ۸۵۷ھ/۱۴۵۳ء بڑے پایہ کے بزرگ تھے، احمد آباد ابھی آباد ہوا تھا سابرمتی ندی کے اس پار جہاں اب عثمان پورہ ہے۔ اس وقت کوئی آبادی نہیں تھی، شیخ مذکور وہیں پر خیمہ کھڑا کر کے مقیم ہوئے۔ پھر ایک ہندو بنیئے کو ترغیب دے کر آباد کیا رفتہ رفتہ آبادی بڑھتی گئی، اس کا نام شیخ نے اپنے نام پر عثمان پورہ رکھا، آخر زمانہ میں اس کی آبادی اتنی بڑھ گئی تھی کہ دس ہزار گھر فقط کاریگروں کے تھے۔

یہاں ایک عالیشان مسجد اور مدرسہ تعمیر کیا گیا جس میں دینی تعلیم ہوتی تھی۔ قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ اور اصول خصوصیت سے پڑھائے جاتے تھے۔ مسجد کے ساتھ طلبہ کے رہنے کے لئے متعدد حجرے بھی تھے۔ ان طلبہ اور شیخ کے اہلِ خاندان کے لئے جو اس مدرسہ کے معلم اور منتظم تھے بادشاہ کی طرف سے وظائف مقرر تھے۔

طلبہ اور مدرسین کے استفادہ کے لئے شاہی کتب خانہ سے اکثر کتابیں بھی دی جاتی تھیں۔

شیخ کے بعد ان کے لڑکے محمد پھر ان کے لڑکے احمد پھر ان کے خلف مولانا یوسف اس مدرسہ کو چلاتے رہے۔

[۱] معارف

انہی مؤخرالذکر نے سلطان محمود بیگڑہ کے حکم سے تاریخ ابن خلکان کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ راجہ سلیم پور، لکھنؤ، حیدرآباد اور لندن میں اس کا ایک ایک نسخہ موجود ہے۔

سلطان محمود بن لطیف خان متوفی ۹۶۱ھ/۱۵۵۲ء کے عہد میں سید حاکم اس مدرسہ کے متولی تھے۔

مرہٹوں کی لوٹ مار میں جب عثمان پورہ تباہ ہوا تو اس مدرسہ کی بھی اینٹ سے اینٹ بج گئی تھی۔ ایک چھوٹا سا گاؤں مع مقبرہ اور مسجد بطور یادگار باقی ہے۔[1]

شیخ علی خطیب

قطب عالم کے دوسرے خلیفہ شیخ علی جو خطیب کے لقب سے مشہور رہیں۔ صغر سنی ہی سے بڑے پاک باز اور زاہد عن الدنیا تھے جب آپ کی عمر بارہ سال ہوئی تو عبادت و اطاعت میں مشغول ہوئے۔ مشغولی اس قدر بڑھی کہ غذا کھانا پینا ترک کر کے صحرا میں رہنے لگے۔ وہاں پر روزہ بھی گھاس پات ہی سے افطار ہوتا برابر بارہ سال آپ نے اس طرح مجاہدے میں گذارے اور باطنی صفائی کو اس درجہ تک پہنچا دیا کہ ملائکہ کی تسبیح و تہلیل آپ سنتے تھے۔ پانچوں نمازیں سابرمتی کے کنارے پر ادا فرماتے۔ راستے میں نماز کو جاتے ہوئے ایک مجذوب ملا جو راستہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ: علی مسلمان شو، چنانچہ اس کا معمول ہو گیا کہ جب آپ گذرتے تو یہ جملہ کہتا۔

ایک دفعہ آپ تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں یہ مجذوب پکا ہوا کھانا لوگوں کو تقسیم کر رہا تھا۔ آپ کو دیکھکر آپ کی طرف دوڑا۔ اور آپ کو زمین پر گرا کر اور آپ کے سینے پر چڑھ کر دو تین لقمے زبردستی آپ کے منہ میں ڈالے۔ اور ساتھ ہی آپکو دو تین کے بھی دے مارے پھر چھوڑ دیا

---

[1] گجرات کی تمدنی تاریخ صفحہ ۱۹۶۔

اور وہی جملہ کہا کہ علی مسلمان شو ۔ اس کی وجہ سے آپ پر بیہوشی طاری ہوگئی جب ہوش میں آئے تب آپ کو علی مسلمان شو کے معنی معلوم ہوئے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ کہیں جاکر کسی کا مرید ہونا چاہیئے۔ اسوقت قطب عالم حضرت گنج بخش بقید حیات تھے حضرت قطب عالم کے یہاں سماع بھی ہوتا تھا ۔ اس لئے وہ حضرت گنج بخش رح کی خدمت میں پہنچنے کے لئے بیل پر سوار ہوکر سرکھیج کی طرف چلے ۔ جب سابرمتی کے کنارے پر پہنچے تو بیل رک گئے ۔ ایک قدم آگے بڑھانے کے لئے تیار نہیں اسی دوران ایک غیبی ہاتھ نمودار ہوا اور شیخ کی گدی پر پنجہ مارا ۔ اور گریبان کھینچا جس کی وجہ سے شیخ کے کپڑوں پر شوربے کے ساتھ پانچ انگلیوں کا نشان پڑ گیا۔

شیخ نے ساتھیوں سے کہا کہ کوئی مجھے پیچھے کھینچ رہا ہے ۔ بیلوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو جہاں وہ جائیں گے وہی ہماری منزل ہے بیل پرانے اساول کی طرف چلنے لگے ۔ جہاں حضرت قطب عالم کا قیام تھا وہاں پہنچ کر حضرت قطب عالم نے دیکھتے ہی ارشاد فرمایا ۔ کہ پہلے خلافت اور پھر اس کے بعد ارادت ۔ کہ پہلے آپ کو خلافت دیجاتی ہے اس کے بعد مرید کریں گے ۔ نیز ارشاد فرمایا کہ چراغ تیل اور بتی سب تیار کرکے لائے ہو کوئی اس کو روشن کردے ۔ پہلے آپ نے خلافت مرحمت فرمائی ۔ اس کے بعد آپ کو مرید کیا ۔ اس کے بعد حضرت قطب عالم نے آپ کے لئے جو کھانا رکھوایا ہوا تھا وہ مرحمت فرمایا شیخ علی نے دو تین لقمے اس میں سے ابھی نہیں کھائے تھے کہ جوش محبت اور ذوق وشوق کا غلبہ ہوا اور زار و قطار رونا اور نعرے لگانے شروع کردیئے اس کے بعد کچھ لوگ بیعت کے لئے قطب عالم کے پاس پہنچے ہوئے تھے ۔ قطب عالم نے شیخ علی سے فرمایا کہ ان کو بیعت کیجئے ۔ چنانچہ قطب عالم کے سامنے آپ نے ان کو بیعت کیا ۔ اس کے بعد قطب عالم نے شیخ علی

کو ارشادِ خلق کے لئے رخصت کر دیا ۔

آپ نے ۷۰ سال کی عمر میں ۲۶ رشوال ۸۷۲ھ/۱۸ رمئی ۱۴۶۸ء کو احمدآباد کے قریب ایک محلہ قدنپورہ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور وہیں آپ کا مزار ہے ۔

قدنپورا اور قطب پورہ پوروں میں سے اس وقت کے دو پورے تھے یہ ؛ آپ صاحبِ فتح القدیر علامہ ابن الہمام کے معاصر ہیں ؛

سوز

م ۱۲۱۳ھ

قطب عالم کے نسبی سلسلہ میں ہندوستان کے مشہور شاعر سوز بھی ہیں ۔

آپ کا سلسلۂ نسب حضرت قطب عالم گجراتی قدس سرہٗ تک پہنچتا ہے ۔ آپ کا نام سیّد محمد میر اور سوز تخلص ہے ۔ پہلے آپ میر تخلص کرتے تھے لیکن جب دیکھا کہ میر تقی میر کا نام زیادہ روشن ہے تو آپ نے سوز تخلص اختیار کر لیا ۔

آپ کے دادا کا نام سید ضیاء الدین ہے جو بہت بزرگ شخص تھے اور تیر اندازی میں مشہور تھے ، لیکن آپ کے والد پرانی دہلی کے محلہ قراول پورہ میں سکونت پذیر تھے ۔ جب دھلی کی حالت خراب ہوئی تو آپ لباس فقیرانہ اختیار کر کے لکھنؤ چلے گئے وہاں بھی کامیابی نے شکل نہ دکھائی تو ۱۲۱۲ھ میں مرشدآباد آگئے ۔ کچھ روز وہاں رہ کر پھر واپس لکھنؤ آئے تو قسمت نے یاوری کی ۔ اور نواب آصف الدولہ آپ کے شاگرد ہوگئے ۔ اسّی برس کی عمر میں بمقام لکھنؤ انتقال فرمایا ۔ ۱۲۱۳ھ سن

---

[1] خاتمہ مرآت احمدی صـ ۳۲ ۔

پیدائش اور ۱۲۱۳ھ سنِ وفات ہے ۔

آپ کا کلام :-

عاشق ہوا، اسیر ہوا، مبتلا ہوا ۔۔۔ کیا جانیے کہ دیکھتے ہی دل کو کیا ہوا
سر مشقِ ظلم تو نے کیا مجھ کو واہ واہ ۔۔۔ تقصیر یہ ہوئی کہ ترا آشنا ہوا

دل تھا بساط میں سو کوئی اسکو لے گیا ۔۔۔ اب کیا کروں میں اے مرے اللہ کیا ہوا!
پاتا نہیں سراغ کروں کس طرف تلاش ۔۔۔ دیوانہ دل کدھر کو گیا آہ کیا ہوا
سنتے ہی سوز کی خبرِ مرگ خوش ہوا ۔۔۔ کہنے لگا کہ پنڈ تو چھوٹا بھلا ہوا [1]

شیخ محمد عبداللہ حسینی بخاری

(م ۶ / شعبان ۸۹۲ھ / ۲۶ / جولائی ۱۴۸۷ء)

شیخ محمد بن عبداللہ بن محمود بن الحسین حسینی بخاری ۔ حضرت قطب عالم رح کے حقیقی بھائی تھے ۔ سال ولادت ۹ / رجب ۸۴۸ھ ہے ۔ اپنے بڑے بھائی حضرت قطب عالم سے پڑھا اور رتبہ کمال تک پہنچے ۔ آپ سے بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا ۔ ۶ / شعبان ۸۹۲ھ / ۲۶ / جولائی ۱۴۸۷ء کو رحلت فرمائی، قبر موضع بٹوہ کے قریب ہے ۔ [2]

مخدوم شیخ محمود دریا نوش

(م ۸۸۴ھ - ۱۴۷۹ء)

آپ حضرت قطب العالم برہان الدین بخاری رح کے سب سے بڑے فرزند گرامی اور سجادہ نشین تھے ۔ ۸۰۹ھ / ۱۴۰۶ء میں پٹن (نہروالہ) میں پیدا ہوئے ۔ اور ۷۵ برس کی

---

[1] تاریخ ادب اردو ص ۱۰۶، مرأۃ الشعراء ص ۲۳ [2] بحوالہ مرأۃ احمدی، نزہۃ الخواطر ص ۱۲۵ ۔

عمر میں ۸۸۸ھ/۱۴۷۹ء میں بٹوہ (احمد آباد) میں آپ کا وصال ہوا۔ حضرت قطب العالم کو آپ سے اپنی تمام اولاد میں سب سے زیادہ تعلق خاطر تھا۔ چونکہ تصوف وسلوک میں آپ کا مقام بہت اونچا تھا اس لئے حضرت قطب العالم آپ کو بھائی محمود کہہ کر پکارتے۔ حضرت قطب العالم کو جو خرقۂ خلافت اپنے جد امجد حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے ورثہ میں ملا تھا۔ وہ آپ نے حضرت محمود کو عطا فرما کر خلافت سے سرفراز فرمایا۔ آپ کا لقب دریانوش تھا۔ مشہور ہے کہ ایک بار حضرت شاہ عالم پر مستی کی کیفیت طاری ہو گئی حضرت قطب العالم کو پتہ چلا تو فرمایا۔ دیکھو تمہارے بھائی محمود کو ہم نے معرفتِ الٰہی کے خم کے خم پلا دیئے اور عشق خداوندی کے سمندر پی کر بھی وہ اپنے آپ میں رہے مگر تم ایک قطرہ بھی ہضم نہ کر سکے۔ اس واقعہ کے بعد آپ "دریانوش" کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

بجام ہر کسے ہرگز شرابِ عشق کے گنجد
خوشا رندے کہ خم خم نوشد و ناید زدے بوئے

آپ کا مزار اپنے والد ماجد کے پہلو میں دائیں جانب واقع ہے۔ [1]

شیخ عبداللطیف

م ۴ / رمضان ۸۸۵ھ / ۱۷ / اکتوبر ۱۴۸۰ء

آپ احمد آباد کے باشندے تھے۔ قطب عالم کے خلیفۂ خاص تھے۔ حضرت قطب عالم انہیں اپنا "بارھواں صاحبزادہ" فرمایا کرتے تھے۔ ظاہری و باطنی علوم میں

---

[1] خطۂ پاک اوچ صـ ۲۰۲ ۔

کمال حاصل تھا۔۔۔۔جو شخص بھی قطب عالم کو ان کے پٹن سے احمدآباد آنے کی خوشخبری سناتا۔ تو اگر وہ مؤمن آتا تو سلامتیِ ایمان کی بشارت دیتے اور اگر غیر مؤمن ہوتا تو اتنا سونا کہ جس سے زبان پر سونے کے ذریعے طلار کیا جا سکے۔ اس کو مرحمت فرماتے۔ آپ بڑے زبردست متقی متوکل عالم ربانی تھے۔آپ نے نو کتابیں لکھیں۔ آپ کا گذرِ اوقات توکل پر تھا اور کہیں سے آپ نے اپنے لئے وجہ معیشت مقرر نہیں کی تھی۔ اکثر اوقات فقر و فاقہ میں گذارتے۔

ایک روز آپ کے اہل و عیال نے آکر حضرت شیخ کو تنگ کیا اور کہنے لگے کہ آپ (حکومت) سرکار سے کوئی چیز قبول نہیں کرتے کیا ہماری روزی آپ کے مصلیٰ کے نیچے سے پیدا ہوگی؟ حضرت شیخ تسلی کی خاطر ان کو فرماتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر و فاقہ کی قدر و منزلت معلوم کر کے فرمایا تھا: الفقر فخری، اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے غلام ہیں۔ جتنا ہو سکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہمیں کرنی چاہیئے۔ اور اس کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیئے۔ اگرچہ ہمارے پیر دستگیر نے کرّات و مرّات کئی دفعہ بارہا خزائن الٰہی میں تصرف کرنا عطا کیا۔ لیکن ہم نے گوشۂ چشم سے بھی اس کی طرف نگاہ نہیں کی حجرے میں آکر اپنی ضرورت کے موافق لے لو وہ حجرے میں آئے دیکھا کہ تمام حجرہ جواہر و اشرفیوں سے بھرا ہوا ہے۔ ۱۴۰۱ھ تک اسمیں سے تھوڑا سونا ان کے گھر میں موجود تھا۔ آپ قرأت و تجوید کے بہت اچھے استاذ تھے سید جعفر شیرازی نے ان سے سبعہ قرأت سیکھکر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔

آپ کی مشہور تصنیف لطائفِ برہانی، کتب خانہ پیر محمد شاہ احمدآباد میں تھی ایک اور معرکہ آرار کتاب ؛منشورِ خلافت، ہے اس کا ایک قلمی نسخہ بھی گجرات میں ملتا تھا۔

آپ کا مزار پٹن میں ہے، وفات ۴ رمضان ۸۸۵ھ/ ۷ ار اکتوبر ۱۴۸۰ء کو ہوئی۔ [1]

شیخ سراج، خلیفہ قطب عالم

حکایت شاہی نامی کتاب کے شروع میں جو سید جعفر بدر عالم نے حضرت شاہ عالم کے مناقب میں تالیف کی ہے...... شیخ سراج کے احوال...... مذکور ہیں کہ وہ ۴۶ نمبر کی حکایت میں لکھا ہے کہ ایک روز حضرت شاہ عالم نے شیخ سراج سے جو اپنے آپ کو اطبّار کے لباس میں مستور رکھتے تھے اور حضرت قطب العالم کے مرید تھے اور حضرت شیخ علی خطیب جو حضرت قطب عالم کے خلیفہ تھے ان سے استرشاد و رہنمائی لیتے تھے۔ تو شیخ سراج سے حضرت شاہ عالم نے ایک روز فرمایا۔ کہ سلطان محمود بیگڑہ کو طلب الٰہی کا درد اٹھنے والا ہے اور شفار تمہارے ذریعہ مقرر ہے۔ اس وقت انکار نہ کرنا اور انکی حاجت پوری کرنا کچھ مدت کے بعد سلطان کو طلب الٰہی کا درد اٹھا اور جو سفارش حضرت شاہ عالم نے حکیم سراج سے کی تھی وہ پوری ہوئی۔ اور یہ شیخ سراج اس پشین گوئی کے پورا ہونے کے انتظار میں رہے۔ شیخ سراج چونکہ اپنے آپ کو اطبّار کے لباس میں مستور رکھتے تھے تو اس لئے وہ خود دربار شاہی تک جا نہیں سکتے تھے۔ اور اس وجہ سے کبھی کبھی پریشان رہتے تھے کہ کیسے یہ پشین گوئی پوری ہوگی یہاں تک کہ ایک مرتبہ سلطان کے خدمت گاروں میں سے ایک بیمار ہو گئے اور اطبار شہر کو ان کے علاج کے لئے بلایا گیا مگر کسی سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے انہیں شیخ سراج کے متعلق مشورہ دیا اور شیخ سراج لائے گئے اور ان کے

---

[1] خاتمہ مرات احمدی ص ۱۱۷۔

علاج سے شفا ہو گئی ۔ اس پر سلطانی خدمت گار نے کہا کہ آپ سلطان کی خدمت میں سلام کرنے کے لئے چلئے تو حکیم سراج نے انہیں تنہائی میں لے جا کر فرمایا کہ اگر سلطان معالج کے متعلق پوچھے تو میرا نام بتا دینا اور خلوت میں یہ بھی عرض کر دینا کہ یہ حکیم وہی ہے کہ جن سے شاہ عالم نے تمہارے متعلق سفارش کی ہے ۔ اور اگر سلطان مجھے دیکھنے کا قصد فرمائیں تو کہنا ۔ کہ انہوں نے یوں کہا ہے کہ مجھے بلا کر دیگر اطبار کی طرح سے اپنے ملازمین میں شامل فرما لیں ۔ اور ظاہریں اطبار کے ساتھ جیسا سلوک فرماتے ہیں ، اسی طرح کا سلوک میرے ساتھ فرمائیں ۔

اور اگر معنوی علاج کی خواہش رکھتے ہوں تو کبھی کبھی خلوت میں مجھے بلاتے رہیں کہ حضرت شاہ عالم کے حکم کی برکت سے امید ہے کہ مقصود انشاء اللہ حاصل ہو گا ۔ غرض وہ خدمت گار جب سلطانی سلام کے لئے پہنچے تو سلطان نے بیماری کا حال اور علاج کے متعلق پوچھا ۔ اور انہوں نے ماجرا تفصیل سے بیان کر دیا ۔ سلطان نے حکم دیا کہ حکیم کو بلاؤ اور ملازم رکھ لو کچھ عرصہ کے بعد خلوت میں بلایا اور ان کے پیر پر اپنا سر رکھ کر گریہ وزاری بہت زیادہ کرنے لگے ، بہت زیادہ روئے ، اور اپنے درد کا اظہار کیا حکیم نے کہا کہ محبت الہٰی کس درجہ تک آپ اپنے دل میں پاتے ہیں سلطان نے کہا کہ الحمد للہ اس مرتبہ تک میں پہنچ چکا ہوں کہ اپنے اس موروثی ملک میں یہاں کے بازار میں ، میں ایک ایک ہڈی اور ایک ایک نان کے ٹکڑے کی جا کر بھیک مانگوں اس حال میں کہ بازار والے میرے اوپر پتھر اور اینٹوں کی بارش برساتے ہوں محض اس واسطے تاکہ مجھے بھی اس تعلق کا عشر عشیر حاصل ہو جائے جو آپ حضرات کو خداوند تعالےٰ کے ساتھ حاصل ہے اور اس مقصد کی خاطر یہ رسوائی مجھے اس سلطنت سے بلکہ ربع مسکون کی سلطنت سے بھی زیادہ محبوب ہے ۔ حکیم سراج نے فرمایا

کہ الحمد للہ کہ اس وقت ترک دنیا ضروری نہیں ہے اور ان کے ارشاد و رہنمائی میں مشغول ہوئے اور سلطان کا کام اتمام تک پہنچایا۔ حکیم سراج کا یہ قصہ مرآۃ سکندری میں احوال استرشاد سلطان محمود بیگڑا از خدمت شیخ سراج کے عنوان کے تحت کچھ تھوڑے تفاوت سے ذکر کیا گیا ہے۔[1]

سیّد محمد زاھد بن قطب عالم بخاری

(م ۶، شعبان ۸۹۲ھ/۲۱،   ۱۴۸۷ء)

۹، ماہ رجب ۸۴۸ھ بمطابق ۲۱، اکتوبر ۱۴۴۴ء کو احمد آباد میں آپ عالم آب و گل میں قدم رنجہ ہوئے، بچپن میں حفظ قرآن کے بعد ۲۰ سال کی عمر میں تجوید، فقہ، حدیث، اور جملہ علوم و فنون کی تحصیل سے فراغت پائی آپ نہایت خوش الحان قاری بھی تھے، برادر اکبر شاہ عالم کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے اور ان کی توجہات خصوصی سے جلد ہی مقصد کو پہنچے اور حصول نسبت پر خلافت پائی۔

شاہ عالم کی خانقاہ کی نگرانی حسب دل خواہ انجام دینے کی بنا پر شاہ عالم کے دیوان کے نام سے آپ مشہور ہو گئے۔

بعض مؤرخین نے آپ کو بلا واسطہ والدِ ماجد قطب عالم بخاری کا بھی خلیفہ بتایا ہے، ۶، ماہ شعبان ۸۹۲ھ —— ۱۴۸۷ء کو بٹوہ میں آپ نے رحلت فرمائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ اولیائے زمانہ کا خیال تھا کہ شاہ عالم کا خصوصی فیض ان کو پہنچا ہے۔ آپ کے علاوہ سید ناصر الدین محمود راجو اور میاں مخدوم اور شریف ابوبکر عیدروس نے شاہ عالم کے فیوض سے وافر حصہ پایا ہے۔[2]

---

[1] خاتمہ مرات احمدی صہ ۹۶ [2] اکابرین گجرات صہ ۷۹ گجرات کے روحانی چراغ، تاریخ اولیائے گ ۸۷۵

خاتمۂ مرآۃ احمدی میں ہے کہ ۔

حضرت شاہ عالم کے خلفاء میں حضرت سید محمد زاھد بن حضرت سید برہان الدین قطب عالم ہیں جو حضرت شاہ عالم قدس سرہ کے بھائی ان کے مرید اور ان کی حیات میں ان کی نماز باجماعت کے امام تھے۔

آپکی ولادت ۹ رجب ۸۴۸ھ کو ہوئی۔ چونکہ آپ کو قطرات سے حفاظت کی خاطر استنجاء میں دیر ہوتی تھی اور اس میں آپ کافی احتیاط برتتے اس لئے شاہ عالم ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ سید زاھد کا استنجاء دوسروں کے بہت سے مجاہدات اور ریاضتوں سے بہتر ہے۔ جب حضرت شاہ عالم کا وصال قریب ہوا تو آپ نے سید محمد زاھد کو بلاکر فرمایا کہ آ آ غیبی خزانے کی کنجیاں جو میرے پیر سے بندھی ہوئی ہے تیرے حوالے کروں۔ یہ ارشاد فرماکر پیر کو ہلایا اور حاضرین نے کنجیوں کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز بھی سنی۔ حضرت سید محمد زاھد آداب بزرگانہ اور تواضع بجالائے اور عرض کیا کہ میں نے اس مطلب کے لئے حضرت کی خدمت نہیں کی میں ایک مقصد رکھتا ہوں، امید رکھتا ہوں کہ وہ حاصل ہو حضرت شاہ عالم بہت خوش ہوئے اور فرمایا اللہ تعالی کی تیرے اوپر رحمت ہو۔ محمد زاھد جیسا تیرا نام ہے تو زھد اور بے رغبتی کی صفت سے متصف ہے اور بدرجۂ اتم واکمل تو یہ صفت رکھتا ہے۔ یہ فرماکر اپنے سامنے بلوایا اور ان کے سینے سے اپنا سینہ لگایا اور اپنی زبان مبارک ان کے منھ میں رکھدی اس ضمن میں جو حضرت کا مقصود تھا اس کو پورا کیا۔ حضرت شاہ عالم کے وصال کے بعد فیوضات الہٰی کی نعمت چار شخص پر منقسم ہوئی۔ ایک سجادہ نشین امیر سید ناصر الدین محمود جو سید محمد راجو کے لقب سے مشہور ہوئے، دوسرے سید زاہد، تیسرے خلیفۂ خاص میاں مخدوم

چوتھے سید شریف ابوبکر عیدروس حضرموتی، حضرمی شریف ابوبکر یدروس کے جدِ اکبر سید شیخ ہیں جن کا مزار جوہری واڑہ احمد آباد میں ہے۔ سید محمد زاہد اپنی مدت عمر پوری فرماکر ۸۹۲ھ ۲ رشعبان کو واصل بحق ہوئے۔ تاریخ وصال اس کلمہ سے نکلتی ہے؛ قرۃ عین نبی، اور آپ کی عمر صوری کی تعریف لفظ حلوہ سے نکلتی ہے جو ۴۹ رسال ہے

آپ کا مزار بٹوہ احمد آباد میں ہے اور آپکی پائنتی میں آپ کے صاحبزادہ سید عالم شاہ کا مزار ہے۔ (خاتمہ مرات احمدی صـ۴٦)

شاہ محمد امین رحمۃ اللہ علیہ

آپ احمد آباد کے صاحب کشف وکرامات مشائخ میں سے تھے۔ اپنے بھائی شاہ زاہد وغیرہ خاندانی افراد کے ساتھ بخارا سے چل کر ہندوستان بھر کا سفر کرکے احمد آباد کو مسکن بنایا اور یہیں پیوند خاک ہوئے۔

انتقال کے بعد خواب میں آپ نے اپنے بھائی شاہ زاہد سے فرمایا کہ

میرے پیر کی انگلی لکڑی کے تابوت میں پھنسی ہوئی ہے۔

بار بار یہی خواب دیکھ کر قبر کھولی گئی تو خواب حقیقت تھا اور انگلی سے خون بھی ٹپک رہا تھا۔ چنانچہ ٹھیک کرکے دوبارہ قبر کو بند کردیا گیا۔ [1]

---

[1] اکابرین گجرات صـ۴۸۲۔ گجرات کے روحانی چراغ۔

مصطفےٰ

مذکورہ ذیل اشعار کے شاعر کا نام مصطفےٰ ہے ۔ جو اپنے کو حضرت قطب عالم برہان الدین ابو محمد عبداللہ بخاری (متوفی ۸۵۷ھ) بٹوہ احمد آباد کی اولاد میں سے کہتے تھے ۔ اور انہوں نے ۱۱۰۲ھ میں یہ نور نامہ فارسی دکھنی میں منتقل کیا ۔ ؎

فارسی تھا سو دکھنی بات — لکھا مصطفےٰ حُب سنکات
کوئی پیر دیکھیں کے در حال — میرے حُب کا یو ہی خیال
یاں نی مرنا نین مجکو جاں — نور نامہ کا کیا بیان
جکوی پیر دیکھی ہوتے شاد — مجھ عاجز کوں کری یاد
شیخ قطب عالم کی ہیں اولاد — نور نامہ کا کیا میں بنیاد
نور محمد کا نور محمد میں — میں بیتھا لکھیا ادسان میں
یکہزار دو کلی سان جان — نور تھا قدرت کا یوں نشاں
ہور بھجو نبی پر ہم صلوٰۃ ! — ہی کلیمی سنتی میری بات
نبی صلوا علیٰ وآلِ رسول ! — مجھ خادم کمین کون کرنا قبول
ہی مجکوں آپس ہی یو نفا — تجھ ناؤں کا ری ہوں مصطفیٰ ؎

سیّد جعفر شیرازی
م ۹۴۲ھ / ۱۵۳۵ء

شیرازیوں کا ایک مشہور خاندان اپنے وطن سے آکر سندھ میں آباد ہوا تھا سیّد جعفر شیرازی سندھ ہی میں پیدا ہوئے ۔ اپنے والد سے علوم کی تحصیل کی

؎ علمی نقوش ص ۱۱۱

سندھ سے پٹن آ گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد احمد آباد میں مقیم ہو گئے۔

سید جعفر کو حضرت قطب عالم سے عقیدت ہو گئی تھی۔ ان کی صحبت بابرکت میں رہ کر خرقۂ خلافت پہنا۔

زندگی کا مشغلہ درس و تدریس رہا۔ احمد آباد میں آپ کی وفات ہوئی۔ [1]

سید احمد مخدوم جہاں شاہ

م ۹/ ذی الحجہ ۸۹۹ھ

سید احمد جن کا لقب مخدوم جہاں شاہ ہے۔ مخدوم جہاں شاہ گردیزی رضوی اپنی والدہ کی وفات کے بعد مانکپور پورب سے اوچہ/ اُوچ شریف تشریف لیگئے اور حضرت سید محمد راجو قتال کی خدمت میں رہ کر ان کے مرید ہوئے اور کچھ مدت اُوچ شریف میں رہے۔ اس کے بعد وہاں سے مکہ معظمہ پہنچے۔ پھر سید راجو سے

---

[1] تذکرہ قاریانِ ہند ج ۲ ص ایضاً۔

اجازت لے کر گجرات کی طرف روانہ ہوئے ۔ حضرت سید راجو نے ایک عبا آپ کے ہمراہ قطب عالم کی خدمت میں بھیجی تھی ۔ سید احمد نے وہ عبا رلا کر (اس وقت قطب عالم پٹن میں تشریف فرما تھے) حضرت سید راجو کے ارشاد کے بموجب قطب عالم کو پہنچائی ۔ بعد میں ۱۱۰۴ھ تک وہ عبا یا اس کا کچھ حصہ احمد آباد میں حضرت مخدوم العالم مولانا شیخ نورالدین محمد کے فرزندوں کے پاس بطور تبرک موجود تھا ۔ سید احمد نے اپنے عم بزرگوار سید خدابخش کے مکان میں قیام کیا ۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں حضرت مخدوم عالم اسمٰعیل کو بشارت دی کہ اپنی بچی کی نسبت سید احمد جہاں شاہ سے کر دیں ۔ اور عالم واقعہ میں دیکھا کہ حضرت سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمارہے ہیں : یا علم الدین اعطحبیبتك فی عقد ولدی احمد تسلیماً ، حضرت مخدوم عالم اپنے گھر سے ان کے استقبال کے واسطے سید خدابخش کے گھر میں تشریف لائے ۔ اور بچی کا عقد سید احمد کے ساتھ سید خدابخش کے گھر میں کر دیا ۔ اور عقد کر کے ان کو اپنے گھر لے آئے سید احمد عقدِ مناکحت کے بعد پانچ ماہ رہے ۔ اس کے بعد مکہ معظمہ تشریف لے گئے ۔ بارہ سال وہاں رہ کر کئی حج کئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیلئے

مدینہ منورہ پہنچے ۔ اس کے بعد بیت المقدس کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے بارہ سال کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بشارت دی کہ پٹن کی طرف تشریف لے جائیں ۔ فرمایا کہ اے میرے بیٹے سید احمد نہروالہ جا کر سکونت پذیر ہو جاؤ کہ میری امت کے گنہگار اور عاصی آپ کو دیکھیں ۔

حضرت قطب عالم اور شاہ عالم آپ کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے ۔ اور ادھر سے حضرت شیخ الاسلام شیخ احمد آپ کی بہت زیادہ تعظیم کرتے اور پورے

ادب کے ساتھ ان کی خدمت میں بیٹھتے۔ کسی نے پوچھا کہ سید احمد آپ کی خدمت میں آتے ہیں۔ اور حضرت انکی تعظیم وادب فرماتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ ایک شب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا۔ سیّد احمد اپنا سر آپ صلی اللہ وسلم کے زانو مبارک پر رکھ کر سو رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خطاب کر کے فرمایا یا شیخ احمد انا احمد وھذا ولدی احمد اس روز سے میں انکی بہت زیادہ تعظیم کرتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس قدر یہ قرب رکھتے ہیں۔

سید احمد کی ولادت ۷۸۹ھ میں ہوئی اور آپ کا وصال نو ذی الحجہ ۸۹۹ھ میں ہوا۔ اور لفظ "وارث امام علی" سے تاریخ ولادت نکلتی ہے اسی سے عمر کے سال بھی نکلتے ہیں۔ تاریخ ولادت لفظ وارث اور امام سے اور عمر کی تعداد لفظ علی سے۔ کہ ایک سو دس سال عمر آپ نے پائی ہے[1]

ملک شرف الدین شاہ شہباز

احمدآباد گجرات میں آپ کی نشو و نما ہوئی۔ جب آپکی عمر پانچ سال تھی تو آپ کے پدر بزرگوار ترک سکونت کر کے خاندیس چلے گئے۔ اس صوبہ کے حاکم نے بھی والی احمدآباد کی طرح آپکے والد کا اعزاز کیا۔ آپ اس وقت مکتب میں پڑھا کرتے تھے لیکن جس قدر عقل اور عمر بڑھتی جاتی تھی، اسی قدر رسمی علوم سے دلچسپی زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ جب پدر بزرگوار اس جہاں سے رخصت ہوئے تو حاکم نے آپ کو آپ

[1] خاتمہ مرات احمدی ص۱۱۵۔

کے والد کے منصب پر بلایا مگر آپ نے قبول نہیں کیا اور عقلی علوم کی تحصیل میں کوشش کرنی شروع کی ۔ مگر اچانک خداطلبی کا درد اور خداشناسی کا شوق دل کا دامن گیر ہوا ۔ پھر پیر طریقت کی تلاش شروع کی ان ایام میں مخدوم شیخ احمد کھٹو اور قطب زماں شاہ علی خطیب قدس سرہما احمد آباد میں تھے ۔ اور طالبان درست اعتقاد کی رہنمائی میں کامل شہرت رکھتے تھے آپ نے چاہا کہ اپنے درد کی دوا ان دونوں صاحبوں میں سے کسی ایک کی خدمت میں حاضر ہو کر طلب کریں ۔ اسی کشاکشی میں تھے کہ ایک رات خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ شاہ علی خطیب نے اپنا مرید کر کے تلقین فرمائی اور خرقۂ خلافت پہنایا ۔ اس شب کی صبح ہوتے ہی جو کچھ نقد وجنس پاس تھا سب محتاجوں کو تقسیم کر دیا اور خالی ہاتھ احمد آباد کا راستہ لیا جب پیر نے آپ کو دور سے دیکھا تو تبسم کناں فرمایا عالم مثال کا ملاقاتی آگیا ۔ چند سال بعد جب کہ خدمت کی بدولت معرفت کے عالی مرتبہ پر سرفرازی ہوئی تو رخصت ملی مگر تین شرطوں پر ۱ وطن کو جانا ۲ کدخدا ہونا ۳ لوگوں کی رہنمائی کرنا ۔

مجبوراً آپ خاندیس آئے ایک پہاڑ کے دامن میں سکونت اختیار کی ۔ خواب میں آگاہی ملی کہ لوگوں کی رہنمائی کے واسطے شہر میں سکونت اختیار کرنے کا حکم تھا ۔ تم اس کے برخلاف صحرانشین ہو گئے ہو ۔ آپ اس کو خواب وخیال سمجھ کر پھر پیر کی ملازمت میں حاضر ہوئے ۔ ملازمت میں پہنچے تو پیر کی زبان سے بھی وہی عالم مثال کا اشارہ پایا اور پہلی ہی رات کو خواب میں دیکھا کہ قیامت کا شور اٹھا ہوا ہے اور لوگ ہر طرف پریشان دوڑے دوڑے پھرتے ہیں ۔ آپ کے پیر حضور خاتم النبیین علیہ الف صلوٰۃ والتسلیم کی کمر میں ہاتھ ڈالے ہوئے اور آپ پیر کی کمر کو

ہاتھ سے مضبوط تھامے ہوئے ہیں اور اسی شکل کے ساتھ ایک پہاڑ پر چڑھ رہے ہیں۔ اور علیٰ ہٰذا القیاس آپ کے پیچھے بے شمار جماعت ایک دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈالے ہوئے آپ کے نزدیک آ رہی ہے،، پیر نے یہ خواب سنکر فرمایا کہ یہ تمام جماعت تمہاری پیری اور رہنمائی سے کرامت اور ولایت کے درجہ کو پہنچے گی۔ لہٰذا آئندہ لوگوں سے ملنے سے کنارہ کشی نہ کیا کرو۔ نیز پیر نے دو بیٹوں کی خوشخبری سنائی اور فرمایا کہ یہ دونوں بیٹے عالم دنیا اور عالم غیب میں مشہور رہوں گے۔ ایک کا نام عبد لرحیم اور دوسرے نام عبدالکریم ہوگا۔

آپ نے برہانپور آکر شادی کی اور پھر تھوڑے عرصے کے بعد بشارت ظہور پذیر ہوئی۔ ۲۶ رسال ہدایت کی مسند پر بیٹھ کر رہنمائی کرتے رہے ان دونوں لڑکوں نے بھی سلفِ صالحین کی رفتار رکھی۔ اور ان لڑکوں کے علاوہ دیگر بہت سے لوگ بھی آپ کی ملازمت سے اس درجہ کو پہنچے کہ خود بھی خلیفہ ہوئے اور دوسروں کو بھی خلیفہ بنایا۔

مسند نشینی کے بعد آپ (۱) دنیا داروں کے دروازہ پر کبھی نہیں گئے۔ اور کسی کے کھانے میں سے لقمہ نہیں اٹھایا (۲) جب کوئی مشکل پیش آتی تھی جنگل کو چلے جایا کرتے تھے اور دو رکعت نماز پڑھکر مراقبہ میں بیٹھ جایا کرتے تھے۔ اس وقت حضرت غوث الثقلین سیّد محی الدین جیلانی قدس سرہٗ مشکی گھوڑے پر سوار آپ کو نظر آیا کرتے تھے اور نہایت آسان شکل کے ساتھ مشکل کو حل فرمایا کرتے تھے۔

(۳) ایک روز نماز ظہر کا وقت تھا۔ پانی تلاش کیا تو نہیں ملا۔ اس خوف سے کہ وقت نہ نکل جائے ایک دیگ آگ پر رکھی ہوئی تھی جس میں پانی کھول رہا تھا اس میں سے آپ نے پانی لے کر وضو کیا اور لوگوں کو ابراہیمی معجزہ دکھایا۔

(۴) شب قدر کو دیکھا تھا۔ (۵) خواجہ خضر سے ملاقات کی تھی۔ (۶) اپنی وفات کی اطلاع دوستوں کو نو روز پیشتر دے دی تھی اور اس عرصہ میں سب کو رخصت کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ میرے پاس سے اپنا مقصد بہت سے لوگ حاصل کیا کرتے تھے اب بھی جو شخص یک دل اور یک رو ہو کر میری قبر کی طرف متوجہ ہوگا تو جو مہم اس کی ہوگی وہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے پوری کر دے گا۔ جب نویں روز شام اور شام کے بعد رات ہوئی تو آپ نے آدھی رات کے وقت اپنے خادم سے پوچھا کتنی رات گئی ہے؛ غلطی سے اس کی زبان سے نکل گیا کہ اشراق کا وقت آگیا۔ آپ نے تبسم کر کے فرمایا ہاں درست ہے اور اسی دم آپ کی روح واصلِ حق ہوئی۔

اس وقت شیخ پیرو نامی ایک شخص باہر نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے نور کی ایک مشعل کو دیکھا کہ حجرہ کا چھت توڑ کر باہر نکل گئی۔ اس چمک دمک کے ساتھ ان کو طلوعِ آفتاب کا شبہ ہوا اور بے اختیار "سبحان ربی الاعلیٰ" کہہ کر زمین پر سر رکھدیا۔ [۱]

شاہ حماد ابن قاضی محمد

خلیفہ قطبِ عالم

تاریخ دکن میں آپ کے مختصر احوال ملتے ہیں کہ سن بلوغت تک پہنچنے کے ساتھ ہی علوم و فنون کے منتہیٰ کو آپ نے چھو لیا تھا۔ اور طریقت میں آپ کو حضرت قطب عالم

---

[۱] گلزار ابرار صفحہ ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳۔

سے ارادت حاصل تھی جیساکہ آپ کے والد محترم قاضی محمد اور آپ کے برادر حمید اور حامد بھی قطب عالم کے دامنِ ارادت سے وابستہ تھے ۔

آپ نہایت خلوت پسند تھے ۔ طبیعت میں پاکیزگی اس قدر تھی کہ مشکوک غذا کو آپکا معدہ ہضم نہیں کرسکتا تھا ۔ آپ کے زیادہ تر اسفار باوجو خلوت پسندی کے جہاد بالسیف کے لئے ہوئے ۔ یہاں تک کہ آپ نے عین جوانی میں صرف ۳۶ر سال کی عمر میں دار فانی سے دار بقا کو کوچ فرمایا ۔ او ر سارنگپور میں مدفون ہوئے ۔ [1]

مرأۃ احمدی کے خاتمہ میں آپ کے تفصیلی حالات تحریر ہیں ۔ لکھا ہے کہ :-

رئیس الاوتاد حماد آپ کا مزار قلعہ کے دروازہ سہارنپور کے پاس احمدآباد میں واقع ہے ۔ آپ کے پدر بزرگوار (جن کا اسم گرامی قاضی محمد ہے) وہ قطب العالم کے مرید تھے اور یہ تین بھائی تھے ایک کا نام حمید تھا جو قاضی جا یلندہ کے نام سے مشہور تھے ۔ جو قاضی محمود دریائیؒ کے پدر بزرگوار ہیں ۔ دوسرے یہ قاضی حماد تیسرے حامد ۔ یہ حمیدؔ ، حمادؔ ، حامدؔ نامی تینوں بھائی حضرت شاہ عالم کے خلیفہ و مرید تھے ۔ شاہ حماد نے بارہ سال طفولیت میں اور طلب علم میں صرف کیئے ۔ اور بارہ سال تک کفار سے سپاہیوں کا لباس پہن کر کفار سے جہاد میں معروف رہے ۔ اس وقت بھی اکلِ حلال اور صدقِ مقال کو آپ نے اس طرح لازم پکڑا کہ کسی نے تکلف سے یا شبہ سے کسی کھانے کی ترغیب دی جو واقعی حرام ہوتا اور آپ اس کی دلجوئی اور اس کے پاس خاطر میں ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے تو یا تو ہاتھ ہی دراز نہیں ہوسکتا تھا ۔ یا فوراً بعد استفراغ ہو جاتا ۔ یہاں تک کہ آپ کے

---

[1] اکابرینِ گجرات ص۲۵۳ ، تاریخ دکن حصہ ۲ مرأۃ احمدی ۔

اس تقوی کا اثر آپ کی سواری کے جانور پر بھی اس قدر تھا کہ وہ بھی کبھی حرام دانہ اور گھاس نہیں کھا سکتا تھا۔ اس کے بعد بارہ سال تمام علائق کو ترک کرکے آپ مشغول بخدا رہے، راتوں کو بہت کم سوتے آپ پر جلال کا اس قدر غلبہ تھا کہ کسی کی مجال نہیں تھی کہ آپ کے سامنے آسکے یا کسی قسم کی آپ کے سامنے دنیوی گفتگو کرسکے۔ جو بھی آپ کی جلال اثر نگاہ کے سامنے آتا غیر شعوری طور پر وہ کھڑے ہونے کی طاقت نہیں رکھ سکتا تھا۔ گر پڑتا اس لئے آپ اکثر اوقات اپنے آپ کو پردے میں .... رکھتے یہاں تک کہ ہر وقت کے حاضر باش خدام بھی پردے کے پیچھے سے خدمت اور آپ کی خواہش معلوم کرلیتے اور اس کو بجالاتے۔ جو گفتگو ہوتی وہ پردے کے پیچھے سے کرتے۔ آپ بعض باتوں کے جواب میں صرف اتنا فرمادیتے کہ میں دیتا ہوں یا نہیں دیتا اس وجہ سے بعض علماء نے اس زمانہ میں آپ کے قتل کا فتوی دیا، فتوی لکھکر سلطان وقت کی خدمت میں پیش کیا کہ یہ شخص خدا کے نام کو بیچ میں نہیں لاتا ہر چیز کے جواب میں کہتا ہے کہ میدہم یانمی دہم ۔

میں دیتا ہوں یا نہیں دیتا اس طرح اپنی طرف سے یہ کہتا ہے ۔

سلطان نے کہا کہ جیسا حسین بن منصور کے قتل پر جنید بغدادی نے فتوی لکھ دیا تھا اس محضر (فتوی) پر اگر انکے بھائی قاضی جالندہ/جالندہ گواہی لکھدیں تو میں انکے قتل کا حکم دے دونگا۔ علماء قاضی صاحب کے پاس پہنچے اور مدعا ظاہر کیا قاضی صاحب نے جواب میں عرض کیا۔ تھوڑی دیر توقف کرو میں حماد کو نصیحت کرتا ہوں اگر قبول کریں اور توبہ کرلیں اور انابت الی اللہ بجالائیں تو ٹھیک کہ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ ورنہ میں فتوی لکھ دیتا ہوں۔ علماء نے اس کو قبول کیا قاضی شاہ حماد کے پاس پہنچے اور نصیحت کرنے لگے۔ شاہ حماد نے جواب میں فرمایا کہ میاں جی اگر مخلوق نہیں جانتی

تو تم تو خوب جانتے ہو کہ میں اپنی طرف سے میں نہیں کہتا کہنے والا دوسرا ہے اور جو بھی اس فتویٰ کے باعث ہوا سکو درمیان میں سے میں نے اٹھا دیا اور اس فتوے کے باعث ایک عالم تھے میاں جی انکا نام تھا جو قاضی العالم شاہ حماد کے بھی استاد تھے اور قاضی جائلندہ کے بھی استاد تھے غرض جالندہ کہنے لگے کہ وہ ہمارے استاد ہیں استاد کا حق ضائع ہو رہا ہے شاہ حماد کہنے لگے اقتلوا الموذی قبل الایذا یہ دونوں بھائی اس گفتگو میں تھے کہ خبر پہنچی کہ مولانا میاں جی کو اس طرح درد شکم (پیٹ کا درد) لاحق ہوا کہ وہ جاں بلب ہیں یہ سنکر قاضی جائلندہ کہنے لگے کہ ہائے ہائے میاں حماد توجہ کیجیے کہ وہ صحت یاب ہو جائیں حماد کہنے لگے کہ اگر میرے سامنے آئیں اور اس فتویٰ سے باز آ جائیں تو تب وہ جان کو سلامت رکھ سکتے ہیں۔

قاضی جائلندہ دوڑے دوڑے مولانا میاں جی کے پاس پہنچے اور شاہ حماد کا مقولہ ان کے سامنے ذکر کیا مولانا میاں جی کہنے لگے کہ ۶۲/سال شریعت کی استقامت پر میں نے گزارے اور مجھے بھی معلوم ہے کہ میں ان کے سامنے جاؤنگا تو مجھے صحت ہو جائے گی لیکن چند گنے چنے دنوں کے خاطر میں کیوں جاؤں میں تو شریعت غرہ۔ شریعت بیضا کی حفاظت کرونگا اور اپنی جان کی بازی لگا دونگا اس طرح انہوں نے جان کی بازی لگا دی اور انتقال ہو گیا۔ انتقال کے تیسرے روز مولانا شاہ حماد اور قاضی جائلندہ میاں جی کی قبر پر آئے دعا کی۔ آپکی عمر ۶۳/سال ہوئی ۲۲/شوال کو آپ نے انتقال کیا۔ ؂

(؂ خاتمہ مرات احمدی ص۵)

علاّمہ وجیہہ الدّین علوی

(وفات ۹۹۸ھ / ۱۵۸۹ء)

علاّمہ وجیہہ الدین بن نصر اللہ بن عماد الدین علوی ۔ اپنے زمانہ کے مشہور اکابر علماء میں سے تھے ۔ علوم دینی میں بے پناہ تبحر رکھتے تھے ۔ انکی کثرتِ تصانیف اور تدریس میں ان کا کوئی معاصر ان کی برابری نہیں کرسکتا بلکہ بعد کے لوگوں میں ایسے مرجع الخواص مشائخ کم ہی رہے ہیں آپ کے تلامذہ کی تعداد ایک گجراتی تاریخ کے مطابق ۴۸ ہزار تک پہنچ گئی تھی ۔

۲۲ محرم الحرام ۹۱۰ھ / ۱۵۰۴ء کو چانپانیر (گجرات) میں پیدا ہوئے ۔ شیخ وجیہہ الدین کے دادا سید بہاؤ الدین مکی عرب سے ہندوستان سلطان محمود ثانی کے عہدِ حکومت میں تشریف لائے تھے ۔ اور چانپانیر کو اپنا مسکن بنایا تھا ۔ یہیں نکاح کیا اور یہیں انتقال ہوا ۔ علامہ کی پیدائش بھی یہیں کی ہے ۔

تعلیم و تعلم قدرت نے ابتداء ہی سے انہیں نیک طینت اور صالح بنایا تھا ۔ ذہانت اور قوتِ یادداشت بلا کی پائی تھی ۔ تقریباً پانچ سال کی عمر میں ناظرہ اور سات سال کی عمر میں حفظ قرآن سے فارغ ہو گئے ۔ اور آٹھویں سال تجوید کے ساتھ قرآن مجید علماء کے سامنے سنایا ۔ اس کے بعد علوم متداولہ کی تحصیل میں مشغول ہوئے اور اپنے چچا سیّد شمس الدین سے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں ۔ پھر اپنے ماموں سید ابو القاسم سے حدیث کا درس لیا ۔ چودہ پندرہ سال کی عمر میں فنِ حدیث میں اس درجہ مہارت حاصل کرلی کہ اس زمانے کے مشہور محدث علامہ محمد بن محمد مالکی اور حضرت ابو البرکات ، شاہ عبدالملک بنبانی عباسی سے باقاعدہ تحصیل کرکے اس میں

سندِ فراغت حاصل کی ۔ اس کے بعد علومِ عقلیہ کی طرف توجہ کی ۔ تو علامہ جلال الدین دوانی کے مایۂ نازشاگرد مولانا عماد الدین طارمی اور ابوالفضل محمد مظہرالدین گاذرونی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ۔ اور چوبیس سال کی عمر میں علوم ظاہری کی تکمیل کرلی تقریباً ستر سال تک احمد آباد میں معقول ومنقول کے پڑھانے میں اپنی اوقات بسر کی ۔

سلطان مظفر آپ کے والد شاہ نصراللہؒ کی بڑی عزت کرتے تھے امورِ سلطنت میں اکثر ان سے مشورہ لیتے تھے ۔ مظفر شاہ نے شاہ نصراللہؒ سے درخواست کی کہ احمد آباد میں قیام فرمالیں چنانچہ آپ چانپانیر سے منتقل ہو کر احمد آباد تشریف لے آئے ۔ علامہ وجیہہ الدین بھی اپنے والد کے ہمراہ احمد آباد آگئے اور زندگی بھر یہیں مقیم رہے ۔ احمد آباد آمد کے وقت علامہ کی عمر آٹھ سال تھی ۔ آپ نے قرآن وحدیث علوم نقلیہ اور عقلیہ سے فراغت کے بعد احمد آباد میں ۲۲ بائیس سال کی عمر سے تدریس شروع کی اور آخیر عمر تک احمد آباد میں علوم کے دریا بہاتے رہے ۔

شرح جامی اور تفسیر بیضاوی جیسی تقریباً ۲۳ تیئیس کتابوں کے شروح و حواشی لکھے ۔ آپ کی زندگی میں احمد آباد سے لاہور تک آپ کے شاگردوں نے علم دین کو پھیلایا ۔ [1]

شیوخ سے تعلق آپ نے متعدد بزرگوں سے فیض پایا ۔ پہلے اپنے والد سے چشتیہ اور مغربیہ سلسلہ کی تعلیم پائی پھر قاضی خاں چشتی المشہور بہ قاضی قاضن چشتی نہروالی (مدفون بر پٹن) کی صحبت میں رہ کر علوم باطنی حاصل کرتے رہے ۔ ان کے انتقال کے بعد میاں بدرالدین

---

[1] تاریخ صوفیائے گجرات

ابوالقاسم سہروردی سے تعلق قائم کیا، جب جذبۂ شوق کا غلبہ ہوتا تو سید کبیر الدین مجذوب کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ نیز آپ نے شیخ نجم الدین صدیقی سے بھی فیض پایا۔ آخر میں سید غوث گوالیاری شطاری کے دامنِ تربیت سے وابستہ ہوگئے۔

شیخ غوث محمد گوالیاری کے خلاف شیخ علی متقی نے کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ جس کا ذکر شیخ غوث گوالیاری کے حالات میں تفصیل سے کیا گیا ہے۔ فتویٰ کی بنیاد شیخ گوالیاری کی کتابوں میں بعض باتیں تھیں جو قابلِ اعتراض تھیں۔ علامہ وجیہہ الدین علوی نے فتویٰ دیکھا تو فتویٰ کو پھاڑ دیا اور فرمایا کہ معراج نامہ میں جتنے واقعات درج کیے گئے ہیں۔ شیخ نے یہ تمام باتیں خواب کی کیفیت میں فرمائی ہیں۔ خواب کے واقعات کو ظاہری زندگی کے معاملات پر محمول نہیں کرنا چاہیئے۔[1]

شیخ علی متقی کو اس کی اطلاع ہوئی تو بہت ناراض ہوئے اور علامہ وجیہہ الدین سے کہا کہ بدعت کی اشاعت اور دین میں رخنہ پیدا کرنے میں تم کس طرح راضی ہوگئے۔ علامہ وجیہہ الدین نے جن کا قلب و جگر پہلے ہی شیخ گوالیاری کے دام الفت میں پھنس چکا تھا۔ جواب دیا کہ ہم اربابِ قال ہیں۔ شیخ گوالیاری اہلِ حال ہیں، ہمارا فہم ان کے کمالات تک نہیں پہنچ سکتا۔

شاہ محمد غوث کے حلقہ ارادت میں آنیکا سبب

شاہ وجیہہ الدین علوی رح حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری رح کے حلقہ ارادت میں کیسے اور کب آئے؟ اس کے متعلق مختلف روایتیں ملتی ہیں۔ بعض تذکرہ نگاروں نے شاہ محمد غوث کے واقعہ تکفیر کو اس کا سبب بتایا ہے کہ یہی واقعہ شاہ وجیہہ الدین کی بیعت اور خلافت کا ذریعہ بن گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ پہلے اپنے ماموں شیخ یحییٰ کے ساتھ شاہ

---

[1] خزینۃ الاصفیاء صـ ۳۲۲۔

محمد غوث رح کی خدمت میں تشریف لائے اور شرفِ بیعت حاصل کیا۔

اس سلسلہ میں تیسرا بیان شیخ عبدالنبی شطاری اکبرآبادی کا ہے جسے انہوں نے اپنی کتاب "تذکرۂ اولیائے شطار" میں لکھا ہے اس بیان کی زیادہ اہمیت اس لئے ہے کہ شیخ عبدالنبی اور ان کے والد شیخ عبداللہ عثمانی سندیلوی ثم اکبرآبادی شاہ وجیہہ الدین کے تلامذہ میں ہیں اور برسوں انکی صحبت میں رہے ہیں۔ شیخ عبدالنبی اپنے والد کے متعلق لکھتے ہیں کہ میرے والد کے اساتذہ میں شیخ مبارک دانشمند اور شیخ وجیہہ الدین گجراتی تھے تحصیل علوم کے بعد والد صاحب نے دو سال تدریسی فرائض انجام دیتے۔ پھر خدا طلبی کا جذبہ پیدا ہوا تو تمام کتابیں طلبہ میں تقسیم کرکے گوشۂ تنہائی اختیار کرلیا۔ اور ریاضتِ شاقہ میں مصروف ہوگئے ان دنول ان کے یہ دونوں استاد ان کے لئے افطار بھیج دیا کرتے اسی اثناء میں یہ خبر پہنچی کہ حضرت شیخ محمد غوث چانپانیر میں تشریف لائے ہیں۔ شیخ وجیہہ الدین نے ان کے اوصاف و کمالات شیخ مبارک دانشمند سے سنے۔ تو ان کے دل میں شیخ محمد غوث سے عقیدت پیدا ہوگئی۔ اس کا اظہار انہوں نے اپنے والد صاحب سے بھی کیا۔ جنہوں نے کہا کہ ملاقات سے پہلے استخارہ کرلیں تو بہتر رہے گا۔ شیخ وجیہہ الدین نے فرمایا کہ زیادہ تر لوگ ان کی روحانیت کے قائل ہیں اس لئے میری خواہش ہے کہ ان کی خدمت بابرکت میں جلد پہنچوں ان کے والد نے کہا کہ اپنے دل میں کوئی نشانی سوچ لیں اگر وہ واقعی مردِ درویش ہونگے تو پتہ چل جائے گا۔ ورنہ پھر لوگ آپ پر طعنہ زن ہوں گے شیخ وجیہہ الدین کو اپنے والد کی یہ بات پسند آئی انہوں نے بڑی توجہ سے استخارہ کیا۔ دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ شیخ محمد غوث کو اللہ تعالی اس دیار

ہیں آپ کے لئے اور بعض دوسرے لوگوں کے لئے لایا ہے۔ چنانچہ دوسرے روز شیخ وجیہہ الدین نے فرمایا کہ مجھے حضرت محمد غوث رح کی خدمت میں جانے کا حکم ہو گیا ہے تم بھی ساتھ چلو۔ آخر شیخ وجیہہ الدین اور شیخ مبارک دانشمند اس قدوۂ شطار کی خدمت میں چانپانیر پہنچے۔ شیخ وجیہہ الدین نے شیخ مبارک سے کہا کہ وہ یہ نہ بتلائیں کہ یہ وجیہہ الدین ہیں۔ جب مرشدنا مدار کے دربار میں پہنچے تو حضرت غوث کی خادمہ چنپا دائی نکل کر باہر آئی اور کہا کہ حضرت نے فرمایا ہے کہ شیخ وجیہہ الدین اور شیخ مبارک دانشمند احمد آباد سے آئے ہیں ان سے کہو کہ تشریف رکھیں۔ فقیر بھی تجدید وضو کے بعد حاضر ہوتا ہے۔ یہ دونوں حضرات کچھ دیر بیٹھے تھے کہ حضرت غوث باہر تشریف لائے اور بغل گیر ہوئے اور فرمایا کہ میاں جی! حق تعالیٰ مجھے اس دیار میں آپ کے واسطے اور بعض دوسرے یاروں کے لئے لایا ہے۔ شیخ وجیہہ الدین تعظیم بجالائے اور عرض کیا کہ حضرت والا کی خدمت میں ارادت کی غرض سے آیا ہوں۔ حضرت غوث نے فرمایا کہ میاں جی! آپ کو مرید ہونے کی چنداں ضرورت نہ تھی لیکن میری جانب سے جو کچھ فیض مقدر ہے وہ آپ کو مل کر رہے گا۔ پھر حضرت غوث نے اپنا خرقۂ مبارک شیخ وجیہہ الدین کو پہنا دیا۔ اور فرمایا کہ میاں جی! آپ لوگوں کو ہدایت فرمائیں اور انہیں مرید کریں۔ حضرت غوث نے انہیں چند روز اپنے یہاں ٹھہرا کر بعض مراقبات و اشغال تلقین فرمائے اور پھر انہیں احمد آباد رخصت کر دیا اور یہ بھی فرمایا کہ آپ چلیں۔ آپ کے پیچھے ہم بھی پہنچتے ہیں۔

شیخ وجیہہ الدین نے واپسی کے بعد اپنے والد صاحب سے حضرت غوث رح کی بے حد تعریف کی۔ اور فرمایا کہ آپ بھی انہیں دیکھ لوگے تو ان کے شیدا ہو جائیں گے والد صاحب نے کہا کہ جو کچھ ازل میں لکھا جا چکا ہے وہ ظاہر ہو کر رہے گا۔

چند دنوں کے بعد حضرت غوث احمد آباد تشریف لائے ۔ دستور خاں کے خوبصورت اور دلکش باغ میں ورود فرمایا ۔ شیخ وجیہہ الدین حضرت غوث کی ملاقات کے لئے چلنے لگے تو اصرار کر کے والد صاحب کو بھی ساتھ لے لیا ۔ شیخ وجیہہ الدین حضرت غوث کی خدمت میں رہنے لگے ۔ ایک روز کچھ ریاضت و مجاہدہ کے سلسلہ میں عرض کیا تو حضرت غوث نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے نتائج و ثمرات ضرور ظاہر فرمائیں گے پھر تھوڑی دیر کے بعد شیخ وجیہہ الدین نے اپنے والد سے کہا کہ آپ بھی اس سلسلہ میں کیوں نہیں داخل ہو جاتے ؟ والد نے جواب دیا اور کہا کہ یوں تو مشائخ کے بہت سے سلسلے ہیں لیکن میری طبیعت دوسروں سے الگ ہے ۔ میں تو چاہتا ہوں کہ ایسے بزرگ کے حلقہ میں آؤں جو واقعی اللہ کی راہ میں اپنے کو فنا کر چکا ہو ۔ اسی اثناء میں حضرت غوث کی زبانِ مبارک سے نکلا کہ ہرن شیر کے پنجے میں آ گیا ہے ۔ لوگوں کو اس جملے پر حیرت ہوئی تھوڑی دیر کے بعد عصر کی نماز حضرت غوث کے ساتھ ادا کی اور رخصت ہونے لگے تو حضرت غوث بھی ان کے ساتھ کھڑے ہو گئے ۔ بغلگیر ہو کر انہیں رخصت کیا ۔[1]

اوصاف و کمالات

علامہ وجیہہ الدین بڑے صاحب صدق و اخلاص تھے ۔ قناعت اور سخاوت کے پیکر تھے ۔ جو کچھ حاصل ہوتا طلبہ پر صرف کر دیتے ۔ اپنے دولتکدہ اور مسجد میں عبادت و تدریس کے سوا کوئی مشغلہ نہ تھا ۔

مدرسہ کا قیام

آپ نے ۹۳۴ھ میں خانپور احمد آباد میں ایک مدرسہ قائم کیا اور اس کا نام مدرسہ عالیہ علویہ رکھا ۔ ۸۴ سال کی عمر تک اسی مدرسہ میں درس دیتے رہے ۔ آپ کی طبیعت پر طریقت و سلسلہ کا اور باطنی شغل کا اس قدر غلبہ ہوا کہ بڑی عمر میں درس و تدریس بھی موقوف فرمادی ۔ اور ہمہ تن طریقت

---

[1] المعارف فروری ۶۸۲ صفحہ ۱۱۶ ۔

ہی کے ہو کر رہ گئے ۔ اسی اثناء میں ایک رات سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "مدرسہ میں درس دینا نہ چھوڑو" اس ارشاد عالی پر دوبارہ درس دینا شروع کر دیا اور تادم آخر یہ خدمت انجام دیتے رہے مذکورہ خواب کے بعد مدرسہ کا نام تبدیل کر کے مدرسہ درس محمدی رکھدیا ۔ [1]

مدرسہ درس محمدی کے ہونہار فضلاء میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں ۔ حضرت غوث گوالیاری کے چاروں صاحبزادے اور شیخ محمد بن فضل اللہ ، علامہ صبغۃ اللہ بھروچی شیخ اسحاق بھروچی اور سید جلال الدین ماہ عالم ۔

زہد و قناعت

آپ کی زندگی نہایت سادہ تھی ۔ موٹا کپڑا پہنتے تھے اور عام لوگوں کی طرح رہتے جو کچھ آتا دوسروں پر خرچ کر دیتے ۔ امیروں کے گھر پر خود کبھی نہ جاتے ۔ ایک دو مرتبہ حکام وقت کی طلب پر مجبوراً جانا پڑا ورنہ گھر اور مسجد کے احاطہ سے باہر قدم نہ رکھتے ۔ [1]

کرامات

آپ کی کرامات میں سے ایک واقعہ کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے ۔ ایک روز خواجہ عبدالشہید کے ایک مرید نے وجیہ الحق کی خدمت میں یہ ماجرا بیان کیا کہ فقیر اپنے وطن میں ایک سخت مرض میں مبتلا ہو گیا یہاں تک کہ لوگوں کو صحت سے مایوسی ہو گئی اس کے بعد پیر کے آستانہ پر جا پڑا اس خیال سے کہ اس جگہ موجود ہونا بشرطِ حیات یقیناً جلد صحت یابی کا سبب ہو گا ۔ ایک روز پیر نے مراقبہ کے لئے زانو پر سر رکھا تھا کہ تھوڑی دیر کے بعد ایک نورانی شخص ایسے لباس میں جو ہمارے ملک میں غیر متعارف ہے حجرہ میں آئے ۔ کچھ دیر کے بعد پیر نے فقیر کو بھی حجرہ کے اندر بلالیا ۔ آنے والے نورانی شخص نے پانی پر دم کر کے بیمار کے لئے شربتِ شفاء کر دیا ۔ پیتے ہی فوراً مجھ کو

---

[1] تاریخ صوفیائے گجرات ۔

آثار صحت اپنے جسم میں معلوم ہونے لگے ۔ اُسی وقت وہ خضر وقت مسیحا حجرہ سے نکلے اور میری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے ۔

میں نے پیر سے دریافت کیا کہ ان بزرگ کا نام کیا ہے ان کا مقام کہاں ہے ۔ فرمایا نام شیخ وجیہہ الدین احمد ہے اور مسکن احمدآباد گجرات ہے ۔ اسم الٰہی کے مظہر اس زمانے میں آپ ہی ہیں ۔ جب میری نظر تمہاری دشوار بیماری پر پڑی تو ناامیدی کا اثر دل میں محسوس ہوا ۔ علاج کے لئے میں نے ان سے امداد چاہی ۔ جب پیر کی زبانی یہ قصہ سنا تو اُس ملک کے سفر کی اجازت لے کر روانہ ہو ۔ طلب و ارادت صادق تھی کہ اُس کی برکت سے قدم بوسی کی سعادت کو پہنچ گیا ۔ الحمدللہ میں نے پالیا جو کچھ چاہتا تھا ۔

جہانگیر نے لکھا ہے کہ شیخ وجیہہ الدین شیخ گوالیاری کے خلیفہ ضرور تھے مگر ایسے خلیفہ تھے کہ مرشد کو بھی ان پر فخر تھا "مرشد بخلافت او مباہات کند"، شیخ وجیہہ الدین کثیر التصانیف بزرگ تھے ۔ ان کی مندرجہ ذیل تصانیف خاص طور پر مشہور رہیں ۔

۱ ۔ حاشیہ تفسیر بیضاوی
۲ ۔ حاشیہ تلویح
۳ ۔ حاشیہ کشف الاصول بزدوی
۴ ۔ حاشیہ علی المواقف
۵ ۔ حاشیہ ھدایہ
۶ ۔ حاشیہ شرح تجرید
۷ ۔ حاشیہ شرح مقاصد
۸ ۔ حاشیہ شرح عقائد
۹ ۔ حاشیہ شرح نخبۃ الفکر
۱۰ ۔ حاشیہ علی شرح الوقایہ
۱۱ ۔ حاشیہ عضدیہ
۱۲ ۔ حاشیہ شرح جامی
۱۳ ۔ حاشیہ مطول
۱۴ ۔ حاشیہ مختصر
۱۵ ۔ حاشیہ شرح چغمنی
۱۶ ۔ حاشیہ قطبی
۱۷ ۔ حاشیہ شرح ملا
۱۸ ۔ شرح ارشاد النحو
۱۹ ۔ حاشیہ مختصر المعانی
۲۰ ۔ وافیہ شرح کافیہ

اس کے علاوہ بھی دیگر شروح وحواشی ہیں۔

تلامذہ شیخ وجیہہ کے تلامذہ میں سے سید یاسین ہیں، آپ سید شاہ میر کے چچیرے بھائی ہیں اکثر درسی کتابیں گجرات میں شیخ وجیہہ الدین سے پڑھی تھیں، علوم رسمی کی تحصیل کے بعد شیخ وجیہ الدین کے مرید ہو گئے اور حج کے لئے چلے گئے۔ وہاں حدیث کا علم حاصل کیا، اور اجازت حاصل کر کے ہندوستان واپس آئے، کچھ عرصہ تک لاہور میں امرا اور حکام کی صحبت میں رہے۔

پھر انہوں نے یہ تعلقات ترک کر دیئے، اور درویشی کا لباس پہن کر سرہند میں بقیہ عمر گذار دی۔ [۱]

ملفوظات حضرت وجیہ الدین بحر الحقائق کے نام سے آپ کے ملفوظات کا مجموعہ معروف ہے۔ جو تاریخ زبان اردو مصنفہ شمس اللہ قادری اور اور اردو کی ابتدائی نشو ونما مصنفہ مولوی عبدالحق میں مطبوع ہیں، مولانا راشد برہانپوری کے کتب خانہ میں ایک دوسرا مجموعہ بھی تھا جو مرزا محمد نے ترتیب دیا ہے اس کا کچھ حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

۱۔ می فرمودند۔ نزد ما شریعت وحقیقت است، طریقت نیست یعنی تکمیل یہ طریقت، گفتم چنانچہ آنحضرت عہد ترک بخانۂ دینداراں کردہ اند، فقیر ہم کند، فرمودند چرا؟ آیا دنیا داران بیگانہ اند۔ دنیا داراں بیپنج ہیں (ہم ہی ہیں)

۲۔ می فرمودند۔ حضرت خضر و فقیر از مجلسِ درس جدا شدہ۔ سخناں می کردیم، پرسیدہ شد افادہ بود یا استفادہ؟ فرمودند ہمیں رسول کی نوک یعنی من کان معصوژا بفیض الرّسول لا یحتاج الی متنفادہ من غیرہ۔

---

[۱] منتخب التواریخ صفحہ ۶۲۸

،۳ـ می فرمودند۔ دست خضر محکم گرفتہ گفتم کہ حالِ گجرات (در قحط) چنیں
شدہ است، بسا مان کے خواہد بود؟ بگوئید۔ گفتند آنچہ خدائے تعالیٰ
اشغار کردہ است ظاہر نبکیجی۔ ظاہر نبکیجی۔ دست بزد رخلاص کنانیدہ بعدہ
در مجلس درس حاضر شدند
،۴ـ گفتم، بارہا میل شود کہ ایں قفص تن بشکند، فرمودند چرا بشکند؟ خاصا
پنجرا ہی۔
،۵ـ سالتُ عن تفضیل الولی علی النبیِّ۔ فرمودند کہری ناداں۔ کہری نادا ں
دکھرے۔ پکے)
،۶ـ فرمودند، رات دن خدا جنو کی مدح کرے (انبیاء کی تعریف وتفضیل کے
سلسلے میں فرمایا تھا۔)
،۷ـ میاں شیخ صالح (مرید) خواستند کہ کسب کتابت کنند۔ فرمودند ما شطاریم
ما را کسب چہ مناسب؟ از راہ ہرجا کہ بگیریم بخوریم، و در توحید مستغرق باشیم،
بفعل زاہدانہ چرا مقید شویم۔ اگر قوی شبہہ باشد حیلہ کنید، یعنی از بقال
استقراض کنید، پرسیدم کہ اشیا را اگر مظاہر تصور کنیم چونست؟ فرمودند
نہ نہ یوں تو ذوق نہ ہووے۔
،۸ـ می فرمودند فیض حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ شاہِ مردان علی رضؓ
رسیدہ وازایشاں بحضرت شیخ محمد غوث (گوالیری) قدس سرہٗ وازایشاں
بمن رسیدہ و فرمودند فلاں درویش گفتہ کہ بایزیدؒ درمیان اولیاء چناں
است کہ درمیان انبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، از مختلف الحرمت۔
سوال کردم فرمودند اتقیاء و علماء، سلاطین را بر عمل آں فتویٰ دادہ اند،
باز فرمودند آنچہ روایت در فقہ یا بد چرا نہ کند۔ بہوندا ج ہووی سو نہ کری

دھونڈا جو ہوئے سو نہ کرے) یعنی متفق الحرمت نباشد مکرّر فرمودند، کہ ہر چیزے کہ منتہیج ذوق وشوق باشد صوفی آں را ترک نہ کند، بملاحظہ اختلاف بھونداج ہوے سو ترک کرے ۔

۹ے گفتم کسے را کہ کشف خود نمی شود، در اعمال چوں اختیار کند فرمودند استخارۂ مسنون منقول کند ولیس گو کشف نباشد، اپنوں کوں کیا فائدہ؟

۱۰ے می فرمودند کسے کہ منکر توحید و وحدتِ وجود باشد او را تصوّر نقشِ اللہ و شغل طاقچہ باید فرمود، چوں عمل کند۔ آپیں جھک مار کر قبول کرے گا۔

۱۱ے فرمودند کہ از ملاں بیاموزید کہ اسپ را می خورانند و می دوانند دعوت سہ اربعین شمارا کافی است تمہاری بلا ریاضت کرے ۔

۱۲ے می فرمودند کہ سلوک شطّاری از ہمہ سلوک اسہل و از ہمہ انفع، بارہا مردم را وصیت می کردند بتاکید کہ یک کھری یا دو کھری یا چار کھری (گھڑی) در حضور ہر شغل می بودہ باشید ۔

۱۳ے کسے گفت کہ میاں شیخ محمد فضل اللہ (برہانپوری) ترک درس کردند، فرمودند، جب ترقی پکڑیں گی، آپیں درس کہیں گی ۔

۱۴ے می فرمودند شیخ محی الدین ابن عربی را در امر فرعون مجتہد مخطی گفتند۔ (کہ فرعون را مومن گفتہ بود) فرمودند شیخ عربی فرشتہ بود، مثل او متقی بر زمین پیدا شدن عجب است۔ اما شیخ عربی کا تقوی کہاں میرا مکان کہاں ۔ (صاحب ملفوظ نے یہاں یہ مفہوم لکھا ہے کہ مرتبۂ ما از ایشاں زیادہ است)

۱۵ے می فرمودند خلفائے حضرت شاہ عالم رح (گجراتی۔ المتوفی ۸۸۰ھ) گفتند کہ اگر خدمت کنید، فائدہ خواہد شد، میری تائیں کسی خدمت کی جاتی ہے (خدمت کسے الحال نمی تو انم کرد)

۱۶؎ فرمودند، سب چھوڑ بیٹھی تو شتاب فائدہ ہوجاوے۔

۱۷؎ می فرمودند، وہ کیا ہوئی جو احمدآباد کے بازار ہیں۔ برہنہ اللہ اللہ گویاں بگردد۔

۱۸؎ می فرمودند، میاں صبغۃ اللہ دیکھے ازاولیائے گجرات) جھوڈدی (چھوڑ دے) یعنی مسودہ تحشیۂ شرح ملا دکہ شیخ وجیہہ الدین نوشتہ بودند) نوادیتی میرا جیو نکلی۔

۱۹؎ کسے از بندۂ قرض می خواست یک ہون دو ہون۔ حضرت میاں عبداللہ (پسر شیخ وجیہہ الدینؒ) مائل برآں بودند کہ پرتاب بدہند فرمودند تمہی ایہال رہتی ہو، یعنی با اہل محلہ خود بے مروتی نباید کرد۔ در آغاز صحبت چوں زیادہ ادب از بندہ دیدند فرمودند کسے کہ تعظیم من نکند من ہم تعظیمے نکنم، عزیز شاید حضرت عطا محمد در وقتِ موت آنحضرت را طلب می کردند، فرمودند۔ ہوں مروں تو بھی کوئی نہ آود، از تواضع مفرطہ و تکبر خالی بودند۔

۲۰؎ و بندہ را فرمودند میاں صالح را پرسید کہ شما شراب می خورید گفتند آرے۔ فرمودند۔ ولیوں کیاں صفتاں ہوتیاں ہیں۔

۲۱؎ شکوہ کردم کم عقلی خودرا، فقال منجہ تھتی او کی عقل ہی د مجھ سے زیادہ عقل ہے۔)

۲۲؎ قبول استدعائے مہمانی سوال کردم و گفتم کہ تفرقہ می دہد۔ فرمودند فقیر پر فرض تو نہیں۔

ملفوظات کے اس مخطوطہ میں

بہت سے صوفیانہ مسائل کا تذکرہ ہے۔ ردّ و سلب، توجہ و استمداد، ذکر و شغل

وغیرہ کے متعلق کیفیات اور واقعات ملتے ہیں۔ حضرت شیخ کی اہلیہ 'بی بی نازد' کے استغراق کا حال لکھا ہے کہ ان کے ایک صاحبزادے کا انتقال ہوا، لیکن انھیں غم کا احساس بھی نہ ہوا۔ بعض متوسلین میاں ابوجی، شیخ عبدالحکیم، شیخ عبدالقیوم وغیرہ کا ذکر بھی آیا ہے۔ ایک صاحبزادے غوث اللہ کے متعلق لکھا ہے کہ بادشاہ اکبران کو اپنے دربار میں بلا رہا تھا لیکن بے نیاز باپ نے جانے کی اجازت نہیں دی، اسی زمانے کے سیّد محمد جونپوری المتوفی ۹۱۰ھ کے فرقۂ مہدویہ کے متعلق ہے۔

می فرمودند کہ مردم مہدیہ عجب جاہلانند کہ اعتقاد ایشاں آنکہ ہر کہ بگرسنگی میرد ہماں بزرگ می فرمودند کہ بدتر از روافض اند، می فرمودند کہ بعضے آشنایاں کہ میل بعقیدۂ مہدیہ داشتند و بر ہماں عقیدہ مردند توجہ کردم تا بر احوالِ ایشاں مطلع شوم، احوال ایشاں را بغایت بد دیدم۔

شاہ وجیہہ الدین کا کتب خانہ

شیخ وجیہہ الدین کے مدرسہ کا کتب خانہ بہت بڑا تھا۔ لکھا ہے کہ اس میں مختلف مضامین کی بہت سی کتابیں تھیں۔ یہ مدرسہ بقولِ مصنف "یادِ ایام" احمدآباد میں سب سے زیادہ مشہور تھا۔ اسے علامہ وجیہہ الدین نے ۹۳۴ھ میں قائم کیا تھا۔ جہاں وہ خود تا دمِ وفات (۹۹۸ھ) تعلیم دیتے رہے۔ اس مدرسہ کا فیض ان کے بعد ۲۳۸ / برس تک جاری رہا۔ علامہ وجیہہ الدین کا علمی مرتبہ علماءِ گجرات میں نہایت بلند تھا۔ انھوں نے بہت سی کتابیں بھی لکھیں اور علامہ کے شاگرد جس طرح احمدآباد سے لاہور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اسی طرح ممدوح کے مدرسہ اور اس کے کتب خانہ کا شہرہ احمدآباد سے لاہور تک گونج رہا تھا۔ [1]

"تمدنی کارنامے" کے مصنف لکھتے ہیں کہ علامہ شاہ وجیہہ الدین (متوفی ۹۹۸ھ) احمدآباد میں بڑی مقدس

---

[1] رسالہ اسلامک کلچر (حیدرآباد دکن) ص $\frac{۳۴۲}{۱۹}$ بحوالہ اسلامی کتب خانے ص ۲۸۳۔

ہستی تھی ۹۲۴ھ میں آپ نے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی جو آپ کی وفات کے بعد ۱۲۲۰ھ تک قائم رہا اس کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی تھا۔ یہ کتب خانہ بہت بڑا تھا۔ اور ہر فن کی کتابیں اس میں موجود تھیں۔ بزرگوں کا بیان ہے کہ دو بڑے کمروں میں بے ترتیبی سے کتابیں بھری تھیں۔ لیکن جب خاندان میں علم کے قدرداں نہ رہے تو کتابیں بھی ضائع ہوگئیں۔ اس صدی کی ابتدار میں مولوی عبدالمنعم صاحب باغلطہ خطیب جامع مسجد بمبئی اور یوسف صاحب بی اے کھٹ کھٹے مرحوم (بمبئی) بہت سی کتابیں اٹھالے گئے۔ تمدنی کارنامے کے مصنف بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے ۱۹۲۱ء میں اس کتب خانہ کو دیکھا تو صرف چند صندوق کتابیں تھیں۔ لیکن اب وہاں کچھ نہیں ہے کچھ کتابیں تو احباب کی نذر ہوئیں اور کچھ دریائے سابرمتی میں بہہ گئیں۔ کچھ تھوڑی سی کتابیں ہمارے دوست پیر حسینی صاحب اور بڑے میاں صاحب موجودہ متولی درگاہ کے پاس ہیں۔ [1]

شیخ وجیہہ الدین مصنفین کی نظر میں

النورالسافر میں تحریر ہے کہ!

۹۹۸ھ میں شیخ وجیہہ الدین نے احمدآباد میں انتقال کیا۔ آپ بڑے زبردست عالم و زاہد تھے اور لوگوں میں زبردست مقبولیت تھی۔

بہت سے فنون میں طلبار نے آپ سے نفع اٹھایا اور آپ کی شہرت دور دراز تک پھیل گئی تھی۔ [2]

آپ کے معاصر مشہور مؤرخ ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں۔!

میاں وجیہہ الدین احمدآبادی۔ اپنے زمانہ کے بڑے عابد و متقی عالم تھے

---

[1] تمدنی کارنامے ص۲۸۵ [2] النورالسافر ص۴۰۶۔

شریعت کی نہایت پابندی کرتے اور گوشہ نشینی ان کا شعار تھا، ہمیشہ دینی علوم کے درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے، تمام علوم عقلی و نقلی پر اس قدر عبور حاصل تھا کہ درسی کتابوں میں صرف حاوی سے لے کر قانون، شفا، شرح مفتاح اور عضدی جیسی کتابوں میں شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہوگی جس پر انہوں نے شرح یا حاشیہ نہ لکھا ہو۔ ایک مخلوق ان سے فیض اٹھاتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے انکی دعا میں بڑا اثر دیا تھا، اور شفا رکھی تھی۔ چنانچہ ہر روز بے شمار مریض ان کے پاس دعا کرانے کے لئے آتے تھے۔ اور ان کی دعا کا بھی بہت جلد اثر ہوتا تھا۔ وہ کبھی اپنے طور پر دنیاداروں کے گھر نہیں گئے بجز ایک دو بار کے۔ وہ بھی طلب کرنے پر نہایت کراہت کے ساتھ۔ اپنے گھر اور مسجد سے ان کا قدم جمعہ کی نماز کے سوا باہر نہیں نکلتا تھا۔ سب کے مرجع و مرکز تھے۔ وضع و لباس میں بھی وہ عام لوگوں سے کوئی امتیاز نہیں رکھتے تھے۔ موٹے جھوٹے کپڑوں پر ہی قناعت کرتے تھے۔ جو کچھ نذر و نیاز آتی وہ خیرات کر دیتے تھے۔ ارادت کا تعلق تو کسی اور سے تھا۔ لیکن شیخ محمد غوث سے تربیت و ارشاد حاصل کیا تھا۔ اور آدابِ طریقت میں ان کے پیرو تھے، انہیں کے پاس سلوک کی تکمیل کی تھی، صوفیانہ مشرب سے بڑا ذوق اور مناسبت تھی۔ [1]

مشہور مورخ اور آپ کے معاصر خواجہ نظام الدین احمد بخشی لکھتے ہیں کہ میاں وجیہ الدین گجراتی پچاس سال جادۂ ارشاد و ہدایت پر متمکن رہے۔ فقر و فاقہ اور توکل میں زندگی بسر کی۔ ہر وقت درس دیا کرتے، علوم نقلی و عقلی سے بھی خوب آگاہ تھے، آپکی تصانیف نہایت عمدہ ہیں اور اکثر علمی کتابوں پر آپ نے

---

[1] منتخب التواریخ ص ۴۳

شروح وحواشی لکھے ہیں[۱] ملا عبدالباقی نہاوندی نے آپ سے استفادہ بھی کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے اکثر متبحر علماء میاں صاحب موصوف سے شاگردی کا تعلق رکھتے ہیں۔

اس زمانہ کے فضلاء میں کوئی جامعیت میں ان کی ہمسری نہیں کرسکتا مجاہدۂ نفس اور دنیاوی لذتوں سے کنارہ کشی میں کمال درجہ کوشش کی ہے۔ تزکیۂ نفس میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ میاں صاحب کے عمدہ احوال کی حد درجہ شہرت ان کے تفصیلی حالات بیان کرنے سے روکتی ہے۔[۲]

جید عالم شیخ عبدالقادر عیدروسی لکھتے ہیں کہ:

"وہ اصحاب علم و زہد میں تھے۔ انہیں لوگوں میں بڑی مقبولیت اور ہردلعزیزی حاصل تھی۔ طلبہ نے آپ سے بہت سے فنون میں نفع اٹھایا اور اور اس کی بڑی شہرت ہے۔[۳]

مشہور مؤرخ معتمد خاں لکھتے ہیں کہ:

"شیخ وجیہ الدین، شیخ محمد غوث کے خلفاء میں ہیں، لیکن ایسے خلیفہ کہ مرشد بھی ان کی خلافت پر ناز کرے، بہت کم ہوتے ہیں۔ شیخ وجیہ الدین ظاہری اور معنوی دونوں خوبیوں سے آراستہ تھے۔[۴]

ملا صادق فرماتے ہیں:

"شیخ وجیہ الدین قدس سرہٗ علوی ہیں۔ اپنے زمانہ کے علماء کبار میں ہیں۔ صاحب تقوی اور بڑے محتاط، شریعت کے راستہ پر مضبوطی سے قائم رہنے والے تھے ہمیشہ درس و افادہ میں مشغول رہتے"۔[۵]

معارج الولایۃ کے مصنف غلام معین الدین فرماتے ہیں:

---

[۱] طبقات اکبری ص ۴۷۳ ج ۲ [۲] مآثر رحیمی ص ۱۲ ج ۲ [۳] النور السافر ص ۴۵۶ [۴] اقبال نامہ جہانگیری ص ۱۰۵
[۵] طبقات شاہ جہانی ص ۳۱۲ حصہ اول۔

: شیخ وجیہ الدین علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے اور شیخ محمد غوث کے خلیفہ تھے مرید کسی اور سے تھے ، نہایت سن رسیدہ رات میں ریاضت و مجاہدہ کرتے اور دن کو طالب علموں کے پڑھانے میں مشغول رہتے : [1]

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں :

: جب شیخ محمد غوث گوالیاری صاحب جواہر خمسہ گجرات میں وارد ہوئے تو شیخ وجیہ الدین ان کے جمال میں گم ہو گئے ۔ اور انہی کے زیرِ سایۂ طریقت کی انتہا تک پہنچے ۔ طلبہ ان کے افاداتِ عالیہ سے مستفید ہوئے اور آپ نے مشرق و مغرب کو اپنے انوار و برکات سے معمور کر دیا ۔ [2]

خاتمہ مرات احمدی میں آپ کے مفصل حالات اس طرح مذکور ہیں کہ شیخ وجیہ الدین احمد علوی بن شیخ نصر اللہ علوی ۔ آپ کی ذات میں صوری و معنوی تمام فضائل جمع ہو گئے تھے ۔ سید وجیہ الدین احمد علوی رح کے فرزندان کا نسب شیخ محمد عریس ابن امام ہمام محمد الجواد تک پہنچاتے تھے ۔ آپ کے اجداد میں سے سید بہاؤ الدین سلاطینِ گجرات کے زمانے میں عرب سے احمد آباد معروف بہ چاپانیر پہنچے اور وہاں سکونت پذیر ہوئے...... وہیں آپ نے نکاح کیا اور اہل و اولاد کے ساتھ یہیں متوطن ہوئے ۔ سلطانِ وقت کی طرف سے ظاہری و باطنی ہر قسم کی رعایتیں میسر تھیں ۔ اور انہوں نے (سید بہاؤ الدین نے) محمد آباد میں انتقال فرمایا ۔ شیخ وجیہ الدین کی ولادت محمد آباد میں ۹۱۰ ھ محرم کے مہینے میں ہوئی ۔ چنانچہ لفظ شیخ سے تاریخِ ولادت نکلتی ہے ۔ پانچ سال کی عمر سے

---

[1] معارج الولایۃ ص ۵۹۲/۲ [2] سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان ص ۴۲ بحوالہ المعارف فروری ص ۱۲۴ ۱۹۸۲ء ۔

یکر تینتیس ۳۳ سال کی عمر تک آپ تحصیلِ علوم میں مشغول رہے ۔ اس کے بعد تا اخیر حیات احمدآباد میں درس و تدریس کے مشغلہ میں لگے ...... رہے آپ کی تالیفات درسائل اور اکثر درسی کتب پر آپ کے حواشی آپ کی یادگار ہیں۔ایک خلقِ کثیر آپ کے درس و تدریس اور فیوض سے مستفیض ہوئی۔آپ باطنی اور روحانی حال کے کمال کو...... پہنچے ہوئے تھے اور کسی بھی جگہ آپ کی آمد و رفت نہیں تھی ۔ اگرچہ آپ شاہ قاذن شطاری کے مرید تھے جن کا مزار پٹن میں ہے ۔ مگر ارشاد و تربیت شیخ محمد غوث سے پائی اور انکی تربیت میں رہ کر سلوک کو اتمام تک پہنچایا ۔جب شیخ محمد غوث احمدآباد میں تشریف لائے تو شیخ علی متقی جو صاحب ظاہر و باطن تھے —— نے تمام علماء کے ساتھ مل کر شیخ محمد غوث کے قتل کا فتویٰ مرتب کیا سلطانِ وقت نے فتویٰ کو شیخ وجیہ الدین پر موقوف رکھا جب شیخ وجیہ الدین شیخ محمد غوث کے گھر پہنچے تو پہلی ہی ملاقات میں انکے گرویدہ بن گئے اور فتویٰ کو پھاڑ دیا اور شیخ علی متقی سے فرمایا کہ آپ کی فہم شیخ کے کمالات تک نہیں پہنچی ۔ اور فرمانے لگے کہ ظاہر شریعت میں ایسا ہی ہونا چاہئے جیسا کہ شیخ علی متقی ہیں اور حقیقت میں ایسا جیسے ہمارے مرشد ہیں ۔

شیخ محمد غوث اہلِ دعوت میں سے تھے اور اس کو کمال تک پہنچایا تھا ۔ ۸۸ برس کی زندگی گذار کر جو "وجیہ دین" کی عدد سے نکلتی ہے محرم ۹۹۸ھ میں آپ نے انتقال فرمایا ۔ تاریخ رحلت شیخ وجیہ دین سے مستفاد ہوتی ہے آپ کو قلعہ کے رخا پور میں جس جگہ آپ درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے .... سپرد خاک کیا گیا ۔ آپ کے ایک ارادت مند صادق خاں نے مدرسہ تعمیر کیا اور شیخ حیدر نے مسجد تعمیر کی ۔ آپ کی رحلت کے بعد آپ کے صاحبزادگان

اور خاندان والے شہر احمد آباد، اس کے اطراف اور برہانپور میں سکونت پذیر رہے آپ کے خاندان کے مشائخ ہیں بھی علمی سلسلہ جاری رہا اور تدریس کی خدمات انہوں نے جاری رکھیں۔ [1]

شیخ غوث اور شیخ وجیہ الدین

سلطان محمود نے قصبہ بھروچ کے کچھ گاؤں بطور مدد معاش حضرت غوث اور ان کے متعلقین کو عنایت فرمائے۔ اور کہا کہ آپ فی الحال اسی جگہ قیام فرمائیں۔ بھروچ کے دورانِ قیام شیخ وجیہ الدین اور شیخ مبارک دانشمند حضرت غوث کی خدمت میں برابر آتے۔ اور بعض دفعہ دو تین مہینے گذارتے۔

شیخ وجیہ الدّین کا شیخ غوث سے والہانہ تعلق

شاہ وجیہ الدین اگرچہ علم وفضل کے اعتبار سے اپنے مرشد سے بہت آگے تھے، لیکن اس کے باوجود وہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ حضرت گوالیاری کی ملاقات سے پہلے خدا کو نہیں جانتے تھے۔ انہیں ان کے مرشد ہی نے خدا تک پہنچایا ہے۔ شاہ وجیہ الدین کے مشہور شاگرد "گلزار ابرار" کے مصنف شیخ محمد حسن غوثی لکھتے ہیں!

"شاہ صاحب نے ایک تقریب کا موقع نکال کر یہ ماجرا بیان کیا کہ جن مقدمات پر الٰہی حقائق کی دریافت اور کشف موقوف ہے۔ ان مقامات کی تحصیل کا شوق میرے دل میں اس وقت پیدا ہوا جبکہ میں درس و تدریس میں مشغول تھا۔ ناگاہ مشیت ایزدی جس کی ہر ایک مقدر شئے میں سو سو نکتے اور نیرنگیاں ہیں حضرت غوثؒ کو گوالیار سے گجرات کی طرف کھینچ لائی۔ یہ صورت میرے حضرت غوث کی شرفِ

---

[1] خاتمہ مرات احمدی ص ۶۹۔

پابوسی سے مشرف ہونے کا باعث ہوئی۔ اور بہت تھوڑے عرصہ میں صاحب ممدوح کی کیمیائی تربیت کے ذریعہ میرا اسلام تانبے سے کندن بن گیا۔ رسمی عقائد کی قید سے نکل کر حقیقی ایمان کی بہشت میں چہل قدمی کرنا نصیب ہوا۔ اور چند روز کے بعد خلافت کا خلعت پاکر سرفراز ہوگیا۔ اور پالیا جو کچھ پاس نہ تھا اور جو کچھ پاس ہے پھر وہ نہ ملا۔

آنچہ حق بہر بندگان آراست　　　آرزو آنچناں نداند خواست

اسی طرح ایک اور مجلس میں شاہ وجیہ الدین نے فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت شاہ قاضن چشتی کو خواب میں دیکھا کہ کسی درخت کے نیچے آرام فرمارہے ہیں میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ آپ نے کہا کون ہے؟ میں نے کہا آپ کا مرید، فرمایا اس مرتبہ پر کیسے پہنچے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت محمد غوث سے ملاقات کی بدولت۔ فرمانے لگے شیخ محمد غوث تو ایسے ہی مردانِ خدا میں سے ہیں۔ ؎[1]

بادشاہ جہانگیر شیخ وجیہ الدین کی قبر کی زیارت کے لئے گئے اور وہ اپنی توزک میں لکھتے ہیں کہ ۲۷ ماہ دے ۱۰۲۶ھ / ۱۶۱۷ء کو بدھ کے دن شیخ وجیہ الدین کی خانقاہ میں حاضر ہوا، جو میرے دولت خانہ کے نزدیک ہے ان کے مزار پر جو خانقاہ کے صحن میں واقع ہے فاتحہ پڑھی۔ یہ خانقاہ صادق خاں نے تعمیر کرائی ہے جو میرے والد کے عمدہ امیروں میں سے تھا۔

شیخ وجیہ الدین، شیخ محمد غوث کے خلفاء میں سے ہیں لیکن وہ ایسے خلیفہ ہیں جنکی خلافت پر خود مرشد کو فخر تھا۔ اور جنکی مریدی خود شیخ محمد غوث کی بزرگی

---

[1] المعارف فروری ۵۳ء ص ۱۱۸۔

پر روشن دلیل ہے، شیخ محمد غوث اور شیخ وجیہ الدین دونوں کے دونوں ظاہری فضائل اور معنوی کمالات سے آراستہ تھے۔ آج سے تیس سال پہلے شیخ وجیہ الدین نے اسی شہر میں وفات پائی ان کے بعد ان کے بیٹے شیخ عبداللہ اپنے باپ کی وصیت کے مطابق ان کی مسندِ رشد و ھدایت پر بیٹھے جو بڑے درویش اور صاحب ریاضت انسان تھے۔ جب شیخ عبداللہ جنت کو سدھارے تو ان کے بیٹے شیخ اسداللہ ان کے جانشین ہوئے۔ انہوں نے تھوڑے ہی دنوں بعد وفات پائی۔ ان کے بعد ان کے بھائی شیخ حیدر صاحب سجادہ ہوئے جو اب تک زندہ ہیں اور اپنے باپ دادا کے مزار پر درویشوں کی خدمت اور ان کی خبر گیری میں مصروف ہیں اور صلاح و تقویٰ کا اثر ان کی پیشانی سے ظاہر ہوتا ہے۔ [1]

شیخ وجیہ الدین کے مدرسہ کا فیض اور اسکی عمارتیں

علامہ شاہ وجیہ الدین متوفیٰ ۹۹۸ھ / ۱۵۸۹ء کے عہد میں احمد آباد کے شاہی محل کے بالمقابل (جہاں آج پارسی کلب ہے) روضہ شاہ وجیہ الدین کے متصل یہ مدرسہ قائم کیا گیا تھا، یہ درحقیقت اس زمانہ کی یونیورسٹی تھی جس سے گجرات، خاندیس، کاٹھیاواڑ اور دکن کے مدارس ملحق تھے۔

اس مدرسہ میں منطق، فلسفہ، تصوف اور علوم دینی کی تعلیم کا خاص اہتمام تھا۔ اس کے ساتھ ایک دارالاقامہ بھی تھا۔ جس کے شکستہ حجرے اب تک موجود ہیں، جہانگیر کے عہد میں طلبہ کے لئے وظائف بھی مقرر تھے اور اس پر متعدد گاؤں

---

[1] تزک جہانگیری ص ۲۲۱۔

وقف تھے۔

۹۵۰ھ سے ۹۹۸ھ تک شاہ صاحب اس کو خود چلاتے رہے پھر ان کے لڑکے اور پوتے چلاتے رہے۔ گیارہویں صدی کے آخر تک یہ پورے عروج پر تھا مدرسہ؛ ہدایت بخش، قائم ہوا تو اس پر زوال آگیا۔[1]

وجیہ الدین علوی گجراتی کی تصانیف باعتبارِ فنون۔

تفسیر:۔ حاشیہ علی تفسیر البیضاوی۔ آصفیہ چہارم، ۲۱۰۔[2]

تصوف اور اخلاقیات:۔ الحقیقۃ المحمدیہ، انڈیا آفس، ۱۳۸۱۔[3]

علوم فقہ و اصول فقہ:۔ حاشیہ علی شرح الوقایہ۔ بوہار، ۱۶۴، رام پور ۱۸۶۰۔ حاشیہ علی التلویح۔ ندوہ، ۱۲۷۔ حاشیہ علی اصول البزدوی۔ تذکرہ، ۲۵۰۔ حاشیہ علی الشرح العضدی علی المختصر لابن الحاجب[4]

علم اللسان:۔ حاشیہ علی شرح الجامی۔ بوہار، ۲۸۷۔ آصفیہ، ۴۵۷/۴، محمود شاہ، ۲/۳۲۔ رام پور، ۵۲۵۔ مجموعہ حسین، ۴۰۸۔ بنگال۔ ۳۱۰۔ دہلی، ۱۰۷۱/۱، آصفیہ، ۱۶۴۴/۱۔ ندوہ ۴۸۴۔ شرح ارشاد النحو۔ لوہتہ، ۹۷۶۔ رام پور، ۵۲۹۔

حاشیہ علی المطول۔ تذکرہ، ۲۸۰۔ حاشیہ علی مختصر المعانی[5]

علم الحساب:۔ حاشیہ علی شرح الجغمینی[6]۔ تذکرہ، ۲۵۰۔

علم الکلام والعقائد:۔ الحاشیہ علی التجرید۔ تذکرہ، ۲۵۰۔ الحاشیہ

---

[1] گجرات کی تمدنی تاریخ ص ۱۹۹ [2] عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۶۴ [3] ایضاً ص ۳۲۲
[4] ایضاً ص ۲۰۱ [5] ایضاً [6] الجغمینی سے مراد الملخص فی الہیئۃ البسیط از محمود بن محمد جغمینی ہے شرح الجغمینی اس کی شرح ہے جو موسیٰ بن محمود نے لکھی ہے اور قاضی زادہ الرومی کے نام سے معروف ہیں [7] عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۴۸

علی شرح العقائد للتفتازانی [1] ۔ الحاشیہ علی الحاشیہ القدیمہ [2]

علوم حدیث:۔ شرح شرح نخبۃ الفکر۔ رام پور، ۱۲۷۳ھ۔

ولی احمدآبادی آپکی شان میں فرماتے ہیں!

اے تو مقبول سرورِ عالم
وے تو فہرست دفترِ عالم

جلوہ گر تو ہے آفتاب یقین
تجھ سوں روشن ہے پیکرِ عالم

علم ظاہر و علم باطن سوں!
تو ہے عالم میں رہبرِ عالم

دل عرفاں سرشت ہے تیرا
مظہر خلق و مظہرِ عالم!

ہے زمیں پر یہ آستان شریف
مرجع خلق و منظرِ عالم

نام تیرا ہے ورد صاحب ورد
ذات تیری ہے مفخرِ عالم

دستگیری ہے تیری ظاہری نت
جب کہ برپا ہو محشرِ عالم

[1] ایضاً [2] ایضاً ۳۳۸ [3]۔ ایضاً ص۲۹۲

ہے ترے نام پر سدا قرباں
روز و شب سال و مہ سر عالم
تجھ اپر جیوں سرج ہویدا ہے
مطلب جملہ مضمر عالم!
اس زمانے میں حق نے تجھ کوں کیا
مہتر خلق و بہتر عالم
اے امام جمیع اہلِ یقین!
قبلۂ راستاں وجیہ الدین

اے شہ بحر و بر ہے تجھ سر پر
آسماں چتر و آفتاب افسر
تو ہے مقبول حق کی درگہ کا!
روح تیری کوں عرش پر ہے گذر
کاں فلک کے ملائکہ دیکھیں
تجھ سری کا دجامہ انور
آسماں سوں اُتر کے آتے ہیں
تیری مجلس میں نقل ہو اختر
ہے سزاوار انجمن میں تیری
زہرہ آوے اگر ہو خنیا گر!
دو جہاں میں مرا ہے مقصد یہ
کہ کرو مجھ پہ یک کرم کی نظر
اے امام جمیع اہلِ یقین!
قبلۂ راستاں وجیہ الدین۔

ولی اپنے دیوان میں ایک دوسری جگہ آپکی شان میں تحریر فرماتے ہیں کہ!

ہوا ہے خلق اپر پھر کے فضل سبحانی!
کیا ہے ابر نے رحمت سوں گوہر افشانی

یہ آب صاف میں گوہر کوں دیکھ خجلت سوں
صدف کی بیت میں گل کو ہوا ہے جیوں پانی

تمام پات پیسبح بجمدہ، کے بحکم
زبانِ حال سوں کرتے ہیں ذکر سبحانی

قطار قطرۂ شبنم سوں آج سبزہ خضر
لے سبحہ ہاتھ میں کرتا ہے ادعیہ خوانی

ہر اک طرف جو ہوئی بسکہ ریزش باراں
کیا ہے آج تفرج نے جوشِ طوفانی!

اس آب روح فزا کے کمال لطف کوں دیکھ
چھپا ہے پردۂ ظلمت میں آب خموانی!

ہوئی ہے غنچہ نمن جگ کوں بسکہ جمیعت
عجب ہے اب رہے سنبل منیں پریشانی

ہر ایک قطرۂ شبنم ہے غیرت گوہر
ہر ایک پات یہ برسا جو ابر نیسانی

شیخ برہان الدین علوی

علامہ وجیہ الدین کے بھائی

آپ شیخ وجیہ الدین احمد آبادی کے بھائی ہیں۔ گجرات سے برہانپور آکر متوطن ہوگئے تھے۔ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا۔ نیز دوسروں کی منفعت کو اپنی مصلحت پر مقدم رکھنا آپ کی طبیعت تھی۔ کسی شئی کے ساتھ دل بستگی آپ کے نہ افعال سے ظاہر تھی نہ اقوال سے۔ اس طریقہ سے زندگی بسر کردی۔ ابدی خوابگاہ برہانپور ہے۔ [1]

استاذ العلماء قاضی علی بن اسد اللہ

علامہ وجیہ الدین علوی کے پڑپوتے

(وفات ۵/ ذیقعدہ ۱۰۷۰ھ/ ۱۲/ جولائی ۱۶۶۰ء)

علامہ قاضی علی بن اسد اللہ بن عبد اللہ بن وجیہ الدین علوی بیجاپوری۔ جو علی محمد سے مشہور رہیں۔ آپ کا لقب استاد الاولیا رہتا۔ آپ کا مولد و منشار گجرات ہے یہیں سے آپ نے علم حاصل کیا۔ پھر آپ اپنے بڑے بھائی میران بن اسد اللہ کے ساتھ بیجاپور منتقل ہوگئے۔ اور ابراہیم عادل شاہ بیجاپوری کے دور میں وہاں کی قضا آپ کے سپرد ہوئی۔ وہاں آپ نے عظیم الشان مدرسہ تعمیر کیا، جس مدرسہ کے بعض مشہور تلامذہ یہ ہیں۔

شیخ ابوتراب، سید محمد، قاضی برہان، قاضی ابراہیم زبیری، ابراہیم بن

---

[1] گلزار ابرار ص ۲۵۴۔

عبد المحمد بیجاپوری ۔

آپ نے بیجاپور میں ۵ ذیقعدہ ۱۰۷۰ھ/ ۱۲ جولائی ۱۶۶۰ء کو وفات پائی اور بیجاپور میں دفن ہوئے ۔ [1]

امیر سیّد صبغۃ اللہ بھروچی شطّاری

(وفات ۱۰۱۵ھ ــــ ۱۶۰۶ء)

علامہ وجیہ الدّین احمد آبادی کے خصوصی شاگرد ہیں اور ان کے خلیفہ بھی ہیں چند سال تک مرشد کی اجازت سے اپنے وطن میں رہ کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ہدایت اور علوم کی تعلیم میں مشغول رہے ۔ حرمین شریفین کی زیارت کا شوق دامنگیر ہوا ۔ وہاں حاضری دی اور زیارت سے فراغت پر آب و دانہ کی کشش، صلہ رحم کی رعایت، وطن اور فرزندوں کی محبت اور خدمت دین کا جذبہ آپ کو واپس لایا تو آپ اس پر ہمیشہ دل ہی دل میں رویا کرتے تھے ۔ ؎

کے بود یارب کہ رو در یثرب و بطحا کنم   گہ بمکہ منزل وگہ در مدینہ جاں کنم

۹۹۹ھ میں اپنے وطن سے تمام چیزوں کو اور تمام لوگوں کو خیر باد کہہ کر بے اختیار تن تنہا حسب مشیت ایزدی ملک مالوہ میں چلے آئے ۔ اسی اثنا میں پھر مدینہ مصطفویہ کی زمین بوسی کا شوق دامنگیر ہوا ۔ ۱۰۰۰ھ میں خاندیس کے راستے سے احمد نگر دکن پہنچے ۔ اس ملک کے فرماں روا برہان الملک نے عرض کیا تو کچھ کم ایک سال تک یہاں پر ٹھہرے ۔ ان دنوں صاحب گلزار ابرار بھی وہیں تھے ۔ خوب ملاقات رہی وہ لکھتے ہیں :

---

[1] روضۃ الاولیاء، نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۶۰ ۔

راقم ان ایام میں اس مقام پر فقرار، اور فضلار کی خدمت سے فیض حاصل کر رہا تھا۔ نیز شعرا اور ظرفار کی صحبت میں بھی شامل نشاط وطرب ہوا کرتا تھا۔ آپ کے تشریف لانے اور درویش کے موجود ہونے سے دونوں کو غریبی کے اندوہ سے نجات ملی۔

چند روزے کہ غمت مونس جاں بود مرا　　خاطر جمع و دل شاد ہماں بود مرا!

دوسرے سال یہاں سے روانہ ہو کر بیجاپور پہنچے تو یہاں کے حاکم نے نہایت تواضع کے ساتھ کچھ مدّت تک ٹھہرایا۔ پھر سفر مبارک کا سامان کر دیا اور جہاز خاصہ پیش کیا جب مشتاق آنکھیں مدینۃ الحرام کے دیدار سے منوّر ہوئیں تو آپ نے بقیۃ العمر یہیں رہنے کی نیت کر کے اسی نبوت کی شہر میں گھر اور خانقاہ بنالی۔ ہرچند کہ سلطانِ روم کی جانب سے نامہ و پیام آیا اور منت و معذرت کی گئی مگر آپ نے (معاش کی وجہ معین) قبول نہ فرمائی اور بقیۃ العمر توکل اور تسلیم میں گزار دی۔

غوثی نے نقل کیا ہے کہ کہتے ہیں کہ ایک رات خاتم الانبیار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خدام حرم کو اجازت فرمائی کہ سید صبغۃ اللہ ہمارا فرزند ارجمند ہے۔ عرب اور عجم کے دیگر تمام زائروں کی طرح سمجھ کر اسے ہمارے حرم سے باہر نکالنا بلکہ چھوڑ دینا کہ شب جمعہ کو ہماری خدمت میں رہ کر صلوٰۃ او صلوات صبح کی سفیدی نمودار ہونے تک ادا کرتا رہے۔ یہ بھی ہم نے اجازت دی ہے کہ اپنے یاروں میں سے جس کو چاہے اپنے ہمراہ حرم شریف میں رکھے" کہا جاتا ہے کہ آج تک کسی فرد بشر کو ایسی خاص عنایت کا خلعت عطا فرما کر سرفراز نہیں فرمایا گیا۔

آپ کے کمالات، حالات، اور خرق عادات احاطہ تحریر میں نہیں آسکتے ۱۰۱۵ھ کے کسی مہینے میں مدینہ منوّرہ کی زمین امین کے اندر دفن کیے گئے[1]۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

---

[1] گلزار ابرار ص ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸ -

آپ کی تصانیف فنِ تصوف اور اخلاقیات میں مندرجہ ذیل ہیں ۔

(۱) تعریب الجواہر الخمسۃ لمحمد خطیرالدین ۔ المعروف بہ غوث گوالیاری ۔ لو تھ، ۲۔۱۔۷۶۱ ۔ پیرس ۱۱۹۷ ۔ قاہرہ ۲۵/۱۴ ۔ برلن ، ۷ ۔ رام پور ۳۲۴ ۔ بنگال ورق ۷ ۔

(۲) کتاب الوحدۃ ۔ مآثر مجی وغیرہ

(۳) اراءۃ الدقائق فی شرح مراۃ الحقائق ۔ ایضاً ۔

(۴) مالا یسع للمرید ترکہ کل یوم من سنن القوم ، ۱ بجد ۸۹۸ ۔

محمد بن عبدالرحمٰن بیجاپوری

(م ۲۴/ شوال ۱۰۸۴ھ)

علامہ محمد بن عبدالرحمٰن بن روح اللہ حسینی گجراتی ثم بیجاپوری ...... ان علماء میں سے تھے جن کو تدریس پر بڑی زبردست قدرت حاصل تھی ۔ آپ کی ولادت بیجاپور میں ۲۶ رجمادی الاولیٰ ۱۰۱۵ھ کو ہوئی ۔ جس دن آپ کے چچا صبغۃ اللہ بن روح اللہ بھروچی کا انتقال ہوا ۔

قاضی علی محمد بن اسداللہ گجراتی ثم بیجاپوری سے آپ نے علم حاصل کیا ۔ طویل مدت اُنکی صحبت میں رہے اور مختلف علوم وفنون میں مہارت حاصل کی ۔ پھر حجاز کا سفر کیا ، حج وزیارت سے مشرف ہوئے ۔ اور طریقت کی تعلیم شیخ عبدالعظیم محمد حنفی مکی سے حاصل کی ۔ ہندوستان واپس لوٹے تیئس[۲۳] سال تک بیجاپور میں درس دیتے رہے ۔ آپ کے تلامذہ میں شیخ محمد زبیری بھی ہیں ۔ اور آپ کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع ہوا ۔

لہ عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ ۲۲۳

پھر اخیر عمر میں حجاز چلے گئے۔ ۲۴ شوال ۱۰۸۴ھ کو مدینہ منورہ میں آپ کا انتقال ہوا۔ اور آپ کے چچا صبغۃ اللہ کے پاس آپ کو دفن کیا گیا۔ ؎

شیخ وجیہ الدین علوی کے خلیفہ

شیخ کمال محمد عباسی

(۱۲/ شعبان ۱۰۱۳ھ/ یکم جنوری ۱۶۰۵ء)

آپ کی ولادت احمدآباد گجرات میں ہوئی۔ شیخ وجیہہ الدین احمد علوی کے شاگرد اور خلیفہ ہیں۔ عالم، عارف، عابد، حافظ، محدث تھے۔ حدیث کی سند شیخ عبدالملک بنانی سے حاصل کی تھی۔ ۹۸۲ھ میں وطن سے خاندیس کے راستہ اجین مالوہ میں آئے تھے۔ یہیں گھر تجویز کر لیا۔ اور شیخ اولیار کاپوری کی صاحبزادی سے نکاح ہوا۔ فتویٰ نویسی کا منصب ملا کامل ۳۰ سال اس مقام پر شرعی اور حکمی علوم کا درس دیا رات دن کی تقسیم آپ نے اس طرح کر رکھی تھی کہ رات کا ایک ثلث حصہ باقی رہتا تھا تو آپ اٹھ کر غسل کرتے اور نماز تہجد کے اندر کبھی چھ اور کبھی سات پارے قرآن کے پڑھتے تھے یہاں تک کہ سفیدی نمودار ہو جاتی تھی۔ پھر دعاؤں اور ذکر جہر سے فارغ ہو کر نمازِ صبح ادا کرتے تھے۔ پھر اشراق تک تلاوت کرتے اشراق پڑھنے کے بعد سے زوال تک برابر درس دیتے رہتے تھے۔ پھر طلبہ کیساتھ کھانا کھاتے۔ پھر ایک گھڑی .... قیلولہ کر کے نماز ظہر کے لئے اُٹھ جاتے۔ نماز ظہر کے بعد نماز عصر تک لوگوں کی مشکلات، فتویٰ نویسی سے حل کیا کرتے تھے۔ پھر شام کے وقت درویش دوستوں کے ساتھ راز تصوف اور تحقیق کی باتیں کرتے رہتے۔ نماز عشاء پڑھ کر گھر کے اندر چلے جاتے۔ شب کے پہلے ثلث میں آئندہ روز کے

؎ روضۃ الاولیاء۔ نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۶۵ ۔

سبقوں کے مطالعہ میں مشغول و منہمک رہتے تھے۔ اور شب کے درمیانی ثلث میں سے کچھ حصہ تو خانہ نشینوں کے ساتھ اور کچھ حصہ سونے میں صرف کرتے۔ گیارہ سال کے آغاز سے چوّن سال تک اسی طریقہ پر زمانہ گذرا۔

دوشنبہ ۱۲ شعبان ۱۰۱۳ھ/۱۶۰۵ء کی شب میں ہر شب کے معمول کے مطابق جس قدر طاقت میں گنجائش ملی معینہ معتاد میں مشغول رہے۔ اور شب کے اخیر حصہ میں ناسوتی مجلس سے منہ پھیر کر ملاء اعلیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ خوابگاہ اسی دالان میں ہے جس میں درس دیا کرتے تھے۔ [۱]

نوٹ:۔ اس زمانہ کی تقسیم اوقات کے لحاظ سے ایک گھڑی چوبیس منٹ کی ہوتی تھی اور ڈھائی گھڑی کا ایک گھنٹہ۔ اس لحاظ سے غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ چھتیس منٹ قبل کا وقت ہوا۔ (توزک جہانگیری ص ۱۸۲)

شیخ ابوتراب لاہوری

(م ۱۰ شوال ۱۰۷۱ھ/۱۶۶۴ء)

شیخ ابوتراب بن نجیب الدین بن شمس الدین بن اسد الدین ابن زین العابدین حسینی شیرازی ثم لاہوری۔ علوم منطق و حکمۃ میں آپ ممتاز تھے۔ آپ ہندوستان پہنچے اور شیخ وجیہ الدین علوی سے ...... طریقت میں استفادہ کیا پھر لاہور واپس تشریف لائے اور وہاں آپ نے اقامت فرمائی وہاں شیخ محمد افضل لاہوری وغیرہ علماء نے آپ سے استفادہ کیا، ۱۰۷۱ھ (۱۶۶۴ء) میں لاہور میں آپنے انتقال فرمایا اور

---

[۱] تذکرہ قاریان ھند جلد دوم ص ۱۵۱۔ گلزار ابرار ص ۲۶۴۔ نزھۃ الخواطر عربی ج ۵ ص ۳۲ ص ۳۵۶

وہیں آپ کو دفن کیا گیا [1]

گلزار صوفیاء میں آپ کے مفصل حالات اس طرح ہیں کہ !

حضرت سید ابوتراب بابا شاہ گدا کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا اصلی وطن شیراز تھا اور آپ کا سلسلۂ نسب سادات حسینیہ سے ملتا ہے۔ آپ کے والد کا نام سید نجیب الدین تھا۔ شیخ ابوتراب کی جائے پیدائش بھی شیراز ہے۔

شجرۂ نسب

سید ابوتراب بن سید نجیب الدین بن سید شمس الدین بن اسد الدین بن زین الدین المشہور بہ زین العابدین بن یونس بن عبدالوہاب بن عبدالہادی بن ابوالبرکات بن انور علی بن عبداللطیف بن محمد شریف بن ابوالمظفر بن عبدالباقی بن ابوالحسن بن عبدالعزیز شیرازی بن سیّد عبداللہ بن محمد امین بن قدرت اللہ بن سید موسیٰ بن مسعود بن صادق بن احمد بن سید باقر بن حسن بن زید بن جعفر بن محمود بن ہارون بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق رحمہم اللہ تعالیٰ۔

شیخ وجیہہ الدّین کی بیعت

آپ نے ابتدائی علوم اپنے وطن میں حاصل کئے۔ والدین کی تربیت کے زیر اثر تلاش حق کی تڑپ پیدا ہوئی اپنے وطن سے نکلے۔ مختلف علاقوں میں پھرتے رہے، آخرکار آپ شیخ وجیہ الدّین کی شہرت سن کر گجرات (احمدآباد، ہندوستان) تشریف لے آئے اور یہاں ان کے دست حق پرست پر بیعت کی۔

---

[1] خزینۃ الاصفیاء۔ نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۴۔

خرقہ خلافت آپ پیرو مرشد کی خدمت میں عرصہ دراز تک رہے ۔ آپ نے سلوک کی منازل طے کرنے کے لئے مجاہدہ اور ریاضت کی تکمیلِ روحانیت پر آپ کے پیرو مرشد نے سلسلہ قادریہ اور شطاریہ میں آپکو خلافت سے سرفراز کیا ۔

شیخ وجیہ الدین آپ کے پیرو مرشد متاخرین مشائخ میں عظیم المرتبت تھے ۔ آپ کا تعلق کئی سلسلوں سے تھا لیکن شطاری سلسلے میں آپ کو شہرت ہوئی۔ آپ اسی سلسلے میں غوث گوالیاری کے مرید اور خلیفہ تھے ۔

شاہ گدا کا شجرۂ طریقت آپ کو شیخ وجیہ الدین سے دو سلسلوں ، یعنی قادریہ اور شطاریہ سے فیض حاصل ہوا تھا ۔ اسی لئے آپ کو قادری شطاری کہا جاتا ہے ۔ آپ کے دونوں شجرے حسب ذیل ہیں ۔

شجرۂ قادری سیّد ابو تراب ، شیخ وجیہہ الدین گجراتی کے مرید ۔ یہ سید محمد غوث گوالیاری کے یہ شیخ طیفور حاجی کے یہ شیخ ابو الفتح المخاطب کے یہ شیخ ہدایت اللہ سرمست کے یہ شیخ عبدالوہاب کے یہ مرید شیخ عبدالرؤف کے یہ شیخ محمود کے یہ شیخ عبدالغفار کے یہ شیخ محمد کے یہ شیخ عبدالرحیم کے یہ سید ابو بکر تاج الدین کے اور یہ مرید اپنے والد ماجد حضرت غوث الاعظم قطب العالم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز کے ۔

شجرۂ شطاریہ سید ابو تراب مرید شیخ وجیہہ الدین گجراتی یہ مرید سیّد محمد غوث گوالیاری ۔ یہ مرید شاہ حمید ، یہ مرید شاہ قاذن یہ مرید شیخ عبداللہ شطاری کے ۔

لاہور میں مسکن آپ نے کافی عرصہ گجرات میں گزارا ۔ لیکن جب آپکے مرشد اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے تو آپ بھی گجرات کو خیر باد

کہہ کر لاہور چلے آئے۔ اور پھر آخری دم تک یہاں رہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ہمایوں کے عہد میں لاہور تشریف لائے۔

خلفاء سیّد ابو تراب اوّل قاضی محمد لاہوری جو آپ کے مزار میں آسودہ ہیں۔ دوم شیخ فاضل مدفون دہلی۔ سوم شاہ جمال مدفون رہتاس۔ چہارم لعل گدا۔ پنجم احمد گدا۔ اور ششم شہباز گدا یہ تینوں حضرات لاہور میں آپ کے حریم مزار میں آسودۂ لحد ہیں۔

وفات:۔ حضرت ابو تراب کی وفات عالمگیر کے عہد میں ۱۴ر شوال ۱۰۷۱ھ بمطابق ۱۱ر جون ۱۶۶۱ء ہوئی۔ حدیقۃ الاولیاء میں نام سید عبدالقادر المشہور شاہ گدا لکھا ہے۔

تاریخ رحلت

شہ گدا سیّد ولی متقی ! بندۂ حق خاک پائے بوتراب
سوختہ، گو سال ترحیلش دگر شہ ولی سید گدائے بوتراب
۱۰۷۱ھ

آپ کا مزار گڑھی شاہو میں ریلوے کالونی میں ہے۔[۱]

۱؎ گلزار صوفیاء۔ صفحہ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔

شیخ مبارک صدیقی شطاری

(متوفی سنہ ۱۰۱۰ھ / سنہ ۱۶۰۱ء)

شیخ مبارک، شیخ جلال نوہانی کے مرید تھے۔ خرقہ خلافت شیخ عبدالملک شطاری سارنگ پوری مالوی سے حاصل ہوا تھا۔ شیخ عبدالملک علامہ وجیہہ الدین احمد آبادی کے خلیفہ ہیں۔

شیخ مبارک سنہ ۹۸۱ھ میں منڈو آئے۔ یہاں تیس سال رہ کر ریاضت و عبادت کرتے رہے اور توکل کے ساتھ زندگی بسر کی۔ آپ کی شانِ استغنا بہت مستحکم تھی کسی اہل حکومت سے کچھ بھی قبول نہ کیا۔ ۱۰۱۰ھ میں رحلت فرمائی خوابگاہ منڈو میں ہے [۱]

شیخ محمد رضا لاہوری

(م ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۱۱۸ھ مطابق ۲۰ اگست ۱۷۰۶ء)

شیخ محمد رضا حنفی قادری شطاری لاہوری مشہور مشائخ میں سے ہیں۔ جنہوں نے افتار تدریس اور طریقت کی اشاعت اور تبلیغ میں اپنی عمر صرف کردی۔ آپ کے زمانے میں پنجاب میں مشائخ و علماء میں سے کوئی ایسا نہیں تھا کہ جن کو آپ کی طرح عوام میں اس قدر شرف قبول عطا کیا گیا ہو۔ اور جن کے تلامذہ اور مسترشدین اس قدر ہوں آپ کا روحانی سلسلہ شیخ وجیہہ الدین علوی تک اس طرح پہنچتا ہے۔

کہ آپ نے طریقت حاصل کی۔ شیخ محمد فاضل لاہوری سے انہوں نے شیخ الہ داد اکبر آبادی سے، انہوں نے شیخ محمد جلال سے، انہوں نے سید نور سے، انہوں نے شیخ زین العابدین سے، انہوں نے شیخ عبدالغفور سے، انہوں نے شیخ وجیہہ الدین علوی سے

---

[۱] گلزار ابرار صفحہ ۴۶۲۔

آپ کا انتقال ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۱۱۸ھ/ ۲۰ اگست ۱۷۰۶ء کو لاہور میں ہوا۔ [1]

شیخ محمد بن فضل اللہ برہانپوری

(وفات ۲ رمضان ۱۰۲۵ھ/ ۱۰۲۹ھ/ ۱۶۲۰ء)

شاہ محمد بن خواجہ فضل اللہ بن خواجہ صدر الدین بن خواجہ حسین جونپوری ثم برہانپوری آپ کا نسب نامہ حضرت ابو بکر صدیق رض سے ملتا ہے۔ آپ کے اجداد جونپور کے تھے اور پھر گجرات کی طرف ہجرت کر کے آ گئے۔

آپ کے والد شاہ فضل اللہ برہانپوری (متوفی ۱۵۹۶ء/ ۱۰۰۵ھ)۔ اپنے زمانے کے مشہور صوفی اور عالم تھے۔ بلکہ نائب رسول اللہ کہلاتے تھے، شاہجہاں کہا کرتے تھے کہ میں اگرچہ کئی بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن کامل شیخ فقط دو دیکھے ہیں۔ میاں میر لاہوری اور شیخ المشائخ فضل اللہ۔

شاہ صاحب کا وطن جونپور تھا لیکن برہانپور میں مقیم ہو گئے۔ اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ فقط تفسیر اور حدیث کا درس دیتے تھے۔ اور صوفیانہ ارشاد و ہدایت سے باطنی رہنمائی اور تزکیہ نفس کا اہتمام کرتے۔

شیخ محمد بن فضل اللہ احمد آباد میں ۱۵۴۵ء/ ۹۵۱ھ کے قریب پیدا ہوئے اور گجرات ہی میں نشوونما پائی۔ چھوٹے ہی تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ اور آپ یتیم ہو گئے۔ نوجوانی میں حضرت شیخ صفی الدین گجراتی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خرقۂ اجازت پایا پھر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ اور بارہ سال تک شیخ علی متقی کی صحبت میں رہے۔ اور ظاہری و باطنی فیض حاصل کیا۔۔۔۔ پھر گجرات واپس لوٹے اور احمد آباد میں قیام کیا۔ یہیں آپ کی شادی ہوئی

---

[1] خزینۃ الاصفیاء، نزہۃ الخواطر ۵، ۶، ص ۳۰۵۔

اور یہیں آپنے شیخ وجیہ الدین کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اور بارہ سال آپ کی صحبت میں رہ کر علوم وفنون میں مہارت پیدا کی۔ پھر شیخ خان جونپوری کی خدمت میں گجرات چلے گئے۔ شیخ خان نے آپ کے والد ماجد کی زبان سے سنا تھا کہ ہمارا بیٹا قطب وقت ہوگا۔ آپ نے سلوک کی منزلیں شیخ ابو محمد بن خضر تمیمی کی صحبت میں حاصل کیں۔ شیخ ابو محمد آپ کے والد شیخ فضل اللہ کے مرید تھے اور اور قلعہ میسر میں رہتے تھے۔ آپنے شیخ وحید الدین اور شیخ ماہ کو لکھا کہ آپ کا شہباز ابھی پرواز نہیں کرپایا انہوں نے جواب میں لکھا کہ اسکی پرواز آپکے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ شیخ محمد کو میسر بھیج دیا گیا وہاں جاکر وہ روحانی نعتیں حاصل کیں جو آپکے والد بزرگوار نے شیخ خضر تمیمی کے سپرد کی تھیں۔ وہاں سے واپس آکر برہانپور میں توطن اختیار کرکے مدرسہ اور مسند ارشاد وہدایت کو زینت بخشی۔ اور ظاہری اور باطنی علم کا سلسلہ جاری کیا۔ اور چشتیوں کے مشہور بزرگوں میں شمار ہونے لگے۔

آپ نے "شیخو پورہ" کے نام سے ایک محلہ آباد کیا جس میں حفاظ کے تین سو گھر تھے۔ حضرت کا یہ محیر العقول فیض تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے زمانے میں شیخو پورہ میں قرآن خوانی کے سوا صبح کے وقت کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی: آپ کے پاس جتنے ہدایا آتے ان کے تین حصے فرماتے۔ ایک حصہ بیوی بچوں کیلئے ہوتا۔ اور ایک درویشوں، مسکینوں اور طلبہ پر صرف فرماتے۔ اور ایک حصہ سارا جمع کرکے مدینہ منورہ بھیج دیتے۔ آپ سچے عاشقِ رسول تھے۔ آپ کی صبح وشام سنتِ نبوی اور شریعت محمدی علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام کے مطابق گذرتی تھی۔

بالآخر آپ نے درس وتدریس چھوڑ کر یادِ خدا اور خلق کی روحانی رہنمائی کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ تصنیف وتالیف میں بھی آپ کا مقام

بلند تھا۔ وحدۃ الوجود کے زبردست حامی تھے۔ اسی مسئلہ پر آپ کا رسالہ "التحفۃ المرسلۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم" مشہور ہے۔

التحفۃ المرسلۃ الی النبی

اس کتاب کے مصنف محمد بن فضل اللہ ہیں۔ (۱۰۲۹ھ - ۱۶۲۰ء) جو ایک صوفی اور عالم وجیہ الدین گجراتی کے مرید تھے۔ اس کا تعلق مسئلہ وحدت الوجود سے ہے مصنف کا نظریہ ہے کہ صرف خدا ہی ایک وجود ہے اور یہ وجود اگرچہ واحد ہے مگر مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ وجود تمام موجودات کی اصل وحقیقت ہے اور اس اعتبار سے یہ وجود نہ تو کسی پر منکشف کیا جا سکتا ہے اور نہ ذہن اس کا احاطہ کر سکتا ہے۔

اس وجود کے مندرجہ ذیل سات مدارج ہیں۔

پہلا درجہ وجود مطلق۔ وجود بے قید و بے صفات یہ درجہ احدیت کہا جاتا ہے اور حقیقت حقہ ہے۔ دوسرا درجہ پہلی تقیید کا ہے جس کا مقصد ومفہوم اس وجود کی ذات اور اس کی صفات اور مستقبل کی تمام مخلوقات کا اجمالی عرفان ہے یہ درجہ الوحدت کہا جاتا ہے اور یہ حقیقت محمدی ہے۔

تیسرا درجہ دوسری تقیید کا ہے۔ جس کا مقصد ومفہوم اس وجود کی ذات اور اس کی صفات اور کائنات کا مفصل علم ہے۔ یہ درجہ واحدیت کہا جاتا ہے اور یہ حقیقت انسانی ہے۔ اور یہ تینوں درجات ابدی قرار دیئے گئے ہیں۔

چوتھا درجہ ارواح کا ہے یعنی مجرد اور مفرد اشیاء۔ پانچواں درجہ عالم المثال ہے یعنی مرکب اشیاء مگر اتنی لطیف کہ تقسیم نہیں کی جا سکتیں۔ چھٹا درجہ عالم الامثال ہے یعنی مرکب اشیاء جو مادی اور اس لئے قابل تقسیم ہیں۔ ساتواں درجہ مذکورہ بالا تمام مدارج کا خلاصہ ہے۔ یہ آخری تقسیم ہے اور اس

---

[1] برلن ۲۰۴۰، ریو ۱۲/۲۳۵، انڈیا آفس ۱۲۸۳، رام پور ۳۲۲،
بنگال ۵۵/۲، آصفیہ ۳۶۲/۱، اسٹوریٹ ص ۲

کو انسان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

پہلے تین مدارج کے نام ایک ہی مصدر واحد کے مشتقات ہیں۔ جس کے معنی ہیں "ایک" لسانی اعتبار سے ان تینوں لفظوں کے معنی میں فرق نہیں۔ مگر مصنف نے اپنا مطلب بیان کرنے کے لئے ان کو اس طرح استعمال کیا ہے گویا ان کے معنول میں کچھ نہ کچھ فرق ہے۔ یہی صورت پانچویں اور چھٹے مدارج یعنی عالم المثال اور عالم الامثال کے معنوں کی ہے۔

مصنف نے لکھا ہے کہ یہ وجود یعنی خالق نہ مخلوقات سے منفصل ہے نہ منفصل ہے نہ ان میں شامل ہے۔ ورنہ اس کا نتیجہ کثرتِ وجود ہوگا۔ مزید یہ کہ کائنات اور اس میں جو کچھ بھی ہے عرض ہے اور جوہر صرف وجود (خالق) ہے۔ یہ نظریہ کہ خدا جوہر ہے اشعریوں کے اس عام نظریہ کے خلاف ہے کہ خدا نہ جوہر ہے نہ عرض ہے۔

اس کے بعد مصنف نے ان لوگوں کے تین طبقے قرار دیئے ہیں جو نظریۂ وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے جو یہ یقین رکھتا ہے کہ خالق تمام مخلوقات کی حقیقت ہے۔ مگر مخلوقات میں خالق کو نہیں دیکھتا ہے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو مخلوقات میں خالق کو دیکھتا ہے مگر خالق میں مخلوقات کو نہیں دیکھتا۔ اور تیسرا طبقہ وہ ہے جو خالق میں مخلوقات کو اور مخلوقات میں خالق کو دیکھتا ہے۔ اس تیسرے طبقہ میں مصنف نے انبیاء اور اقطاب کو شامل کیا ہے۔

آخر میں مصنف نے نظریۂ وحدت الوجود کی تائید میں قرآن اور حدیث کے حوالے دیئے ہیں۔ جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔ ان سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس نظریہ کی تائید میں مصنف نے قرآن اور حدیث سے کس قسم کی تائید اخذ کی ہے۔

(الف) قرآنی آیات :۔

۱۔ للہ المشرق والمغرب
مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں ۔

۲۔ فاینما تولوا فثم وجہ اللہ ط
پس تم جدھر رخ کروگے وہیں اللہ کی ذات موجود ہوگی ۔

۳۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید
ہم انسان سے اسکی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں ۔

۴۔ وھو معکم اینما کنتم
تم جہاں بھی ہوگے وہ تمہارے ساتھ ہوگا ۔

۵۔ ھوالاول والآخر والظاھر والباطن
وہ اول بھی ہے آخر بھی اور ظاہر بھی اور باطن بھی ۔

(ب) حدیث :۔

۱۔ ان احدکم اذا قام الی الصلوٰۃ فانما یناجی ربہ فان ربہ بینہ وبین قبلہ
تم میں کا کوئی آدمی جب نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے کیونکہ اس کا رب اس کے اور اس کے دل کے درمیان ہوتا ہے ۔

۲۔ ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتیٰ احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ۔
میرا بندہ نوافل کے ذریعے برابر میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے تا آنکہ میں اسے پسند کرنے لگتا ہوں اور میں اسے پسند کرلیتا ہوں تو میں اسکے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اسکی آنکھیں بنجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے،

ایسے مستند حوالوں کی بناپر یہ نظریہ مشکوک معلوم ہونے لگتا ہے کہ وحدت الوجود کا تصور اسلام میں بیرونی اثرات کے تحت داخل ہوا ۔ اور بخوبی یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر اسلام

پر بیرونی اثرات کے دروازے بالکل بند کردیئے جاتے تب بھی اسلام میں وحدت الوجود کا نظریہ اخذ کرلیا جاتا۔ [1] اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اسپر کم از کم تین شرحیں لکھی گئیں۔ اور انڈونیشیا میں اسکا بہت چرچا تھا۔ ملایا کے نورالدین رانیری نامی ایک صاحب قلم نے اس کا ترجمہ ملایائی زبان میں کیا ہے اسوقت انڈونیشیا کے شہر سماٹرا میں وحدۃ الوجود کے متعلق اسی طرح بحثیں ہو رہی تھیں جس طرح ہندوستان میں سماٹرا کے اہلِ قلم مثلاً حمزہ وحدۃ الوجود کے مسئلہ میں ابن العربی اور عبدالکریم جیلی کے قائل تھے۔ نورالدین اس نقطۂ نظر کے سخت مخالف تھے لیکن ایک مقامی عالم عبدالرؤف جو سولہ سال حجاز میں مقیم رہے اور شطاری سلسلہ میں منسلک ہوگئے تھے۔ اور مولانا احمد قشاشی کے جانشین ملا ابراہیم القرانی نے عبدالرؤف کو شطاری سلسلے میں مرید کرنے کی اجازت دی۔ چنانچہ انہوں نے جزائر مشرق میں یہ سلسلہ جاری کیا۔ اور جلد ہی جاوا میں کثرت سے لوگ اس سلسلہ میں شامل ہوگئے۔

شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رح نے شیخ احمد قشاشی کا تذکرہ اپنی کتاب: الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، میں کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ!

میں نے جواہر خمسہ کی اجازت اپنے استاد شیخ ابو طاہر کُردی سے حاصل کی تھی، جن کے والد نے یہ اجازت شیخ احمد شناوی کے خلیفہ شیخ احمد قشاشی سے حاصل کی تھی۔

بہر حال شیخ محمد بن فضل اللہ جونپوری کی تصنیف: التحفۃ المرسلہ، انڈونیشیا تک پہنچی۔ اس کے علاوہ آپ کی تصانیف ہیں: الہدیۃ المرسلہ، شرح الدعاالسیفی،

---

[1] عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۱۰۴/۱۰۵/۱۰۶۔

الوسیلۃ الی شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم شرح اللوائح للجامی ۔ رسالہ فی کراھیۃ امامۃ الامرد فی الصلوٰۃ ۔ رسالہ فی المعراج ۔ التحفۃ المرسلہ کی شرح الحقیقۃ الموافق الشریعۃ ۔ قابلِ ذکر ہیں ۔

سفینۃ الاولیاء کے مصنف نے آپکی تاریخ وفات "پیر ۲ رمضان ۱۰۲۵ھ لکھی ہے، رود کوثر کے مصنف نے آپ کا سالِ وفات ۱۰۲۹/۱۶۲۰ء لکھا ہے ۔ خواجہ محمد ہاشم نے آپکی تاریخِ وفات "ابن فضل اللہ" نکالی ہے ۔

آپ کی عمر ۸۶/سال ہوئی اور مزار برہانپور میں زیارت گاہ عوام ہے ۔

غوثی جنہوں نے گلزار ابرار اس زمانے میں تصنیف کی جب آپ ابھی حیات تھے ۔ لکھتے ہیں، کہ آپ خاندیش کے بادشاہ محمد شاہ ابن مبارک شاہ فاروقی کے عہد حکومت (۱۵۶۶ء) میں گجرات سے خاندیش تشریف لائے ۔ برہانپور میں مسجد اور خانقاہ تعمیر کی ۔ حدیث و تفسیر اور دوسرے دینی علوم کا درس دیتے تھے اہل دل تھے ۔ لیکن سماع اور سرور سے کوئی دلچسپی نہ تھی ۔ سچے عاشقِ رسول تھے ہر سال جہاز کے موسم میں دیوانہ وار وطن سے نکلتے اور سمندر کے کنارے پر پہنچ جاتے ۔ اگر قسمت یاوری کرتی تو جہاز پر سوار ہوکر حرمین شریفین جا پہنچتے اور روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے دل کو تسکین دیتے ۔ اس طرح آپ نے حجاز کے کئی سفر کئے ۔ وطن میں بھی محبتِ رسول میں مست رہتے ۔ سال بھر میں اگر کوئی کوڑی پیسہ بچاتے تو اس لئے کہ سفر حجاز کا سامان ہو جائے ۔

بارگاہِ الٰہی میں آپ کی محبت نبوی مقبول ہوئی ۔ اور آپ کی التحفۃ المرسلہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی شہرت پائی ۔ اس کی کم از کم تین شرحیں لکھی گئی ۔ اور انڈونیشیا میں اس کا بہت چرچا تھا علاقائی (ملاوی زبان کے ایک اہل قلم میں سے نورالدین رانیری (راندیری) نامی ایک شخص نے اس کا ترجمہ ملایائی میں کیا ہے انکی تاریخ وفات معلوم نہیں (غالبا انہی کی ، رحیق

المحمدیہ فی طریقۃ الصوفیہ،، کا ذکر مولانا عبدالحی نے یاد ایام میں کیا ہے۔ اس میں تاریخ وفات ۱۰۶۸ھ یعنی ۱۶۵۸ء/ ۱۶۵۷ء لکھی ہے) لیکن ان کی کتابوں کا زمانہ تصنیف ۱۶۲۸ء / ۱۰۳۷ھ سے شروع ہوتا ہے۔ ؎۱

سید یٰسین سامانوی

شاگرد علامہ وجیہ الدین

شیخ یٰسین بن ابویٰسین حنفی شطاری سامانوی۔ سید شاہ میر سامانوی کے عم زادگان میں سے تھے۔ علم کیلئے شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ ان سے درسیات کے ساتھ طریقت میں بھی استفادہ کیا۔ تکمیل کے بعد حج و زیارت کے لئے سفر فرمایا۔ اور مشائخ عصر سے حدیث پڑھ کر ہندوستان لوٹے۔ لاہور میں اقامت فرمائی۔ اور ایک امیر کے ہاں رہ پڑے، کچھ مدت کے بعد دنیا سے کنارہ کش ہو کر کلیتہً اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف رغبت ہوگئی۔ فقراء کا لباس زیب تن کرلیا اور سرہند تشریف لے گئے جہاں مدت تک لوگوں کی تربیت کا مشغلہ جاری رکھا۔ ایک دفعہ ان کا ارادہ گجرات جانے کا ہوا تاکہ وہاں سے حجاز چلے جائیں۔ مگر اس میں کامیاب نہ ہوسکے۔ تب بنگال تشریف لے گئے اور بہار کی سرحد پر ایک مدت قیام فرمایا اور یہاں ان سے بے شمار انفاس مستفیض ہوئے۔ ان میں شیخ محمد بھاگلپوری بھی ہیں۔ آپ نے یہیں رحلت فرمائی لیکن سال رحلت معلوم نہ ہوسکا۔ ؎۲

؎۱ اذکار ابرار اردو ترجمہ گلزار ابرار ص ۵۹۷۔ رود کوثر ص ۳۹۶، تذکرہ قاریان ہند ص ۵۶۹ ج ۱ ، اعیان الحجاج، خزینۃ الاصفیاء ص ۴۰۲، نزھۃ الخواطر عربی ص ۵۸۰ ج ۵ ص ۳۶۳۔ ؎۲ نزھۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۴۴، ص ۵۷۵۔

شیخ یوسف بنگالی

شاگرد علامہ وجیہہ الدین علوی

علامہ فاضل شیخ یوسف بن ابو یوسف۔ اپنے زمانہ کے علمائے کبار میں سے تھے۔ آپ کا مولد بنگال ہے۔ تحصیل علوم کے لئے وطن سے نکلے۔ اور شہر بہ شہر ہوتے ہوئے احمد آباد میں قطب مدار شیخ وجیہہ الدین علوی کی خدمت میں پہنچے۔ ان کے حضور زانوئے تلمذ تہہ کیا جن سے تمام علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کی۔ شیخ کی اجازت سے احمد آباد سے برہانپور تشریف لے آئے۔

وہاں آپ نے شیخ سالم کے پڑوس میں رہائش اختیار کی جن کو علم طب میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ وہیں شیخ سالم نے اپنی دختر کا عقد آپ سے کر دیا، مدت دراز تک وہاں درس دیتے رہے۔ لیکن ہمیشہ تصوف کی تعلیم سے احتراز کیا کرتے تھے اگر کوئی طالب ضد کرتا تو اس کو شیخ طاہر یوسف سندھی کے درس میں بھیج دیا کرتے۔ مسیح القلوب، شیر بیر محمد حلیم ان کے علاوہ بے شمار علماء و شیوخ نے آپ سے استفادہ کیا۔ آپ کی آخری آرام گاہ برہانپور میں ہے۔ [1]

قاضی عبداللہ بیجاپوری

شاگرد علامہ وجیہہ الدین علوی

فقیہہ قاضی عبداللہ حنفی بیجاپوری ان علماء میں سے ہیں جنہیں فقہ و حدیث پر بہت عبور حاصل تھا۔ آپ علامہ وجیہہ الدین بن نصر اللہ علوی کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں اور ایک طویل زمانہ تک ان کی صحبت میں رہے۔ پھر بیجاپور تشریف

---

[1] گلزار ابرار ص ۲۵۸، نزھۃ الخواطر اردو ص ۵۸۲، ایضاً عربی ص ۲۹۷ ج ۵۸۶/۳۶۰ -

لے گئے اور وہاں کی مسند قضا پر متمکن ہوئے اور وہیں رہائش اختیار کی یہاں تک کہ آپ کو پیغام اجل آگیا اور بیجاپور ہی میں آپ دفن ہوئے۔ [1]

قاضی جلال الدین ملتانی

(م ۹۹۹ھ — ۱۵۹۰ء)

شیخ فاضل کبیر قاضی جلال الدین حنفی ملتانی۔ یکے از علمائے کبار، مولد شہر بھکر تھا اور ملتان میں پروان چڑھے، آپ نے چند روز تک شیخ وجیہ الدین احمد علوی احمد آبادی کے درس میں بیٹھ کر دینی علوم حاصل کئے۔ اور فقر و تصوف کی چاشنی کا مزہ پایا پھر دارالسلطنت آگرہ تشریف لائے۔ یہاں شیخ جلال ابن عبداللہ اکبرآبادی کے حضور زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ پھر کچھ عرصہ گمنامی میں رہے۔ پھر درس کا آغاز فرمایا اور علمائے معاصرین میں آپ کے علم کی دھوم مچ گئی۔ قاضی کمال الدین یعقوب کردی کے بعد اکبر بادشاہ نے قضاء کا منصب آپ کے نام کر دیا۔ جب اکبر نے علماء سے آگرہ خالی کرایا تو آپ بیجاپور تشریف لے گئے اس صوبہ کا حاکم آپ کی بے حد تعظیم کرتا تھا۔

اسی شہر میں آسودۂ لحد ہوئے۔ تاریخ وفات ۹۹۹ھ/ ۱۵۹۰ء ہے نوراللہ مرقدہٗ۔ [2]

مولانا عثمان سنبھلی

شاگرد وجیہ الدین علوی

(م ۹۸۰ھ — ۱۵۷۲ء)

شیخ عثمان بن ابو عثمان حنفی بنگالی سنبھلی۔ اپنے دور کے مشہور عالم تھے۔ بنگالہ میں

---

[1] روضۃ الاولیاء۔ نزہۃ الخواطر ص ۴۱۲ ج ۵۔

[2] گلزار ابرار ص ۴۰۹ اردو نزہۃ الخواطر ۱۲۸ ایضاً عربی ۱۲۹ ج ۴ - اخبار الاصفیاء

پیدائش ہوئی ۔ طلب علم کے لئے سنبھل آئے ۔ اور شیخ حاتم سنبھلی سے علم حاصل کیا ۔ پھر گجرات کا قصد کیا ۔ احمدآباد میں علامہ وجیہہ الدین سے اکتساب کیا پھر سنبھل لوٹ گئے ۔ سنبھل ہی میں ۹۸۰ھ/۱۵۷۲ء میں وفات پائی ۔ [1]

قاضی عبدالعزیز

م ۲۷ رمضان ۹۸۲ھ/۹ جنوری ۱۵۷۵ء ۔

شیخ قاضی عبدالعزیز بن عبدالکریم بن راجی محمد عینی اجینی ۔ جو عین القضاۃ ہمدانی کی اولاد میں سے ہیں ۔ آپ کا مولد و منشا اجین ہے ۔ آپ نے علم کے لئے اپنے شہر سے باہر سفر کیا ۔ اور نہروالہ ، پٹن گجرات کے شیخ مولانا عبدالکریم نہروالی سے بعض کتب درسیہ پڑھیں ۔ اسی طرح آپ نے علامہ وجیہہ الدین علوی سے بھی پڑھا ۔ آپ بڑے زاہد ، متورع ، صائم الدھر قائم اللیل تھے ۔ خوش خلقی آپ کا خصوصی شیوہ تھا ۔ [2]

قاضی عبدالعزیز کے والد شیخ عبدالکریم

شیخ عبدالکریم اپنے والد شیخ راجی محمد عینی کی رحلت کے بعد سجادہ نشین ہوئے ۔ نہایت سنجیدہ ، جواں مردی پرہیزگاری ، حق شناسی ، خدا پرستی ، مہمان دوستی اور زندہ دلی جیسے اوصاف عالیہ سے متصف تھے انکی وفات ۱۰۰۵ھ/۱۵۹۶ء میں ہوئی ۔ پدر بزرگوار کے گنبد کے باہر جنوبی سمت میں دفن کئے گئے ۔

شیخ عبدالکریم کے دو فرزند تھے ۔ (۱) شیخ عبدالعزیز دان کے حالات اوپر ذکر ہوئے) (۲) شیخ عبدالقادر ۔ جو اپنے آبائے کرام کے وطن میں آبائی مکان اور خانقاہ کو آباد کئے ہوئے تھے ۔ [3]

---

[1] اردو نزہۃ الخواطر ج۴ ص۲۵۳ ، ص۲۴۲ ایضاً عربی ج۴ ص۲۵۰ [2] ج۴ ص۲۲۳ [2] ایضاً ص۲۴۰ ج۵ ص۲۳۳ [3] گلزار ابرار ص۲۱۹

قاضی عبدالعزیز کے دادا

قاضی عبدالعزیز کے دادا شیخ راجی محمد عینی بھی بڑے اونچے بزرگوں میں سے تھے جن کے چند احوال حسب ذیل ہیں۔

شیخ راجی محمد بن شیخ خان حنفی۔ شیخ عین القضاۃ ہمدانی کی اولاد سے تھے۔ کم سنی ہی میں تعلیم کی غرض سے برہانپور چلے گئے اور دو سال تک وہیں قیام کیا۔ یہاں علوم کا ایک معتد بہ حصہ پڑھا۔ اور پھر احمد آباد بیدر تشریف لے گئے۔ یہاں شیخ محمد بن ابراہیم اسماعیلی ملتانی سے ۱۲ رسال تک استفادہ کے بعد اجین لوٹ آئے۔ اور پچاس سال تک مصروفِ تدریس رہے۔

آپ فرماتے تھے کہ ایک رات مجھ کو مکاشفہ میں معلوم ہوا کہ اکمل الاولیاء شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ مصلیٰ پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور بے شمار لوگ اور وحوش وطیور آپ کے گرد محو جمال ہیں۔ ان سب میں شیخ عبدالقادر جیلانی نے میرا نام لے کر بلایا۔ اور مصلیٰ کے نیچے جو خس وخاشاک تھا اس کو اپنے دست مبارک سے جھاڑ دیا۔ اور فرمایا کہ دوئی کا جو زنگ تمہارے دل کے آئینہ پر تھا وہ صاف ہوگیا۔ اب مصلیٰ پر بیٹھو اور شکرانہ کی نماز پڑھو۔ پھر شیخ نے قطبی ولایت کی خوشخبری مجھے دی۔ اس کے بعد پیر نے بھی خرقۂ خلافت عطا فرما کر اجین میں رہنے اور لوگوں کی رہنمائی اور تعلیم کی اجازت مرحمت فرمائی۔

اولاد: - آپکے چھ بیٹے تھے۔ عبدالرحمن، عبدالکریم، عبدالرحیم۔ یہ تینوں ایک بیوی سے۔ اور عبدالحلیم، عبدالحمید، اور عبدالمجید دوسری منکوحہ سے تھے۔

شیخ راجی محمد اجین میں پچاس برس تک درس وتدریس میں مشغول رہے اور آخر ۲۷ رمضان ۹۸۲ھ/ ۹ رجنوری ۱۵۷۵ء کو اس دار فانی سے دار بقا کو راہی ہوئے۔[1]

[1] اعیان الحجاج۔ گلزار ابرار صہ ۳۱۹۔

شیخ عبداللہ صوفی شطاری

(م ۲۲؍جمادی الاولیٰ ۱۰۱۰ھ ۱۷؍نومبر ۱۶۰۱ء)

آپ کمال الدین بہلول ابن چاند ابن جنید ابن محمد ابن برہان الدین ابن عزالدین محمود ابن نجم الدین احمد ابن مولانا شمس الدین ھروی عثمانی کے فرزند رشید ہیں ۱۲؍ربیع الثانی ۹۰۴ھ کو آپ کی ولادت قصبہ سندیلہ میں ہوئی۔

چونکہ نمدا طلبی کا جوھر آپ میں ودیعت تھا لہذا نو سال کی عمر میں آپ کو پیر ارادت کا شوق پیدا ہوا۔ مخدوم شیخ صفی ساقی پوری کے مرید ہو گئے اور سولہ برس کی عمر میں کتابی علوم کی تحصیل کا ارادہ کر کے گھر سے نکل پڑے اور قصبہ گوپامو میں شیخ الہداد ابن سعداللہ عثمانی کی خدمت میں پہنچے اور صرف و نحو پڑھنا شروع کر دیا۔

شیخ بدرالدین بدایونی اپنے وقت کے قطب تھے انہوں نے اثنار تعلیم خواب میں تشریف لاکر آپ کو فرمایا کہ: عبداللہ تم چند روز ہماری خدمت سے حصہ لو، جب آپ بیدار ہوئے تو بے تامل بدایوں کی طرف چل پڑے۔ بدایوں پہنچکر شیخ بدرالدین کا سراغ لگایا۔ کسی نے پتہ نہیں دیا۔ رات کے وقت ناامید ہو کر جامع مسجد میں اندیشہ ناک سو گئے۔ پھر شیخ نے خواب میں فرمایا کہ فلاں جگہ ہمارا روضہ ہے وہاں آکر مجاور بنو وہاں پہنچ کر کامل چھ ہلالی دور بطور اعتکاف اس مزار پاک پر رہے اور بہرہ یاب ہوئے۔ اسی اعتکاف کا انجام تھا کہ خواجہ قطب الدین اویسی چشتی دہلوی نے خواب میں فرمایا کہ تم کو ایک سال ہمارے حظیرۃ میں رہنا چاہئے۔ صبح ہوتے ہی دہلی کو روانہ ہوئے چاشت کا وقت تھا کہ قلعہ دہلی کے دروازہ پر پہونچے۔ شیخ معزالدین بخاری سے ملاقات ہوئی وہ آپ کو گھر لے گئے۔ جب مکان میں پہنچے تو مہمان کے ساتھ بہت مہربانی کے ساتھ پیش آئے اور فرمایا کہ اس شہر کے قطب نے تم کو میرے سپرد کیا ہے تم اس جگہ ٹھہرو

روضہ کی خدمت کرتے رہو، اور اس خانقاہ کے مدرس سے سبق پڑھا کرو۔ یہ کافیہ لب، اور ارشاد یہ تینوں کتابیں اسی جگہ پڑھیں اور ہمیشہ نماز عشاء سے فارغ ہو کر روضہ مبارکہ پر جایا کرتے تھے۔ فیض روحانیت سے قلب میں روشنی حاصل ہوئی اور پھر ایک سال ختم ہونے کو آیا کہ حضور خاتم الانبیاء صلوٰت اللہ علیہ عالم مثال میں تشریف لائے اور فرمایا کہ مولانا برہان الدین ملتانی حصار میں تمہارے پہنچنے کے منتظر ہیں۔ ان کے درس میں جا کر تحصیل کمالات کرو۔ آپ نے تعمیل حکم کی۔ چند روز بعد جناب مولانا نے احمد آباد گجرات کا عزم فرمایا۔ آپ بھی ہمراہ ہو گئے۔ اکثر علوم کی کتابیں اور تفسیر مولانا کی ملازمت میں رہ کر پڑھی اور شرح مقاصد کے الٰہیات اور شرح مواقف نیز بعض دیگر ریاضی رسالے شیخ وجیہ الدین احمد علوی شطاری کے درس میں نکالے۔ بزدوی، ہدایہ اور عضدی شیخ مبارک دانشمند شطاری گوالیاری کے سامنے حل کیں۔ علم حدیث اور اصول حدیث میر عبدالاول دولت آبادی کی تعلیم سے حاصل کیا اور نصوص کی اجازت مولانا مصطفیٰ رومی سے لی۔ بالآخر ۲۴ رسال کی عمر میں جب یہ تمام کمالات فراہم ہو گئے تو ایک عجیب جذبہ پیدا ہوا تمام کتابیں لوگوں کو تقسیم کر کے باغ ارم کے ایک گوشہ میں نفس کی اصلاح میں مصروف ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد الٰہی طلب اور ایزدی معرفت کا ایسا ہجوم ہوا کہ تمام حواس اور قوی کو جکڑ لیا اور ہر ایک کو اس کے کام سے معطل کر دیا۔

حضور خاتم النبوۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف متوجہ ہوئے کہ کسی مرشد کا پتہ بتا دیں جو درد کا علاج کرے اور جس کے فیض ہدایت سے طالب عرفاں کے اصلی مطلب کو پہنچ کر صاحب بصیرت ہو سکیں۔ آخر کار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غوث الاولیاء کی خدمت کا راستہ دکھایا۔

حضرت غوث الاولیاء نے دو مہینے کے اندر مشرب عشقیہ کے تمام اذکار اور اشغال سکھا کر انوار و اسرار سے بہرہ یاب کیا اور ذوالحجہ ۹۵۰ھ میں عرفہ کے ...... روز آپ کو

تمام خانقاہ نشینوں کا سر حلقہ بنایا۔ تمام صوفیوں کی تلقین آپ کے سپرد ہوئی مسلسل دس سال تک آپ مبتدی درویشوں کی تربیت کرتے رہے۔ مبتدی درویشوں میں سے جو شخص کمال کے درجہ کو پہنچ جاتا تھا غوث الاولیاء کی خدمت میں عرض کر کے سند ارشاد لے کر اس کو دیدیتے تھے۔ اور کسی سمت کی رہنمائی کے واسطے اجازت ہو جاتی۔ اسی اثناء میں غیب سے بیت الحرام کے طواف اور حرم سید الانام کی زیارت کے واسطے مامور ہوئے۔ مدینہ منورہ میں پانچ سال قیام کر کے کمال ریاضت میں منہمک رہے اور اور ہر سال حج کے واسطے آمدورفت رکھی پھر حکم عالی کے بموجب احمدآباد میں بازگشت فرما کر متاہل ہوئے۔ کم وبیش پندرہ سال اس شہر میں گذارے۔ ۹۸۱ھ میں پیر کی زیارت کے واسطے گوالیار آئے۔ یہاں دو سال مزار مبارک پر رہے۔ بعدہ بفرمان پیر ۹۸۳ھ کے آغاز میں دارالخلافہ آگرہ جا کر مٹیا محل گلی میں حجرہ تجویز کیا اور بنماز عصر کے وقت دوشنبہ کے روز ۲۲ رجادی الاولیٰ ۱۰۱۰ھ/۱۷ نومبر ۱۶۰۱ء میں عنصری منزل سے قدسی مقام کو عروج فرمایا۔ اور اسی حجرہ میں اپنی خواہش کے مطابق خوابگاہ اختیار کی قدس اللہ سرہٗ۔ [1]

تصانیف

۱۔ سراج السالکین بر سنن جواہر خمسہ ۲۔ اوراد صوفیہ
۳۔ رسالہ صوفیہ ۴ انیس المسافرین
۵۔ اسرار الدعوۃ ۶۔ شرح رسالہ غوثیہ
۷۔ رسالہ کنز الاسرار فی حال اشتغال الشطاریہ

---

[1] گلزار ابرار ص ۴۵۴

مولانا محمد غوثی بن حسن بن موسیٰ شطاری

صاحب گلزارابرار۔ (ولادت ۹۶۲ھ/۱۵۵۴ء)

آپ نے گلزارابرار میں جہاں پر اپنے والد شیخ حسن کے حالات لکھے ہیں۔ وہاں ضمن میں اپنے حالات اور واقعات بھی بالتفصیل بیان فرمائے ہیں۔

آپ ۹۶۲ھ/۱۵۵۴ء میں قصبہ مانڈو میں پیدا ہوئے تھے۔ مانڈو کو پہلے منڈو بولتے اور لکھتے تھے۔ یہیں پرورش پائی۔ تحصیل علوم میں شیخ وجیہ الدین علوی کے شاگرد تھے۔ اور طریقت میں شیخ محمد غوث گوالیاری قدس سرہ کے سلسلہ میں بیعت تھے۔

آپ نے اکبر کا آخری دور اور جہانگیر کا آغاز دیکھا ہے۔ چونکہ یہ زمانہ علم و فضل، معرفت، ثروت اور اعزاز و وقار کے اعتبار سے منتہائے عروج پر تھا۔ اس لئے فقراء، صلحاء، اولیاء، علماء، فضلاء اور امراء وغیرہ بڑے اچھے اچھے لوگ اس زمانہ میں رونقِ بزمِ حیات تھے۔ مصنف کا علمی تبحر صرف عقلی و نقلی علوم میں منحصر نہ تھا۔ بلکہ آپ عرفانی و وجدانی کمالات کے بھی حامل تھے۔ آپ کے زورِ قلم اور عرفانی و وجدانی معلومات کا کچھ اندازہ گلزار ابرار سے ہوسکتا ہے۔

کسی زمانہ میں مانڈو اولیاء اللہ کا شہر رہ چکا ہے۔ یہ شہر مالوہ میں شہر دیار سے بارہ کوس کے فاصلہ پر جنوبی سمت میں واقع تھا۔ پرانے زمانہ میں اس بستی کا قلعہ ایک مدتِ دراز تک سلاطین خلجی اور غوری کا پایۂ تخت رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ اب بھی کچھ عمارتیں اس اجڑی ہوئی بستی میں ویران پڑی ہیں

جب آپکی عمر گیارہ سال ہوئی تو پدر بزرگوار کو عالم بالا سے بلاوا آگیا۔ کوچ کے وقت فرمایا۔ میرے دل میں خیال تھا کہ تیس سال تک ان کو اہلِ علم کی خدمت میں رکھونگا تاکہ انکی تعلیم و تربیت سے یہ علوم سے آراستہ پیراستہ ہوجائے۔
غوثی فرماتے ہیں کہ دل میں استحکام کے ساتھ یہ بات جمی کہ اگر تقدیر تدبیر کے ساتھ موافق آئے تو والد ماجد کے قائم کئے ہوئے خیال کے موافق کاربند ہوکر اس کام کو میں اسی طرح انجام دونگا۔
والد ماجد کے انتقال کے بعد چند ایام سوگواری کو مستثنیٰ کرکے کوئی وقت حصولِ علم کے بغیر نہیں گذارا۔ والدہ ماجدہ نے اس خیال سے کہ درویشوں کی خدمت اور مدرسوں کی ملازمت سے دل برداشتہ ہوکر دنیا داری شروع نہ کردے ستّرہ سال کی عمر میں نکاح کرادیا۔ جب بیس سال کی عمر ہوئی تو معاشی پریشانی لاحق ہوئی جو یہاں تک پہنچ گئی کہ گھر میں جلانے کو تیل بھی میسر نہیں تھا۔ دن میں تنہا اور مخفی طور پر جنگل میں جاکر پتے اور خودرو گھاس لے آتے تھے اور اس سے گذارا کرتے۔ اہل ثروت سے تعلقات کے باوجود اخفار حال اس قدر تھا کہ استغناء اور بے نیازی کے سبب ارباب تجارت کے ساتھ ملاقات دیکھ کر لوگ مالدار تاجر کہتے تھے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ شعر گوئی کے صلہ پر گذارا ہوگا۔ بعض لوگ جوہریوں کے ساتھ انہیں دیکھ کر کیمیاگر تصور کرتے بعض دولتمندوں کے ساتھ تعلقات دیکھ کر ان سے مالی استفادہ کا گمان کرتے۔ بعض لوگ عمال اور وصولیابی کے افسران کے ساتھ انہیں دیکھ کر رشوت خور کہتے۔ لیکن مولانا غوثیؔ ان تمام احوال پر شاکر و صابر رہے کہ اللہ نے اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کے اوصاف کے ساتھ متصف فرما کر آیت کریمہ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ

الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۔ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا۔
کے مفہوم میں اتباعاً شامل کیا ہے۔ کبھی اقرباء سے ناداری و فقر و احتیاج کے اظہار کا وسوسہ بھی آیا تو والدہ ماجدہ نے سمجھا کر ہمت بڑھائی اور حصولِ مقصد پر کاربند رہنے کی ترغیب دی۔

اس دوران یہ ہوا کہ شیخ سراج الدین خاں جو حضرت صدر الذاکرین شیخ صدر الدین محمد شاکر بڑودی سے بیعت تھے۔ گوالیار میں اپنے شیخ کی زیارت کرکے مالوہ سے ہوتے ہوئے اپنے وطن گجرات واپس جارہے تھے جب مانڈو پہنچے اور مولانا غوثی کے مہمان ہوئے اور میزبان کو کسی کے عشقِ مجازی (بظاہر مولانا غوثی نے استعارہ کے طور پر غیر اللہ سے میل ملاپ کو عشقِ مجازی کے ایک فرضی واقعہ کی صورت میں بیان کیا ہے) میں گرفتار پاکر بیعت کی ترغیب دی اور مولانا غوثی شیخ سراج الدین سے بیعت ہوگئے۔ دیکھا دیکھی ان کے ہم عمر اور دوست بھی بیعت ہوگئے۔...... شیخ سراج دو تین روز ٹھہر کر وطن تشریف لے گئے مگر جس عشقِ مجازی کی مصیبت میں گرفتار تھے اس سے انہیں خلاصی نہ مل سکی۔

اس درمیان شیخ صدر الدین محمد شاکر بڑوڈوی حضرت غوث الاولیاء کے انتقال کے بعد ان کے جانشین شیخ عبداللہ سے مل کر براہ مالوہ گجرات کی طرف آئے جو ان کا خاص وطن تھا۔ جب منڈو (مانڈو) پہنچے تو مولانا غوثی کے ہاں فروکش ہوئے۔ مولانا غوثی نے اپنے سابقہ واقعات تحصیل علم کی کیفیت اسی بارے میں والد ماجد کی وصیت کے وقت کی خواہش اور اس تعمیل کے ضمن میں جو واقعات پیش آئے یعنی عشق کی بلا میں............

مبتلا ہونے کا ماجرا۔ اس اثناء میں شیخ سراج الدین کے پہنچنے اور اپنے مرید ہونے کی کیفیت اور اس سلوک کے اندر جو کچھ عمل ہو سکا اس کا قصہ

عرض تمام حالات ایک ایک کر کے تفصیل وار داداپیر سے عرض کئے۔ یشخ صدر الدین نے فرمایا مجھ سے ظاہری بعد تھا۔ تب تک یشخ سراج الدین کے ساتھ تمہاری ارادت یشخ سراج اور صدرالدین کے درمیان میں منقسم تھی۔ جب تقسیم کا سبب جو مکانی بعد ہے باقی نہیں رہا تو وہ نسبت بھی صدرالدین ہی کی طرف لوٹ آئی یعنی جس شخص کا شیخ زندہ ہو اس شخص کا مرید جب تک یشخ (داداپیر) سے دور ہے تب تک صدر الذکر یشخ (داداپیر) کے ساتھ ارادت معنیٰ رکھتا ہے۔ اور جب وہ مرید یشخ (داداپیر) کی صحبت میں پہنچ جاتا ہے تو ظاہری تصرف بھی اس یشخ (داداپیر) کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ اور وہ شخص (مرید کا پہلا اور اصلی پیر) اس معاملہ میں محض سفیر رہ جاتا ہے۔ اس کے بعد اتفاقی طور پر یشخ صدرالدین محمد شاکر بروڈودی منڈو میں سال بھر مقیم رہے اور اس قیام کے دوران مولانا غوثی نے یشخ گوالیاری کی جواہر خمسہ ان سے پڑھی۔ اور یشخ صدرالدین کو جب اچانک گجرات کا سفر پیش آگیا تو مولانا غوثی کی قریباً تکمیل تربیت کے لئے یشخ ظہورالدین محمود جلال کو پیچھے منڈو میں چھوڑا۔

ان تمام کے باوجود مریضِ عشق کا حال جوں کا توں رہا اور بقول مولانا غوثی کے جواہر خمسہ کے اوراد، اذکار، اشغال وغیرہ تمام اعمال عمل میں لایا۔ لیکن جمعیت حاصل نہیں ہوئی۔ اور پریشانی میں معشوق کے پیچھے آگرہ کے سفر کا قصد کیا مگر بوڑھی والدہ کی تنہائی کے تصور نے باز رکھا۔ مگر بالآخر سفر کر کے ہی چھوڑا اور پانچ سال دامِ الفت میں گرفتار رہ کر جب آگرہ سے منڈو واپس آئے تو یشخ ظہورالدین محمود جلال کی برکت ہی سے بالآخر اس مصیبت سے نجات پائی۔ اور ایزدی معرفت کے حصول کا شوق بڑھنے لگا۔ اور شطاری مشرب کے اشغال و افکار کی مشق شروع کر دی۔ عشق مجازی

کی افتاد کو اشعار میں بیان کرنا۔ آپ نے پہلے ہی شروع کردیا تھا جس کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ زیادہ تر غزل کی لساجی دوسروں کے بنے ہوئے ردیف وقافیہ کے تانے بانے سے نہیں کی۔

آپ کی عمر جب ۲۶ رسال ہوئی تب آپ کے ہاں فرزند کا تولد ہوا۔ نام عبدالاوّل رکھا۔ دوسرے صاحبزادے حسن محمد کا تولد چھ سال بعد ہوا۔ اس کے ایک سال بعد ۹۰۹ھ میں آپ بقیہ علوم کی تحصیل کی خاطر احمدآباد پہنچے ابھی دو سال ہوئے اور والد صاحب کی تحصیل علوم کی مقررہ مدت میں ایک سال رہ گیا تھا کہ گجرات میں جنگ شروع ہوئی۔ سلطنتِ گجرات پر سلطان محمود کے بیٹے مظفر نے قبضہ کرلیا۔ اور احمدآباد کے جاگیردار شہاب الدین خاں حسینی نیشاپوری دارالحکومت چھوڑ کر پٹن چلے گئے۔ اکبر بادشاہ کی طرف سے مرزا خاں بن بیرم خاں خانخاناں فوج لے کر پہنچے اور پٹن سے شہاب الدین خاں بھی واپس لوٹ آئے اور دریائے سابھرمتی (سابرمتی) کے کنارے پر جنگ ہوئی۔ حکومت ہند کی باقاعدہ منظم دس ہزار فوج کے سامنے نوخیز حکومت کی تازہ ترتیب دادہ ساٹھ ہزار فوج نہ ٹک سکی اور سلطان مظفر کو شکست ہوئی۔ عین جنگ کے دوران بھی والد ماجد کی وصیت کی باحسن وجوہ تکمیل میں مولانا غوثی برابر کوشاں تھے فرماتے ہیں کہ!

مذکورالصدر رسال میں اس رسمی داستان کا مجمل نولیس۔ اور سکندری واقعات کا مختصر نگار اسنادی شیخی وجیہ الملۃ احمدآبادی کی خانقاہ میں دینی علوم کی تحصیل اور حکمی فنون کی سماعت کے نور سے نادانستگی اور بے علمی کی تیرہ و تاریک رات کو صبح سعادت بنا رہا تھا۔ اور جنگ احمدآباد کے تماشائیوں میں سے تھا۔ والد مرحوم کی وصیت کو پورا کرکے اکتیسویں سال کے آغاز میں آپ وطن

واپس ہوئے۔ [1]

گلزار ابرار گلزار ابرار فارسی زبان میں ہے ۱۰۱۴ھ اور ۱۰۲۲ھ کے درمیان میں یہ کتاب تصنیف ہوئی تھی۔ اس وقت جہانگیری سلطنت کا دور دورہ تھا۔ اولیاء اللہ کے حالات میں یہ کتاب عجیب و غریب ہے۔ اولیاء اللہ کے تذکرے اور بھی ہیں مگر اولیاء اللہ کے تذکروں میں سے ایسا شاید ہی کوئی اور تذکرہ اس پایہ کا ہو۔ اس کتاب میں ساتویں صدی کے آغاز سے لے کر ۱۰۲۲ھ تک چار سو بائیس (۴۲۲) اولیاء اللہ کے حالات مذکور ہیں۔ چار چمن اور ایک ضمیمہ (خاتمہ) قائم کیا ہے۔ ہر ایک صدی کے حالات ایک ایک چمن میں اور بائیس برس کے حالات کچھ تو چوتھے چمن میں شامل کئے ہیں اور کچھ ضمیمہ میں مذکور ہیں۔ انہیں میں وہ ہستیاں بھی ہیں جو تصنیف کے وقت بقید حیات تھے۔ [2]

سید شاہ ہاشم حسنؒ علوی

(م ۱۶۴۹ء — ۱۰۵۹ھ)

سید ہاشم حسن علوی (م۔ ۱۶۴۹ء/۱۰۵۹ھ) شیخ محمد غوث گوالیاری شطاری کے ارادت مند، شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی کے بھتیجے تھے۔ شیخ وجیہ الدین کے ملفوظات "بحر الحقائق" کے نام سے ان کے مریدوں نے جمع کیے ہیں۔ ان ملفوظات کا انداز سوال وجواب یا مکالمہ کا ہے۔ سوالات فارسی میں ہیں اور ان کے جواب ہندی میں۔ ہندی اختیاری اور ہندی استعمالی کی یہ روایت شیخ وجیہ الدین کے خاندان میں بہت بعد تک چلتی رہی ہے۔ سید شاہ ہاشم حسن علوی کے ایک مرید شاہ

[1] گلزار ابرار ص۱، ص۶۱۳ [2] ایضاً ص۲۔

مراد ابن بدجلال نے ان کے تمام اقوال وملفوظات کو "مقصود المراد" کے نام سے ایک کتاب میں جمع کیا ہے اس میں شاہ ہاشم علوی کی کئی ہندی نظمیں اور مقولات بھی درج ہیں۔ مثال کے طور پر سید ہاشم علوی نے ان پانچ اشغال کو جو میاں عبداللہ ابن شاہ وجیہ الدین مرشد شاہ ہاشم علوی نے بتائے تھے اس طرح نظم کیا ہے۔ ؎

ہنس ہنس سپنے کہیا ناہاں — دیواں تجی سب جے منجہ ناہاں
پانچ شغل مجھ آکھیں سائیں — جیودے کیوں ہو چلن نو آہنیں
شغل تکھینا کہیا ہیو ! ! ! — نہا بڑا ایک جالے جیو
جیہا ووڑے آپس توں — تہیا ووڑے سارے توں

اس طرح کے اور شعر بھی اس نظم میں ہیں جو لسانی مطالعہ کی خاص طور پر دعوت دیتے ہیں۔

مذکورہ بالا اشعار میں کہیا، دیواں، لینا، سائیں، جیہا، تیہا، وغیرہ الفاظ وافعال پنجابی زبان میں آج بھی مستعمل ہیں۔ مثال کے طور پر کہنا مصدر کا ماضی مطلق اردو کے مطابق کہا ہونا چاہیئے، لیکن یہاں کیتا ہے جو پنجابی کے صرفی اصول کے مطابق ہے۔

سید ہاشم علوی کے کلام میں دوہوں کے علاوہ نکتے اور جکریاں بھی ہیں سید ہاشم حسن علوی نے ان میں ہندی اور فارسی آمیز ہندی ذرائع اظہار اختیار کیئے ہیں مثلاً :

ہاشم جی چھولاں لہر — پیوں وحدت کے بحر
ہودیں متوالے سحر — دنی چوں قاتل زہر[1]

---

[1] تاریخ ادبیات ص۲۳/۶۲ ۔

شیخ حاجی حمید

۸۶۵ھ۔ ۹۶۷ھ حضرت شیخ غوث گوالیاری کے مرشد

آپ شاہ قاذن رحمۃ قاضن کے مرید تھے۔ جن کے پیرو مرشد شیخ عبداللہ شطاری تھے۔ آپ نے خوب سیاحت کی۔ اپنے ساتھ صراحی کے برابر ایک لوٹا رکھتے تھے۔ ہاتھ میں عصا اور کندھے پر جانماز ڈال کر پھرتے تھے۔ اور جسمانی اعتبار سے بہت کمزور تھے۔ شیخ محمد جن کا لقب غوث تھا اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر آپ سے بیعت ہوئے۔ کہتے ہیں کہ جب شیخ محمد آپ سے بیعت ہونے کے لئے آئے تو آپ اُٹھ کر ان سے بغلگیر ہوئے اور فرمایا غوث! آجاؤ۔

حاضرین نے دریافت کیا کہ بغیر کسی کمال کے آپ نے ان کو غوث کیوں کہا آپ نے جواب میں فرمایا اس میں کیا حرج ہے باپ اپنے بیٹے کا نام شاہ عالم رکھتا ہے۔ آپ اگرچہ حقیقت میں شاہ قاذن (قاضن) کے خلیفہ تھے لیکن جب آپ نے دیکھا کہ لوگوں کا میری طرف رجحان ہے اور اس سے مرشد کے صاحبزادہ شیخ ابوالفتح کو تکلیف ہوتی ہے تو آپ شیخ ابوالفتح کے پاس پہنچ گئے اور ان سے مرید ہو کر خلافت حاصل کی۔ شیخ محمد اپنے شجرۂ ارادت میں شیخ ابوالفتح کا نام نہیں لکھتے تھے جس سے شیخ ابوالفتح کو سخت تکلیف ہوتی تھی انہوں (شیخ محمد غوث) نے برسوں تک کالنجر کے قلعہ میں ریاضت ومجاہدہ اور عبادت الٰہی کی اور کمال حاصل کیا نیز عزت و دولتِ دنیادی کے بھی مالک ہوئے۔

نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ بھی شیخ حاجی حمید کا معتقد ہو گیا تھا۔ آپ نے ۹۶۷ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار مبارک گوالیار میں ہے۔ آپ کی کتاب معراج نامہ بہت مشہور رہے جس میں علمائے گجرات کے انکار کے قصے درج ہیں اور حقیقت

حال اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

شیخ محمد غوث کے بھائی شیخ بہلول سے بھی ہمایوں بادشاہ کو بڑی عقیدت تھی اس لئے یہ بھی اعلیٰ مراتب وعزت وجاہ کے مالک ہو گئے تھے۔ یہ شیخ بہلول آخر میں مرزا ہندال کے ہاتھوں شہید ہوئے اور انکی قبر قلعہ بیانہ کے دروازہ کے پاس ہے۔[1]

جب بارہ سال کی عمر ہوئی تو طلب خدا میں سرگرداں پھرتے ہوئے جونپور تشریف لائے اور قاضی صدر جہاں کے مکان پر قیام کیا۔ قیام کے دوران تحصیل علم میں مصروف رہے۔ کافیہ وغیرہ تک عبور حاصل کیا۔ پھر اسی کو کافی سمجھ کر علم باطنی کی تلاش میں مصروف ہو گئے۔ شیخ ابوالفتح ہدایت اللہ سرمست کی خدمت میں فیض روحانی حاصل کیا۔ پھر انہی کی ہدایت پر حاجی حمید الدین حضور کی خدمت میں گئے۔ موصوف نے انہیں سلسلہ شطاریہ میں بیعت فرمایا۔ آپ کے ساتھ آپ کے برادر بزرگ شیخ پھول (م ۹۴۵ھ) بھی تھے۔ حاجی حمید الدین حضور نے دونوں بھائیوں کو اپنی فرزندی میں لیا اور تعلیم وتلقین کے بعد شیخ پھول کو اپنے ہمراہ لے کر صوبہ بہار کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور شیخ محمد غوث کو مزید فیضان کے لئے کوہستان چنار میں ریاضت کے لئے چھوڑ دیا۔ شیخ محمد غوث تیرہ سال چند مہینے عبادت وریاضت میں مشغول رہے۔ درختوں کے پتے کھا کر یاد الٰہی کی اس کے بعد جب حاجی حمید الدین حضور واپس ہوئے تو مرید کو بامراد پایا۔ اسی عرصہ میں اپنی مشہور تصنیف "جواہر خمسہ" لکھی۔ حاجی حمید الدین حضور نے تمام منازل سلوک طے کرائے اور خرقۂ خلافت عطا کیا۔

مولانا محمد حسن غوثی نے گلزار ابرار میں لکھا ہے کہ حضرت شاہ محمد غوث روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ انہوں نے جس کو قبول کر لیا اس کے سر کی اور دل

---

[1] اخبار الاخیار ص ۵۱۴۔

کی آنکھوں کو مشاھدہ اور معائینہ کا نور حاصل ہو گیا۔ اور ان میں حقیقت بینی کی قوت آ گئی۔ [1]

اصحابِ شطاریہ

یہ تمام علائق دنیا سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ اور انسانی صحبتوں سے جدا رہتے ہیں ان کا مطمعِ نظر سوائے درود، اشتیاقِ ذکر و شکر کے کچھ نہیں ہے۔ ان کے نقطۂ نظر سے کشف و کرامات مستحسن نہیں ہیں اور اپنے وقت کو موتوا قبل ان تموتوا، کی استقامت میں صرف کرتے ہیں۔ یہ طریقہ پہلے دو طریقوں سے زائد جلد مقصد تک پہنچا دیتا ہے اس طریقہ میں کامیابی کے ذرائع دس ہیں۔

اوّل توبہ یعنی کوئی مطلوب سوائے خدا کے نہ ہو۔ جیسا کہ موت کے وقت ہو جاتا ہے۔ دوسرے زہد یعنی دنیا و مافیہا سے کچھ تعلق نہ رکھے جیسا کہ موت کیوقت ہو جاتا ہے۔ تیسرے توکل یعنی اسباب ظاہری کو ترک کر دے جیسا کہ موت کے وقت کرتا ہے۔ چوتھے قناعت یعنی جیسا کہ موت کے وقت نفسانی اور شہوانی خواہشوں کو ترک کر دیتا ہے۔ پانچویں عزلت یعنی لوگوں سے کنارہ کشی اور انقطاع کرے جیسا کہ موت کے وقت کرتا ہے۔ چھٹے توجہ یعنی جس طرح موت کے وقت خدا ہی کی طرف توجہ اور اسی سے تمام اغراض متعلق کئے جاتے ہیں کرے۔ ساتویں صبر یعنی تمام نفسانی لذات کو چھوڑ دے جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے آٹھویں رضا یعنی اپنے نفس کی رضامندی چھوڑ دے اور اللہ کی رضامندی پر رضامند رہے اور اس کے ازلی احکام کا پابند ہو جائے۔ جیسا کہ موت کیوقت ہو جاتا ہے۔ نویں ذکر یعنی اللہ کے ذکر کے سوا تمام اذکار کو ترک کر دے

---

[1] اذکار ابرار صفحہ ۲۸۹۔

جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔ دسویں مراقبہ یعنی اپنی تمام قوت واختیار کو چھوڑ دے۔ جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے پس ہر طالب کو چاہیئے کہ پہلے اتباع شیخ سے تمام بداخلاقیوں سے کہ لوازم مادیت سے ہیں اپنے کو محفوظ رکھے اور اپنے کو کمالات ومحاسن کا جامع بنائے اور دل میں سوائے خدا کے کسی کے خیال کو جگہ نہ دے

شیخ محمد غوث گوالیاری

م ۱۷ رمضان سنہ ۹۷۰ھ

شیخ محمد بن خطیر الدین بن عبداللطیف بن معین الدین بن خطیر الدین بن ابو زید بن شیخ فریدالدین عطار شطاری گوالیاری مشہور بہ شیخ محمد غوث

.آپ نے نہایت مجاہدہ کے ساتھ زندگی گذاری ، ۱۲ برس تک چنار گڑھ کے غاروں میں بڑی ریاضتیں کیں اور درختوں کے پتے کھا کر ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔

.یہاں تک کہ صاحب خزینۃ الاصفیاء لکھتے ہیں آپ چودہ سلسلہائے تصوف کے مقتدا تھے

شاہ محمد غوث گوالیاری نے اپنے شیخ طریقت، حاجی حمید الدین حضور (متوفی ۹۳۰ھ مطابق ۱۵۲۳ء) سے مستقل قیام کے لئے استفسار کیا تو موصوف نے فرمایا کل جہاں تمہارا ہے جہاں مزاج چاہے رہو اس میں تم کو اختیار دیا گیا ہے۔

زمانہ ریاضت ہی میں قلعہ گوالیار میں قیام کا اشارہ ہو گیا تھا۔ بہر حال شاہ محمد غوث گوالیار تشریف لائے اور یہاں رشد وہدایت کا سلسلہ جاری کیا صاحب مناقب غوثیہ لکھتے ہیں۔

الغرض جب حضرت غوث اللہ... رخصت ہو کر گوالیار پہنچے اور وہاں اقامت

کی تو بانگ درویشی و صدائے عظمت ولایت موروثی عالم میں پھیلی، عالم ۱
و عالمیاں، ملوک و سلاطینِ وقت مطیع و منقاد ہوئے مگر آپ کا یہ حال تھا کہ
کوئی شخص مجلس عالی میں دنیا کا نام نہ لے سکتا تھا۔ گوالیار میں کچھ عرصہ
قیام کیا تھا کہ مرض خیارک میں مبتلا ہو گئے اور چھ مہینے تک صاحب فراش
رہے۔ جب اس مرض سے صحت پائی تو قاضی رکن الدین اور قاضی خدا بخش
کی وساطت سے اپنے شیخ طریقت حضرت حاجی حمید الدین حضور کی خدمت
میں عریضہ ارسال کیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ادھر یہ حضرات پیام لے کر
چلے اور ادھر حاجی حمید الدین نے شیخ سکندر سے فرمایا آج مجھ کو اطلاع
ہوئی کہ اس عالم دون سفلیٰ سے عالم عقبیٰ میں آؤں اور دار فنا سے دار
بقار کا سفر کروں۔

میں نے جواب دیا کہ چار روز کے بعد آؤنگا کیونکہ بندگی میاں غوث کے
آدمی راستے میں ہیں جب وہ آجائیں گے تو صاحب مقام کو دستار عطار
کر کے اس عالم سے اس عالم میں آؤنگا۔ [1]

اس لئے جب قاضی رکن الدین اور قاضی خدا بخش حاجی حمید الدین حضور کی
خدمت میں پہنچے تو آپ بہت مسرور ہوئے اور اسی وقت جبہ و دستار طلب کر کے
اپنے دست مبارک سے دونوں حضرات کے سپرد کیا اور اپنی جانب سے شاہ
محمد غوث (متوفی ۹۷۰ھ مطابق ۱۵۶۲ء) کے نام ایک فرمان لکھوا کر دستخط فرما کر
قاضی رکن الدین کے حوالے کیا۔ صاحب مناقب غوثیہ نے فرمان مذکور کا یہ
مضمون لکھا ہے۔

صحیح فی الدنیا و الآخرہ بندگی حضرت شیخ المشائخ میاں محمد غوث متع اللہ المسلمین

۱؎ مناقب غوثیہ اردو ص۵۲۔

بطول بقائہ، از ظہور شمس انصاری المقدسی مطالعہ فرمایند۔ تمام احوال قابل شکر ہیں۔ قل الحمد للہ دائماً معلوم و روشن ہو کہ اس درویش کو بھی بیس ۲۰ رمضان سے ران کا درد ہوا تھا۔ اور جو کچھ مال و احوال اور اقوال اس فقیر کا ظاہر و باطن تھا، آں فرزند کو سونپ کر اپنا قائم مقام کیا بلکہ قالب کا حکم بھی تم شیخ المشائخ کے ہاتھ میں دیا چنانچہ اپنی موجودگی میں صندوق تیار کرا کر حاضرانِ مجلس کو دتمہارے) آدمیوں کی موجودگی میں نصیحت کردی ہے کہ ہم کو امانت رکھو قالب کا اختیار بھی فرزندم میاں غوث کو دیا جس جگہ وہ قابل سمجھیں لیجائیں۔

دوسرے یہ کہ آں فرزند کو اپنا قائم مقام کر کے جملہ خلفاء و مریدین کو حوالہ کیا جس کو آں فرزند قبول کرے۔ مقبول۔ اور جس کو مردود کرے مردود۔ اور جبہ و دستار اپنے حضور تمہارے آدمیوں کے سپرد کر دیا۔ یقین کرلو کہ جو کچھ رنج و مشقت اس فقیر نے اٹھایا اور درگاہ حق میں توکل پر ثابت رہا وہ سب آں فرزند کے واسطے تھا۔ یہ فقیر درخت کے سایہ میں مرقد کریگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اور جو اس فقیر کے سفر کے بعد ہوگا وہ شیخ سکندر کی کتابت سے معلوم ہوگا۔ [1]

حاجی حمید الدین حضور کی وفات کے بعد شیخ سکندر نے جو مکتوب شاہ محمد غوث کے نام ارسال کیا تھا اور اس میں جو چشم دید واقعات بیان کئے تھے اس کو پڑھکر معلوم ہوتا ہے کہ حاجی حمید الدین نے اپنی وفات کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا۔ حرف بحرف صحیح ثابت ہوا مکتوب مذکور کے آخر میں شیخ سکندر تحریر فرماتے ہیں

اکیس ۲۱ ذی الحجہ کو ایک پاس شب باقی تھی کہ یکایک فرمایا یارو اٹھو رحمت کا وقت ہے اس درویش کو پھر حکم ہوتا ہے کہ آج چوتھا روز ہے کہ تمام انبیاء و اولیاء تمہاری ملاقات کے منتظر ہیں شتاب آؤ" اور اس وقت چوڈول پر سوار ہو کر باہر آئے اور اپنے حضور میں قبر درست کرائی۔ بعدہٗ اس چوڈول کو درخت

[1] مناقب غوثیہ اردو ص ۵۳، ۵۴۔

کے سایہ کے نیچے لائے، جو کوئی اپنا حال عرض کرتا فرماتے فرزندم میاں غوث کے حوالہ کیا۔ یہاں تک کہ صبح صادق چمکی اور آپ سر سے پاؤں تک چادر اوڑھ کر شغل مع اللہ کے ساتھ دار الفناء سے دار البقاء کو رحلت فرماگئے۔

دیگر معروض کہ اس خاک روب آستانہ کو خاک روبی آستانہ کی خدمت پر نوازکر جامۂ خلافت عطا فرمایا ہے لیکن ثابت جب ہی ہو سکے گا جب آنحضرت قبول فرمائیں گے[1]

غرض حضرت حاجی حمید الدین حضور کی وفات کے بعد شاہ محمد غوث گوالیاری مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے اور گوالیار میں قیام کرکے دور و نزدیک فیض رسانی کا سلسلہ شروع ہوا، شاہ محمد غوث گوالیاری کے زمانے میں گوالیار میں ایک اور بزرگ بھی قیام پذیر تھے جن کو خواجہ خانوں کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

صاحب فیضان ولایت کی ایک تحریر سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ خواجہ خانوں اور شاہ محمد غوث زندگی میں نہیں مل سکے۔ موصوف نے لکھا ہے۔

۹۴۰ھ میں مؤرخہ یکم جمادی الاول کو آپ نے اپنے بڑے فرزند حضرت خواجہ بندگی احمد قدس اللہ سرہم سے ارشاد فرمایا کہ میں اب تم سب سے رخصت ہوتا ہوں۔ بعد وفات میری تجہیز و تکفین حضرت محمد غوث گوالیاری کریں گے میں نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ ملاقات ان کی ہماری اس وقت پر منحصر ہے۔

آخری جملہ سے ظاہر ہے کہ زندگی میں دونوں بزرگوں کی ملاقات نہیں ہوئی۔ خواجہ خانوں کے وصال کے بعد ان کی وصیت کے مطابق شاہ محمد غوث گوالیاری تشریف لائے اور خواجہ مرحوم کے صاحبزادگان کے ساتھ غسل دیا۔ تجہیز و تکفین فرمائی اس کے بعد نماز جنازہ بھی آپ ہی نے پڑھائی۔ ۹۴۰ھ دوم جمادی الاولیٰ بوقت چاشت تدفین سے فارغ ہوئے۔

---

[1] مناقب غوثیہ اردو ص۵۵۔

آپ نے طریقۂ شطاریہ میں حاجی معمر حمید بن ظہیر شطاری کی خدمت میں برسوں رہ کر ان سے تربیت حاصل کی اور منصب مشیخت پر فائز ہوئے، بابر اور ہمایوں کو ان سے بہت اعتقاد تھا۔ شیر شاہ سوری نے تخت سنبھالنے کے بعد ہمایوں کے مصاحبوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، ان میں شیخ محمد غوث بھی تھے۔ شیخ غوث کو جب اس کا علم ہوا تو آپ گجرات روانہ ہو گئے اور احمدآباد پہنچ کر سارنگ پور نامی علاقہ میں رہنے لگے۔ [1]

شیخ کا گجرات میں اٹھارہ سال قیام رہا، اس مدت میں کچھ وقت چاپانیر اور کچھ بھروچ میں بھی گذارا۔

رسالۂ معراجیہ

گجرات آکر آپ نے ایک رسالہ "معراجیہ" لکھا جس میں آپ نے اپنی معراج کا ذکر کیا جس کی بنیاد پر بہت سے علماء آپ کے مخالف ہو گئے جن میں شیخ علی متقی پیش پیش تھے ان علماء نے آپ کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا، یہ سلطان محمود گجراتی کا زمانہ تھا، محمود نے گجرات کے بڑے عالم شیخ وجیہہ الدین علوی سے اس فتویٰ کے سلسلہ میں رائے معلوم کی، شیخ وجیہہ الدین شیخ غوث الدین کی روحانیت سے پہلے ہی متاثر ہو چکے تھے اور ان کے مرید ہو گئے تھے چنانچہ جب سلطان محمود شیخ وجیہہ الدین کی خدمت میں شیخ علی متقی کے فتوے کو لے کر حاضر ہوئے تو شیخ وجیہہ الدین نے فتویٰ پڑھ کر پھاڑ دیا اور فرمایا کہ!

معراج نامہ میں جتنے واقعات درج کئے گئے ہیں وہ تو عالم خواب کے واقعات ہیں اسلئے جو الزامات حضرت غوث پر لگائے گئے ہیں وہ لغو اور بے بنیاد ہیں عام لوگ ان کا درجہ کیا جانیں۔ وہ ایسے بڑے درویش ہیں کہ ان تک رسائی مشکل ہے وہ صاحب نسبت اور صاحب کشف وکرامات ہیں ان کا شمار اہل حال اور اہل قال میں ہے۔ [2]

شیخ وجیہہ الدین نے نہ صرف آپ کے خلاف فتوے کی مخالفت کی بلکہ ایک رسالہ

---

[1] تاریخ صوفیائے گجرات [2] تاریخ دعوت وعزیمت حصہ چہارم۔

لکھکر فقہی کتابوں سے مسئلۂ تکفیر پر روشنی ڈالی پھر صوفیائے کرام کے احوال سے بحث کی۔ کہ حالت سکر میں جو کچھ کہہ جاتے ہیں وہ قابل مواخذہ نہیں۔ شیخ وجیہہ الدین فرماتے تھے کہ کسی شخص کی سو باتوں میں سے ایک بات بھی اسلام کی ہو تو اس کو مومن سمجھو اور کسی کلمہ گو اہل قبلہ کو کافر نہ کہو۔

محققین کی رائے

لیکن اب بھی محققین کی رائے یہ ہے کہ شیخ محمد غوث گوالیاری کے افکار و معتقدات میں اور خصوصاً روحانی مجاہدات میں ان کا واسطہ جوگیوں سے پڑا۔ ان کی کتاب جواہر خمسہ کے متعلق مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ!

> اس (جواہر خمسہ) کی بنیاد زیادہ تر بزرگوں کے اقوال اور اپنے تجربات پر ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحیح احادیث سے ثابت ہونے یا معتبر کتب شمائل و سیر سے اخذ کرنے کو ضروری نہیں سمجھا گیا۔ اس میں نماز احزاب، صلوٰۃ العاشقین، نماز تنویر القبر اور مختلف مہینوں کی مخصوص نمازیں اور دعائیں ہیں جن کا حدیث و سنت سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔
>
> جوہر دوم، میں اسماء اکبریہ خاص شیخ کے جمع کئے ہوئے ہیں جن میں فرشتوں کے عبرانی و سریانی نام ہیں اور حرفِ ندا سے ان کو خطاب کیا گیا ہے جس سے استعانت بغیراللہ کا شبہ ہوتا ہے۔ ایک دعائے سیفی بھی آتی ہے جس میں عبرانی و سریانی اسمار حرف ندا کے ساتھ ہیں۔ ساری کتاب کی بنیاد دعوت اسمار پر ہے ان اسمار کے موکّل مانے گئے ہیں جو اس کی اصل ماہیت سے واقف ہیں۔ حروف تہجی اور ان کے موکلوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔[1]

---

[1] تاریخ دعوت و عزیمت حصہ چہارم۔

راقم السطور کو شروع سے جواہر خمسہ کی شیخ محمد غوث گوالیاری کی طرف نسبت میں تردد تھا۔ جب شیخ کے حالات کتابت کے لئے بھیج دیئے گئے اس کے بعد حسب ذیل سطور جواہر خمسہ نظر میں سے گذریں۔

اور یہ جو کچھ خواص اور فضائل اس عاجز نے لکھے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی شرح سے لکھے ہیں اور انہوں نے اکثر مشائخ کرام کے مکاشفے اور سماع سے تحریر فرمائے ہیں۔ اور بعض خاصیتیں شاہ عبدالرحمن چشتی کی شرح سے اور بعض مولانا احمد الدیزلی شافعی اور بعض مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اور بعض مولانا محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی رحمہم اللہ کے فوائد سے اور بعض دیگر کتب معتبرہ سے بھی اخذ کر کے نہایت احتیاط کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی علامت حرف (ح) اور شاہ عبدالرحمن چشتی کی علامت حرف (ع) اور باقی بزرگوں کے نام لکھ دیئے گئے ہیں۔ اور جگہ کتاب کا حوالہ بھی ہے۔

ان سطور کے پڑھنے کے بعد کسی کے لئے اب قطعاً اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ جواہر خمسہ جو آج کل دستیاب ہے اس کی نسبت شیخ محمد غوث گوالیاری کی طرف غلط ہے اس لئے کہ سطور بالا میں جن دہلوی مشائخ کا ذکر ہے ان میں اور شیخ محمد غوث میں صدیوں کا فاصلہ ہے۔

مریدین شیخ محمد غوث کے سلسلہ شطاریہ میں منسلک ہونے والوں میں علامہ وجیہہ الدین کے علاوہ شیخ صدرالدین ذاکر۔ شیخ لشکر محمد، شیخ ولی محمد، شیخ علی شیر اور شیخ صبغۃ اللہ بھروچی جیسی عظیم شخصیات بھی ہیں جنہوں نے گجرات اور دکن میں اس سلسلہ کو خوب پھیلایا بلکہ شیخ صبغۃ اللہ تو اس سلسلہ کو

لے کر مدینہ منورہ پہونچے اور بڑے بڑے مشائخ مدینہ نے ان سے اس کو حاصل کیا۔[1]
شطاری سلسلہ حضرت شیخ بایزید بسطامی کی طرف منسوب ہے۔ شطاری سلسلہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ سلوک و تصوف میں وہ دوسرے سلاسل کے بزرگوں سے زیادہ تیز اور سرگرم (شطار) ہوتے ہیں۔ یہ حضرات جنگلوں میں رہ کر سخت ریاضتیں کرتے تھے ان کی طرف غیر معمولی افعال و تصرفات منسوب کئے جاتے تھے۔[2]

۹۶۲ھ میں شیخ محمد غوث گوالیار تشریف لے گئے۔ یہاں کچھ مدت قیام کے بعد اکبر کے زمانے میں آپ آگرہ آئے۔ مگر یہاں بھی علماء نے آپ کی مخالفت کی آخر آزردہ دل ہو کر واپس گوالیار تشریف لے گئے۔

آپ کا قول تھا کہ مرشد کامل وہی ہے جس کی صحبت میں مرید کا دل دنیا کی طلب سے متنفر ہو جائے اور فانی لذتیں اور جلد ختم ہو جانے والی راحتیں اس کو تلخ معلوم ہوں۔ اور ذکرِ حق سے مانوس ہو جائے اور حُبِّ دنیا اور آخرت کے نقوش اس کی لوحِ دل سے مٹ جائیں۔

آپکی کرامت:.......... ایک مرتبہ حضرت شیخ الاسلام شیخ غوث گوالیاری رضی اللہ عنہ غار چنار میں ایک چشمہ پر وضو فرما رہے تھے یکایک ایک بڑا سانپ آنکلا اور شیخ کو ڈس لیا۔ آپ کو تو کوئی گزند نہ پہنچا۔ البتہ وہ سانپ اسی وقت مر گیا۔ اسی غار میں ایک جوگی بھی گوشہ نشین تھا جب اس نے یہ کیفیت دیکھی دوڑا آیا۔ اور قدمبوس ہو کر شیخ سے کہا کہ آپ "سدہ" ہو گئے ہیں یعنی کامل ہو گئے ہیں۔ حضرت نے فرمایا تم نے کیسے جانا۔ اس نے کہا ہم لوگوں کی ریاضت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جس انسان کو ایسی حالت میسر آجائے وہ کامل ہوتا ہے۔

---

[1] تاریخ گجرات، تاریخ صوفیائے گجرات بحوالہ سفینۃ الاولیاء [2] رود کوثر، نزہۃ الخواطر اردو ص ۳۰۹ [3] ج ۴ ص ۱

تصانیف رسالہ معراجیہ کے علاوہ جواہر خمسہ، کلید مخازن، ضمائر و بصائر، کنزالوحدہ اور بحرالحیٰوۃ آپکی یادگار ہیں۔ کنزالوحدہ میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ اہل ذوق کے نزدیک ایمان کی پانچ قسمیں ہیں۔ اوّل۔ تکلیفی یہ سب قسموں سے عام ہے اور کافر و مومن سب کو شامل ہے۔ دوم تقلیدی۔ جو عام ہے اور ہر مومن میں پائی جائے گی چاہے وہ مقلد ہو یا محقق ہو۔ سوم۔ استدلالی یہ قسم خاص ہے جو علمائے مومنین میں پائی جائے گی۔ چہارم حقیقی، یہ اخص ہے اور یہ صرف اولیاء میں پائی جاتی ہے۔ پنجم عینی، یہ قسم اس شخص میں پائی جاتی ہے جو ولایت محمدیہ کے ساتھ مخصوص ہو اور اپنی آنکھوں سے احدیت مطلقہ کو دیکھتا ہو۔

وفات آپ کی وفات ۱۷ ر رمضان ۹۷۰ھ مطابق ۱۵۶۲ء میں آگرہ میں ہوئی۔ جہاں سے آپ کا جسدِ خاکی گوالیار لے جاکر دفنایا گیا۔

شیخ گوالیاری کے مغلیہ دربار سے بھی گہرے تعلقات رہے۔ تزک بابری کے ۹۳۵ھ مطابق ۱۵۲۹ء کے واقعات میں لکھا ہے کہ۔

محرم کی تیسری کو گوالیار سے شہاب الدین خسرو کے ساتھ شیخ محمد معظم گوالیری رحیم داد کی سفارش کرنے آئے۔ شیخ ممدوح ایک درویش اور معظم آدمی ہیں۔ ان کے فرمانے سے رحیم داد کی خطا معاف کر دی گئی۔[1] ....

.... اپنے والد نصیر الدین محمد ہمایوں اور دادا ظہیر الدین محمد بابر کی طرح جلال الدین محمد اکبر بھی شاہ محمد غوث سے ربط خاطر رکھتا تھا۔ چنانچہ جب شاہ محمد غوث اکبرآباد تشریف لائے اور بیرم خاں و شیخ گدائی کے ناروا سلوک سے خاطر برداشتہ ہو کر واپس گوالیار گئے تو

---

[1] ظہیر الدین محمد بابر مسلمان و ہندو مورخین کی نظر میں ص ۳۹۴۔

اکبر بادشاہ بیرم خاں سے آزردہ ہوگیا۔ اس ربط خاص کا امر سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ بیرم خاں کی شہادت کے بعد آپ پھر اکبرآباد تشریف لے آئے اور یہیں انتقال فرمایا اور گوالیار میں دفن کئے گئے۔

نورالدین جہانگیر بادشاہ بھی شاہ محمد غوث گوالیاری کے علوِ مرتبت کا قائل تھے۔ بارہویں جشن نوروز کے ذیل میں جو حالات لکھے ہیں اس میں شیخ وجیہہ الدین علوی گجراتی (متوفی ۹۹۸ھ مطابق ۱۵۸۹ء) کے روضہ کی زیارت کے تاثرات کا بیان ہے اس ضمن میں شاہ محمد غوث گوالیاری کا بھی ذکر آگیا ہے لکھتے ہیں۔

شیخ وجیہہ الدین، شیخ محمد غوث کے ایسے بلند مرتبہ خلیفہ تھے جن پر خود مرشد کو فخر ہوتا ہے۔ شیخ محمد غوث سے شیخ وجیہہ الدین کی ارادت وعقیدت سے خود شیخ محمد غوث کے بزرگ و برتر مرتبے کا پتہ چلتا ہے۔

شیخ غوث کے بہلول نامی ایک بھائی صاحب ارشاد وکرامت بزرگ تھے۔ ہمایوں کو ان سے عقیدت تھی مگر مرزا ہنڈال نے ان کو شہید کر دیا تھا۔

آپ کی وفات ۱۵ رمضان ۹۷۰ھ میں ہوئی۔ مزار پر انوار گوالیار میں ہے۔

غوث سید قطب عالم — چو در وصلِ خدا گردید موصول

بتاریخ وصالش گفت سرور — محمد متقی سلطان مقبول[۱]

۹۷۰ھ

شیخ میاں غوث گوالیاری پانی پاک رکھنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ پانی کے برتن نہایت ہی صاف رکھتے تھے۔ ایسی احتیاط کرتے کسی اور

۱؎ معارف ۲ ج ۹۰ ص ۱۱۰۔ خزینۃ الاصفیاء ص ۴۱۸۔

کو نہیں دیکھا گیا میاں غوث کو غصہ بہت آتا تھا۔

شیخ عبدالوہاب فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم شیخ حسین کے ہمراہ میاں غوث سے ملنے گئے۔ شیخ حسین نے ان کے مٹکے سے ایک آبخورے میں پانی لے کر پیا اور وہ آبخورہ زمین پر رکھدیا۔ یہ دیکھ کر میاں غوث کو سخت غصہ آیا اور بلند آواز سے کہا ہائے ہائے تم نے آبخورہ نجس کر دیا۔ ان کا اتنا کہنا ہی تھا کہ شیخ حسین نے آبخورہ زمین پر دے مارا اور کہا کہ اگر آبخورہ ناپاک ہو گیا ہے تو اس کو توڑ دینا ہی اچھا ہے یہ سنکر میاں غوث مسکراتے ہوئے شیخ حسین کی طرف بڑھے اور ان کو گلے لگا لیا۔ اس پر حاضرین میں سے کسی کو یہ خیال آیا کہ شیخ حسین نے آبخورہ توڑ کر اسراف کیا ہے یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے شیخ حسین نے فرمایا امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ جو مٹی کا برتن ناپاک ہو جائے اس کا پاک کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے اس کو توڑ دینے کے سوائے اور کوئی علاج نہیں ہے۔ شیخ حسین شیخ عبدالوہاب کے دوستوں میں سے تھے آپ کو راہ تصوف میں ایک خاص رفتار حاصل تھی اور بے قیدی، بے تکلفی، اور ہمت فرمائی میں ایک خاص طریقہ رکھتے تھے۔ شیخ عبدالوہاب فرماتے تھے کہ یہ شیخ حسین ہمارے رشتہ داروں میں سے تھے اور یہ عجیب حالت اور بلند ہمت کے مالک تھے معمولی چیزیں خریدتے وقت ان کے پاس جو کچھ ہوتا وہ سب بیچنے والے کو دیدیتے۔ خواہ وہ مظفری ہوتا یا روپیہ اور کبھی نہ سودا چکاتے اور نہ اس کی قیمت کا حساب کرتے۔

شیخ عبدالوہاب فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم دریائے نربدا کو عبور کرنا چاہتے تھے لیکن دریائے نربدا کے کنارے پر بہت سے لوگ اس لئے جمع تھے کہ نربدا کے بیچ میں ایک شیر اپنی کچھار میں بیٹھ گیا تھا جس کے باعث لوگ دریا میں آنے جانے سے مجبور ہو گئے تھے۔ یہ دیکھ کر شیخ حسین اپنے ایک ہاتھ میں

چاقو لے کر اور دوسرے ہاتھ پر ایک چادر لپیٹ کر کچھار کے اندر گھس گئے۔ اور شیر کو وہاں ٹکڑے ٹکڑے کر کے لوٹ آئے اور لوگوں کے آنے جانے کا راستہ کھول دیا۔

ایک مرتبہ ایک آدمی اونچی جگہ نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا۔ نیت نماز میں اسے وسوسہ آنے لگا۔ اور اس نے نیت کے الفاظ اتنی بار دہرائے کہ مقتدی کچھ پریشان سے ہو گئے جس پر ان شیخ حسین نے اس زور سے اس امام کے سینہ پر ہاتھ مارا کہ وہ برابر کے پانی میں گر پڑا۔ اور پھر اس کے دل میں کوئی وسوسہ نہیں رہا۔ ایک مرتبہ شیخ حسین سے ایک طالب علم احیاء العلوم پڑھ رہا تھا۔ جس کی زبان میں سخت لکنت تھی۔ عبارت پڑھتے وقت وہ عاجز اور مضطرب ہوتا تھا۔

شیخ عبدالوہاب کہتے ہیں کہ دل میں آیا کہ اس طالب علم کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جائے جو شیخ حسین نے اس امام کے دلی وساوس دور کرنے کے لئے کیا تھا لیکن میں اس وجہ سے خاموش رہا کہ شاید اس کی ہمت رفتہ رفتہ شیخ حسین کے اثرات قبول کرے گی۔ [۱]

غوثیہ کتب خانہ

حضرت محمد غوث گوالیاری کی اولاد احمدآباد میں آکر آباد ہوئی تو اپنے ساتھ بزرگوں کے بہت سے تبرکات بھی لائی جن میں کتابیں بھی تھیں۔ ان میں ایک بزرگ فضل علی عرف بارک اللہ بڑے صاحبِ ذوق تھے ان کے پاس ایک اچھا کتب خانہ بھی تھا۔ جب تک اس خاندان میں علمی ذوق رہا کتب خانہ بھی تھا۔ اس کے بعد برباد ہو گیا۔ [۲]

---

[۱] اخبار الاخیار ص ۵۶۲ [۲] گجرات کی تمدنی تاریخ ص ۲۴۹۔

حضرت شاہ محمد غوث گوالیری کے خلفاء کرام

۱۔ شیخ عبداللہ بن محمد غوث گوالیری	گوالیار
۲۔ شیخ مبارک	〃 〃
۳۔ شیخ بدیع الزماں سمرقندی	〃 〃
۴۔ شیخ نورالدین ضیاء اللہ بن شاہ محمد غوث	اکبرآباد
۵۔ شیخ عبداللہ صوفی	〃 〃
۶۔ شیخ اکمل الدین برہان	برہانپور
۷۔ شیخ لشکر محمد عارف	〃 〃
۸۔ شیخ سراج محمد بنبانی	〃 〃
۹۔ شیخ صدرالدین	بڑودہ
۱۰۔ شیخ شمس ذاکر	〃 〃
۱۱۔ شیخ حبیب شطاری	〃 〃
۱۲۔ شیخ محمد اویس بن شاہ محمد غوث گوالیری	احمدآباد
۱۳۔ شیخ اسماعیل 〃 〃 〃	〃 〃
۱۴۔ شیخ محمد عاشق	سنبھل
۱۵۔ مولانا عبدالفتاح ناگوری	اجمیر
۱۶۔ شیخ محمد جمالی	سرہند
۱۷۔ شیخ جلال واصل	کالپی
۱۸۔ شیخ جیوہ عبدالحیٔ	بدولی
۱۹۔ شیخ شمس الدین شیرازی	بیجاپور

۲۰۔ شیخ احمد متوکل — اجین (مالوہ)
۲۱۔ شیخ عالم — " "
۲۲ شیخ منجھن — سارنگ پور
۲۳۔ شیخ عمر — " "
۲۴۔ شیخ وجیہ الدین علوی
۲۵۔ اور شیخ علی شیر بنگالی

} اعاظم خلفار میں سے تھے۔ ؎۱

مرزا شیخ بہلول

شیخ محمد غوث گوالیاری کے بھائی مرزا شیخ بہلول کے متعلق جہانگیر نے توزک میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ !

جہانگیر اہل محل کے ساتھ بیانہ کا قلعہ دیکھنے گئے۔ شہنشاہ ہمایوں کے بخشی محمد نے جو ان کے عہد حکومت میں اس قلعے کے قلعدار تھے۔ وہاں صحرا کے رخ پر ایک عمارت تعمیر کی ہے جو نہایت بلند اور ہوا دار ہے۔ شیخ بہلول کا مزار بھی اس کے متصل ہے۔ اور یہ مزار فیض و برکت سے خالی نہیں ہے۔ شیخ بہلول شیخ محمد غوث کے بڑے بھائی تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کے مختلف ناموں کے مختلف اثرات کے علم میں مہارت حاصل تھی۔ شہنشاہ ہمایوں ان سے نہایت درجے کا ربط خاطر اور انتہائی عقیدت رکھتے تھے۔

جس زمانے میں ہمایوں نے بنگال کو فتح کر کے کچھ عرصہ وہاں قیام کیا تو ہندال مرزا نے (جو ان دنوں شاہی حکم کے مطابق آگرے میں مقیم تھا) نے بغاوت کا جھنڈا بلند کرتے ہوئے اپنے نام کا خطبہ جاری کر دیا جس کی اطلاع مختلف

؎۱ گلزار ابرار۔ معارف فروری ۱۹۹۲ء ص ۱۱۳ ۔

لوگوں کی عرض داشتوں کے ذریعے ان (شہنشاہ ہمایوں) کو ملی۔ انہوں نے اسے سمجھانے بجھانے اور نصیحت کرنے کے لئے شیخ بہلول کو بھیجا تاکہ وہ اس کے باطل ارادے کو دور کرکے اُسے خلوص واتفاق کی شاہراہ پر لے آئیں چونکہ بدخواہ فسادیوں نے مرزا پر سلطنت کا افسوں پڑھ کر پھونکا تھا۔ اس لئے وہ اپنے باطل ارادوں سے دست بردار ہونے پر راضی اور دوبارہ اطاعت اختیار کرنے کی طرف راغب نہ ہوا۔ بلکہ فسادیوں کی انگیخت پر شیخ بہلول کو چار باغ میں (جو فردوس مکانی "شہنشاہ بابر" نے دریائے جمنا کے کنارے تعمیر کروایا ہے) ته تیغ کردیا۔

محمد بخشی کو چونکہ شیخ سے عقیدت وارادت تھی اس لئے ان کی میت کو قلعہ بیانہ میں لاکر دفن کردیا۔ [1]

شیخ نورالدین ضیاءاللہ

۳ رمضان ۱۰۰۶ھ — ۹ اپریل ۱۵۹۷ء

شیخ غوث گوالیاری کے صاحبزادے ہیں۔ طریقت کے بیان میں آپ کی تقریر دلنواز تقریر تھی اور اسرار حقیقت کی شراب کی مستی سے مدہوش تھے۔ آپ صاف عبارت میں رموزِ حقیقت بیان فرماتے۔ آپ کی نظر سنگ دلوں کو موم کردیتی تھی اور شکستہ دلوں کے حق میں مومیائی کا حکم رکھتی تھی آپ فقراء کے ساتھ طالبانہ پیش آتے تھے۔

آپ نے نوافل، خیرات اور عبادات جس قدر اپنے اوپر لازم فرمالی تھیں ان میں فروگذاشت کبھی نہیں ہونے دیا۔ ۹۷۰ھ میں پدر بزرگوار کی رحلت کے بعد

---

[1] توزک جہانگیری ص ۵۲۵۔

آپ گوالیار آئے ۔ یہاں پر چند روز رہ کر آگرہ چلے گئے اور اس جگہ خانقاہ تعمیر کرائی کم و بیش پینتیس سال حجرہ میں چلہ نشین رہے ۔ علم حدیث میں نہر والہ شہر میں کامل دس سال تک شیخ محمد طاہر محدث نہر والہ کی شاگردی کرکے اور نیز شیخ وجیہہ الدین علوی احمدآبادی کے درس سے تمام فنون کی تحصیل کرکے کل علوم میں استاد وقت ہوئے ۔ "الولد سر لابیہ" کا فروغ آپ کی پیشانی سے درخشاں تھا۔ جس زمانہ میں آپ نہر والہ میں احادیث کی تصحیح کر رہے تھے ۔ اس زمانہ میں احمدآباد سے غوث الاولیاء نے شیخ نور محمد کو خرقۂ خلافت اور اجازت نامہ دے کر آپ کی خدمت میں بھیجا تھا اور اجازت عطا فرمائی تھی ۔

آپ کی رحلت اس طرح پر ہے کہ جن ایام میں اکبر شاہ لاہور میں تشریف رکھتے تھے ان ایام میں ایک روز ہرنوں کی لڑائی کے ہنگامہ میں ایک ہرن کے سینگ کا ایک کاری زخم شہنشاہ کی ران میں آیا تھا ۔ شہنشاہ نے چند روز بعد کہا کہ اس واقعہ کے اندر دور و نزدیک کے جمیع اکابر اور امراء کے آنے سے ہم نے شیخ ضیاءاللہ کو یاد کیا لیکن شیخ نے ہمیں یاد نہیں کیا ۔ شیخ ابوالفضل مبارک نے اس تقریر کی نقل لکھ کر آپ کی خدمت میں بھیجی جب یہ اطلاع آپ کو پہنچی تو آپ لاہور پہنچے اور شہنشاہ نے بھی آپ کی تشریف آوری سے اپنی عافیت اور تن درستی کی فال لی ۔ چند روز بعد شہنشاہ نے کہا کہ شاہزادہ دانیال کی ایک حرم امیدوار ہے بادشاہ کو منظور یہ ہے کہ حرم مذکور شیخ ضیاءاللہ کے مکان میں رہے تاکہ وضع حمل اسی جگہ ہو ۔ آپ نے اس حکم کی تعمیل میں دو تین مرتبہ عذر کیا مگر قبول نہیں ہوا اور حرم مذکور نے آپ کے مکان میں آکر وضع حمل کیا ۔ چونکہ شیخ اس واقعہ کی اصلیت سے بالکل محترز تھے لہذا اپنی زندگانی سے ہی تنگ دل ہو گئے ۔ ایک ہفتہ بعد مرض الموت پیش آیا اور ۲۳ رمضان المبارک ۱۰۰۶ھ/۱۵۹۷ء میں واصل بحق ہوئے ۔ [1]

[1] گلزار ابرار ص ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳ ۔

گلزار ابرار میں آپ کے حالات اس طرح لکھے ہیں :
مشہور محدث شیخ ضیاء اللہ بن محمد غوث گوالیری ۔ شیخ فریدالدین عطار رح کی اولاد میں سے ہیں ۔ آپ نے صغرسنی میں گجرات کی طرف سفر فرمایا ۔ شیخ وجیہ الدین علوی سے پڑھا ۔ اور بالخصوص حدیث محمد بن طاہر بن علی پٹنی رح سے پڑھی ۔ اور دس سال انکی خدمت میں رہے ۔

طالب علمی ہی کے زمانے میں آپ کے والدِ محترم نے آپ کے لئے خرقہ خلافت بھیجا ۔ اسی لئے اپنے والد کی وفات کے بعد ۹۷۰ ھ میں جب آپ گوالیار واپس لوٹ کر گئے ہیں تو وہاں جتنا عرصہ قیام رہا ۔ عوام طریقت میں آپ کی طرف رجوع کرتے رہے ۔ اس کے بعد آپ گوالیار سے اکبرآباد تشریف لے گئے اور وہاں سکونت پذیر ہوئے ۔ تقریباً ۲۵ سال کے طویل عرصہ تک وہاں علم و فضل کے دریا بہاتے رہے ۔

آپ کی شخصیت بہت باوقار تھی ۔ تصوف ، وتفسیر اور حدیث کے دقائق اور حکمتوں کو اس طرح بیان کرتے تھے کہ سننے والے حیران ہوتے تھے ۔ آپ کا کلام بڑا شیریں ہوتا تھا ۔ تمام علوم میں آپ دسترس رکھتے تھے اسی وجہ سے جتنی آپ کی مقبولیت عوام میں تھی اتنی بلکہ اس سے زیادہ امراء کے یہاں تھی ۔

اکبر آپ کا اس قدر دلدادہ ہوا کہ متعدد دفعہ آپ کو بلوا کر آپ کے فیض و صحبت سے مستفید ہوا ۔ البتہ بدایونی جب آپ سے ملے ہیں تو آپکے سوال وجواب سے وہ زیادہ خوش نہیں ہوئے ۔

"صاحب مآثرالامراء" نے آپ کی تاریخ وفات ۳ رمضان المبارک ۱۰۰۵ھ / ۱۵۹۶ء بیان کی ہے۔ [۱]

---

[۱] مآثرالامراء ، نزہۃ الخواطر ۲۹۶ صفحہ ۱۸۷/۵ ۔

شیخ عبداللہ گوالیری

۱۸ محرم سنہ ۱۰۲۱ھ / ۲۰ مارچ سنہ ۱۶۱۲ء

شیخ عبداللہ بن محمد غوث بن خطیرالدین عطاری شطاری گوالیری، مشہور صوفیاء میں سے ہیں۔ آپ کا مولد ومنشاء گوالیار رہے۔ آپ نے شیخ مبارک گوالیری سے علم حاصل کیا۔ نیز علامہ وجیہ الدین علوی سے بھی آپ نے پڑھا۔ اور ایک طویل زمانہ تک درس وتدریس میں مشغول رہے۔ پھر اپنے والد مکرم کی جگہ ارشاد وتلقین میں مصروف ہوئے اور ایک عرصہ تک طریقت کی خدمت سرانجام دیتے رہے اکبر نے آپ کو اپنے مقربین میں سے بنایا۔ اور بعض منصب آپ کے سپرد کئے گئے۔ مگر ۱۰۱۴ھ میں جہانگیر کے دور حکومت میں آپ ان مناصب سے مستعفی ہو کر گوالیار واپس تشریف لے آئے۔ اور وہاں کی مسند مشیخت پر متمکن ہوئے اور ۱۸ محرم ۱۰۲۱ھ/۲۰ مارچ ۱۶۱۲ء کو آپنے گوالیار میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے [۱]

شیخ صالح بن محمد

شیخ صالح بن محمد بن تاج چاپانیری۔ ان علماء میں سے تھے۔ جو علم وفضل اور صلاح وتقویٰ میں مشہور تھے۔ آپ کا مولد ومنشا چاپانیر ہے۔ قرآن کریم اور مختصرات کو آپ نے حفظ کیا۔ پھر آگرہ کا سفر کیا اور شیخ ضیاء اللہ بن محمد غوث شطاری گوالیری سے پندرہ سال تک انکی صحبت میں رہ کر استفادہ کیا۔ جب شیخ ضیاء اللہ کا انتقال ہو گیا تو مندو چلے آئے اور وہاں سکونت اختیار کر لی۔ وہاں نکاح کیا۔ اور شیخ محمود بن جلال گجراتی سے استفادہ کیا

---

[۱] گلزار ابرار، نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۰۹-۲۶۳۔

آپ کو شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی کی طرف سے بھی اجازت حاصل تھی ۔ آپ صاحبِ وجد و حال تھے ۔

۱۰۲۲ھ/۱۶۱۳ء تک آپ زندہ تھے ۔ [۱]

شیخ محمد بن اویس گوالیاری

آپ کا نسب ماں کی طرف سے شاہ میر شیرازی ثم الگجراتی تک پہنچتا ہے آپ اپنے زمانے کے مشہور علماء میں سے تھے ۔ آپ کا مولد و منشا بھی گجرات ہے ۔ اپنے زمانہ کے مشہور اساتذہ سے آپ نے علم پڑھا اور اپنے والد کے حجرۂ خاص میں ایک زمانہ تک خلوت گزیں رہے ۔ شیخ محمد حسن مندوی ۱۰۰۳ھ/۱۵۹۴ء میں آپ سے احمدآباد میں ملے ہیں ۔ [۲]

شیخ علی شیر بنگالی

م سنہ ۹۷۰ھ / سنہ ۱۵۶۳ء کے بعد

عالم کبیر شیخ علی شیر حنفی بنگالی ثم گجراتی از نسل شیخ نور الہدیٰ ابو البرکات (جو شیخ جلال الدین چشتی کی اولاد سے تھے) ۔ مولد و منشاء سرزمین بنگال ہے علم کے لئے اودھ کا سفر کیا ۔ برسوں وہاں رہے پھر دہلی چلے آئے ۔ شیخ محمد غوث گوالیاری مصنف "الجواہر الخمسہ" کی خدمت میں برسوں باریاب رہے ان سے طریقت میں درس لیا ان کی مشایعت میں گجرات آئے اور احمدآباد کی مسجد عماد الملک میں سکونت پذیر رہے ۔ نزہۃ الارواح کے نام سے آپ کی ایک تصنیف ہے ۔ اس کے شروع میں آپ نے اپنے حالات اس طرح تحریر فرمائے ہیں ۔

---

[۱] گلزار ابرار، نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۷۹ ۔ [۲] ایضاً ج ۵ ص ۱۱۸ ۔

یہ درویش جب سن آغاز شباب کو پہنچا تو خدا طلبی، حق پرستی اور خدا شناسی کے درد نے دل کا گریبان ہاتھ سے پکڑ کر ایسے دانا کی جستجو میں وطن سے آوارہ کیا جو اپنی رہنمائی کے ذریعہ راستہ دکھائے اور دل کے امراض کا علاج کرے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جس شناسا کے سامنے اندرونی درد بیان کیا۔ اس کی تلقین نے کوئی درستی دل کی نہیں کی القصہ ایک رات قصبہ اودھ میں اسی اندیشہ کے اندر غنودگی آگئی اور غوث الاولیا قدس سرہٗ کی مثالی صورت مشاہدہ کی۔ اس مشاہدہ نے مجھ کو فریفتہ کر دیا۔

اب آرزوؤں کا ہجوم ہوا کہ بیداری میں دولت، ملازمت حاصل کی جاوے۔ اسی اثناء میں خبر ملی کہ غوث الاولیاء آسودگانِ دہلی کی زیارت کے واسطے تشریف لائے ہیں۔ میں بے تائل دہلی کی طرف روانہ ہوا جب موضع کیلوکہری میں پہنچا تو یہاں پر عالم بیداری میں وہی صورت نظر آئی جو میں عالم مثال میں دیکھ چکا تھا۔ پھر آپ سے بیعت ہوا اور آپ کی خدمت میں چند سال گذار کر بہت کچھ فیض حاصل کیا۔ اتنے میں پیر بزرگوار نے افغانان سور کی بد باطنی دیکھکر گجرات کی طرف ہجرت فرمائی۔ درویش بھی آپ کے ہم رکاب بھڑوچ تک گیا تھا۔ چند روز بعد احمد آباد رہنے کی اجازت ہوئی۔ چنانچہ میں اس شہر اسلام پہنچا اور ملک عماد الملک رومی کی مسجد میں ایک گوشہ اختیار کیا۔ چونکہ عالم باطن سے سفر حجاز کا اجازت نامہ نہیں ملا تھا لہذا چند روز بعد پیر بزرگوار بھی بھڑوچ سے واپس ہو کر احمد آباد میں تشریف لے آئے یہاں پر بعض کوتاہ اندیش عالم اور چھوٹی نظر والے خرقہ پوش آپ کے ساتھ دشمنی کا بہانہ ڈھونڈنے لگے اور نادانستہ و نافہمیدہ باتیں آپ

کی نسبت لکھکر آپ کے صاف اور شفاف دل کو اور زیادہ روشن کیا اس جگہ کا رہنا آپ کو ناگوار ہوا ۔ ایک بارگی آسمان سے خوشخبری آئی کہ ہجرت کا جو سبب تھا وہ دور ہوا اور معاودت کا باعث پیدا ہوگیا ۔ یہ سنکر آپنے گوالیار کی طرف کوچ فرمایا مگر درویش کو اُسی جگہ چھوڑا اور آپ کے ارشاد کے بموجب شرح نزہۃ کا تتمہ قلم تصنیف سے مرتب کیا گیا ۔ [1]

شیخ علی شیر نزہۃ الارواح ۔ جام جہاناں، اور سوانح غزالی کی شروح کے مصنف ہیں ۔ ۹۷۰ھ / ۱۵۶۲ء کے بعد رحلت فرمائی ۔ خوابگاہ احمدآباد میں ہے ۔ نوراللہ مرقدہٗ ۔

شیخ لشکر محمد عارف قدس سرہٗ

م ۲ رشوال ۹۹۳ھ مطابق ۲۵ رستمبر ۱۵۸۵ء

آپ ملک راجن ابن ملک پیر ابن ملک رکن قریشی کے فرزند ہیں ۔ یکتائے زمانہ اور علم الٰہی میں اپنی نظیر آپ تھے ۔

مضافات گجرات میں ایک قصبہ مہلاسہ ہے اس قصبہ میں دسویں صدی کے آغاز میں آپ کی ولادت ہوئی ۔ آپ کی والدہ نے تیرہ روز بعد اور والد نے چھ برس بعد رحلت فرمائی ۔ اور آپ یتیم ہوگئے ، لہٰذا آپ کی پرورش کی نوبت آپ کے دادا کو پہنچی آپ کے آبائے کرام سپاہی شعار تھے ۔ آپ ابتدا ر زمانہ ہوش میں قاضی محمود دبیرپوری کے دامن ارادت سے وابستہ ہوئے ۔ ایک روز آپ نے فرمایا ؛ قاضی محمود کو پیٹ کی بیماری تھی ۔ ایک میدان میں پردہ کی ضرورت پیش آئی ، اسی اثنا ر میں میرے دادا کا اونٹ آپہنچا میں نے اسکو بیٹھایا اور اسباب میں سے خیمہ نکال کر کھڑا کردیا میرے

---

[1] نزہۃ الخواطر اردو ج ۴ ص ۲۷۸ ۔ گلزار ابرار ص ۳۰۸ ۔ نزہۃ الخواطر عربی ج ۴ ص ۲۴۸ ۔

اس عمل سے پیر بہت خوش ہوئے اور ان کی خوشی سے میرے حالات بہت کچھ درست ہوئے۔ سپاہ گری آباؤ و اجداد کا طریقہ تھا اس کو میں نے سولہ برس کی عمر میں ترک کردیا اور حقیقی رہنمائی کی تلاش کرنے لگا۔ طلبِ حق نے مجھ کو بحر المعارف شیخ قطب جہاں ذاکر نہروالہ کی خدمت میں پہنچایا۔ شیخ نے اوّلاً مجھ کو ذکر کا شغل تلقین فرمایا وہ ذکر اس طرح میرے دل پر غالب ہوا کہ دو سال تک میرے دل پر تمام اشیاء کی آمدورفت کا سلسلہ ہی بند رہا۔ میں رسالہ منہاج العابدین پڑھا کرتا تھا۔ جب تک پڑھے ہوئے سبق کے مفہوم کے ساتھ متصف نہیں ہوجاتا تھا سبق آگے نہیں پڑھتا تھا۔ اس کے بعد ۹۵۱ھ میں احمد آباد گجرات میں غوث الاولیاء قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچا۔ گوالیار واپسی پر میں نے رفاقت کا عزم ظاہر کیا تو ارشاد ہوا عارف! ہم تم کو اپنی جگہ طالبانِ معرفت کی ہدایت کے واسطے اسی صوبہ میں چھوڑتے ہیں، چنانچہ بتعمیل حکم مرشد کم وبیش تیس سال تک احمد آباد میں رہے اور ۹۸۲ھ میں برہانپور خاندیس کی طرف روانہ ہوگئے۔

۹۹۳ھ تک طالبانِ خدا کی راہنمائی فرماتے رہے یہاں تک کہ پیام اجل آگیا۔ اور ۲ شوال ۹۹۳ھ بمطابق ۲۵ ستمبر ۱۵۸۵ء کو رحلت فرماگئے۔ تاریخ وفات "لشکر محمد عارف" آپ کے نام سے نکلتی ہے۔

آپ فرماتے تھے، خدا کو پہنچنا آسان ہے لیکن حضور خاتم النبوۃ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنا دشوار بلکہ سخت دشوار ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ تمام اشیاء پر جداگانہ خاص خاص طریقوں کے ساتھ متجلی ہیں اور اپنے اپنے خاص طریقہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف ہر ایک کا راستہ لگا ہوا ہے۔ پس اس خاص طریقہ کے ساتھ وجودِ مطلق کے تعین اور تشخص کا ادراک یہی خدا کا پالینا ہے۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت جمیع الٰہی اور امکانی کمالات کی جامع ہے، اس حقیقت کی

شناخت تمام اسمائی اور صفاتی کمالات کے ساتھ متصف ہونے پر موقوف ہے۔ متفرق تعینات کے ساتھ جو طریقے منصوص ہیں جب تک ان تمام طریقوں کے ساتھ وجود کی معرفت اجمالاً اور تفصیلاً حاصل نہ ہو تب تک طالب ذات بابرکات احمدی علیہ السلام کا عارف نہیں ہوسکتا ہے۔ سید عبدالغفور سندھی نے جب آپؒ کے حضور میں رسم بیعت ادا کی تو آپ نے فرمایا، عیسیٰ! شیخ ابوالعباس قصاب کہتے تھے میرے والد مجھ کو بزکشی کے سوا دوسرا کام سکھاتے ہی نہ تھے اور استعداد کی تعلیم نے ولایت کے اس عالی مرتبہ کو پہنچایا۔ اور خود میرے آبار و اجداد کا شعار مردم کشی (سپاہیانہ نوکری) تھا۔ دیکھو استعداد نے مجھے کہاں سے کہاں لاکر اکابر اور سادات کی راہنمائی کے واسطے مامور کیا ہے، نیز آپ فرمایا کرتے تھے، اپنی قطبیت کا خطاب میں بہت دنوں تک پوشیدہ رکھتا رہا۔

خانخاناں، شیخ ابوالخیر مبارک، مولانا صالح سندھی، قاضی عبدالعزیز عیسیٰ قادری، اجینی اور قاضی نصیر ابن شیخ سراج محمد بنبانی کے ساتھ آپ کی مجلس رہتی تھی۔ ایک مرتبہ فرمایا، بایزیدی مقام پر مجھ کو لے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا احسان ہے کہ میری زبان سبحانی کہنے سے محفوظ رہی، اور فرمایا، عیسیٰ! سبحان ربی الاعلیٰ بہتر ہے۔ یا سبحانی الاعلیٰ؟ اور سبحانہ کہنا اچھا ہے یا سبحانی کہنا، میں نے عرض کیا نہیں سبحانہ کہنا ہی اچھا ہے۔ اور فرمایا۔

ولاریب فیہ خصوصاً لمن کان	اس میں کچھ شک نہیں ہے بالخصوص
لہ قلب او القی السمع وھو شہید	اس شخص کے واسطے جو صاحب دل ہے
لان القائل بقولہ سبحانہ	یا کان لگا کر حضور قلب سے بات کو سنتا
منصف بالکون بعد الاتصاف	ہے کیونکہ سبحانہ کہنے والا الوہیت کے
بالالوھیۃ کما انصف الحق بہ	ساتھ متصف ہونے کے بعد امکان کے

بعد ما کان واجبًا والقائل بکلمۃ سبحانی ھو المتصف بالوجوب بلا اعتبار اتصافہ بالکون فالاول محقق والثانی مجذوب ومقام التحقیق اسنی من مقام الجذبۃ۔

ساتھ متصف ہے جیسے کہ حق بعد اس کے کہ واجب تھا اب امکان کے ساتھ متصف ہوگیا اور کلمہ سبحانی کہنے والا وجوب کے ساتھ متصف ہونا ہے جس کے اندر امکان کے ساتھ متصف ہونے کے اعتبار کو دخل نہیں پس سبحانہ کہنے والا محقق ہے اور سبحانی کہنے والا مجذوب ہے اور مقام تحقیق مقام جذبہ سے روشن تر ہونا ہے۔

اس لئے کہ جب سلطان العارفین ابویزید بسطامی نے مقام سبحانی سے ترقی فرمائی تو بول اٹھے۔

ان قلت یومًا سبحانی ما اعظم شانی فانا مجوسی وانا کافر واقطع زناری واقول اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ واشھد ان محمد رسول اللّٰہ

اگر میں نے کسی روز سبحانی ما اعظم شانی کہا تو میں مجوسی اور کافر ہوگیا۔ اور اب میں زنار قطع کرکے کہتا ہوں اشہدان لآ الٰہ الاّ اللّٰہ واشہدان محمد رسول اللّٰہ۔

انوار الاسرار کے دیباچہ میں جہاں اقسام تفسیر لکھے ہیں، لکھتے ہیں۔

قولہ ومن فسرہ واولہ علےٰ الباطن ولم یلتفت الیٰ ظاھرہ اصلاً کما ذھب الیٰ فرعون انہ طغیٰ یراد بھا ان موسیٰ روحہ وفرعون نفسہ من

مسیح الاولیار کا بیان ہے۔ جس شخص نے قرآن کریم کی تفسیر کی اور صرف باطن کی طرف تاویل کرکے کھینچ لے گیا اور ظاہر کی طرف قطعی ملتفت نہیں ہوا جیسے اِذْھَبْ اِلیٰ فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغٰی سے ارادہ کیا کہ موسیٰ

غیر ملاحظة معنیٰ الاصلی الذی
نزل لاجلہ فهو باطنی لبطونہ
فی احد معانیہ ومن فسرہ علیٰ
الظاهر الصرف من غیر
ایمان واقرار بالاشارات
والنکت التی هی عین البلاغة
الیٰ ربہ ومحض الفصاحة
من نفسہ فهو حشوی
خارجی ما رای من جلال
قرأتہ الامن اوقات
عزتہ ولم یظفر بدخولہ
فی مجلس وقوفہ علیٰ
جمالہ المندرج فیہ و
المندمج تحتہ ومن جمع
بینهما فهو العارف الکامل
الواقف بالکتاب وبمراد
نزولہ .

اس کی روح ہے اور فرعون اس کا نفس ہے بغیر ان اصلی معنیٰ کے لحاظ کے جن کے واسطے خاص کر قرآن کریم نازل ہوا ہے وہ شخص باطنی ہے کیونکہ قرآن کریم کے دونوں معانی میں سے ایک کو چھوڑ کر ایک کے اندر گھس گیا اور جس شخص نے قرآن کریم کی تفسیر صرف ظاہر پر کی اور جو اشارات اور نکات اللہ تعالیٰ جل شانہ کی نسبت کرکے عین بلاغۃ ہیں۔ اور تفسیر کنندہ کی نسبت کرکے محض فصاحت ہیں ان اشارات اور نکات کا یہ مفسر نہ ایمان رکھتا ہے اور نہ اقرار کرتا ہے وہ شخص حشوی خارجی ہے جس کو جلال قرأۃ میں سے بیرونی پردہائے عزت کے سوا کچھ نہیں نظر آیا اور اس کو محل قیام میں داخل ہو کر اس جمال کا دیکھنا نصیب نہیں ہوا جو اس کے اندر مندرج اور پوشیدہ ہے اور جس شخص نے ظاہری اور باطنی دونوں معانی کو جمع کیا وہ شخص عارف کامل ہے اور کتاب سے اور مراد نزول سے واقف ہے ۔ [1]

---

[1] گلزار ابرار ص ۳۶۱ تا ۳۶۹

شیخ طاہر محمد سندھی

وفات ۱۰۰۴ھ بمطابق ۱۵۹۵ء

شیخ طاہر محمد بن شیخ یوسف بن رکن الدین سندھی ۔ آپ کا وطن پاتری سندھ ہے جو آپ کے آباؤ و اجداد کا آباد کیا ہوا ہے ۔ آپ کی ولادت کے وقت قصبہ پاتری دینداراور نیک طینت لوگوں کیوجہ سے گہوارۂ علوم بنا ہوا تھا ۔

تعلیم

آپ کی ابتدائی تعلیم کے سلسلہ میں صاحب گلزار ابرار نے لکھا ہے کہ آغاز ہوش میں آپ حصولِ علم کے شوق میں سفر کر کے حضرت شیخ شہاب الدین سندھی کی خدمت میں پہنچے اور منطق کی کتاب شرح شمسیہ پڑھنے کی خواہش کی ۔ شیخ نے یہ درس اپنے مناسب حال نہ دیکھ کر امام غزالی رح کی منہاج العابدین پڑھنے کی ترغیب دی ۔ اس سفر میں آپ کے بڑے بھائی شیخ طیب اور والد محترم بھی ساتھ تھے چونکہ مذکورہ کتاب نہ تھی لہذا ان تینوں شیدایانِ علم نے مل کر دو ہفتہ میں کتاب کی نقل کی اور سبق شروع کر دیا ۔ [1]

نوجوانی میں یہ علم کا شوق اور پھر والد ماجد کی سرپرستی نے آپ کو عالم شباب ہی میں علوم سے معمور کر دیا تھا ۔ پھر اپنے دو چچا زاد بھائیوں شیخ معروف اور شیخ عثمان سے مرصاد العباد کا درس لیا اور انکی صحبت میں رہ کر علوم تصوف سے بھی وافر حصہ حاصل کیا ۔ یہ دونوں بزرگ اپنے زمانے کے مشہور صوفیاء میں سے تھے ۔

خاندان کی ذمہ داری

والد ماجد اور بڑے بھائی کی وفات کے بعد شیخ طاہر محمد اپنے خاندان کے کفیل بنے ۔ اسی دوران اپنے چھوٹے بھائی شیخ قاسم کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کیا ۔ ان ساری ذمہ داریوں کے باوجود اپنے علمی مشاغل کو برابر جاری رکھا بلکہ اپنے چھوٹے بھائی کو بھی حصول علم کی طرف

[1] تذکرہ ادبیائے سندھ ۔

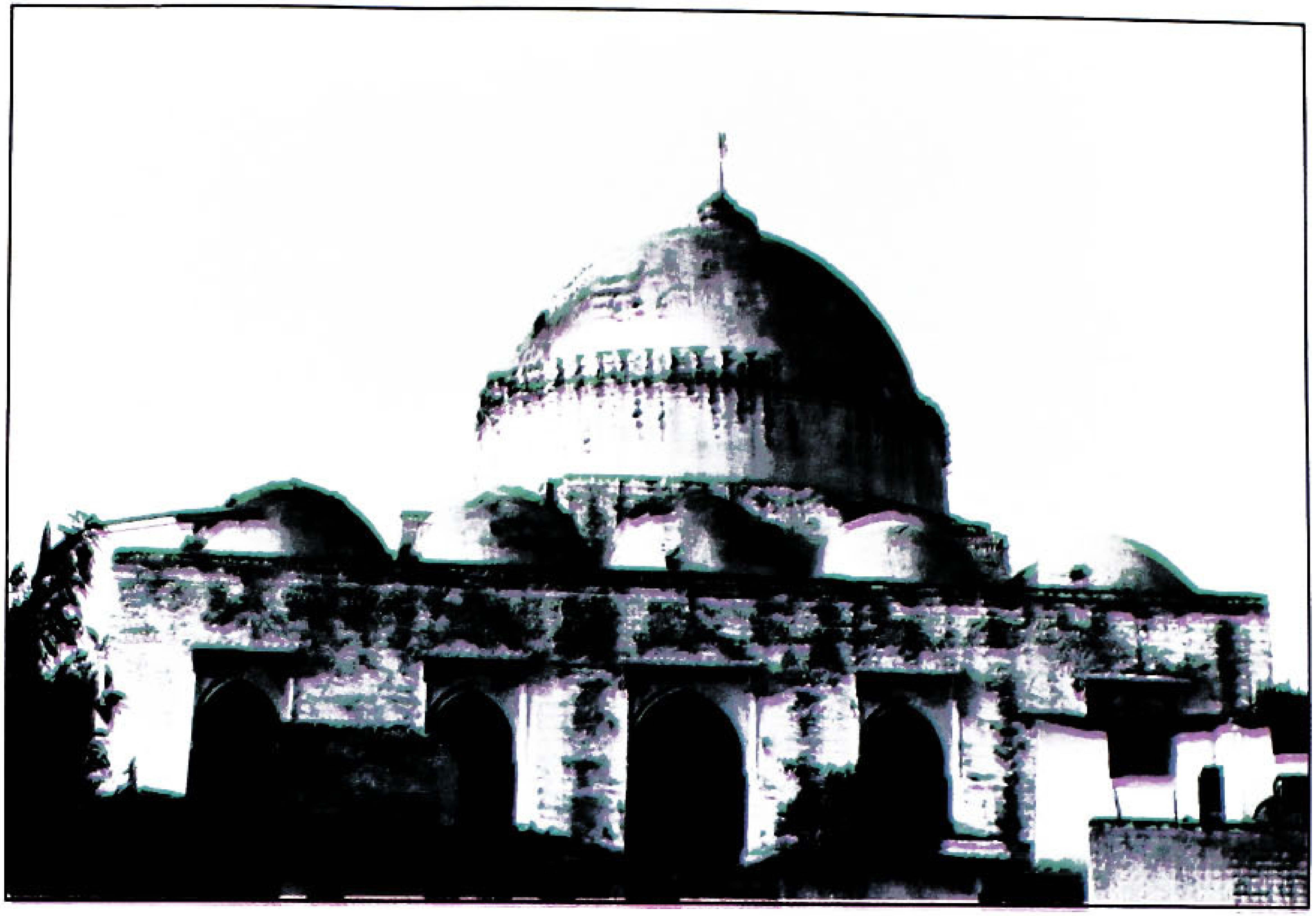

مشہور گنبد مقبرہ درخان، شاہی باغ، احمد آباد

مقبرہ، سلطان احمد شاہ اول، مانک چوک، احمد آباد

مقبرہ، سلطان احمد شاہ اول، مانک چوک، احمد آباد

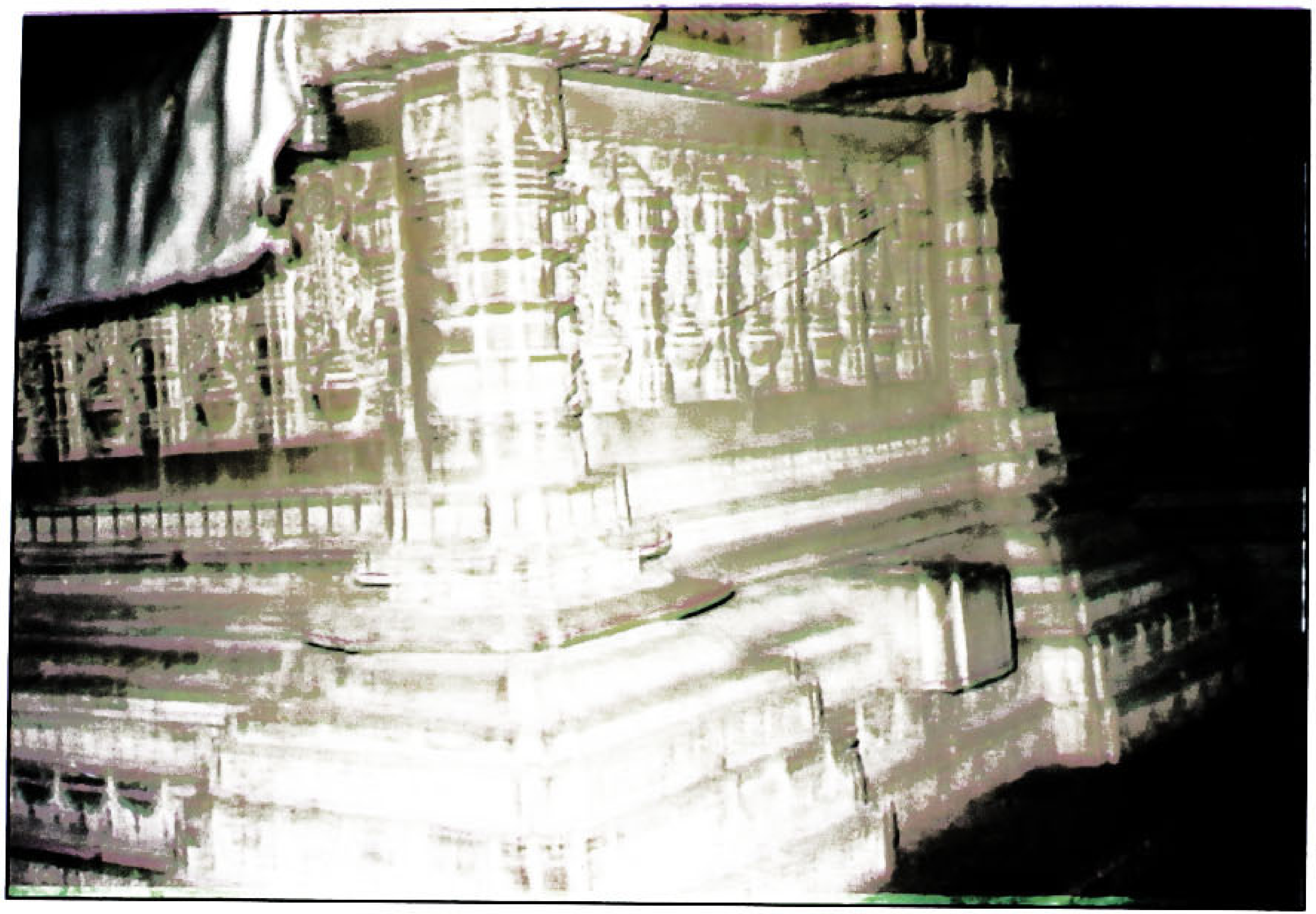

قبر محمود بیگڑہ، سرخیز، احمد آباد

مزار حضرت شیر علی شاہ صاحبؒ، سرخیز، احمد آباد

مقبرہ حضرت شیخ شیر علی شاہ صاحبؒ، سرخیز، احمد آباد

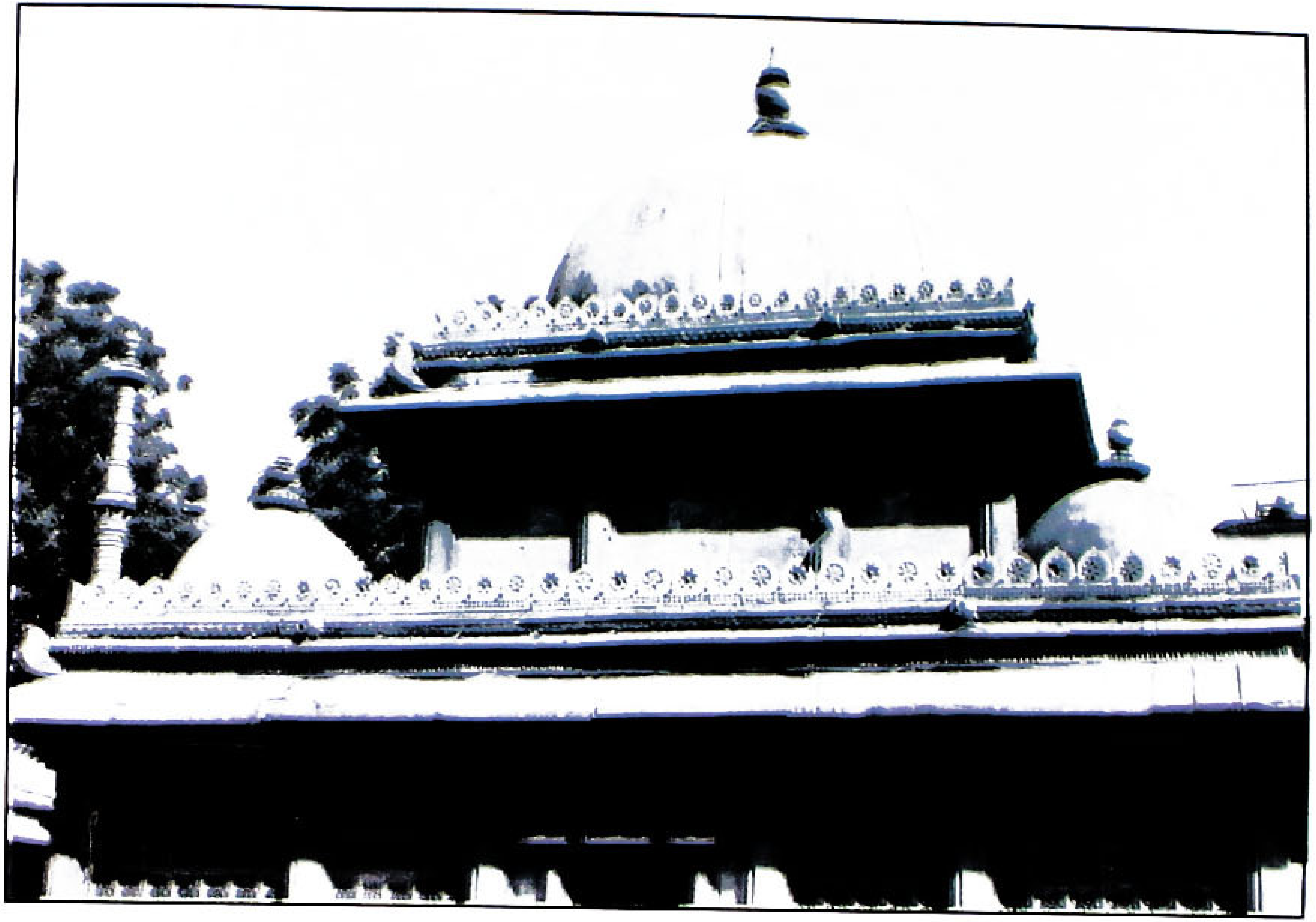

مقبرہ رانی سپری (صبری)، استوریا دروازہ، احمد آباد

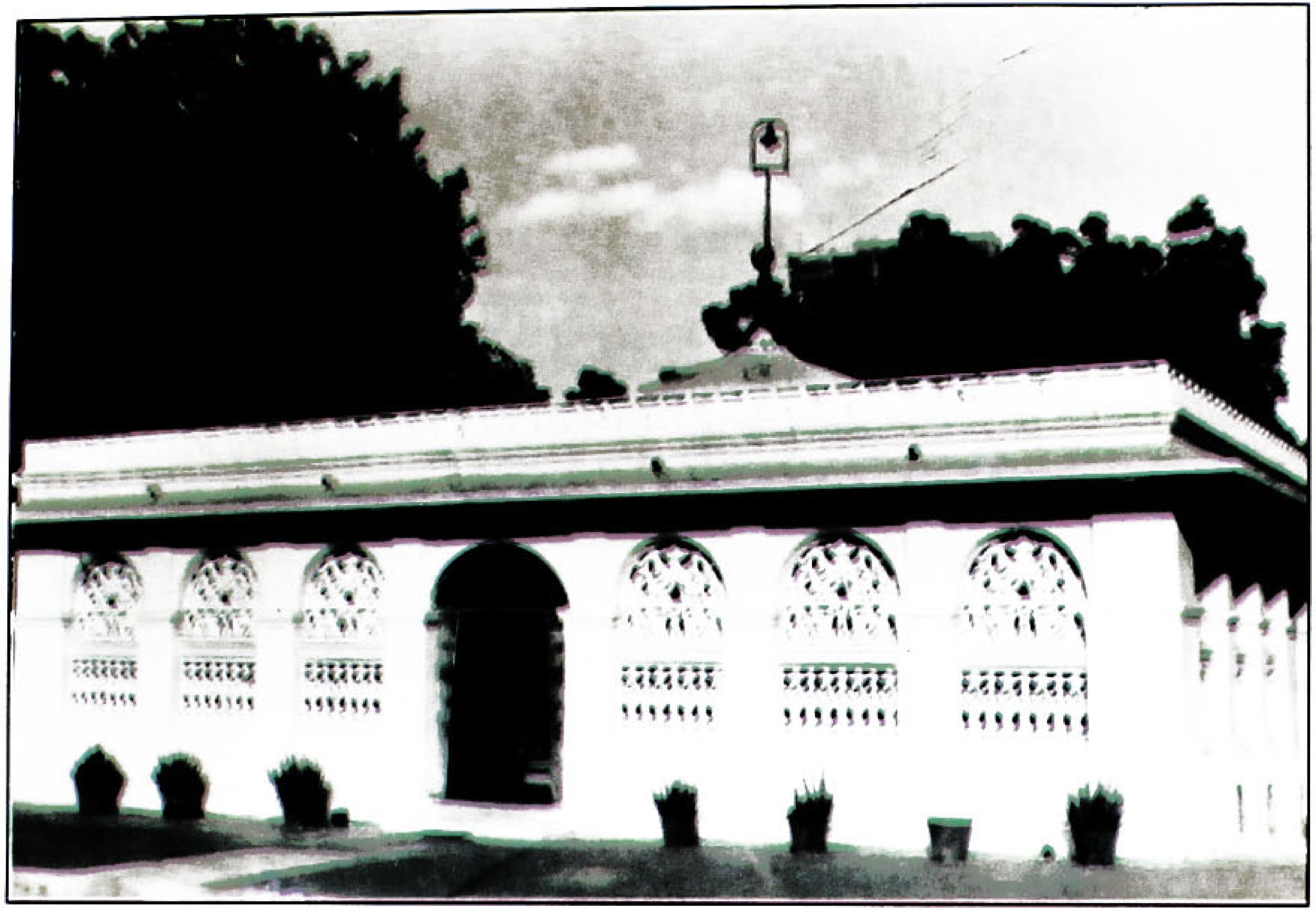

مزار حضرت جمن شاہؒ، نورنگپورہ، آشرم روڈ، احمد آباد

مقبرہ سیدی بشیر، سارنگ پور، احمد آباد

مقبرہ ملک شعبان صاحبؒ، باپونگر، احمد آباد

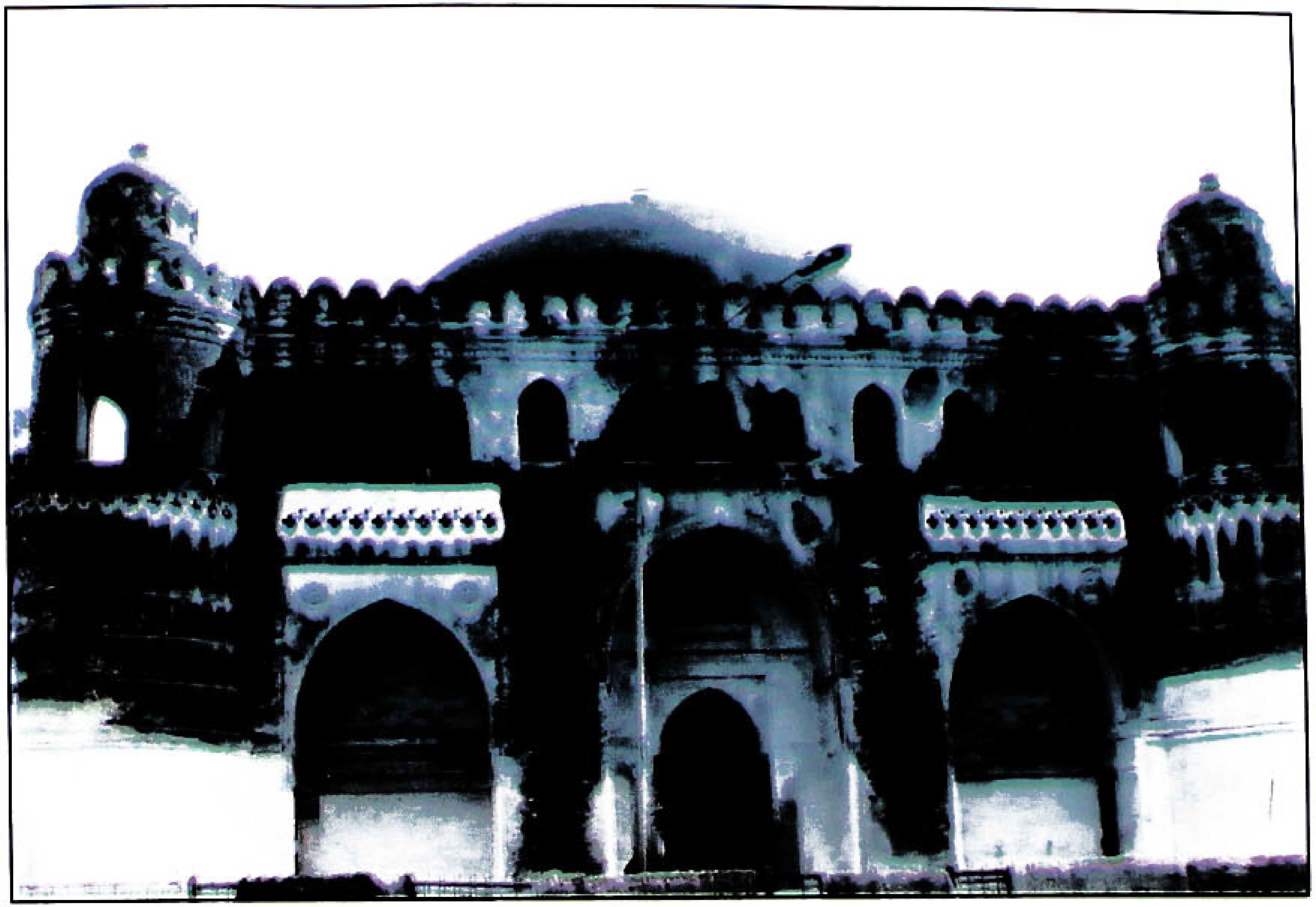

مقبرہ حضرت اعظم معظم صاحبان، سرخیز روڈ، احمد آباد

صدر دروازہ، مقبرہ سلطان احمد شاہ اول، مانک چوک، احمد آباد

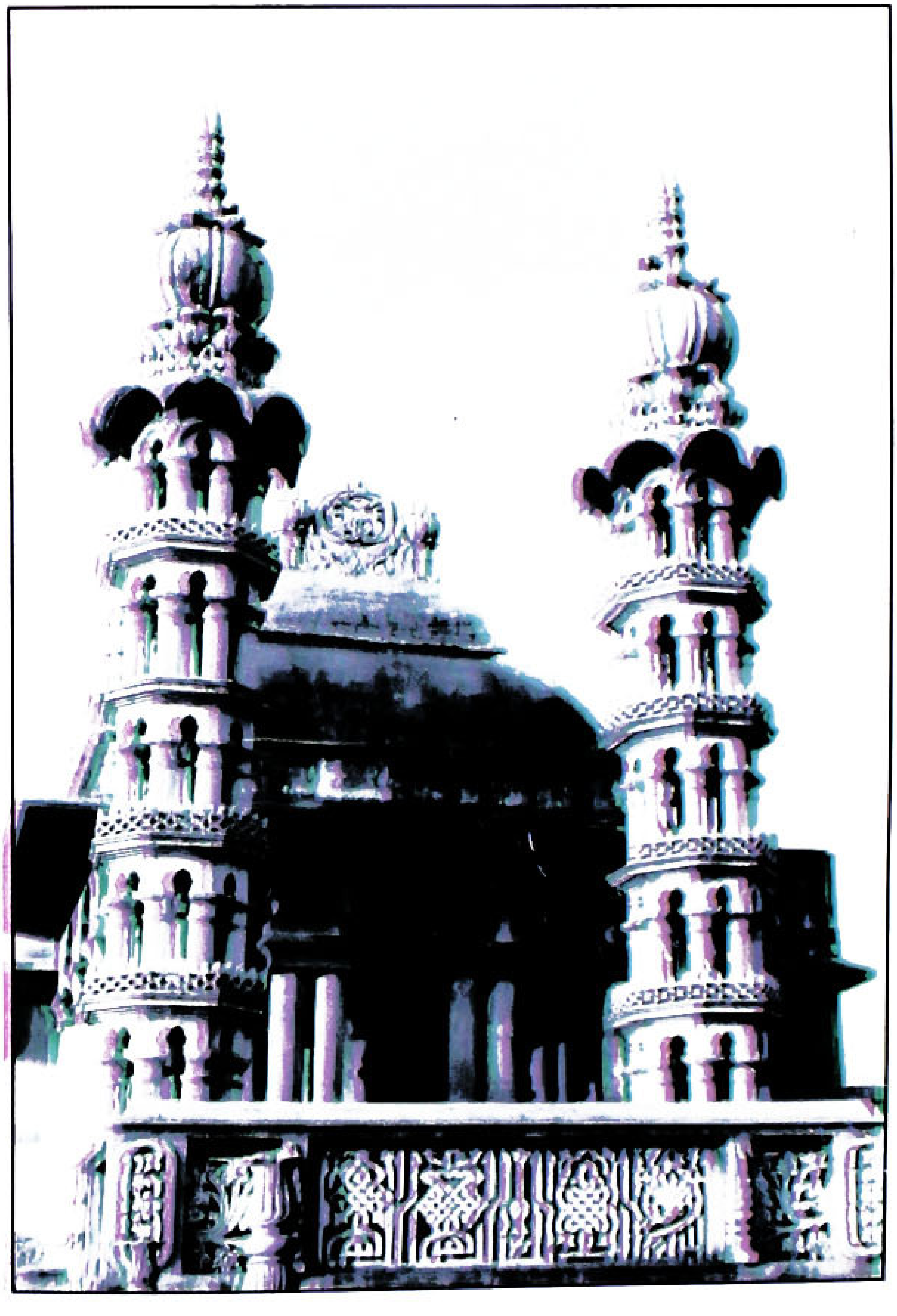

بیرونی منظر، مقبرہ حضرت شاہ پیر محمدؒ، پیر محمدؒ روڈ، احمد آباد

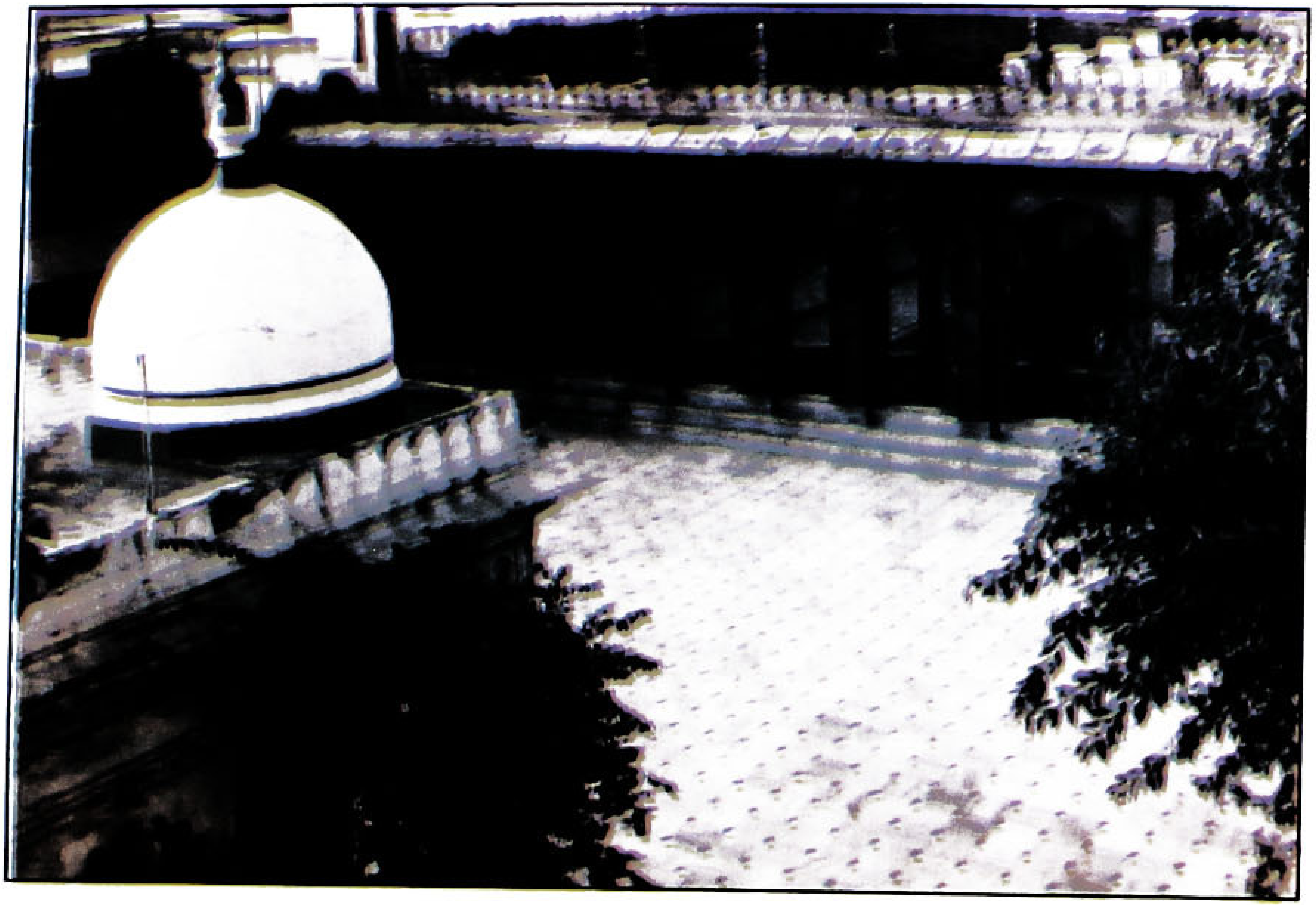

مزار حضرت شاہ پیر محمدؒ، پیر محمدؒ روڈ، احمد آباد

ایک اور منظر، مقبرہ حضرت شاہ پیر محمدؒ، پیر محمدؒ روڈ، احمد آباد

دروازہ مزار حضرت شاہ پیر محمدؒ، پیر محمدؒ روڈ، احمد آباد

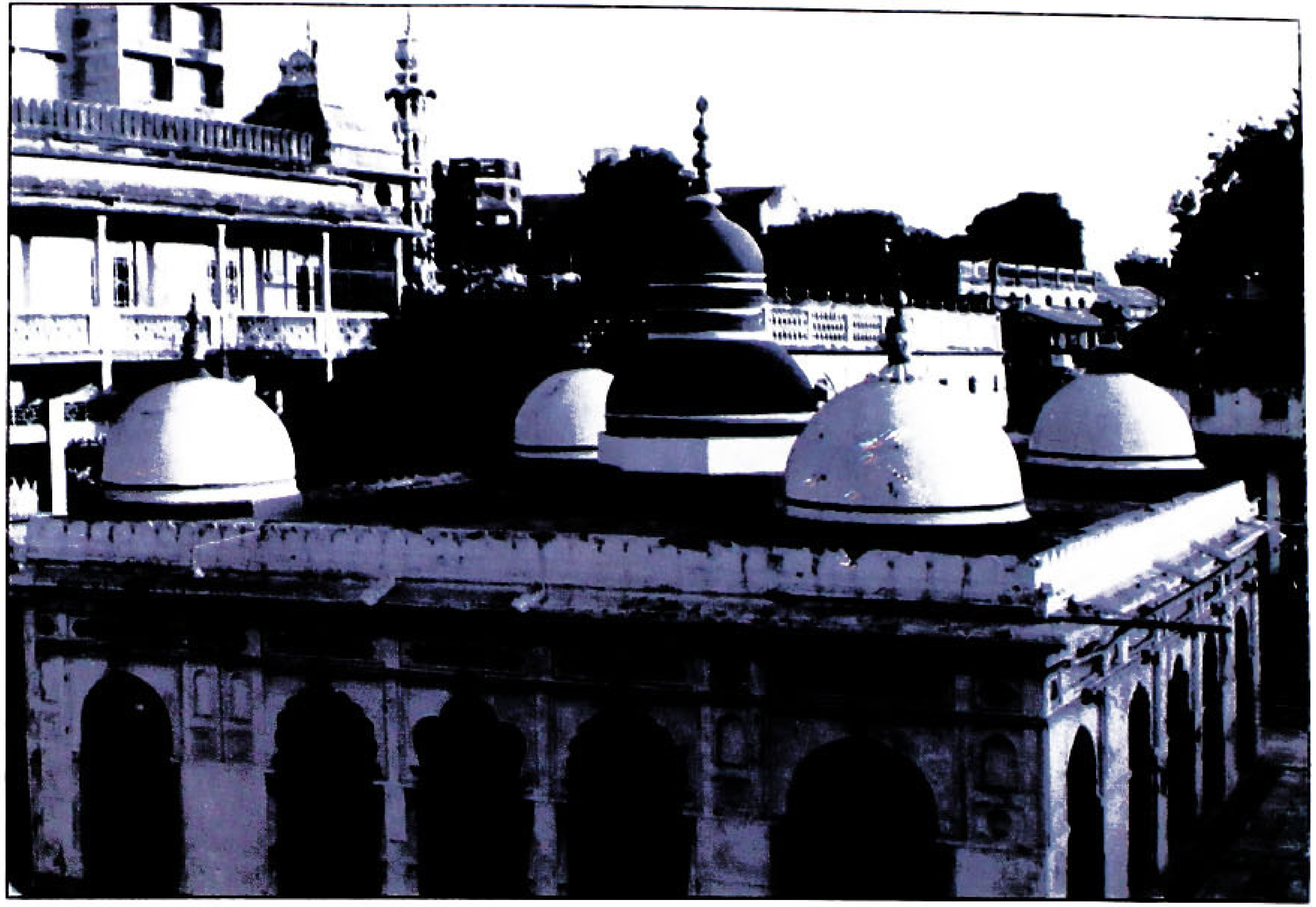

مقبرہ حضرت شاہ پیر محمدؒ، پیر محمدؒ روڈ، احمد آباد

تالاب وشاہی گھاٹ، سرخیز، احمد آباد

توجہ دو کر انکی اس میدان میں خوب مدد کرتے رہے چنانچہ شیخ قاسم نے بھی جوانی ہی میں عالم و فاضل ہونے کا شرف حاصل کر لیا۔

احمد آباد میں آمد

ایک خیال یہ ہے کہ جب سندھ میں ہمایوں کی آمد ہوئی اور حالات خراب ہونے لگے تو شیخ طاہر اپنے خاندان کو لے کر ۹۵۰ھ میں احمد آباد پہنچے ؎۱

صاحب تذکرہ اولیاء سندھ کے خیال میں شیخ طاہر کے اپنے وطن ترک کرنے کی مذکورہ وجہ صحیح نہیں کیونکہ ۹۵۰ھ میں سندھ اور آپ کا وطن ہر اغیار سے مامون تھا۔ ان کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ شیخ طاہر محمد کو سندھ کے حالات خراب ہونے کا علم بذریعہ کشف پہلے ہی ہو چکا تھا اور حالات کے ابتر ہونے سے پہلے آپ اپنے خاندان سمیت وطن چھوڑ کر احمد آباد تشریف لائے ؎۲

حضرت غوث گوالیاری سے ارادت

احمد آباد میں ان دنوں حضرت غوث گوالیاری کا شہرہ تھا چنانچہ آپ اپنے چھوٹے بھائی کے ہمراہ ان کی خدمت میں پہنچے یہاں مریدوں کا ایک بہت بڑا مجمع لگا ہوا تھا۔ تذکرۂ اولیائے سندھ میں بحوالہ کشف الحقائق مذکور ہے کہ شیخ محمد غوث نے نظر محبت سے شیخ طاہر محمد کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ ان کا شیشہ نہایت صاف ہے۔ کیا ہی اچھا ہو اگر اس میں شراب بھر دی جائے۔

شیخ طاہر اس وقت اس بات کو نہ سمجھ پائے اور اپنے علم و تقوی کے پیشِ نظر اس جملہ کو خلاف شرع سمجھ کر مجلس سے چلے آئے بلکہ آپ کی طبیعت اتنی مکدر ہوئی کہ آپنے سفر کی تیاری شروع کر دی اس لئے کہ ان کا ارادہ برار کی طرف جانے کا تھا۔ ؎۳

دوسرے روز صبح باوجود بارش کے آثار ہونے کے رختِ سفر باندھ کر عازم سفر ہوگئے

؎۱ تذکرہ قاریان ہند ؎۲ تذکرہ اولیائے سندھ۔ ؎۳ تذکرہ اولیائے سندھ

اور پھر بارش بھی شروع ہو گئی۔ لیکن یہ قافلہ رواں دواں ہو گیا۔ درمیانِ راہ ایک نالہ پر گذر رہوا یہ نالہ اکثر بارش کیوجہ سے چڑھ آتا تھا اور ناقابلِ عبور ہو جاتا تھا لیکن بارش کے موقوف ہوتے ہی اُتر جایا کرتا تھا۔ شیخ طاہر محمد کا قافلہ بھی اس کے اُترنے کے انتظار میں ٹھہر گیا یہاں تک کہ شام ہو گئی چنانچہ نے قافلہ نے قریب ہی کے ایک گاؤں میں پڑاؤ ڈالا، گاؤں والوں کو بھی نالہ کی اس طغیانی پر سخت تعجب تھا۔ دوسرے دن بھی نالہ ایسا ہی ناقابلِ عبور تھا اور اسی طرح چھ دن گذر گئے اور اب قافلہ والوں کا گاؤں میں مزید قیام ناممکن تھا لہذا یہ طے ہوا کہ واپس احمد آباد لوٹ جائیں۔ [1]

شیخ طاہر محمد کا خیال پھر شیخ محمد غوث گوالیاری کی خدمت میں جانے کا ہوا۔ چنانچہ حاضرِ خدمت ہوئے اور شیخ محمد غوث سے ملاقات ہوئی۔ شیخ محمد غوث نے مسکرا کر فرمایا کہ آپ تو بھاگ کھڑے ہوئے تھے مگر ہم نے جانے نہیں دیا۔ [2]

شیخ طاہر محمد صاحب اب سمجھے کہ نالہ کی خلافِ معمول طغیانی حضرت شیخ محمد غوث صاحب کا روحانی اثر تھا۔ چنانچہ اسی وقت شیخ طاہر محمد نے حلقۂ ارادت میں شامل ہونے کی خواہش ظاہر کی شیخ محمد غوث نے اُنہیں اپنے خانوادہ میں قبول فرما کر خلافت سے سرفراز فرمایا۔ [3]

برار میں آمد موسم کے ٹھیک ہونے پر اپنے مرشد سے اجازت لے کر برار کی طرف روانہ ہوئے۔ برار کا نظم و نسق ان دنوں تفاول خاں کے ہاتھ میں تھا۔ تفاول خاں نے شیخ طاہر محمد صاحب اور ان کے رفقاء کی خوب خاطر و مدارت کی۔ اس کے خلوص اور عقیدت کے سبب شیخ طاہر محمد سندھی برار کے پایۂ تخت ایلچپور میں مقیم ہو گئے اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری کر دیا۔ تقریباً ۲۲ رسال ایلچپور میں رہ کر ظاہری اور باطنی علوم کی اشاعت کرتے رہے۔ [4]

---

[1] تذکرہ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً۔

برہان پور کا قیام جب سلطنت برار کا شیرازہ درہم برہم ہوا تو آپ ۹۸۲ھ میں اپنے خاندان سمیت برہانپور آگئے۔ یہاں محمد شاہ فاروقی نے بڑی آؤ بھگت کی آپ کے متعلقین کو شاندار محلات نذر کئے برہانپور میں بھی آپ نے علمی خدمات کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں پر آپ سے مولانا سید جمال نے صحیح بخاری اول سے آخر درساً پڑھی۔ شیخ طاہر محمد سے پڑھنے کے لئے موصوف روزانہ ایک میل کا فاصلہ طے کر کے آتے تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی حضرات نے برہانپور میں آپ سے تعلیم حاصل کی۔ [1]

تصانیف:۔ آپ نے تصنیف کے میدان میں بھی نمایاں خدمات انجام دیکر آٹھ معرکۃ الآراء کتابیں یادگار چھوڑیں۔ (۱) تفسیر مجمع البحار۔ (۲) مختصر قوت القلوب۔ (۳) منتخب مواہب لدنیہ۔ (۴) ملتقط جمع الجوامع للسیوطی۔ (۵) موجز قسطلانی۔

صاحب گلزار کا خیال ہے کہ موجز سے بڑی کوئی شرح بخاری پر نہیں ہے بڑے بڑے بارہ دفتر دو لاکھ بیت میں مختصر کئے ہیں۔ (۶) تفسیر مدارک۔ (۷) اسماء الرجال کرمانی کے انداز پر ہے۔ (۸) ریاض الصالحین۔ اس کتاب کی ترتیب تین روضوں پر ہے۔ روضۂ اول احادیث صحیحہ کے بیان میں۔ روضۂ ثانی مشائخ عظام کے نصائح کے بیان میں۔ روضۂ ثالث عبارات اہل عرفان و وجدان پر مشتمل ہے

شیخ طاہر محمد سندھی کو علم و فضل حیرت انگیز ذہانت، درس و تدریس اور بلند پایہ تصانیف کے اعتبار سے اپنے زمانہ کا مایۂ ناز عالم با عمل تسلیم کیا گیا ہے۔ آپ علم حدیث کے اشتغال کا یہ عالم تھا کہ آپ کو تیس ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں کامل پچاس سال تک طالبانِ حق کی رہنمائی کرتے رہے۔ اس زمانہ کے علماء و صوفیاء آپ کی صحبت و درس میں شرکت کو باعث سعادت سمجھتے تھے۔ [3]

---

[1] تذکرہ اولیائے سندھ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔

تفسیر مجمع البحار مولانا غوثی نے تفسیر کا مختصر نمونہ بھی گلزار میں نقل کیا ہے۔ مصنف رح کی خدمت میں انہیں نیاز حاصل تھا۔ اور وہ آپ کی فیض رساں مجلسوں میں باریابی کا شرف حاصل کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے تفسیر مجمع البحار کے متعلق لکھا ہے کہ۔

فرماں روائے صوبہ (خاندیس) علی عادل شاہ فاروقی نے مولانا حسین شیرازی کو جو حکمت کے فنون اور عقلی علوم میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اور ندیم خاص جلال خاں براری کو جن کو رسمی علوم میں دستگاہ تھی۔ مصنف (شیخ طاہر سندھی) کی خدمت میں بھیجا تھا اور التماس کی تھی کہ اگر اس پاسبانِ خلائق کا عہد اس کتاب میں درج کر دیا جائے تو غایت درجہ عنایت ہوگی۔ آپ نے یہ التماس قبول فرمائی، اس وجہ سے کتاب ہذا کا خطبہ دو طرح پر واقع ہوا ہے۔ سہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس تفسیر کا نمونہ یہاں نقل کر دیا جائے۔ فی تفسیر قولہ تعالیٰ فی قلوبهم مرض الخ المرض حقیقة فی مایعرض للبدن فیخرجه عن الاعتدال الخاص و یوجب الخلل فی افعاله ومجاز فی الاعراض النفسانیة التی یخل بکمالها کالجهل وسوء العقیدة والزینة وحب المعاصی لانها مانعة عن نیل الفضائل المؤدیة الی زوال الحیوٰة الحقیقة الابدیة والآیة تحتملها فان قلوبهم کانت متالمة تحزنا علی ما فات عنهم من الریاسة وحسدا علی مایرون من ثبات امر الرسول واستعلاء شانه یوما فیوما فزاد الله عنهم ممازاد فی اعلاء امره واسادة ذکره و نفوسهم کانت ماؤفة بالکفر وسوء اعتقاد ومعاداة النبی صلی الله علیه وسلم ونحوها فزاد الله ذلك بالطبع او بازدیاد التکالیف وتکریر الوحی وتضاعیف النصر

وفی الرحمانی فی قلوبھم مرض ھو تفریطھم فی القوۃ الحلیۃ
وافراطھم فی الشھویۃ۔

فی الاحیاء اعلم ان جندی الغضب والشھوۃ قد ینقادان للقلب انقیادًا تامًا فیعینانہ علی طریقہ الذی یسلکہ وقد یستعصیان علیہ استعصاء بغی وتمرد حتی یھلکاہ ویستعبداہ و فیہ ھلاکہ وانقطاعہ عن سفرہ الذی بہ وصولہ الیٰ سعادۃ الابد و للقلب جند اٰخر وھو العلم والحکمۃ والتفکر وحقہ ان یستعین بھذا الجند فانہ حزب اللّٰہ تعالیٰ علی الجندین الاٰخرین فانھما قد یلحقان بحزب الشیطان فان من ترک الاستعانۃ وتسلط علی نفسہ جندی الغضب والشھوۃ ھلک ھلاکًا یقینًا وخسر خسرانًا مبینًا وذٰلک حال اکثر الخلق فان عقولھم صارت مسخرۃ لشھواتھم فی استنباط الحیل لقضاء الشھوۃ وکان ینبغی ان یکون الشھوۃ مسخرۃ لعقولھم۔

وفات:۔ آپ کا انتقال ۱۰۰۴ھ / ۱۵۹۵ء میں ہوا اور اپنے حجرۂ عبادت میں دفن ہوئے۔ آپ کا مزار برہان پور میں ہے۔

شیخ سراج محمد بنبانی

متوفی سنہ ۱۰۱۰ھ / سنہ ۱۶۰۱ء۔

شیخ سراج محمد حضرت غوث الاولیاء کے مرید تھے۔ غوث الاولیاء نے آپکو خرقۂ خلافت پہنایا۔ ظاہری و باطنی دونوں قسم کے علوم سے بہرہ یاب تھے۔

۹۸۲ھ میں احمد آباد سے خاندیس آکر زین آباد میں قیام اختیار فرمایا تقریبًا ۳۰ سال

تک درس وتدریس اور ارشاد وتلقین میں مشغول رہے۔

صاحب گلزار ابرار لکھتے ہیں کہ میں آپ کے مرض الموت میں عیادت کے لئے خدمت میں حاضر ہوا۔ اثنار گفتگو آپ نے دریافت فرمایا کہ! اللہ معبود کا تصور بہتر ہے یا اللہ موجود کا۔ میں نے کہا اللہ موجود کا تصور کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے معنی میں احاطہ اور شمول زیادہ ہے۔ اس جواب کو آپ نے پسند فرمایا۔

۱۰۱۱ھ / ۱۶۰۲ء میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف روانہ ہوئے۔ [۱]

شیخ برہان الدین

م سنہ ۹۸۵ھ / سنہ ۱۵۷۷ء

شیخ عالم صالح برہان الدین حنفی صوفی۔ مولد ومنشار احمد آباد فرقہ شطاریہ کے مشائخ میں سے تھے۔ احمد آباد میں وہاں کے اساتذہ سے پڑھا طریقت میں شیخ صدر الدین محمد بڑودی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سنہ ۹۸۲ھ میں اپنے شیخ کے ہمراہ گوالیار تشریف لے گئے اور انکی معیت میں منڈو (مالوہ) آئے۔ اس دوران میں شیخ محمد غوث گوالیاری کے صاحبزادے ضیاء اللہ وہاں تشریف لائے تو شیخ برھان الدین ان کے ہمرکاب ۹۸۵ھ / ۱۵۷۷ء میں اجمیر پہنچے اور وہیں رحلت فرمائی۔ نور اللہ مرقدہٗ [۲]

سید حسین بن سید محمد ترمذی

م سنہ ۹۹۲ھ - سنہ ۱۵۸۴ء

حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری رح کے چہیتے خدام میں سے تھے۔ اور آپ ہی سے خرقہ خلافت بھی پایا ہے۔ طریقت ومعرفت کے بلند وبالا مدارج کو چھو چکے تھے۔ اتنا زیادہ کہ اس عروج کے بعد نزول بھی مشکل سے ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ساتھی آپ کو مجذوب کہتے تھے۔

---

[۱] گلزار ابرار [۲] ایضاً ص ۳۴۲ نزھۃ الخواطر اردو ص ۱۰۲ ایضاً عربی ص ۱۰۲ ج ۵ ص ۵۵۔

شیخ غوث گوالیاری شیر شاہ سوری کے ہنگامہ کے درمیان جب گجرات تشریف لائے۔ اس وقت آپ بھی ساتھ تھے۔ پھر تادم واپسی گجرات ہی میں رہے۔ اور یہیں رحلت فرمائی۔ بلکہ غلطی سے کسی نے آپ کو قتل کر دیا۔ اس طرح شہادت پائی۔
سن شہادت ۹۹۲ھ/۱۵۸۴ء ہے۔ احمد آباد سے دس میل دور محمود آباد میں آسودۂ لحد ہوئے [۱]

شیخ ودود اللہ مالوی
م ۹۹۳ھ — ۱۵۸۵ء

شیخ ودود اللہ بن معروف صدیقی مالوی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضؓ کی اولاد میں سے تھے طریقت میں شیخ محمد غوث گوالیری کے مرید تھے۔ جن کی خدمت میں بارہ سال باریاب رہے۔ اُن کی تصنیف "الجواہر الخمسہ" اُن سے پڑھی اور جب شیخ ممدوح گجرات تشریف لے گئے تو آپ مالوہ کی بستی آشٹہ میں منتقل ہو گئے۔ ان دنوں یہ قریہ بھوپال میں شامل تھا۔ یہاں حضرت نے ۹۷۴ھ/۱۵۶۶ء تک قیام فرمایا۔ اور پھر برہان پور سے ملحقہ بستی جامود میں سکونت اختیار فرمائی اور وہیں ۹۹۳ھ/۱۵۸۵ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ [۲]

شیخ داؤد بن محمد منڈوی

شیخ داؤد بن محمد شطاری منڈوی۔ علم و طریقت کے مجمع البحرین تھے آپ نے شیخ محمود بن جلال سے استفادہ کیا اور تین سال آپکی صحبت میں رہے اور انکی وفات کے بعد طویل زمانہ تک مسند ارشاد کو زینت بخشی۔
پھر گوالیار تشریف لے گئے اور شیخ محمد غوث گوالیری کے صاحبزادوں شیخ عبداللہ اور شیخ ضیاء اللہ کے ساتھ کئی سال گذارے۔ پھر دہلی اور دوسرے

---

[۱] اکابرین گجرات۔ اذکار ابرار ص ۲۵۳ [۲] گلزار ابرار، نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۵۶۷ (۳۶۶) ۔

علاقوں کی طرف نکل گئے ۔ مگر ۱۰۱۹ھ میں پھر مندو واپس لوٹ آئے ۔ اور وہاں مقیم ہو گئے ۔ وہاں سے پھر آپ نے گوالیار کی طرف سفر فرمایا اور ایک سال تک مقیم رہے ۔ اور ۱۰۲۱ھ/۱۶۱۲ء میں واپس مندو تشریف لائے ۔ [1]

شیخ عزیز اللہ متوکل

(م ۹۱۲ھ/ ۱۵۰۶ء)

آپ شیخ علی متقی کے دادا پیر تھے یعنی شیخ باجن کے مرشد تھے نہایت فقیرانہ زندگی تھی ۔ توکل حد درجہ کا تھا ۔ سونے سے قبل گھر میں ضرورت سے زیادہ جو چیزیں بھی ہوتیں وہ سب تقسیم کر دیتے اہل دنیا کو منہ نہ لگاتے ۔

ایک مرتبہ کسی امیر نے آپ کے صاحبزادے کے واسطے سے شوقِ زیارت کا اظہار کیا ۔ صاحبزادے نے کہا کہ شوق سے لیکن فقراء کے ساتھ بلا کسی امتیاز کے بیٹھنا ہوگا ۔ چنانچہ بعد مغرب آپ کے دولتکدہ پر پہنچا دیکھا کہ گھر میں اندھیرا پڑا ہے ۔ یعنی چراغ جلانے کے لئے تیل تک نہ تھا ۔ امیر نے صاحبزادے سے کہا کہ میں تیل بھیجواتا ہوں جب ختم ہو جائے مطلع کر دیں اور بھیجدونگا ۔ دوسرے دن شیخ نے گھر میں خوب روشنی پائی ۔ سارا قصہ معلوم ہونے پر آپ بہت خفا ہوئے اس امیر کو پیغام پہونچا دیا کہ آئندہ تیل نہ بھیجیں اور جتنا تیل گھر میں موجود تھا وہ سب تقسیم کر دیا ۔

آپ کا قیام برہانپور میں تھا لیکن آپ کی اکثر اولاد نے احمدآباد کو وطن بنا لیا تھا وفات ۹۱۲ھ/۱۵۰۶ء میں ہوئی ۔ [2]

---

[1] گلزار ابرار ، نزھۃ الخواطر ۲۲۶ ج ۵ ۱۴۵ ۔ [2] اخبار الاخیار ۔

خاتمہ مرأت احمدی میں آپ کے متعلق لکھا ہے کہ :
مخدوم شیخ عزیز اللہ جو متوکل علی اللہ کے لقب سے مشہور تھے ۔ صاحب کشف وکرامات تھے آپ کے اکثر فرزند بھی علم ظاہر و باطن سے آراستہ تھے آپ کی قبر معدل پور میں ہے ۔ آپ کی وفات ۲۲ ر صفر کو ہوئی ۔ [1]

مُحدّث شیخ علی متقی صاحب کنز العمّال

(م ۹۷۵ھ ۔ ۱۵۶۷ء)

علی متقی بن حسام الدّین بن قاضی عبدالملک بن قاضی خان قریشی ۔ علی بن حسام الدین نام ۔ آبائی وطن جونپور تھا ۔ آپ کی پیدائش ۸۸۵ھ یا ۸۸۸ھ میں برہانپور میں ہوئی والد نے سات آٹھ سال کی عمر میں آپ کو شاہ باجن چشتی برہانپوری کے ہاتھ پر بیعت کرادیا چند دنوں کے بعد باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور کوئی سرپرست نہ ہونے کے سبب بچپن بلامربی کے گذرا ۔ جوانی کے قریب پہنچے تو کسی بادشاہ کی معیت میں شہر مندو (مانڈو ۔ مالوہ) آئے اور کچھ دنیا ہاتھ لگ گئی مگر اچانک ایک غیبی کشش سے ان کا دل دنیا سے سرد ہوگیا اس لئے دنیا کو لات مار کر شاہ باجن کے لڑکے اور جانشین شیخ عبدالحکیم کی صحبت اختیار کی اور ان کے ہاتھ سے مشائخ چشت کا خرقۂ خلافت آپ کو عطا ہوا چونکہ عزیمت وتقوی ان کے خمیر میں تھا اس لئے ملتان پہونچکر شیخ حسام الدین متقی کی خدمت میں ورع و تقوی کی منزلیں طے کیں ساتھ ہی دو سال میں تفسیر بیضاوی اور عین العلم کا مطالعہ بھی ان کی خدمت میں رہ کر کیا ۔ اس کے بعد حجاز پہونچے ۔ حجاز میں شیخ ابوالحسن بکری جو بالاجماع اپنے زمانہ کے اولیاء میں تھے کی خدمت اور شاگردی اختیار کی ۔ ان کے علاوہ دوسرے مشائخ سے بھی استفادہ کیا چنانچہ شیخ محمد بن محمد بن محمد سخاوی

---

[1] خاتمہ مرات احمدی صـ ۸۳ ۔

سے سلسلہ قادریہ کا خرقہ حاصل کیا۔ قطب زماں شیخ نورالدین ابوالحسن شاذلی سے سلسلہ شاذلیہ کا اور شیخ ابومدین مغربی سے سلسلہ مدنیہ کا خرقہ حاصل کیا۔ شیخ علی متقی نے مستقل طور پر مکہ مکرمہ میں اقامت اختیار کرلی اور بقول محدث دہلوی اپنے عبادت و مجاہدہ کے انوار سے عالم کو منور کیا اور آپ کے ظاہری و باطنی فیوض سے ساری دنیا مستفید ہوئی۔ طلبہ کی تعلیم، مریدوں کی تربیت اور تصنیف و تالیف کی ذریعے دین کی عظیم الشان خدمتیں انجام دیں۔ جن کی تعداد صاحب النور السافر نے تقریباً ایک سو بیان کی ہے۔

کنز العمّال

کنز العمال ان کا اتنا بڑا علمی کارنامہ ہے کہ ان کے استاذ شیخ ابوالحسن بکری فرمایا کرتے تھے کہ سیوطی کا احسان سارے عالم پر ہے۔ مگر سیوطی پر متقی کا احسان ہے کہ ان کی کتاب کو مرتب کرکے استفادہ آسان کردیا۔

آپ نے سیوطی کی جمع الجوامع کی احادیث کو حروف تہجی کے تحت جمع کرکے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام افعال واقوال کو مسائل فقہیہ کے طریقہ پر باب وار لکھا ہے۔ شیخ ابن حجر مکی بھی آپ کے استاذ تھے اور اپنے زمانہ میں مکہ مکرمہ کے سب سے بڑے عالم و فقیہہ تھے وہ باوجود استاذ ہونے کے شیخ علی متقی کی حدیث فہمی وجودت استنباط کے اس درجہ قائل تھے کہ کسی حدیث کی مراد سمجھنے میں ان کو دقت ہوتی تو آدمی بھیج کر علی متقی سے دریافت کراتے تھے کہ اس حدیث کو آپ نے کنز العمال کے کس باب میں رکھا ہے۔ پھر اس قرینہ سے حدیث کی مراد سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔

ابن حجر اور علی متقی

شیخ ابن حجر سے ابتداءً شیخ علی متقی نے پڑھا تھا۔ مگر بعد میں شیخ ابن حجر علی الاعلان اپنے کو ان کا حقیقی شاگرد کہتے تھے بلکہ آخر میں ان کے مرید ہو کر ان کے ہاتھ سے خرقہ خلافت بھی پہنا مکہ کے دوسرے علماء

کبار بھی حدیث دانی میں ان کی نکتہ رسی اور دقیقہ سنجی کے قائل تھے۔ مشائخ وقت ان کے کمال ولایت کے معترف تھے اور خواص وعوام تعظیم وتکریم سے انکا نام لیتے تھے۔

شیخ علی متقی گجرات میں

شیخ علی متقی کے تلمیذ رشید اور خلیفہ شیخ عبدالوہاب متقی کا بیان ہے کہ شیخ جب ملتان سے روانہ ہوکر گجرات پہنچے تو اس وقت گجرات میں سلطان بہادر شاہ گجراتی کی حکومت تھی۔ سلطان آپ کے اوصاف وکمالات سنکر خواہش مند ہوا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو آپ نے اس کو منظور نہیں فرمایا (شیخ رحمت اللہ سندھی اور قاضی عبداللہ سندھی کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ علی متقی کا یہ قیام گجرات احمدآباد میں رہا ہے)

آپ کا اس وقت یہ حال تھا کہ جدھر جاتے تھے لوگ پروانہ وار آپ پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ اور آپ حجرہ کا دروازہ بند کرکے یاد حق میں مشغول رہتے کسی کو آنے نہیں دیتے تھے۔ اتفاق سے اس وقت قاضی عبداللہ سندھی جو بڑے پرہیزگار اور نامور عالم تھے سندھ سے ہجرت کرکے مدینہ جارہے تھے راستہ میں کچھ دنوں کے لئے گجرات میں ٹھہر گئے تھے۔

قاضی صاحب شیخ علی متقی سے محبت وعقیدت کا نہایت قوی رابطہ رکھتے تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ سلطان بہادر کو حد سے زیادہ شوق ملاقات ہے اور اس کی طلب صادق ہے تو شیخ سے عرض کیا کہ سلطان کی درخواست کو منظور فرماکر ایکبار ملنے کی اجازت دیجائے آپ چاہیں تو اس سے بات بھی نہ کریں۔ ہم اس کو باتوں میں لگائے رہیں گے۔ آپ نے فرمایا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ نامشروع لباس پہنکر اور غیر شرعی وضع قطع میں آئے اور میں اس کو اس طرح دیکھکر خاموش رہوں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کروں۔

قاضی صاحب نے کہا کہ حضرت جو چاہیں کہہ سکتے ہیں۔ سلطان کو تو صرف اس کی تمنا ہے کہ ایک مرتبہ خدمت اقدس میں حاضری کا شرف اس کو حاصل ہوجائے۔ اس کے

بعد آپ راضی ہوئے اور سلطان بہادر آیا ۔ شیخ نے جو نصیحتیں مناسب سمجھیں کیں دوسرے دن سلطان نے اسّی ہزار روپیہ سے زائد نذرانہ بھجوایا ۔ شیخ نے وہ سب اٹھا کر قاضی عبداللہ کو دے دیا اور فرمایا کہ چونکہ اس رقم کے حصول کا واسطہ آپ بنے ہیں اس لئے اس کا تعلق آپ سے ہے ۔

دعوت وزیر پر شرائط شیخ عبدالوہاب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ملک کے ایک وزیر نے آپ کی دعوت کے لئے بڑا اصرار کیا اور کہا کہ بندہ کے گھر میں قدم رنجہ فرمائیں تاکہ برکت ہو ۔ فرمایا مجھے معذور تصور کریں ۔ میں یہیں سے دعا کرونگا خدا برکت دیگا مگر وہ نہیں مانا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا تین شرطوں کے ساتھ منظور ہے ۔ پہلی شرط یہ ہے کہ میری جہاں خواہش ہوگی وہاں بیٹھونگا یہ اصرار نہ ہو کہ صدر مقام پر تشریف رکھیئے ۔ دوسری یہ بات کہ مجھ کو جو اچھا لگے وہ کھاؤنگا یہ اصرار نہ ہو کہ یہ نہیں وہ کھائیے ۔ تیسری شرط یہ کہ جب ہمارا جی چاہے گا اُٹھ کر چلے آئیں گے ۔

دوسرے دن شیخ نے اپنے تھیلے میں جس کو وہ ہر وقت گلے میں لٹکائے رکھتے تھے روٹی کے کچھ ٹکڑے رکھے اور تن تنہا وزیر کے گھر روانہ ہو گئے ۔ وہاں پہنچکر دیکھا تو اس نے ایک شاہانہ مجلس سجائی تھی ۔ آپ اس مجلس میں دروازہ کے قریب بیٹھ گئے ۔ اس نے کہا یہاں تشریف رکھئے ۔ فرمایا یہ خلافِ شرط ہے ۔ وہ چپ ہو گیا پھر فرمایا کہ جلدی کرو وقت تنگ ہے ۔ اس نے جلدی دسترخوان پر انواع واقسام کے کھانے چنے ۔ آپ نے تھیلے سے روٹی نکالی اور اسی کو کھایا ۔ وہ بولا ذرا اس کھانے کو چکھ لیجئے ۔ فرمایا ہم نے تو پہلے ہی شرط کر لی ہے کہ جو مزاج میں آئے گا وہ کھائیں گے ۔ اس کے خلاف اصرار نہ ہو ۔ اس کے بعد اٹھے اور سلام کر کے روانہ ہو گئے ۔

ذوقِ علم شیخ عبدالوہاب متقی فرماتے ہیں کہ آپ کا اکثر وقت علم دین کی خدمت

اور اس کے نشر و اشاعت اور اھل علم کی امداد و اعانت میں صرف ہوتا ۔ آپ اپنے ہاتھ سے سیاہی تیار کرکے کتابیں نقل کرنے کے لئے طالب علموں کو دیا کرتے ۔ اور جو کم یاب و مفید کتابیں عرب میں دستیاب ہوتیں ان کی کئی نقلیں کرا کے لوگوں کو دیا کرتے اور دوسرے ملکوں میں جہاں وہ ناپید ہوتیں بھجوا یا کرتے ۔ کھانا برائے نام کھاتے، تھوڑا سا شوربا جس کی مقدار چند تولوں سے زیادہ نہیں ہوتی تھی ۔ اس کے چند چمچے آپ لیتے تھے اور باقی لوگوں کو تقسیم کر دیتے ۔

فاکھی فرماتے ہیں کہ آپ انتہائی کم مقدار نوش فرماتے تھے جتنے پر اکتفا ر انسانوں کیلئے مستبعد ہے اور اس پر انہوں نے ریاضتوں کے بعد قدرت پائی تھی اسی طرح بہت ہی کم گو اور قلیل المنام اور عزلۃ عن الانام کو ترجیح دینے والے تھے انہی اوصاف کی بنا پر سلطان سلیمان جیسے آپ کے ہاتھ دھلواتے اور سلطان الھند ملک محمود جیسے عظیم الشان بادشاہ آپ کے پیر دھوتے تھے ۔

ابتدا میں جب قوت تھی کتابت ذریعہ معاش تھا ۔ بعد میں بیواؤں سے قرض لے کر کام چلاتے ۔ اور جب کہیں سے فتوح حاصل ہوتی تو قرض ادا کر دیتے ۔

گجرات میں دوسری آمد

شیخ علی متقی سلطان محمود گجراتی صغیر کے عہد سلطنت میں دوبارہ مکہ سے گجرات تشریف لائے ۔ بادشاہ اکثر و بیشتر آپ کی مجلس میں حاضر ہوتا تھا مگر چونکہ نامشروع لباس اس کے جسم پر ہوتا تھا اس لئے آپ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتے تا آنکہ ایک دن وہ صلحاء کا لباس پہن کر آیا اس روز آپ نے شفقت کی نگاہ سے اس کو دیکھا اس نے موقع مناسب سمجھ کر درخواست کی کہ آج فقیر کے گھر پر تشریف لے چلیں ۔ آپ نے منظور فرما لیا ۔ سلطان محمود نے شیخ کے چوڈول کو خود کاندھا دیا اور گھر لایا ۔

بشارتِ نبوی

حضرمی نے النور السافر میں لکھا ہے کہ آپ کی اعلیٰ ترین منقبت

یہ ہے کہ آپ ۲۷ رمضان المبارک شب جمعہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت سے مشرف ہوئے آپ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ اس وقت سب سے افضل کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ہو۔ انہوں نے پوچھا پھر کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محمد بن طاہر صندمیں۔ اسی رات آپ کے شاگرد و مرید شیخ عبدالوہاب متقی نے اسی طرح کا خواب دیکھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اس وقت سب سے افضل کون ہے۔؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے شیخ (شیخ علی متقی) پھر محمد بن طاہر۔ صبح شیخ عبدالوہاب اپنے مرشد شیخ علی متقی کی خدمت میں خواب بیان کرنے کے لئے حاضر ہوئے تو شیخ نے پہلے ہی فرمادیا کہ میں نے بھی تمہاری طرح خواب دیکھا ہے۔ [1]

اسی طرح حضرت شیخ علی متقی کے ایک مکی شاگرد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی تو عرض کیا یارسول اللہ مجھے کسی کام کا حکم فرمائیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تابع الشیخ علی متقی فما فعل افعل، شیخ علی متقی کا اتباع کرو وہ جس کام کا حکم دیں وہ کرو۔

علی متقیؒ علمائے کبار کی نظر میں

شیخ علی متقی کے اجمالی حالات میں ان کے شاگرد رشید شیخ عبدالوہاب متقی نے ایک رسالہ "اتحاف التقی فی فضل الشیخ علی متقی" کے نام سے لکھا ہے۔ نیز علامہ عبدالقادر بن احمد فاکھی نے بھی ایک رسالہ بنام "القول النقی فی مناقب المتقی" لکھا ہے۔

فاکہی لکھتے ہیں کہ ہمارے شیخ علی متقی سے جو بھی ملا ہے مثلاً شیخ ابوالحسن بکری

---

[1] النور السافر۔

شیخ وجیہہ الدین عمودی، امام الحرمین ابن حجر مکی، فقیہ مصر شیخ شمس الدین رملی، شیخ شمس الدین بکری۔ ہر ایک نے آپ کی بے حد تعریف کی ہے۔ [۱]

علامہ شعرانی شیخ علی متقی کی خانقاہ میں

شیخ عبدالوہاب شعرانی جب ۹۴۷ھ میں حج کے لئے گئے ہیں تو انہوں نے شیخ علی متقی کی ملاقات کا شرف حاصل کیا اور طبقات شعرانی میں ان کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

وہ زاہد و متقی عالم تھے۔ فاقوں کی وجہ سے جسم اس قدر نحیف و کمزور ہو گیا تھا کہ چند اوقیہ گوشت بھی جسم پر موجود نہ تھا۔ اکثر خاموش اور گوشہ نشین رہتے۔ صرف نماز جمعہ کے لئے حرم میں حاضر ہوتے اور ایک طرف نماز پڑھ کے جلدی سے لوٹ جاتے۔

میں ان کے یہاں گیا تو فقراء صادقین اور درویشوں کی ایک جماعت کو پایا جن میں سے بعض متوجہ الی اللہ تھے بعض ذکر میں مصروف تھے بعض تلاوت قرآن میں مشغول تھے بعض مراقبہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور بعض علم کے مطالعہ میں لگے ہوئے تھے مکہ مکرمہ میں ان سے زیادہ حیرت انگیز شخصیت میں نے نہیں پائی شیخ متقی نے مجھے چاندی کے سکے مرحمت فرمائے۔ ان سکوں کی برکت سے خدا نے مصارف حج میں بڑی کشائش اور برکات سے نوازا۔ حتیٰ کہ میں نے مکہ مکرمہ میں اتنا زیادہ مال خرچ کیا جس کا مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا۔ [۲]

اور اپنے دست مبارک کا تحریر فرمودہ مصحف مجھے دکھایا جس کی ایک سطر میں ایک ہی ورق میں پاؤ پارہ لکھا ہوا تھا۔

---

[۱] النور السافر۔ [۲] الطبقات الکبریٰ للشعرانی ج ۲ ص ۱۶۷۔

محدث عبدالحق دہلوی کی استدعا

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد میں آپ کے خلیفہ شیخ عبدالوہاب متقی کے ہاں قیام پذیر تھا۔ ایک دن میں آپ کے مزار پُر انوار کی زیارت کو گیا اور عرض کیا کہ حضور میں آپ کے خلیفہ کے پاس رہ رہا ہوں آپ انہیں توجہ دلائیں کہ وہ میرے احوال و افکار پر زیادہ نظر رکھیں رات خواب میں دیکھا کہ حنفی مصلیٰ کے ساتھ شیخ ایک تخت پر جلوہ افروز ہیں اور میں مؤدب سامنے کھڑا ہوں اور وہی بات دہرائی جو مزار پر عرض کی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ انشاء اللہ آپ کا مطلب پورا ہوگا۔ آپ مطمئن رہیں۔

تحمل مزاجی

شیخ علی متقی کے گھر پر ایک ملازم کمال نامی تھا جو بڑا بد اخلاق اور بے ڈھنگا تھا۔ وہ ہمیشہ بکواس کیا کرتا اس کے باوجود آپ اس کو عزیز رکھتے اور اس کی بد اخلاقی کو برداشت کرتے ایک دن وہ آپ کے لئے شوربا پکا کر لایا اس میں بہت زیادہ نمک تھا۔ آپ نے حسب معمول وہ شوربا چکھا اور یہ کہنے کے بجائے کہ تم نے اتنا نمک کیوں ڈال دیا صرف اتنا کہا بابا کمال ادھر آؤ اور پھر اس کو اپنے پاس بٹھا کر شوربے کا ایک چمچہ بھر کر دیا اور فرمایا یہ دیکھو کیسا پکا ہے۔ کمال نے وہ شوربا چکھ کر منہ بناتے ہوئے سخت لہجہ میں کہا ہاں کچھ نمکین ہو گیا ہے لیکن بڑے مزے کا ہے اس میں کوئی خرابی نہیں۔ آپ کھائیے جس پر آپ نے فرمایا بہت خوب پھر آپ نے پانی منگوا کر اس میں ڈالا اور وہی تھوڑا سا نوش فرمایا۔

کثرتِ عبادت

شیخ علی متقی کے شاگردِ خاص اور خلیفہ شیخ عبدالوہاب متقی آپ کے کمالات و آثار کی سب سے بڑی نشانی ہیں مشائخ کے نزدیک شیخ عبدالوہاب متفقہ طور پر یمن سے شام تک کے علاقہ کے زبردست ولی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ پیر و مرشد کے بڑھاپے کے زمانہ میں اس فقیر نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ آپ

اس ضعیفی میں کتنے نفل پڑھتے ہیں ؟ آپ نے فرمایا جوانی میں تو بہت زیادہ نفل پڑھا کرتا تھا اب دن کے وقت ذکر خفی وشغل الہٰی کے ساتھ تصنیف کتب میں مشغول رہتا ہوں اور رات کو جبکہ بڑھاپے کیوجہ سے زیادتی پیشاب کی شکایت ہوگئی ہے دس بارہ مرتبہ پیشاب کرنے اٹھتا ہوں اور ہر مرتبہ وضو کرکے حسب توفیق دو دو چار چار نفل ادا کرتا ہوں۔

شیخ علیؒ کی کرامت

شیخ عبدالوہاب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جبکہ پیر ومرشد مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر تھے دو باپ بیٹے مغرب سے مکہ مکرمہ آئے جو نہایت درجہ کے عبادت گذار تھے۔ بیٹا دس پندرہ دن کے بعد اور باپ پانچ دن کے بعد کھانا کھایا کرتے تھے۔ پیر ومرشد ان دونوں کی تعریف سنکر ان سے ملنے کے لئے تیار ہوئے لیکن کمزوری کیوجہ سے پیدل نہ چل سکتے تھے چنانچہ آپ کے فرمانے پر ایک تندرست اور قوی آدمی آپ کو اپنے کندھوں پر سوار کرکے ان دونوں مغربی اشخاص کے پاس لے گیا۔ خادم بھی ساتھ تھا اور کتاب "حکم کبیر" بھی ساتھ لے لی۔ جب ان دونوں کو معلوم ہوا کہ شہر کے مشہور اور معزز آدمی ملاقات کرنے آرہے ہیں جن کی وجہ سے ہماری شہرت ہو جائے گی اور ہماری عبادت میں خلل پیدا ہوگا تو ان دونوں نے ہماری آمد پر بے التفاتی کا سلوک کیا چنانچہ پیر ومرشد نے مجھ خادم سے کہا دیکھو یہ کتنی بے رخی سے پیش آرہے ہیں اور اپنے سر کا بوجھ سمجھ کر ہم کو اپنے پاس سے نکالنا چاہتے ہیں اس کے باوجود بھی پیر ومرشد نے ان دونوں بزرگوں کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا۔ ہم نے مشائخ کے چند اقوال جمع کئے ہیں وہ سنئے اور میں نے وہ اقوال سنانے شروع کئے کہ اچانک ان دونوں مغربی باپ بیٹے میں گرمی کے آثار پیدا ہوئے اور ان پر ذوق و وجد کی حالت طاری ہوگئی۔ اس کے بعد ہمیشہ کے لئے یہ دونوں شیخ کی خدمت میں رہ پڑے۔

شیخ عبدالوہاب کہتے ہیں کہ پیر ومرشد ارشاد فرماتے تھے کہ حلال مال کبھی برباد نہیں ہوتا اور اگر گم ہو جائے تو پھر مل جاتا ہے۔ اپنا ایک واقعہ مثال کے طور پر ذکر

کرتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ سمندر میں کشتی پر سوار تھے کہ اچانک ایک سخت طوفان آیا جس کی وجہ سے ہماری کشتی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہم میں سے کئی لوگ ایک ایک تختہ کے سہارے ساحل پر پہنچے۔ ہمارے ساتھ جو کتابیں تھیں بالکل بھیگ گئی اور چونکہ ہم پیدل سفر کرنے والے تھے اس لئے ہم نے ان کتابوں کو وہیں سرزمین عرب میں دفن کرکے ان پر ایک علامت رکھدی اور ہم لوگ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ہمیں سخت پیاس لگی جیسا کہ مشہور ہے کہ سرزمین عرب میں پانی کا قحط ہے اب وہ منظر ہمارے سامنے آگیا۔ ساتھیوں نے کہا اب دعا کا وقت ہے میں نے کہا میں دعا کرتا ہوں آپ لوگ آمین کہیں چنانچہ دعا کی برکت سے اتنی بارش ہوئی کہ ہم لوگ خوب سیراب ہوئے اور اپنے اپنے مشکیزے بھر لئے چند دنوں کے بعد مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور عمرہ ادا کیا۔ اسی اثنا میں چند دیہاتی عربوں نے ہمارے پاس آکر کہا ہمارے پاس چند کتابیں ہیں اگر آپ چاہیں تو مول لے سکتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے دیکھا وہ ہماری ہی کتابیں تھیں جو ہم دفن کرکے آئے تھے۔ غرضکہ ہم نے منہ مانگے دام دیکر وہ کتابیں خرید لیں بھیگ کر سوکھنے کیوجہ سے ان کتابوں کے اوراق باہم چپک گئے تھے۔ ہم نے ان کو پھر بھگو کر ایک ایک ورق اس طرح الگ کیا کہ ان میں کا کوئی حرف تک ضائع نہیں ہوا اور پھر وہ سب قابل استفادہ ہو گئیں۔

شیخ حاجی نظر بدخشانی جو اپنے زمانے کے کامل بزرگوں میں تھے جنہوں نے ماوراءالنہر شام اور مصر کے علماء سے تحصیل علوم کے بعد وہاں کے مشائخ سے ریاضات و مجاہدہ کی تلقین حاصل کی تھی اور مکہ مکرمہ میں بڑے بڑے کام کرنے کے بعد ایک بڑی شخصیت کے مالک تھے۔ اہل اللہ میں سے تھے۔ شیخ عبدالوہاب فرماتے ہیں موصوف بھی میرے پیر مرشد شیخ علی متقی کی محبت میں غرق تھے۔ اکثر و بیشتر آپ کے پاس خاص طور سے آیا کرتے تھے۔

وسوسہ کا علاج کہتے ہیں کہ سلطان محمود گجراتی کو پانی کے سلسلہ میں بہت وسوسہ آتا تھا اور کسی طرح بھی یہ کیفیت اس کے دل سے نہ نکلتی تھی۔ چنانچہ حضرت شیخ متقی نے ایک طشت منگواکر اس میں تین مرتبہ اپنی ٹوپی دھوئی اور ہر دفعہ پانی پھینک دیا چوتھی مرتبہ اس طشت میں پانی بھر کر فرمایا کہ بابا محمود! یہ پانی بلحاظ شریعت اسلامی بالکل پاک وصاف ہے اس میں کسی قسم کا شک وشبہ کرنا وسوسہ ہے اور وسوسہ شیطانی کام ہے اب یہ پانی پی لو اور کوئی وسوسہ دل میں نہ لاؤ۔

چنانچہ شیخ کے حکم پر سلطان محمود گجراتی نے وہ پانی پی لیا جس کے پیتے ہی سلطان کے دل سے وسوسہ اور شک بالکل دور ہوگیا اور پھر یہ مرض کبھی عود نہ کرسکا۔ شیخ عبدالوہاب نے اپنی کتاب "اتحاف النقی" میں لکھا ہے کہ پیرومرشد شیخ علی کے انتقال سے پہلے یعنی ۹۷۴ھ میں مکہ مکرمہ میں آپ کے انتقال کی خبر پھیلی تو مکہ مکرمہ کے تمام بڑے بڑے عالم وفاضل اور شیوخ جوق در جوق آپ کے دولتکدہ پر آئے۔

لیکن یہاں آکر دیکھا کہ آپ بڑے خوش وخرم اور تندرست ہیں بڑے حیران ہوئے شیخ نے تبسم فرماتے ہوئے سب کو تکرار توبہ کا حکم فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے جیسے ایک شخص پر موت طاری ہوئی اور بعدالموت کے حالات دیکھ کر اس نے دربار الٰہی میں عرض کیا کہ مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دیجئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دنیا میں لوٹا دیا اب امید ہے کہ وہ کبھی موت کے خوف سے غافل نہیں رہے گا۔

شدائد سکرات حضرت شیخ مرض موت میں ارشاد فرماتے تھے کہ میں قطب ہوں اور سکرات موت کی شدتیں مقام قطبیت کے لئے ضروری ہیں اور یہ رفع درجات کا ایک ذریعہ ہے۔ تم مجھ پر سکرات کے شدائد دیکھکر اپنے اعتقاد میں کمی نہ کرنا۔ اس کے بعد اس فقیر (عبدالوہاب) سے فرمایا کہ میرے دفن کے

بعد میری روح ایک مقام پر پہونچ جائے گی ۔ اور میری صورت مفقود ہو جائے گی ۔ لیکن مایوس نہ ہونا اور میری صورت کا تصور پیش نظر رکھنا اور میری قبر کے پاس دعا و ذکر اور تلاوت قرآن کریم جاری رکھنا تاکہ ایک خاص نسبت وہاں سے حاصل کرسکو ۔ اس کے بعد تم جہاں جی چاہے چلے جانا اور خوش و خرم رہنا ۔

جنات کی آمد و رفت

شیخ کی وفات سے دو ماہ قبل جنات کے دو گروہ آپ کے پاس آمد و رفت کرنے لگے ایک گروہ بطریق اعتقاد و محبت ۔ ارادت و الفت آپ کی خدمت میں حاضری دیتا ۔ دوسرا گروہ اُن جناتوں کا تھا جو آپ سے بغض و عداوت رکھتا تھا، یہ لوگ کبھی عیسائیوں ، فاسقوں اور بدکار لوگوں کی صورتوں میں آتے اور گفتگو نہیں کرتے تھے ۔ پیرومرشد ان کے نام خط لکھ کر ان کو دیدیا کرتے تھے ۔ ان خطوط میں سے دو خط اس فقیر (عبدالوہاب) کے پاس موجود ہیں ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا خط

حمد و ثنا کے بعد منجانب کمترین خلق خدا علی بن حسام الدین متقی بنام بزرگ جن سلامتی ہو اُس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی ۔ تم عرصہ سے ہمارے پاس آرہے ہو ۔ لیکن کچھ گفتگو نہیں کرتے تاکہ معلوم ہو جائے کہ تمہارا مقصد کیا ہے ۔ میرے ساتھیوں میں سے ایک شخص عبدالوہاب ہے ۔ اگر چاہو تو اس کے پاس جاکر اپنا مطلب بیان کرو تاکہ ہم تمہاری امداد کرسکیں ۔ اے اللہ ہم پر حق واضح کر اور حق کی پیروی کی قوت دے اور باطل کو باطل کی صورت میں دکھا اور اس سے محفوظ رہنے کی قوت عطا فرما ۔ یہ خط تمہاری جماعت کے اراکین کے نام ہے ۔

دوسرا خط

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے انسانوں اور جنات کو صرف اپنی عبادت یعنی اپنے عرفان کے لئے پیدا کیا ۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحمتیں نازل کرے ۔ اس بات کو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے عرفان کیلئے

پیدا فرمایا ہے۔ اور تمام علماء وعقلاء اور عارفوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معرفت الٰہی صرف علم وعقل اور حکمت کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے۔ جو کوئی خدا تعالیٰ کے بندوں سے سلسلہ گفتگو بند کر لیتا ہے یا عقل کے ذریعہ نیکی وبدی، شرارت ونفع کا علم نہیں رکھتا تو اس کو اللہ کے عرفان کی دولت نہیں ملتی اس لئے لوگوں سے میل جول میں اپنی گفتگو کے ذریعہ بھی اللہ کی معرفت کا طریقہ حاصل کرو اور ہادی ورہنما شخصیتوں کی فہرست میں اپنے نام درج کراؤ۔ مجھ پر اللہ کا جو حق تھا وہ میں نے تم تک پہنچا دیا اور میں اپنے فریضہ سے سبکدوش ہوگیا۔ میری اس نصیحت پر جس کا جی چاہے عمل کرے۔

قبل از وفات

شیخ عبدالوہاب فرماتے ہیں کہ شیخ علی پر وفات سے پہلے ایک جذبہ طاری ہوگیا تھا ان کے تمام حرکات وسکنات میں انقلاب رونما تھا۔ انہوں نے اپنی وفات سے تقریباً تین چار ماہ قبل ایک رات مجھ فقیر سے فرمایا کہ فلانے شاعر کا شعر پڑھو میں نے اپنی فراست کے ذریعہ یہ شعر پڑھا۔ ؎

ہرگز نیاید در نظر نقشے زرویت خوبتر شمسے ندانم یا قمر حورے ندانم یا پری

یہ شعر سنتے ہی ان کی کچھ عجیب حالت ہوگئی اور بآواز بلند فرمایا پڑھے جاؤ۔ چنانچہ خادم نے یہ شعر کئی مرتبہ دھرایا اس اثناء میں انہوں نے بہت سی محبت آمیز باتیں کیں اور شور انگیز نعرے لگاتے رہے۔ اسی حالت میں ان کا ملازم آیا اور کہا کھانا حاضر ہے آپ کا دستور تھا کہ آپ کھانے کو اتنا باریک پسواتے کہ اس کے سب ذرّے ایک ذات ہو جاتے اور یہ پہچاننا مشکل ہو جاتا کہ اس غذا میں کون کونسی چیزیں موجود ہیں۔ چنانچہ آپ نے ملازم سے کہا اس کو پیس کر اتنا باریک کر دو کہ اس کی تمام چیزیں ایک ذات ہو جائیں اور اس میں دوئی نہ رہے۔

غرضیکہ آپ پر ساری رات عجیب حالت طاری تھی۔ ہم بھی آپ کے ساتھ ساری

رات جاگتے رہے اور آپ رات بھر محبت آمیز و عشق انگیز کلمات فرماتے رہے۔

ذکر بالجہر شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ مجھ فقیر سے شیخ عبدالوہاب کہتے تھے کہ اسی زمانہ قبل از وفات میں پیر و مرشد شیخ علی ذکر جہر کثرت سے کرتے تھے۔ اور شیخ کی حالت جسمانی یہ تھی کہ نشست و برخاست کی سکت نہ تھی۔ ذکر کے وقت حضرت شیخ کی حالت یہ ہوتی کہ گویا کسی چیز کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ کبھی اس کو بھگاتے بھی تھے۔ اسی حالت میں فرمایا کہ معلیٰ میں قبر بنوا لینا چاہیئے تاکہ رخصت ہونے سے پہلے منزل مقرر ہو جائے۔ اس کے بعد فرمایا بس اللہ ہی جانتا ہے کہ کب تک زندہ رہیں گے۔ نیز شیخ ان دنوں مقام قطبیت کے خاص لباس سے آراستہ تھے وفات سے قبل حضرت شیخ نے فرمایا تھا کہ جب تک میری انگشت شہادت متحرک رہے اس وقت تک یقین رکھنا کہ میں زندہ ہوں اور جس وقت میری انگشت شہادت حرکت نہ کرے تو سمجھ لینا کہ میری موت واقع ہو چکی ہے۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ آپ کے انتقال کے بعد جبکہ آپ کے جسم میں کسی قسم کی گرمی تک باقی نہ رہی تھی آپ کی انگشت شہادت برابر حرکت کر رہی تھی۔ اور آپ کا وصال اس طرح ہوا کہ آپ کا سر مبارک مجھ فقیر (عبدالوہاب) کے زانو پر تھا اور آپ کے لبوں پر ذکر الٰہی جاری تھا۔

تصانیف شیخ علی متقی نے تصنیفات کے میدان میں بھی زبردست کام کیا ہے۔ سو سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ آپ کا طبعی لگاؤ علم حدیث اور تصوف سے تھا۔ چند ایک کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

تفسیر:۔ شئون المنزلات۔ دہلی، ۵۲۔ انڈیا آفس، ۱۱۵۲۔ [1]

حدیث:۔ (۱) منہج العمال۔ بانکی پور، ۲۲۵م۔ عاطف، ۲۲۶۔ عاشر، ۲۷۰۔

---

[1] عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۶۳۔

ولی الدین، ۸۵۶۔ نور عثمانی ۱۲۷۵۔ علی گڑھ، ۱۰۲۔ آصفیہ ۱، ۶۷۸۔

(۲) کنز العمال، مخطوطات، بانکی، ۲۲۷، ۴۔ نور عثمانی، ۱۲۰۳۔ ۱۱۹۹۔ آصفیہ ۱، ۶۶۰۔ (۱ اجزاء)

(۳) الاکمال المنہج العمال۔ کوپریلی، ۲۹۴۔ نور عثمانی، ۶۷۴، ۴۔ ولار زادہ، ۴۱، ۳، ایام صوفیہ، ۴۵۸۔

(۴) منتخب کنز العمال، مطبوعہ قاہرہ، برحاشیہ مسند امام حنبل۔ مخطوطات، بانکی پور ۴۲۸۔ نور عثمانی، ۱۲۷۲۔

(۵) الفصول شرح جامع الاصول۔ بانکی پور، ۲۲۵۔

(۶) شمائل النبوی۔ پشاور، ۴۳۹۔ علی گڑھ، ۹۹۔

(۷) البرہان فی علامات مہدی آخر الزمان۔ دہلی، ۱۲۱۔ لوتھ، ۲: ۱۰۳۱۔ برلن ۲۷۲۶/۳۰۔ البحر، ۸۵۷۔ آصفیہ، ۳: ۲۶۰۔ ۴: ۲۳۸۔

بعض کتب میں اس کا نام تلخیص البیان فی علامات مہدی آخر الزماں بھی لکھا گیا ہے۔

تصوف اور اخلاقیات:۔

(۱) العنوان فی سلوک النسوان۔ قاہرہ، ۲/۹۶۔

(۲) البرہان الجلی فی معرفۃ الولی۔ برلن، ۳۳۶۸۔

(۳) المواہب العلیہ فی الجمع بین الحکم القرآنیۃ والحدیثۃ۔ اسد آباد، ۱۷۶۹۔ قاہرہ، ۸/۷/۳۴۷۔

(۴) جوامع الکلم فی المواعظ والحکم۔ پیرس، ۱۳۵۲۔ برلن، ۳۰۸۷۔ بوتھ، ۶۔ ۷۶۵۔ قاہرہ، ۷/۳۴۸۔ بنگال ای ۳۴۔ رام پور، ۳۳۴۔ بانکی پور ۹۲۶/۱۲۔ علی گڑھ۔ ص ۱۱۵۔

اس کتاب کے مصنف علی متقی برہانپوری ہیں
مصنف کا بیان ہے کہ اس کتاب میں تین ہزار کے قریب نصائح جمع کئے گئے ہیں جن میں پانچ سو ایسے اقتباسات ہیں جو قرآن پاک سے لئے گئے ہیں۔ پانچ سو تضمینات ہیں جو احادیث سے ماخوذ ہیں۔ اور ان کے اختصار کے پیش نظر ان کے ساتھ بطور تمہید ہم معنی تشریحی فقرے بھی لکھے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ تین سو اقوال ابو عطاء اسکندری کے (۷۰۹ھ/۱۳۳۹ء) اور ایک سو اقوال ان کے شاگرد کے ہیں اور باقی ماندہ حصہ متقدمین کے اقوال پر مشتمل ہے۔
یہ تمام مواد مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق کوئی اسی ابواب کے تحت حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے۔ مثلاً باب فی الایمان اور باب فی الاحسان وغیرہ وغیرہ نوعیت کے اعتبار سے یہ کتاب صرف ان لوگوں کے لئے دلچسپی رکھتی ہے جو حافظ، مفسر یا محدث ہیں اور تصوف سے بھی شغف رکھتے ہیں۔[1]

مزید کتب درج ذیل ہیں۔ ۱۔ رسالہ تبیین الطریق۔ ۲۔ حکم کبیر۔ ۳۔ زاد الطالبین، ۴۔ اسرار العارفین، ۵۔ نعم المعیار والمقیاس لمعرفۃ مراتب الناس۔ ۶۔ فتح الجواد، ۷۔ نظم الدرر۔
صاحب کواکب السیارہ فرماتے ہیں کہ

تلخیص البیان فی علامات مہدی آخر الزمان:۔ اس مجموعہ کے مرتب علی متقی ہیں جنکا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے۔ یہ کتاب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ ان احادیث کا مجموعہ ہے جو مہدیِ منتظر کے بارے میں ہیں۔ یہ کتاب سید محمد جونپوری (متوفی ۹۱۰ھ۔ ۱۵۰۴ء) کے معتقدین کی ہدایت کے خیال سے لکھی گئی تھی کیونکہ محمد جونپوری نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ یہ کوئی تصنیف نہیں ہے۔ اور مرتب نے یہ بیان کیا ہے کہ سیوطی رح کی عرف الوردی،

[1] عربی ادبیات ص ۳۲۱

باقاعدہ مرتب اور ابواب میں تقسیم نہیں کی گئی تھی۔ اس لئے انہوں نے اس کو دوبارہ مرتب کیا ہے اور اس میں نئی چیزیں بھی شامل کردی ہیں جو دوسری کتابوں سے جمع کی گئی ہیں۔ یہ کتاب ایک مقدمہ اور تیرہ ابواب پر مشتمل ہے مقدمہ میں مرتب نے یہ بالکل واضح کردیا ہے کہ سید محمد جونپوری مہدی نہیں تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علی متقی، سید محمد جونپوری کو ولی تو مانتے تھے مگر ساتھ ہی انہوں نے یہ خیال بھی ظاہر کردیا ہے کہ بعض اوقات ولی بھی فاش غلطی کر جاتے ہیں اور صرف انبیاء خطا سے مبرا ہوتے ہیں۔ اس مجموعہ میں احادیث مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت مرتب کی گئی ہیں۔

۱۔ مہدی کی کرامات۔
۲۔ ان کا سلسلۂ نسب۔
۳۔ ان کا حلیہ۔
۴۔ ظہور مہدی سے قبل کے حالات۔
۵۔ علامات۔
۶۔ مہدی کی بیعت کس طرح کی جائے۔
۷۔ مہدی کے مددگار۔
۸۔ ان کی فتوحات۔
۹۔ حضرت عیسیٰ سے مہدی کی ملاقات
۱۰۔ مہدی کے قیام کی مدت
۱۱۔ ان کی وفات۔
۱۲۔ مہدویت کا دعویٰ کرنے والوں کا تذکرہ۔
۱۳۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے علماء کا فتویٰ۔

شیخ علی متقی کی کئی تصانیف ہیں جنمیں سے ابن الاثیر کی النہایہ کا اختصار بھی ہے۔ انہوں نے (یعنی صاحب الکواکب السیارہ نے) مکہ مکرمہ میں آپ کی قیام گاہ کے محل وقوع کی بھی نشان دہی کی ہے .... کہ سلطان مکہ شریف برکات کے گھر کے قریب ایک حوش[۲] میں آپ کا قیام تھا۔ جس میں آپ کے تمام خدام کے لئے الگ الگ حجرے بنوائے ہوئے تھے۔ جن میں وہ عبادات میں مصروف رہتے اور حرم میں نماز کے لئے آنے کی شیخ کی طرف سے ان کو اجازت تھی مگر شیخ کی اجازت کے بغیر کسی سے اختلاط کی انہیں اجازت نہ تھی۔ انہوں نے شیخ عبدالوہاب شعرانی سے نقل کیا ہے کہ جب وہ دوسری مرتبہ ۹۵۲ھ میں حج کیلئے حاضر ہوئے تو شیخ علی متقی ہندوستان جا چکے تھے۔[۱]

شیخ علی متقی نے معاصرین کی بے اعتدالیوں پر بھی بڑی توجہ فرمائی۔ شیخ غوث گوالیاری کے رسالہ معراجیہ کی مخالفت کے علاوہ آپ نے مہدی جونپوری کے خیالات کی بڑی مخالفت کی اور نہ صرف اس مقصد کے لئے حکام وقت کی اعانت حاصل کی بلکہ مہدویت کی تردید میں دو مبسوط رسائل لکھے اور ظہور مہدی کے تفصیلات اور علمائے مکہ کے فتاوی درج کرکے مہدی جونپوری کے دعاوی کی تردید کی۔ یہ آپ کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ گجرات میں جو مہدویت کا مرکز بن گیا تھا یہ تحریک بالآخر دم توڑ گئی۔

مہدوی تحریک

مہدوی تحریک کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ ۱۴۹۵ء میں محمد جونپوری نے مکہ مکرمہ میں مہدویت کا اعلان کیا۔ سید محمد جونپوری بڑی خوبیوں کے مالک تھے اسی لئے معاصرین نے ان کو اسد العلماء

---

[۱] الکواکب السیارۃ ص ۲۲۲ [۲] گھر کا اندرونی کھلا صحن۔

کا خطاب دیا تھا ۔

جب انہوں نے مہدویت کا اعلان کیا اس وقت انکی عمر تقریباً ۵۲ سال تھی ۔ مکہ مکرمہ سے وہ گجرات کی طرف متوجہ ہوئے اور احمد آباد میں اپنی تحریک کا مرکز قائم کیا وہاں علماء نے شدید مخالفت کی لیکن جتنی وہ مخالفت کرتے اتنی ہی ان کی تحریک ترقی کرتی تھی ۔ شیخ علائی اور شیخ عبداللہ نیازی نے تحریک کی نشر و اشاعت میں بہت کام کیا ۔ سید محمد جونپوری کی مہدوی تحریک دراصل احیاء سنت اور اماتت بدعت کے لئے وجود میں آئی تھی ۔ لیکن یہ اپنے اصلی رنگ میں زیادہ عرصہ تک نہ رہ سکی ۔ مہدویت کا تصور اسلام کے ایک بنیادی اصول یعنی ختم نبوت سے متصادم ہوگیا ۔ علمائے اسلام نے اور خاص طور سے شیخ علی متقی نے اس کی زبردست مخالفت کی ۔ زیادہ تفصیل شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حالات میں دیکھ لیجائے ۔

طریقت کے چند اصول

بہرحال شیخ علی متقی نے بڑی خدمات انجام دی ہیں ۔ ممالک مغربیہ کے مشہور شیخ احمد بر زرق کی کتاب اصول طریقت کی شیخ علی نے تشریح کی ہے ۔ چنانچہ اسمیں شیخ علی لکھتے ہیں کہ ہمارے اصول طریقت پانچ ہیں ۔ پوشیدہ و اعلانیہ اللہ کا خوف و تقوی ۔ تمام اقوال و افعال میں سنت نبوی کی پیروی ۔ ذلت و عزت دونوں حالتوں میں مخلوق خدا سے علیحدہ رہنا ۔ کثرت و قلت اور افلاس و دولت مندی کے زمانے میں رضا برضاء الٰہی رہنا ۔ اعلانیہ اور خفیہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کئے رہنا ۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ رجوع الی اللہ و استقامت کی بدولت تقویٰ حاصل ہوتا ہے ۔ اس شخص کو ساتھی بنانا جو احکام الٰہی پر خود گامزن ہو اور دوسروں کو بھی آگاہ کرتا ہو ۔

شیخ کے لئے ضرورتا ہے کہ اپنے مرید میں پانچ چیزیں پیدا کرے ۔ علم صحیح، ذوق صریح، بلند ہمتی ۔ ہر حالت میں خوش رہنا اور بصیرت نافذہ ۔

مرید کو اپنے بھائیوں اور اپنے شیخ کے ساتھ ۔ حسب ذیل پانچ امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے تعمیل احکام بموجب اسلام، ممنوعات اسلامیہ سے پرہیز کرنا، حاضر اور غائب کی عزت کرنا، ادائیگی حقوق کی فکر کرنا اور ہر معاملہ میں نصیحت پر عمل کرنا۔

شیخ علی اور صحبت شیوخ

شیخ علی متقی نے اپنے انتقال کے دن اپنے ابتدائی حالات اپنے ایک خط میں تحریر کئے تھے جو یہ ہیں ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد والہ واصحابہ اجمعین ۔ بعد حمد وصلوٰۃ کے یہ فقیر خدا علی بن حسام الدین عرف متقی اس دن جبکہ دنیا سے رخصت ہو کر آخرت کی طرف جا رہا ہے ۔ عرض گذار ہے کہ میرے والد بزرگوار نے مجھے بچپن میں شیخ باجن کا مرید بنایا ۔

شیخ باجن قوالیاں سنتے اور وجد وحال میں رہتے تھے ۔ میں نے دوسرے پیر و مرشد کو اختیار کیا بوجہ اس قول کے کہ جب بالغ ہو جاتا ہے تو اس کو اختیار ہے ۔ کہ اپنے سابق پیر کو برقرار رکھے یا نہ رکھے چنانچہ شیخ باجن کی وفات کے بعد شیخ عبدالحکیم بن شیخ باجن سے ذکر کو سیکھا ۔ شروع میں کتابت ذریعہ معاش تھا ۔ اسی سے میں نے سفر کیا ۔ جب ملتان پہنچا تو شیخ حسام الدین ملتانی کی صحبت میں رہا اور ان سے فیض حاصل کیا پھر جب مکہ مکرمہ پہنچا تو شیخ ابوالحسن بکری صدیقی کی صحبت اختیار کی ۔ ان کے تعلیم و تعلم کا اپنا ایک طریقہ تھا ۔ انکی صحبت میں رہ کر ذکر سیکھا ۔ آخر الذکر دونوں حضرات سے میں نے بہت کچھ علوم ظاہری و باطنی حاصل کئے ۔ چنانچہ ان ہی کی صحبت اور توجہات سے بہت سی کتابیں اور

اور رسالے تصنیف کئے سب سے پہلا رسالہ

"تبیین الطرق الی اللہ تعالیٰ" کے نام سے لکھا اور سب سے

آخری بنام "غایۃ الکمال فی بیان افضل الاعمال" تصنیف کیا۔ [1]

شیخ محمد بن طاہر پٹنی

شیخ علی متقی کے ممتاز شاگردوں میں شیخ عبدالوہاب کے علاوہ شیخ محمد بن طاہر پٹنی تھے۔ جنہوں نے اپنے استاذ کی متابعت میں مخالفتِ بدعت کے لئے اپنی زندگی وقف کردی تھی۔ اور بالآخر اسی کوشش میں شہید ہوئے۔ جنکے مفصل حالات اسی کتاب میں اپنی جگہ پر آرہے ہیں۔

انتقال کے چودہ سال بعد

شیخ عبدالوہاب متقی فرماتے ہیں کہ پیر و مرشد کی ایک کرامت یہ ہے کہ آپ کی وفات کے بارہ چودہ سال بعد آپ کے بھتیجے کے ایک بیٹے سید احمد کا انتقال ہوا چنانچہ مکہ معظمہ کے رسم و رواج کے مطابق لوگوں نے کہا کہ سید احمد کو کسی ولی اور مشہور بزرگ کی قبر میں اس طرح رکھا جائے جس طرح امام عبداللہ یافعی کو حضرت فضیل بن عیاض کی قبر میں رکھا گیا تھا۔ چنانچہ ان کی میت کو شیخ علی کی قبر میں رکھنے کی تجویز ہوئی جب شیخ علی کی قبر کھودی گئی تو دیکھا کہ آپ کا جسم کفن میں جُوں کا تُوں اپنی اصلی حالت میں موجود ہے۔ حالانکہ حجاز کی زمین میں تین چار ماہ میں میت مٹی ہو جاتی ہے۔

وفات

شیخ علی متقی ۸۸۵ھ یا ۸۸۸ھ میں پیدا ہوئے اور بوقت سحر منگل رات کو ۹۷۵ھ میں وصال فرمایا۔ آپ کا انتقال مکہ مکرمہ میں ہوا، اور جنۃ المعلیٰ میں حضرت فضیل بن عیاض رح کی قبر کے محاذاۃ میں (دونوں قبروں میں صرف پگڈنڈی حائل تھی) دفن ہوئے [2]

آپ کی تاریخ وفات "قطبی نخبہ" ہے [3]

---

[1] النور السافر۔ [2] ایضاً [3] ابجد العلوم۔

اور بعض نے شیخ مکہ اور بعض نے متابعت نبی نکالی ہے۔ [۱]

شیخ علی متقی کا ذکر النور السافر میں مفصل مذکور ہے۔ فرماتے ہیں کہ آپ کی ولادت برہانپور میں ۸۸۸ھ میں ہوئی۔ بعضوں نے ۸۸۵ھ بھی لکھی ہے۔ ایک سَو کے قریب آپ کی تالیفات ہیں۔ آپ کے محاسن اور آپ کے تذکرے میں علامہ عبدالقادر بن احمد فاکہی مکی نے ایک مستقل تصنیف فرمائی جس کا نام "القول النقی فی مناقب المتقی" ہے۔ جس میں آپ کے محامد آپ کی ریاضت اور مجاہدے کو ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے شیخ کا نام متقی آپ پر صحیح معنوں میں صادق آتا ہے۔ کتاب کے آخر میں لکھتے ہیں کہ جتنے علماء اور مشائخ سے شیخ علی متقی ملے سب نے آپ کی بہت زیادہ تعریف کی۔

شیخ ابوالحسن بکری، شیخ الوجیہہ عمودی، امام الحرمین شیخ شہاب ابن حجر شافعی فقیہ مصر، شمس الدین انصاری، شیخ شمس بکری۔ ان سب نے شیخ علی متقی کی کرامت اور استقامت کی مدح سرائی کی ہے۔ اس لئے صرف مکہ مکرمہ نہیں بلکہ اطراف عالم میں دور دور تک آپ کی شہرت پھیل گئی۔ اور وفود آپ کی زیارت، ملاقات اور صحبت کے لئے پہنچنے لگے۔ یہاں تک کہ سلطان سلیمان تک آپ کی شہرت پہنچی جبکہ اس سے پہلے سلطان الہند سلطان محمود آپ کو وضو کراتے اور آپ کے پَیر مبارک دھوتے۔

شیخ عبدالقادر حضرمی لکھتے ہیں کہ "آپ کی شہرت جتنی مکہ مکرمہ میں ہے اس سے کئی گنا ہندوستان میں ہے۔ آپ کے مناقب میں سے انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کے شاگرد نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب

---

[۱] حیات شیخ عبدالحق۔ خزینۃ الاصفیاء۔ تذکرہ قاریان، اعیان الحجاج۔ اخبار الاخیار ص ۵۲۳۔ بزم رفتہ کی سچی کہانیاں ص ۲۰۲۔

میں زیارت کی۔ شیخ علی متقی کی حیات میں مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے درخواست کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! بما ذا تامرنی حتیٰ قالہ مجھے کسی کام کا حکم فرمائیے جس کو میں انجام دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیخ علی متقی کا اتباع کرو جیسا وہ کرتے ہیں ایسا کیا کرو۔

"صاحبِ النور السافر" فرماتے ہیں کہ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ شیخ علی متقی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں سے کامل حصہ عطا ہوا تھا اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے افعال میں آپکی متابعت کا خواب دیکھنے والے کو حکم فرمایا اسی طرح اس میں شیخ فرما کر ان کے شیخ ہونے کی طرف اور ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف سے "شیخ" نام دیئے جانے کی طرف بھی اشارہ ہے۔ جیساکہ شیخ ابو شیرازی ایک خواب پر فخر کیا کرتے تھے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں .... شیخ فرمایا

"صاحب النور السافر" فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ کی املاء کردہ بعض تعلیقات میں دیکھا ہے جس سے آپ کے بعض حالات معلوم ہوتے ہیں۔ جس میں وہ لکھتے ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ و السلام علیٰ سیدنا محمد والہٖ وصحبہ اجمعین۔ اما بعد فقیر علی بن حسام الدین۔ جو علی متقی سے مشہور ہیں وہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں خدشہ گذرا خیال آیا کہ میں دوستوں کے سامنے اپنا شروع سے لے کر اخیر تک حال بیان کردوں۔ سن لو! اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے کہ فقیر کی عمر جب آٹھ سال ہوئی میرے والد کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ مجھے شیخ باجن قدس سرہٗ کا مرید بنائیں۔ انہوں نے مجھے ان کا مرید بنا دیا۔ لیکن ان کا طریقہ سماع کا طریق تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ با ذوق و باصفا لوگوں میں سے تھے۔

انہوں نے مجھے مشائخ صوفیہ کے طریقہ میں بیعت کیا۔ اس وقت میری عمر آٹھ برس تھی۔ اس کے بعد شیخ عبدالحکیم بن شیخ باجن قدس سرہٗ نے مجھے ذکر کی تلقین کی۔ میرے شروع دور میں، میں کتابت کے ذریعے اپنے لئے اور اہل و عیال کیلئے روزی کماتا۔ اور شہروں کا سفر کرتا۔ اسی دوران میں ملتان پہنچا اور شیخ حسام الدین کی صحبت میں رہا۔ ان کا طریقہ متقیوں کا طریقہ تھا۔ جتنا اللہ نے چاہا میں انکی صحبت میں رہا۔ پھر جب مکہ مکرمہ پہنچا۔ شیخ ابوالحسن بکری صدیقی قدس سرہٗ کی صحبت میسر ہوئی۔ تو ان کا طریقہ تعلیم و تعلم تھا۔ وہ بڑے زبردست شیخ کامل عارف کامل تھے۔ فقہ و تصوف دونوں میں ماہر تھے تو میں جتنا اللہ نے چاہا انکی صحبت میں رہا۔ انہوں نے بھی مجھے ذکر کی تلقین کی۔ اور ان دونوں مشائخ سے مجھے زبردست علمی، ذوقی فوائد حاصل ہوئے جو علوم صوفیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس کے بعد میں نے کتابیں تالیف کیں، رسالے تالیف کئے۔ سب سے پہلا رسالہ جو میں نے طریق الی اللہ میں تصنیف کیا اس کا نام تبیین الطریق الی اللہ رکھا۔ اور اس سلسلے میں سب سے آخری رسالہ جو میں نے لکھا اس کا نام: غایۃ الکمال فی بیان افضل الاعمال، رکھا۔

جو طلبہ ان رسائل میں سے کسی ایک کو پائیں تو انہیں چاہیئے کہ وہ دوسرے رسالے کو بھی تلاش کریں۔ تاکہ اعتدال والی راہ پر گامزن رہ سکیں۔

صاحب النور السافر نے آپ کو من حسنات الدھر اور خاتمہ اہل ورع اور مفاخر الہند کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ [1]

ظفر الوالہ میں آپ کے مفصل حالات اس طرح ہیں کہ:
آپ مکہ مکرمہ سے سلطان محمود کے پاس زیارت کے لئے آئے تھے۔

---

[1] النور السافر صہ ۲۸۳

سلطان نے ان کے جی کی ہر حاجت اور آرزو کو پورا کیا۔ ایک دفعہ نماز کا وقت ہوا سلطان شیخ کی خدمت میں تھے۔ شیخ نے سلطان کو دیکھا کہ وضو کر رہے ہیں اور فارغ نہیں ہوئے بہت دیر لگتی ہے۔ اور اتنا پانی خرچ کرتے ہیں کہ جس سے ان کے علاوہ اگر کوئی غسل کرے تو پھر بھی پانی بچ جائے تو شیخ ان کی بیماری سمجھ گئے مگر اس وقت خاموش رہے یہاں تک کہ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ان سے پوچھا تو سلطان نے وسوسے کی شکایت کی تو شیخ نے فرمایا کہ انشاء اللہ زائل ہو جائے گا۔ پھر شیخ ٹھہرے رہے یہاں تک کہ نماز کا وقت آیا پھر جب شیخ وضو کے لئے کھڑے ہوئے تو شیخ نے لوٹا لیا اور ان کو مسنون وضو کرایا۔ اگرچہ سلطان کے لئے تھوڑے پانی سے طہارت حاصل کرنا مشکل ہوا مگر شیخ کے ادب کیوجہ سے انہوں نے صبر کیا اور امتثالِ امر کیا۔ شیخ نے ان سے فرمایا کہ اگر آپ سنت کو ترجیح دیتے ہیں تو آپ کا وضو اسی طرح ہونا چاہیئے۔ اور اس کی پابندی کیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے خلاف مُوسوِس پر آپ کی مدد فرمائیں گے اور اسی طرح ہوا کہ شیخ ان کے وضو اور غسل کے وقت موجود رہتے اور کئی دن اسی طرح کیا تو شیخ کی برکت شاملِ حال ہوئی اور انہیں قوت پہنچی اور وسوسہ دور ہو گیا۔ یہاں تک کہ اتنے پانی سے غسل کر لیتے تھے جو پہلے ان کے وضو کے لیے بھی کافی نہیں ہوتا تھا۔

پھر موسم حج میں شیخ مکہ مکرمہ واپس لوٹ گئے اور شیخ یہاں سے فراخی دل کے ساتھ لوٹے۔ اسی وجہ سے وہاں مکہ مکرمہ پہنچ کر اپنی رباط کے قریب سوق اللیل میں شیخ نے اپنے رہنے کے لئے ایک گھر بنایا جس کا ایک وسیع حوش[1] تھا اور کئی کمرے تھے۔ جو ان مریدین و متبعین کیلئے بنائے گئے تھے جو آپ کی خدمت میں رہتے اِس لیئے کہ شیخ بہت سوں کی کفالت ــ ــ ــ ــ ــ

[1] مکان کا اندرونی کھلا صحن

کرتے تھے اور جو بھی سائل آتا اس کی بروقت پر مدد فرماتے اور سلطان کے وقف میں سے جو ہر سال مال جاتا تھا وہ ساری ...... رقم شیخ کے اختیار میں ہوتی کہ جس کو چاہیں جتنا چاہیں عطا فرمادیں۔ اور اس کے علاوہ بھی ان کو برابر بھیجا جاتا رہا۔

شیخ کی مکہ مکرمہ میں بڑی شہرت ہوگئی یہاں تک کہ سلطانِ روم تک شیخ علی متقی کی اطلاع پہنچی، اس زمانہ میں سلطانِ روم سلیمان خاں بن سلیم خاں ابن بایزید بن محمد بن مراد بن محمد بن مراد اورخان بن عثمان تھے۔ تو سلطان سلیمان رومی نے آپ کے پاس دعا کی درخواست کے لئے خط لکھا اور ان سے بھی ساری زندگی تعلق رہا۔

پھر شیخ دوسری مرتبہ ہندوستان تشریف لائے اور سلطان سے ملاقات ہوئی۔ سلطان ان کے آنے کیوجہ سے بہت زیادہ خوش ہوئے۔ کچھ روز کے بعد سلطان کی مجلس میں ان کو مخاطب کرتے ہوئے شیخ نے فرمایا: آپ کو معلوم ہے کہ میں کس وجہ سے آیا ہوں،؟ سلطان نے عرض کیا مجھے معلوم نہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ مجھے خیال ہوا کہ میں آپ کے احکام کو میزانِ شریعت کے ترازو میں تولوں۔ پھر جو احکام شریعت کے موافق ہوں وہی رہنے چاہئیں۔ سلطان نے انکی اس کوشش وسعی کو مشکور قرار دیا اور اس کو مان لیا اور وزراء کو حکم دیا کہ تمام امور میں شیخ سے مراجعت کریں۔ شیخ نے ایک زمانے تک تمام امور اور تمام حالات کو خود اپنی نظر سے دیکھا اور احکام کے بارے میں خود اجتہاد کیا جو مطابق شرع تھے ان کو جاری رکھا اور جو مطابق شرع نہیں تھے ان کو موقوف کردیا لیکن بہت سے قانونی اعمال میں بھی خلل واقع ہونے کے ساتھ ساتھ اس سے سیاست بھی معطل وبے کار ہوگئی اور جو رسوم اور بدعات وغیرہ تھیں وہ سب ختم ہوگئیں وزراء معرف کے لئے خزانے کے محتاج ہوگئے۔ شیخ نے شیخین رضی اللہ عنہما کی سیرت کا انتظام ایسے دَور میں کیا جوانکے دور کی طرح نہیں تھا اور ایسی رعیت میں

جو شیخین کی رعیت کی طرح نہیں تھی۔ تھوڑے ہی دن گذرے .... کہ شیخ کا وہ مرید بھی ان کے احکام کی پیروی سے اعراض کرنے لگا جسے انہوں نے اپنی طرف سے عارضی امور کی تحقیق کے لئے مقرر کیا تھا اور دنیا کے بارے میں شیخ اسے بہت زیادہ عفیف، زاہد اور نہایت متورع سمجھ رہے تھے۔

شیخ نے جس کا التزام کیا تھا اس سے اپنا ہاتھ جھاڑ دیا۔ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور اپنی مجلس میں دوبارہ واپس نہیں لوٹے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب شیخ نے میزانِ شریعت کو لازم پکڑا تو آپ نے اس کو بُرا سمجھا عمال دنیا آپ کے ساتھ مجالست کریں اور آپ کا وقت ان سے مراجعت کرنے میں خرچ ہو اور مراجعت کے لئے ان سے گھل مل کر رہنا پڑے۔ چنانچہ شیخ چیلا نامی ایک شخص جو آپ کے تلامذہ میں سے سب سے بڑے سمجھے جاتے تھے اور اپنے ساتھیوں میں سے جن کی دیانت داری پر شیخ کو اعتماد د یقین تھا اور شیخ انہیں دیکھتے تھے کہ وہ اپنے آپ کو شبہات سے بھی بچاتے تھے۔ شیخ نے ان کو حکم دیا کہ وہ عمال کے ساتھ بیٹھیں اور ان کی باتیں سنیں اور شیخ کو تحقیق کے بعد خبر دیں کہ حقیقت حال کیا ہے۔ تو وہ ان کے ساتھ بیٹھتے، سنتے اور حقیقت کی تحقیق کرنے کے بعد شیخ کو خبر دیتے پھر شیخ کا جواب ان کے پاس لے کر واپس آتے۔ مگر ضرب المثل ہے کہ صحبت اثر انداز ہوتی ہے۔ بس وزراء کی دسیسہ کاریاں شروع ہو گئیں کہ اسے رشوت دے کر وہ راضی کرنے لگے پہلے وہ چاندی کے برتن سے پانی پینے کو مکروہ قرار دیتے تھے بعد میں مباح قرار دینے لگے بلکہ چاندی کا برتن پاتے تو اُسے چرا لیتے۔

پھر کسی معاملے میں وزیر کا اشارہ پاکر ایک عورت اپنے ساتھ ایک مرضع

ہار لینے ہونے شیخ کے اس خادم کے گھر پہنچی اور وہ ہار شیخ کے خادم کی بیوی کو اس کی موجودگی میں بطور رشوت دیا اور پھر خود ہی آکر وزیر سے اسکی شکایت کردی .... وزیر سلطان کے پاس پہنچے اور سلطان سے کہا کہ تمام قانونی اور رسمی معاملات معطل ہو گئے اور شریعت بھی رشوت کی تدسیس سے خالی نہیں رہی۔ شیخ اگرچہ رجالِ برکت میں سے ہیں مگر رجالِ حکومت میں سے نہیں ہیں۔ یہاں ایک عورت ہے جس نے شیخ کے وکیل کو اسطرح رشوت دی، سلطان تکئے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ جب یہ سنا تو ٹھیک سے بیٹھ گئے۔ پوچھا کہ وہ عورت کہاں ہے؟ عورت کو حاضر کیا گیا اس سے پوچھا تو اس نے جو رشوت دی تھی اس کی خبر دی۔ تو سلطان نے شیخ کے خادم کو بلایا اور اسے اس کے متعلق پوچھا تو پہلے اس نے انکار کیا پھر سلطان نے اس عورت سے اس کا آمنا سامنا کروایا تو اس عورت نے وزیر سے کہا کہ اس سے پوچھ پھر وہ عورت کہنے لگی کہ میں ابھی وہ ہار تیرے پاس سے کر آتی ہوں اور اس نے لاکر دکھایا۔ سلطان بہت متأثر ہوا اور اس نے حکومت کے معاملات دوبارہ اسی طرح وزیر کے سپرد کردیئے جس طرح گذشتہ زمانے میں پہلے سے چلے آرہے تھے۔ شیخ کو اس کی اطلاع پہنچی تو سلطان کے پاس پہنچے سلطان کو اپنی عادت کے موافق موجود نہیں پایا تو سلطان کی مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہاں سے اپنے گھر واپس نہیں لوٹے بلکہ مکہ مکرمہ سفر کی نیت کرلی اور اسی وقت سرکھیج کے لئے روانہ ہو گئے سلطان کو جب معلوم ہوا تو کئی مرتبہ بلانے کے لئے آدمی بھیجا اور ان سے درخواست کی کہ وہ واپس تشریف لے آئیں مگر شیخ نے قبول نہیں کیا پھر بڑے بڑے امراء سلطان کی طرف سے شیخ کی تسلی کے لئے حاضر ہوئے مگر شیخ نے ان کے سامنے دنیا کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کو بیان کرنا

شروع کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، اس درمیان میں کہ آپ امراء کو نصیحت فرما رہے تھے۔ امراء آپ کے پاس موجود تھے کہ سلطان خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا کہ آپ کے یہاں مقیم رہنے میں ہمارے لئے ملک میں بہت بڑی برکت ہے اور آپ کی صحبت میں رہ کر دنیا میں اپنی آخرت کے لئے یہاں والے بہت کچھ کما سکیں گے۔ شیخ نے جواب دیا کہ مکہ مکرمہ میں قبولیت اور دعا کی بہت سی جگہیں ہیں وہاں رہ کر تمہارے لئے دعا کرنا بہ حال کے بھی زیادہ موافق ہے مآل کے اعتبار سے بھی زیادہ اچھا ہے۔ پہلے سے یہ کہا گیا ہے کہ دنیا اور دین سوکنیں ہیں دونوں اکٹھی نہیں رہ سکتیں تو میرے دل میں اس کا ممکن ہونا کھٹکتا رہتا تھا تو میں نے چاہا کہ میں تجربہ کر کے اس کو آزما کر دیکھ لوں۔ یہی چیز مجھے مکہ مکرمہ سے تمہاری طرف سفر کر کے اٹھا کر لائی تھی کہ میں نے تمہاری طرف سے موافقت دیکھی تھی لیکن میں جب تمہارے ساتھ رہا اور تمہاری موافقت اور زرکِ لفرت، عدم موافقت دونوں کو دیکھ کر میں نے تجربے سے معلوم کر لیا کہ دین اور دنیا دونوں سوکنیں ہیں کبھی اکٹھی نہیں ہو سکتیں جس کی وجہ سے میں آیا تھا وہ الحمد للہ حاصل ہو گیا۔ اب میرے لئے اس وقت بیت اللہ کی طرف توجہ کرنے میں وقت کو صرف کرنا لازم ہے اور بقیہ وقت حرم کے جوار میں گذارنا ہی میرے لئے بہتر ہے۔ اور یہاں میری طرف سے حاضری کے لئے میاں عبد الصمد نائب رہیں گے اور انہیں دعا کی بھی اہلیت ہے پس تم ان سے درخواست کرتے رہنا اور میں نے ان کو اجازت دی ہے اور اجازت کا قبولیت میں بڑا اثر ہوتا ہے اور میں تمہیں انابت الی اللہ کی تمام احوال میں وصیت کرتا ہوں اور شریعت کے حکم کو جاری رکھنے اور جاری کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اور شریعت والوں اور علماء کی عزت اور صلحاء کی صحبت کو لازم پکڑنے کی وصیت کرتا ہوں۔ کہ فَاِنَّ الْمَرْءُ مَعَ مَن

اَحَبَّ ۔ اُحِبُّ الصَّالِحِیْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ لَعَلَّ اللّٰهَ یَرْزُقُنِیْ صَلَاحًا ۔
اور خاص طور پر فقر کے شعار کی تعظیم کرتے رہنا ۔ اس لئے کہ رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ لَا یُعْبَأُ بِهٖ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ ۔ کہ بہت سے پراگندہ بال، غبار آلود جن کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی وہ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر وہ اللہ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ انکی قسم کو پورا فرمائے ۔ اور فقراء کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرتے رہنا اس لئے کہ انہیں کل کو حکومت ملنے والی ہے ۔ حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انفق یا بلال ولا تخشی من ذی العرش اقلالا ۔ اور صحیحین میں ہے کہ فقراء مہاجرین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ مال والے بلند درجات اور دائمی نعمت لیگئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کیسے ؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ نماز پڑھتے جس طرح کے ہم پڑھتے ہیں وہ روزے رکھتے ہیں جس طرح کہ ہم رکھتے ہیں ۔ وہ صدقہ کرتے ہیں ہم نہیں کرسکتے ، وہ غلام آزاد کرتے ہیں ہم نہیں کرسکتے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جس سے تم ان لوگوں کو پکڑلو جو تم سے آگے بڑھ چکے ہیں اور تم اپنے بعد والوں سے اور پیچھے والوں سے سابق ہی اور آگے ہی رہو اور تم سے کوئی افضل اور بہتر نہ ہوسکے مگر جب وہ تمہارے جیسا عمل کرے ۔ تو انہوں نے عرض کیا ضرور بتایئے یا رسول اللہ ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم ہر نماز کے بعد ۳۳ دفعہ سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر کہتے رہو ۔

اس کے رواۃ میں سے ایک ابو صالح کہتے ہیں کہ فقراء مہاجرین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارے ان بھائیوں نے بھی جو مال والے ہیں .... سن لیا ہے جو ہم کرتے

ہیں انہوں نے بھی اس کی مانند کرنا شروع کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ جس کو اللہ نے نعمت کے طور پر سلطنت دی ہو اس کا شکریہ انفاق اور خرچ کرنا ہے۔ واللہ یقول الحق و هو یهدی السبیل۔

پھر سلطان کو اللہ کے سپرد کیا اور بندر کھوکھہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ اور وہاں سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ [1]

مرآۃ احمدی کے خاتمہ میں آپ کا مفصل حال لکھا ہے کہ:۔

آپ کا اسم گرامی شیخ علی ابن حسام الدین عبدالمالک المتقی، قادری شاذلی، مدنی چشتی ہے۔ آپ کے آباء کرام جونپور کے تھے۔ آپ کی ولادت بھی جونپور میں ہوئی آپ کے والد سات یا آٹھ سال کی عمر میں آپ کو شیخ باجن چشتی کی خدمت میں لے گئے جو برہانپور میں تھے اور ان کا مرید بنایا اس کے بعد آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ والد کے انتقال کے بعد آپ باقتضاء بشری کچھ عرصہ مندو کے ایک بادشاہ کی ملازمت میں رہے اور جوانی کے ایام میں کچھ دن ان کے یہاں ملازمت کی اور اس طرح کچھ متاعِ دنیا ہاتھ لگ گئی۔ اس دوران جذبۂ عنایت الہیٰ نے کھینچا اور دنیا نظر میں حقیر معلوم ہونے لگی۔ شیخ عبدالحکیم بن شاہ باجن کی خدمت میں پہنچے۔ ان سے اکتسابِ فیوض کے بعد خرقۂ خلافت پایا۔ اور پھر ملتان کے علاقہ کا سفر کیا اور شیخ حسام الدین متقی کی صحبت ملی۔ ان کی صحبت سے ورع و تقویٰ اور طریقِ سلوک کی تعلیم حاصل کی نیز ظاہری علوم بھی پڑھے تفسیر بیضاوی اور عین العلم دو سال میں پڑھی۔ اس کے بعد حرمین شریفین حاضر ہوئے۔ شیخ ابوالحسن بکری کی صحبت میں رہے۔ ان کی شاگردی اختیار کی ان

---

[1] ظفر الوالہ ج ۱ ص ۳۱۵۔

کے علاوہ دیگر علماء و مشائخ کی خدمت میں رہے ان سے استفادہ کیا نیز شیخ محمد بن محمد بن محمد السخاوی سے بھی آپ کو قادریہ، شاذلیہ، مدنیہ، مغربیہ سلسلہ کی خلافت ملی اور آپ مکہ معظمہ میں مقیم ہو گئے، کتابوں کی تصنیف شروع کی اور متعدد رسائل وکتب، علم حدیث و تصوف میں تحریر فرمائے۔ سیوطی کی کتاب جمع الجوامع میں جو حروف تہجی کی ترتیب پر انہوں نے احادیث مرتب کی تھیں۔ اس کو آپ نے فقہی ابواب کی ترتیب پر ترتیب دیا۔ دوسری جمع الجوامع سے آپ نے احادیث منتخب کر کے ایک احادیث کے ذخیرہ کا انتخاب کیا۔ تبیین الطریق جو غلبی اشارے سے آپ نے تصنیف فرمائی۔ نیز آپ نے مجموعۂ حکم تصنیف فرمائی جس میں تصوف کے مراتب کو ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن حجر مکی جو اپنے زمانے کے بڑے مکی فقہا میں شمار ہوتے تھے۔ شروع میں وہ شیخ علی متقی کے استاذ بنے مگر بعد میں آپ اپنے آپ کو شیخ علی متقی کا تلمیذ حقیقی کہا کرتے تھے اور شیخ علی متقی کے مرید ہوئے اور خرقۂ خلافت پایا۔

سفر میں شیخ علی متقی کا حال یہ ہوتا کہ آپ نے دو تھیلے بنائے تھے۔ ایک میں اسباب طعام چاول، ماش، اُڑد، تیل اور برتن وغیرہ رکھتے اور دوسرا ایک تھیلا تھا جس میں قرآن پاک اور دیگر ضروری کتابیں ہوتیں اور پانی کی ایک بڑی مشک ہوتی۔ اپنے ہاتھ ہی سے کھانا پکاتے تھے۔ اس میں کسی دوسرے سے اعانت نہیں لیتے تھے جب تک کہ کوئی ضرورت اور مجبوری نہ ہو مگر اس حالت میں بھی اس کو اس کی اجرت عطا فرما دیتے۔ سلطان بہادر کے زمانے میں احمد آباد تشریف لائے سلطان نے آپ کے کمالات اور اوصاف کو سنکر ملاقات کی درخواست کی مگر شیخ نے قبول نہیں کیا ہمیشہ حجرے کا دروازہ بند رکھتے کسی کو اپنے پاس پھٹکنے نہیں دیتے تھے۔

جب سلطان کا اشتیاق حد سے زیادہ بڑھ گیا تو قاضی عبداللہؒ سندھی جو کہ سندھ سے مدینہ منورہ اقامت کی نیت سے چلے تھے ابھی احمدآباد میں مقیم تھے اور شیخ کے ساتھ ان کو محبت اور اعتقاد کی نسبت تھی انہوں نے شیخ سے عرض کیا کہ شیخ سلطان بہادر کی درخواست کو ایک دفعہ قبول فرمالیں اگرچہ ان سے آپ کلام نہ فرمائیں شیخ نے فرمایا کہ ان کے غیر شرعی لباس کو میں دیکھوں گا اور یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ میں اسے دیکھوں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کروں ۔ ملازمین نے عرض کیا کہ آپ جو چاہیں فرمائیں اور جو چاہیں کریں سلطان حاضر خدمت ہوئے ۔ آپ نے نصیحت فرمائی ۔ دوسرے دن سلطان نے ایک کروڑ ٹنکہ گجرات کا ٹنکہ ہدیہ کے طور پر بھیجا ۔ آپ نے وہ تمام کا تمام قاضی عبداللہؒ کو عطا فرما دیا اور فرمایا کہ اس ملاقات کا باعث اس کا واسطہ اور اس ہدیہ کے پہنچنے کا ذریعہ تم بنے ہو ۔ اس لئے اس ہدیہ کا تعلق تم سے ہے ۔ شیخ ہمیشہ احادیث اور سنتوں کا اتباع کرنے والے تھے اور اس زمانے کے تمام مشائخ آپ کی ولایت اور فضل وکمال کے معترف تھے ۔ اس درجۂ شہرت کے باوجود بھی شیخ ہمیشہ کتابت کے ذریعہ اپنا گذارہ کرتے کبھی ضرورت پڑتی تو آپ بیوہ عورتوں سے قرض منگواتے ۔ اور بعد میں اس کو ادا فرما دیتے ۔ آپ فرماتے تھے کہ بارہا جنگل میں اس کا اتفاق پیش آیا ہے کہ کنواں پانی سے بھرا ہوا ہے اور ہرن کنوئیں کے ارد گرد تشنہ کھڑے ہوئے ہیں ۔ پانی کی طرف نگاہ کر رہے ہیں فضلِ الٰہی جوش میں آتا ہے اور پانی خود بخود اوپر تک آجاتا ہے اور جانور بھی سیراب ہو کر پی لیتے ہیں ۔ ہم نے بھی اس میں سے شاید پانی پیا ہے ۔ سلطان محمود بھی اکثر شیخ کی خدمت میں حاضری دیتے انہیں پانی کے بارے میں وسوسہ کا بہت بڑا مرض تھا ۔ اور اور کسی تدبیر اور حیلہ سے وہ زائل نہیں ہوتا تھا ۔ شیخ نے ایک طشت اور

اور ایک پیالہ منگوایا۔ اپنی ٹوپی کو تین بار دھویا اور پانی پھینک دیا چوتھی مرتبہ دھوکر شیخ نے وہ پانی رکھ لیا سلطان سے فرمایا کہ بابا محمود یہ پانی شریعت مطہرہ میں پاک اور صاف ہے اس میں شک کرنا شیطان کا وسوسہ ہے اس کو پی لو اور کسی قسم کا شبہ نہ کرو۔ سلطان نے وہ پانی پی لیا اور اسی گھڑی سلطان کے دل سے وسوسہ بالکلیہ زائل ہوگیا۔ شیخ کی ولادت ۸۵۰ھ میں ہوئی اور آپ کی وفات ۹۷۵ھ۔ ۲ر جمادی الاولیٰ کو ہوئی۔ اور آپ نے نوّے سال عمر پائی مدینہ منورہ میں آپ کو دفن کیا گیا۔ [۱]

لیکن خاتمہ مرآۃ احمدی کا یہ بیان بظاہر درست معلوم نہیں ہوتا جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے۔

محدّث علی متّقی کے اُستاذ

شیخ حسام الدین متقی مُلتانی

۸۷۸ھ - ۹۶۱ھ

آپ بڑے عالم، زاہد، متقی تھے۔ خدا کے ارشاد فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ کے پیشِ نظر فاتقوا اللّٰہ حق تقاتہ کے بلند مرتبہ پر پہنچے ہوئے تھے، خراجی زمین میں کاشت کرتے، اور اس کا خراج ادا کرتے تھے اور آخر کار ان زمینوں پر ایک حادثہ کی وجہ سے ایسا واقعہ پیش آیا کہ زمینیں مختلط ہوگئیں اور ان کا خراجی ہونا مشتبہ ہوگیا تو اس شبہ کی وجہ سے آپ نے اس زمین کی پیداوار کو کھانا ترک کر دیا اور

---

[۱] خاتمہ مرآت احمدی ص۸۵۔

جب شدید بھوک لگتی تو قوت لایموت کے اندازہ سے معمولی سی غذا کھا لیا کرتے تھے، اور اسی سختی اور تنگی کے زمانے میں آپ کی وفات ہوگئی۔ تقوی زہد اور اسلامی شعار ہونے میں آپ اللہ کی نشانی تھے اور ان بزرگوں میں سے تھے جن کے بارے میں خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝	اولیاء اللہ نہ خوفزدہ ہونگے اور نہ ہی غمگین ہونگے۔ اور یہ لوگ ہیں جو ایمان لانے کے بعد خدا سے ڈرتے ہیں۔

شیخ علی متقی نے آپ سے اوائل عمر میں اسلامی علوم حاصل کئے اور پاکبازی کا درس لیا۔

منقول ہے کہ شیخ علی متقی فرماتے ہیں کہ ایک دن آپ نے فرمایا کہ اب طبیعت کچھ خراب سی ہے اس کا کیا سبب ہے؟ آپ کا یہ اصول تھا کہ جب باطن میں کچھ تکدر محسوس کرتے تو اپنی غذا کے متعلق تحقیق و تفتیش کرتے کہ شاید غذا میں کوئی فرق ہو چنانچہ آپ غذا کی تحقیق کے لئے باورچی خانے گئے اور باورچی سے دریافت کیا کہ آج کھانا کس طرح اور کہاں پکایا گیا تھا؟ باورچی نے تمام باتیں تبلانے کے بعد کہا کہ آج میں نے پڑوسی کے ہاں سے بغیر اجازت آگ لے لی تھی چنانچہ آپ اس پڑوسی کے یہاں گئے جہاں سے آگ آئی تھی اور اس سے معافی مانگی اور کچھ دیکر خوش کر دیا۔

نیز شیخ علی متقی فرماتے ہیں کہ آپ کی مجلس سے جاتے وقت ایک آدمی نادانستہ طور پر اپنے سامان میں آپ کا جوتا بھی لے گیا جب اسے معلوم ہوا تو وہ آپ کا جوتا واپس لایا تو آپ نے کہا کہ یہ میرا نہیں ہے مگر اس آدمی نے کہا یہ آپ ہی کا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اچھا اگر آپ مجھے دینا چاہتے ہیں تو اس کی قیمت مجھ سے لیکر جوتا

مجھے دیدو مگر وہ اس بات کو مانتا نہ تھا، بالآخر آپ نے اصرار کرکے جوتے کی قیمت اس کو دیدی اور جوتا رکھ لیا اس کے بعد فرمایا کہ میں نے اپنی تمام مملوکہ اشیاء سے حق ملکیت ختم کر رکھا ہے تاکہ اگر کوئی شخص میری چیز استعمال کرے تو وہ اس کیلئے ناجائز نہ ہو۔

کہتے ہیں کہ آپ شیخ بہاؤالدین ملتانی کے مقبرے کے سائے کے نیچے کبھی کھڑے نہ ہوتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ یہ بیت المال کی رقم سے بنایا گیا ہے اور مسلمانوں کا حق اس پر خرچ ہوا ہے۔ اب میرے لئے جائز نہیں کہ میں اس کے سایہ کے نیچے کھڑا ہوں (سبحان اللہ! ایسے ہوتے ہیں اللہ والے کتنی دقیق نظر تھی اور اتباع شریعت کی بھی حد کردی۔)

آپ کے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام بایزید تھا، جو نہایت متقی اور مشائخ صفت بزرگ تھے۔

منقول ہے کہ آپ اگر کسی کو مسجد میں گاتے ہوئے دیکھتے تو منع فرما دیتے، آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بڑے پابند تھے اور دوسروں کو بھی اس پر پابندی سے عمل کرنے کا حکم دیا کرتے تھے اور آپ کے صاحبزادے شیخ بایزید کی تو کیفیت یہ تھی کہ مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ کر روتے رہتے تھے، ایک دفعہ شیخ بایزید کو کسی نے ایک روپیہ تحفۃً دیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ کیا چیز ہے اور اس کا کیا کیا جائے گا اس دن کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ روپیہ ایک نقدی سکہ ہے جو لوگوں کے لین دین بیع وشراء وغیرہ کاروبار میں کام آتا ہے۔ [1]

---

[1] اخبار الاخیار ص ۴۵۔

شیخ عبداللہ سندھی

م ذوالحجہ ۹۸۴ھ بمطابق فروری ۱۵۷۷ء

شیخ عالم محدث عبداللہ ابن سعداللہ متقی سندھی مہاجر مدنی۔ آپ مدینہ طیبہ کے فقہاء صوفیاء میں سے تھے۔ ان کے معاصرین میں حدیث وتفسیر میں کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ سرزمین سندھ میں آپ کو نہایت والہانہ نگاہوں سے دیکھا جاتا۔ آپ نے مدینہ منورہ میں نشو ونما پائی تھی۔ برسوں ان مقامات شریفہ میں درس وعبادت میں مصروف رہے۔ پھر بعض حوادث واسباب کی بناپر ۹۷۰ھ کے قریب گجرات تشریف لائے اور کچھ مدت احمدآباد میں اقامت فرمائی۔

اس دوران علم حدیث پڑھاتے تھے۔ آپ نے حجاز کے ائمۂ حدیث اور شیخ علی متقی برہانپوری سے حدیث پڑھی۔ شیخ رحمت اللہ ابن قاضی عبداللہ سندھی نے آپ سے اکتساب کیا۔ جب گجرات میں قیام پذیر تھے تو علماء وعوام دونوں طبقوں کو پڑھاتے رہے۔ آخر میں مکہ مکرمہ چلے گئے۔

آپ اور آپ کے ساتھی شیخ رحمت اللہ کو لوگ شیخین کہا کرتے تھے خواجہ عبدالشہید عبیداللہی فرماتے تھے کہ یہ دونوں شیخین حقیقت میں حضرت ابوبکرؓ وعمر فاروق (شیخین) کی یاد دلاتے ہیں۔ یہ دونوں علم وعمل اور تقویٰ کے مجسمے تھے۔ ان جیسے اشخاص مدینہ منورہ سے آج تک نہیں آئے۔

ماہ ذی الحجہ ۹۸۴ھ بمطابق فروری ۱۵۷۷ء میں مکہ مکرمہ میں انتقال فرمایا۔ نوراللہ مرقدہٗ [1]

---

[1] نزھۃ الخواطر اردو ص ۳۲۹۔ نزھۃ الخواطر عربی ج ۴ ص ۳۳۳ (۲۰۵)۔ اخبار الاخیار۔

مولانا شیخ رحمتُ اللہ سندھی

م ۹۹۴ھ / ۱۵۸۶ء / ۹۹۵ھ بمطابق ۱۵۸۵ء / ۱۵۸۶ء

شیخ عالم کبیر محدث رحمت اللہ ابن قاضی عبداللہ بن ابراہیم عمری، سندھی مہاجر مدنی دربیلہ سندھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد قاضی عبداللہ سندھی سندھ سے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کرکے مدینہ منورہ روانہ ہوئے تو چند دنوں تک احمدآباد میں قیام کیا۔ اسی زمانہ میں حضرت شیخ علی متقی گجرات میں مقیم تھے، اور حجاز مقدس کے لئے پابرکاب تھے۔ قاضی صاحب نے شیخ کی صحبت اختیار کرلی۔ اس سفر میں شیخ رحمت اللہ بھی ساتھ تھے۔ شیخ رحمت اللہ نے حجاز پہنچکر شیخ علی متقی کی صحبت اختیار کی اور ان کی خدمت میں رہ کر ظاہری و باطنی کمالات کا اکتساب کیا، مدینہ منورہ میں شیخ علی متقی صاحب تنزیۃ الشریعۃ سے علم حدیث کی تحصیل کی۔

ان کے ساتھی شیخ عبداللہ تھے۔ انہوں نے بھی شیخ علی متقی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، شیخ علی متقی کے فیضِ صحبت سے یہ دونوں بزرگ یعنی شیخ رحمت اللہ اور شیخ عبداللہ بہت اونچے مقام پر پہونچ گئے تھے۔ طلبہ انہیں شیخین سے یاد کیا کرتے تھے۔

حجاز کے زمانہ قیام میں کسی کا ہدیہ شبہ کے خیال سے قبول نہ فرماتے تھے ترکی کے حکام اور سلطان عثمان کچھ رقم شیخ علی متقی برہانپوری کے پاس بھجوائے تاکہ وہ اُسے اربابِ ضرورت اور علماء پر تقسیم کردیں، مگر شیخ، شیخ رحمت اللہ، شیخ عبداللہ اور شیخ عبدالوہاب متقی کیلئے اسے قبول نہ فرماتے۔

شیخ رحمت اللہ نے سفر سے واپسی پر ۹۷۰ھ میں بعض مجبوریوں کی بنا پر احمد آباد میں قیام فرمالیا اور کئی سال تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔ آخر عمر میں مریض ہوئے اور اسی حالت میں دوبارہ حجاز روانہ ہوگئے، مکہ معظمہ پہونچ کر تھوڑے ہی دنوں کے بعد ۹۹۳ھ میں انتقال فرمایا۔

شیخ رحمت اللہ نے مناسک حج میں دو رسالے لکھے اور ان میں سے جو اہم اور ضخیم ہے اس کا نام "جمع المناسک و نفع الناسک" ہے جس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

"الحمد للہ اکمل الحمد علی ما ھدانا الاسلام"

اس کتاب کی شرح نورالدین علی بن سلطان محمد قادری ہروی نے ۱۰۱۲ھ میں کی اور اس کا نام "المسلک المقسط فی النسک المتوسط" رکھا۔

دوسری تصنیف "لباب المناسک" ہے اس کی شرح ملا علی قاری نے لکھی ہے جس کا نام "المسلک" ہے۔ اس کا تذکرہ چلپی نے کشف الظنون میں کیا ہے۔ شیخ علی بن محمد الخطیب کی مشہور کتاب تنزیہ الشریعۃ عن الاحادیث الموضوعۃ کی تلخیص بھی موصوف نے کی ہے۔

حضرمی نے النور السافر میں ان کے ذکر میں لکھا ہے کہ علمائے عاملین اور عباد الصالحین میں سے تھے۔ بعض علماء نے آپکی تاریخ وفات حساب جمل کے مطابق "رحمت اللہ قد نال مرادہ" سے نکالی ہے اور اس میں دو عدد بڑھا دیئے ہیں۔ اہل فن کے یہاں اس میں کوئی قباحت نہیں بالخصوص جبکہ مناسب حال بھی ہو۔ آگے چل کر صاحب النور السافر لکھتے ہیں کہ ہمارے محترم شیخ محمد بن عبد اللطیف جامی مکی المشہور بہ مخدوم زادہ نے اپنے ایک قصیدہ میں ان کے مرثیہ میں لکھا ہے:

رحمۃ اللہ بالمیاء انعام رحمۃ اللہ لاتفارق مثوی

ترجمہ: اللہ کی رحمت تیری قبر سے دور نہ ہو، اور یہ رحمت تجھ پر ابر اور بارش کا سایہ رکھے۔

تنبیہ اول:۔ ابن العماد حنبلی نے شذرات جلد ہشتم میں اس نام کے دو بزرگوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک کا ذکر شیخ رحمت اللہ بن قاضی عبداللہ کے عنوان سے ہے، اور سن وفات ۹۷۵ھ ہے۔ دوسرے کا ذکر شیخ رحمت اللہ بن عبداللہ کے عنوان سے ہے۔ اور ان کا سن وفات ۹۹۳ھ ہے۔

ہم یہاں جن کا ذکر کر رہے ہیں وہ یہی دوسرے بزرگ ہیں اور حسب تصریح شیخ عبدالحق یہ قاضی عبداللہ سندھی کے صاحبزادے ہیں۔

تنبیہ دوم:۔ شیخ عبدالقادر عیدروس نے "جمع المناسک ونفع الناسک" کو شیخ عبداللہ بن سعداللہ کی تصنیف قرار دیا ہے، مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ جمع الناسک کے دیباچہ سے ظاہر ہے۔

جمع الناسک کے بارے میں شیخ علی متقی فرمایا کرتے تھے کہ:

"درمناسک حج بے عدیل و بے نظیر واقع شدہ است" [۱]

النور السافر وغیرہ میں آپ کے حالات ذرا تفصیل سے اس طرح درج ہیں کہ: مولانا رحمت اللہ بن عبداللہ سندھی دریلہ سندھ میں پیدا ہوئے تھے۔ وہاں سے اپنے والد کے ساتھ گجرات اور پھر حجاز چلے گئے۔ مدینہ منورہ میں شیخ علی بن محمد بن عزیق مصنف "تنزیہ الشریعۃ" سے حدیث کی سند لی۔ مدتوں درس وافادہ میں مصروف رہے، ہمیشہ زہد و عفاف کی زندگی بسر کی ان کی تصنیفات میں مناسک حج پر کئی رسالے ہیں، ملا علی قاری نے ان کی

---

[۱] گلزار ابرار، نزہۃ الخواطر اردو ص ۱۷۵، ۱۹۸، اعیان الحجاج ص ۲۲۰۔

ٔمنسک اوسط، (پشاور ۶۳۵) کی شرح ، مسلک متقسط، کے نام سے لکھی۔

المناسك الصغير (برلن ۴.۵۵)

راقم الحروف نے اس کتاب کا مخطوطہ برلن کی لائبریری میں دیکھا ہے۔ یہ کتاب جیساکہ اس کے نام سے ظاہر ہے مناسک حج سے متعلق ایک مختصر سی کتاب ہے۔ اس موضوع پر مصنف نے ایک ضخیم کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام ٔالمناسک الکبیر، ہے۔ اورزیر تبصرہ کتاب اسی کا خلاصہ ہے۔ ایک اور تالیف ٔتنزیہ الشریعہ، کی تلخیص ہے

شیخ رحمت اللہ سندھی کی تصنیف ؛ مجمع المناسک و نفع الناسک، (قاہرہ ۳/۲۷۰۔ سلیمانیہ ۴۱۲) کے متعدد قلمی نسخے دنیا کے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس کتاب میں انہوں نے اختصار اور جامعیت کے ساتھ فقہ حنفی کی رو سے فریضہ حج کے احکام اور مسائل بیان کئے ہیں۔ اس کتاب کی تصنیف سے وہ ۲۲ صفر ۹۵۰ھ بمطابق ۱۵۴۳ء میں فارغ ہوئے۔

اپنی کتاب کی اہمیت اور موضوع کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں۔

؛ لما كان الحج من اعظم الطاعات تكثرت فى بابه المصنفات غيران منها مايمل ومنها ما يخل وقد قصرت انهمم عن المطولات فحدانى ذلك ان اجمع كتاباً وسطاً نا قلاً من الكتب المعتبرة المعتمدة ،

چونکہ حج بڑی عبادات میں سے ایک ہے۔ اوراس کے بارے میں بہت سی کتابیں موجود ہیں۔ لیکن ان کتابوں میں بعض ملال اور خلل سے خالی نہیں۔ پھر

طویل کتابوں سے لوگوں کی ہمتیں بھی قاصر ہوگئی ہیں، سو اسی بات نے مجھے آمادہ کیا کہ میں ایک درمیانہ حجم کی ایسی کتاب تصنیف کروں جس میں حج کے متعلق تمام معتبر اور معتمد علیہ کتابوں کا مواد نقل کردیا جائے۔

تیسری کتاب: لباب المناسک وعباب المسالک (ملاحظہ ہو معجم مخطوطات ۹۳۰! بانکی پور ۱۷۶۷، آصفیہ: ۱/۱۱۰۲) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۳۰۰۔

آپ گجرات میں اخیر عمر میں بیمار رہنے لگے اس لئے مکہ معظمہ چلے گئے اور (۹۹۳ھ ۹۹۵ھ/۱۵۸۵ء ۱۵۸۶ء) میں مکہ معظمہ میں انتقال فرمایا۔ [1]

---

[1] نزہۃ الخواطر ص ۱۱۲ ج ۴، النور السافر ص ۴۳۹، تاریخ ادبیات ص ۲۵۱، طبقات اکبری ص ۵۰۶ ج ۲۔

شیخ عبدالوہاب متقی

(وفات سنہ ۱۰۰۱ھ۔ سنہ ۱۵۹۲ء)

عبدالوہاب نام تھا، متقی لقب والد کا نام شیخ ولی اللہ تھا، اصل وطن مانڈو تھا ان کے والد ہندوستان کے اکابرِ صوفیاء صلحاء اور ...... مانڈو کے امراء میں سے تھے۔ ترکِ وطن کرکے برہان پور آئے اور یہیں ان کا انتقال ہوا۔

شیخ عبدالوہاب نے ابتدائی تعلیم برہان پور میں حاصل کی بیس سال کی عمر میں سیاحت اختیار کی، گجرات احمدآباد، سیلون ہوتے ہوئے مکہ معظمہ پہونچے اور شیخ علی متقی کی خدمت میں بارہ سال رہ کر علوم و معرفت کا وافر حصہ حاصل کیا چونکہ آپ خوش نویس تھے اس لئے شیخ علی متقی نے آپ سے اپنی تمام تصنیفات لکھوائیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالوہاب ابھی کم سن تھے کہ والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اس سانحہ کا دل پر کچھ ایسا اثر پڑا کہ وطن کو خیرباد کہہ کر خانہ بدوشی اختیار کرلی۔ گجرات، دکن، لنکا، سراندیپ وغیرہ میں عرصہ تک سرگرم سیاحت رہے۔ عموماً کسی مقام پر تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرتے لیکن جب کوئی قبلۂ علم یا خضرِ طریقت مل جاتا تو اس کے آستانہ پر کچھ دنوں زیادہ قیام کرلیتے اس زمانے میں انہوں نے جس طرح اپنے دن گذارے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے وہ فرماتے تھے۔

کتنی بار ہمارا کھانا اس طرح ہوا ہے کہ کوئی ساتھی چلا جاتا اور قصاب کی دکان کے آگے سے بے کار ہڈیاں اُٹھا لاتا اور گیہوں کے تنکے جو کھیتوں میں گرے پڑے رہتے تھے چن لاتا۔ ان ہڈیوں کو کوٹ کر اور اس گھاس کو پاک و صاف کرکے پکا لیا جاتا اور پھر یک جان کرکے پی لیتے تھے۔

آخر اہلِ شہر کو اس کی خبر ہوئی اور وہ کھانا لانے لگے تو ہم اس جگہ سے

منتقل ہو کر دوسری جگہ چلے گئے۔ [1]

اسی طرح سیاحت کرتے کرتے مکہ مکرمہ پہنچ گئے ۔ یہ جمادی الاولیٰ ۹۶۳ھ/۱۵۵۵ء کا واقعہ ہے ۔ اس وقت انکی عمر ۲۰ سال تھی ۔ مکہ مکرمہ میں اس وقت شیخ علی متقی مسند درس وافادہ پر متمکن تھے ۔ دور دور تک ان کی شہرت تھی ۔ وہ شیخ عبدالوہاب کے والد سے بھی واقف تھے ۔ چنانچہ شیخ عبدالوہاب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان ہی کے ہو کر رہ گئے ۔

جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب حیات شیخ عبدالحق میں لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالوہاب کا خط بہت صاف اور پاکیزہ تھا ۔ شیخ علی متقی نے سب سے پہلے ان سے یہی کام لیا ۔ جو شخص مدتوں صحرانوردی کرتا رہا اس کی طبیعت میں یکسوئی پیدا کرنے کے لئے اس سے بہتر کوئی کام نہیں ہو سکتا تھا ۔ شیخ عبدالوہاب نے بھی یہ کام دل وجان سے انجام دیا ۔ شیخ علی متقی کی ایک کتاب بارہ ہزار سطروں کی تھی انہوں نے بارہ راتوں میں اس کی کتابت مکمل کر دی ۔ شیخ علی متقی نے جب ان کا یہ ذوق وشوق محنت اور جذبہ دیکھا تو ان کو اپنے اس نو وارد شاگرد سے بہت خصوصیت پیدا ہو گئی ۔ شیخ عبدالوہاب نے ان کے آستانے کو اس مضبوطی سے پکڑا کہ شیخ علی متقی کے انتقال تک وہیں جمے رہے ۔ شیخ علی متقی کی وفات کے بعد بھی آپ ۲۶ سال مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے اور وہاں ایسا مرکز علم قائم کیا کہ جس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ !

اس زمانے میں ان کے برابر علوم شرعیہ پر عبور رکھنے والے کم ہونگے ۔ وہ ایک زندہ قاموس تھے سب کچھ انہیں یاد تھا ۔ فقہ ، حدیث کا بھی یہی حال تھا ۔

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۷۰ ۔

اور صرف و نحو و ادب بھی کفایت سے زیادہ جانتے تھے۔ برسوں تک حرم شریف میں ان علوم کا درس دیا۔ [۱]

شیخ عبدالوہاب متقی ہندوستان کے ان عدیم المثال علماء حدیث و فقہ میں سے تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر ساری علمی دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا۔ اور اپنے تبحر علمی کا سکہ اہل حجاز و یمن، مصر اور شام سے منوایا تھا۔ شیخ محدث کا بیان ہے کہ!

> تمام اہل حرمین اور کل مشائخ یمن حاضراً و غائباً اور مشائخ مصر و شام جس نے بھی حضرت کو دیکھا ہے ان کا معتقد ہوگیا اور ان کی ولایت اور علو شان کا قائل ہوگیا۔ [۲]

شیخ عبدالوہاب نے تقریباً ۴۰ حج کیے۔ شیخ علی متقی کے انتقال کے بعد واپس احمد آباد تشریف لائے مگر جب مہدویوں نے شرارت کی تو اسی سال واپس چلے گئے اور اس سال کا حج بھی فوت نہ ہوا۔

شیخ عبدالوہاب نے چالیس سال کی عمر تک نکاح نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد نکاح کیا۔ نکاح سے پہلے جو کچھ فتوحات یا کتابت کی اجرت آتی تھی سب درویشوں اور فقراء پر تقسیم کردیتے تھے۔ نکاح کے بعد اہل و عیال کے حقوق کو مقدم رکھتے تھے لیکن پھر بھی محتاجوں کی مدد بدستور جاری رہی۔

شیخ عبدالوہاب نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو بڑی محبت سے علوم شریعت و طریقت کی تعلیم دے کر اپنا مجاز و خلیفہ بنایا۔ شیخ عبدالحق وطن کے ماحول سے بددل ہوکر حجاز چلے گئے تھے۔ ان کا واپسی کو بالکل جی نہیں چاہتا تھا لیکن استاد نے سختی سے ہدایت کی کہ تمہاری بوڑھی والدہ اور تمہارے بچے منتظر ہیں تمہیں

---

[۱] اخبار الاخیار ص ۲۶۵ [۲] اخبار الاخیار

واپس جانا چاہئے۔ چنانچہ مجبور ہو کر وطن کا رخ کرنا پڑا۔

شیخ عبدالحق تقریباً دو یا چار سال شیخ عبدالوہاب کی خدمت میں رہے۔ حجاز سے واپسی سے پہلے شیخ عبدالوہاب نے انہیں حزب البحر کی مخصوص اجازت سے سرفراز فرمایا۔ [۱]

شاذلیہ سلسلہ میں دعائے حزب البحر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ دراصل دعائے حزب البحر شیخ ابوالحسن شاذلی کی تصنیف ہے۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ 'عجائب الاسفار' میں اس کو نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

جب شیخ ابوالحسن شاذلی حج فرمایا کرتے تھے تو براہ صعید مصر اور بحر جدہ ہو کر تشریف لے جایا کرتے۔ اور کشتی پر سوار ہو کر یہ سفر ہوتا تو روزانہ اس دعائے حزب البحر کو پڑھ لیا کرتے چنانچہ آپ کے سلسلہ کے لوگ روزانہ اب تک اس کا ورد رکھتے ہیں۔ [۲]

بہرحال جب شیخ عبدالحق نے اس دعا کو نقل کرنا شروع کیا تو مکہ کے ایک عالم شیخ علاؤالدین نامی آگئے۔ پوچھا کیا لکھ رہے ہو۔ بتایا کہ حزب البحر کشتی پر سوار ہونے کے وقت پڑھونگا۔ پوچھا کہ حزب البحر کی اجازت حاصل ہے۔ شیخ عبدالحق نے فرمایا جی ہاں شیخ عبدالوہاب متقی سے اجازت حاصل ہے۔ پوچھا کہ شیخ عبدالوہاب سے شناسائی ہے فرمایا ہاں تو شیخ علاؤالدین نے فرمایا کہ مبارکباد تمہارا حج مبرور اور عمل مقبول ہے۔ شیخ عبدالحق نے پوچھا کیسے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے یمن کا سفر کیا اور وہاں کے تمام مشائخ و فقراء شیخ عبدالوہاب کی مدح و ثنا میں متفق ہیں نیز سب کو یہ کہتے سنا ہے کہ شیخ عبدالوہاب مکہ کے قطب ہیں۔

---

[۱] زادالمتقین [۲] عجائب الاسفار صہ ۲/۱ ۔

شیخ عبدالوہاب نے اپنے پیرو مرشد شیخ علی متقی سے چشتیہ، قادریہ، شاذلیہ اور مدنیہ سلاسل میں اجازت پائی تھی۔ چنانچہ شیخ عبدالحق کو بھی ان چاروں سلسلوں میں خلافت سے نوازا۔

یہاں پر اخبار الاخیار سے شیخ عبدالوہاب کے ملفوظات وکرامات میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک ایسے دور میں جبکہ علماء نے تکفیر و تذلیل کو اہم ترین فرض سمجھ رکھا تھا۔ شیخ عبدالوہاب متقی کا خیال یہ تھا کہ!

جس کو دیکھو کلمہ پڑھتا ہے اور اس پر یقین رکھتا ہے تو اگر اس سے ایسے کلمات صادر ہوں تو اس کو معذور رکھو اور اس کی تکفیر و تشنیع نہ کرو۔ اور اس کو ملحد نہ بتاؤ۔[۱]

سماع کے متعلق جو اس زمانہ کا نہایت اختلافی مسئلہ تھا شیخ عبدالوہاب کا رویہ یہ تھا کہ:

: نہ مریدین کے کرنے سے راضی ہیں اور نہ مشائخ کے فعل کے منکر۔[۲]

شیخ عبدالحق فرماتے ہیں:

: ایک بار جعرانہ سے احرام باندھ کر عمرہ کرنے کا تذکرہ ہوا تو فرمایا کہ اگر وہاں جانے کی توفیق ہو تو پہاڑ میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام و نزول فرمایا تھا اس جگہ سے غافل نہ رہنا۔ اور فرماتے تھے کہ قسمت یاوری کرے تو اس مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو سکتی ہے۔ ایک دفعہ ہم وہاں سو گئے تھے جب جب آنکھ جھپکتی تھی حضور کا جمال جہاں آرا نظر میں ہوتا تھا ایک مرتبہ سو سے زیادہ مرتبہ یہ سعادت حاصل ہوئی۔ شیخ عبدالوہاب اس عمرہ کے لئے بہت جاتے تھے اور

---

[۱] اخبار الاخیار ص ۲۶۴ [۲] ایضاً۔

روزہ رکھے ہوئے ننگے پاؤں جاتے تھے۔ ؎

شیخ عبدالحق لکھتے ہیں کہ !

ایک مرتبہ شیخ عبدالوہاب نے فرمایا کہ ایک بار میں بچپن میں والد کے ہمراہ سفر میں تھا۔ اثنائے سفر میں ہم راستہ بھول گئے اور ایک صحرائے لق و دق میں پہنچ گئے آب و گیاہ کا نام و نشان تک بھی نہ تھا ہمارے پاس کھانے پینے کے لئے کچھ بھی نہ تھا۔ میں بھوک اور پیاس کی شدت سے رونے لگا والد دلداری کرتے تھے کہ صبر کرو ابھی کھانا آتا ہے۔ اسی حالت میں رات ہوگئی ہم وحشی جانوروں سے بچنے کے لئے ایک درخت پر چڑھ گئے۔ اسی کشمکش میں رات کاٹی علی الصبح ہم کیا دیکھتے ہیں کہ اسی درخت کے نیچے میٹھے پانی کا ایک چشمہ جاری ہے اور قریب ہی ایک نورانی صورت بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہم درخت سے اترے انہوں نے ہمیں گرم گرم روٹیاں نکال کر دیں ہم نے کھائیں اور اس چشمہ سے پانی پیا ان بزرگ نے کہا یہاں قریب ہی ایک گاؤں ہے وہاں چلے جاؤ ہم اس گاؤں میں چلے گئے۔ کچھ عرصہ آرام کیا۔ مجھے وہ چشمہ دیکھنے کا پھر شوق ہوا اس جگہ پہنچا تو دیکھا وہاں نہ وہ چشمہ ہے نہ وہ بزرگ۔ میں حیران رہ گیا شاید وہ بزرگ حضرت خضر ہونگے۔

شیخ اپنے سفر کا ایک قصہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم دیار مالابار میں پہنچے قاضی شہر شافعی مذہب عبدالعزیز نامی تھا۔ درویشوں کی بڑی خدمت کرتا تھا۔ ہمیں بھی درویش سمجھ کر بڑی محبت و عقیدت کے ساتھ پیش آیا میں نے اس سے پوچھا۔ کیا اس شہر میں کوئی مردِ

؎ اخبار الاخیار۔

مردِ درویش ہے کہا کیوں نہیں. منع خوارق وکرامات درویش ہے ۔ عوام بھی اس
کے بڑے معتقد ہیں ۔ مگر بظاہر ارتکاب نواہی کرتا ہے خود شراب پیتا ہے
دوسروں کو بھی پلاتا ہے ۔ اسو جہ سے میں بھی اس سے خوش نہیں ہوں ۔ دوسرے
روز میں اس شخص کو دیکھنے کے لئے گیا ۔ دیکھا کہ ایک اونچی جگہ پر بیٹھا ہے ۔
ارد گرد لوگوں کا ہجوم ہے ۔ میں جب اس کے قریب پہنچا تو اسنے مجھے مرحبا کہا
اور بڑا خوش ہوا مجھے شراب پینے کے لئے کہا ۔ میں نے انکار کیا وہ اصرار
کرتا رہا اور میں انکار آخر کار تنگ آکر کہنے لگا اچھا نہیں پیتے تو نہ پیو ۔ دیکھو اب تمہارے
ساتھ کیا پیش آتا ہے ۔ میں یہ سنکر بڑا پریشان ہوا اور اسکی مجلس سے
آگیا ۔ اسی رات خواب دیکھتا ہوں کہ بڑا پرلطف نظارہ ہے اور عجیب و
غریب باغ ہے چاہا کہ اندر جاؤں لیکن دیکھا کہ دروازے پر ہی وہ مرد
شراب خوار کھڑا ہے ہاتھ میں شراب کا پیالہ ہے ۔ کہتا ہے پہلے یہ شراب
پی لو پھر باغ کے اندر جانے کی اجازت ہوگی ۔ اسی اثنا میں بیدار ہوگیا
اور لاحول پڑھا پھر سو گیا پھر وہی کیفیت ۔ پھر اٹھا اور حضور اقدس صلی
اللہ علیہ وسلم کی درگاہ میں التجا کی پھر سو گیا تو دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم تخت پر تشریف فرما ہیں ۔ دست مبارک میں عصا ہے اور میں حضور
کے روبرو حاضر ہوں ۔ اسی وقت وہ مردِ شراب خوار حاضر ہوگیا ۔ آپ
نے اس کی طرف عصا پھینک کر فرمایا ؛ ہٹ جا نا مبارک کتے ، اسی وقت
اس کی صورت مسخ ہو کر کتے کی ہوگئی ۔ وہ وہاں سے بھاگا ۔ پھر مجھ فقیر
سے مخاطب ہو کر فرمایا اس وقت میں نے اُسے یہاں سے نکال دیا ہے
اب شہر میں نہیں رہے گا ۔ میں بیدار ہو کر وہاں گیا دیکھا کہ وہاں کوئی
بھی نہیں ہے ۔ وہ راتوں رات بھاگ گیا تھا ۔

شیخ عبدالوہاب متقی کی وفات ۱۰۰۱ھ / ۱۵۹۲ء میں ہوئی مزار مکہ مکرمہ میں ہے قدس اللہ سرہٗ

مخدوم جیو قادری رحؒ سے شیخ عبدالوہاب متقی کی عقیدت

آپ (مخدوم جیو قادری) حیدرآباد دکن کے ضلع بیدر میں رہا کرتے تھے، بہت ہی ضعیف دبلے پتلے، عبادت گذار، بابرکت، عالی ہمت اور عظیم الشان بزرگ تھے۔ مالداروں کی جانب بالکل متوجہ نہ ہوتے۔ اور عام طور سے لوگوں سے بے نیاز تھے۔ حضرت شیخ عبدالوہاب متقی فرماتے تھے اگرچہ مخدوم جیو قادری میں کمزوری کی وجہ سے کھڑے ہونے کی طاقت نہ تھی۔ لیکن رات کو بڑی دیر تک کھڑے ہو کر نفل پڑھا کرتے شیخ عبدالوہاب یہ بھی کہتے تھے کہ مخدوم جی قادری ہم سے زیادہ عالم، اسلامی احکام کی تعمیل کرنے والے متقی و پرہیز گار تھے۔ ہم اور وہ ایک عرصہ تک ساتھ رہے۔ ممکن تھا کہ میں ان کا مرید ہو جاتا لیکن میری قسمت میں تو شیخ علی متقی سے بیعت ہونا تھا۔ مخدوم جیو قادری نے ۱۰۰۰ھ / ۱۵۹۱ء کے وسط میں وفات پائی۔ [۲]

خاتمہ مرآت احمدی میں لکھا ہے کہ:

شیخ عبدالوہاب بن ولی اللہؒ متقی قادری حنفی مندوی ..... شیخ علی متقی کے مرید اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مرشد تھے۔ آپ کی ولادت مندو میں ہے آپ کے والدِ محترم مندو کے اکابر بزرگوں میں سے تھے اور برہانپور میں مقیم ہو گئے تھے اور حوادث کی بنا پر مندو کو چھوڑ دیا تھا شیخ کے والدین صغر سنی میں وفات پا چکے تھے آپ نے طفولیت ہی سے راہ حق کی طلب اور حق کی تلاش شروع کر دی تھی فقر و تجرید کے راستے میں بہت تکالیف اٹھائیں اور سفر کیے۔

---

[۱] تذکرہ قاریان ہند [۲] اخبار الاخیار ص ۵۵۹

اس کے لئے آپ نے گجرات کے علاقوں کے علاوہ دکن سیلون سراندیب، سری لنکا، وغیرہ کو چھان مارا۔ انتیس[۲۹] سال کی عمر میں مکہ مکرمہ پہنچے، شیخ علی متقی ان کے پہنچنے کی خبر سے بہت ہی زیادہ مسرور ہوئے اس لئے کہ ان کے والد محترم کے ساتھ آپ کو پہلے سے محبت اور تعلق تھا۔ اس محبت اور تعلق کی بنا پر آپ کی آمد کی خبر سنکر آپ کی زیارت اور ملاقات کے ارادے سے خود تشریف لے گئے اور ان پر بہت شفقت فرمائی۔ اور اپنے ساتھ ہی رہنے کو فرمایا۔ شروع میں شیخ عبدالوہاب نے استغنار اور بے نیازی کی بنا پر قبول نہیں کیا مگر بالآخر شیخ کے فضل وکمال کو مشاہدہ کر کے انکی صحبت اختیار کرلی۔ اور شیخ کی تالیفات کی کتابت اور اس کی تصحیح مقابلہ وغیرہ میں مشغول ہوئے ان کے یہاں شیخ عبدالوہاب نے اس قدر کتابت کی کہ بعض اوقات ایک ایک رات میں ایک ایک ہزار بیت کی کتابت کی اور دن کی کتابت اس کے علاوہ ہوتی۔ یہ صرف رات کی کتابت ہوتی۔ شیخ علی متقی کی اتباع اور آپ کی رضار کے حصول میں آپ نے اس قدر کوشش کی کہ جس کو فنار فی الشیخ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ بارہ سال شیخ علی متقی کی خدمت میں رہے۔ چوالیس[۴۴] آپ نے حج کئے کہ یہی آپ کی مکہ مکرمہ کی مدتِ اقامت ہے۔ شیخ علی متقی کی رحلت کے بعد حق صلہ رحمی کی ادائیگی کے لئے آپ برہانپور اپنے شہر ایک دفعہ تشریف لائے مگر جماعت مہدویہ کے شر کی بنار پر جن کو شیخ سے پرانی عداوت تھی اسی سال مکہ معظمہ واپس لوٹ گئے اور اس سال کا حج بھی آپ کا فوت نہ ہوا نہ صرف اہل حرمین بلکہ یمن، مصر، شام کے تمام مشائخ آپ کے علو شان اور بزرگی اور ولایت پر متفق تھے۔ [۱]

---

[۱] خاتمہ مرآت احمدی صـ۸۵۔

شیخ اولیاء بن شیخ سراج

دنیا سے محویت آپ کی عادت تھی ، مالی فربہی کو حرام سمجھتے تھے اور جو شئی ہاتھ پڑجاتی تھی وہ حاجت مندوں کو دیدیا کرتے تھے ۔ کالپی سے اجین جاکر بود وباش اختیار فرمائی ستّر سال کی عمر میں سفر حجاز پر روانہ ہوئے اور مکہ مکرمہ میں انتقال فرمایا ۔

آپ نے تین لڑکے چھوڑے شیخ قطب الدین ، شیخ مودود اور شیخ نظام درمیانی صاحبزادے نے شیخ علی متقی کے خلیفہ شیخ عبدالوہاب کی خدمت میں التزام کرکے علم حدیث کی تحصیل کی اور ان سے تلقین پائی ۔ [۱]

سیّد ابراہیم غیاث پوری

شیخ علی متقی کے شاگرد

سید ابراہیم غیاث پوری بھی حدیث کے جید عالم تھے ۔ انہوں نے مصر جاکر محمد بکری شافعی سے تفسیر وحدیث کی تحصیل کی ۔ اور مدت تک ان کی خدمت میں رہے اس کے بعد مکہ معظمہ میں علامہ شیخ علی متقی سے استفادہ کیا ۹۷۸ھ/ (۷۰ ۔ ۱۵۷۱ء) میں ہندوستان واپس آئے اور اجین میں بود و باش اختیار کی ۔ ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ء) تک بقید حیات تھے ۔ [۲]

---

[۱] گلزار ابرار ص ۳۴۸،۳۴۷ ۔ [۲] مقالات عرشی ص ۶۱ ۔

خواجہ نظام الدین احمد بخشی

موئف : طبقات اکبر شاھی ۔

وفات ۱۰۰۳ھ ۔ ۱۵۹۴ء

آپ کے آبا ر و اجداد کا تعلق ھرات سے تھا ۔ والد ماجد کا اسم گرامی خواجہ محمد مقیم تھا ۔ جو بابر کی فوج میں شامل ہو کر ھندوستان آئے تھے اور پانی پت کی پہلی جنگ ۱۵۲۶ء میں حصہ لیا تھا ۔ بابر کے قریبی زعمار میں سے تھے ۔ پھر ہمایون کے عمائدین سلطنت میں بھی شامل رہے ۔ اور مختلف مناصب پر فائز رہے ۔

شروع ہی سے آپ کو تاریخ نویسی اور وقائع نگاری کے مقابلہ میں دلچسپی رہتی تھی جن کے لئے آپ تاریخ کا مطالعہ کرتے رہتے ۔

مرزا خواجہ نظام الدین احمد ۹۵۸ھ مطابق ۱۵۵۱ء میں اکبر آباد میں پیدا ہوئے باپ کے زیر سایہ تربیت پائی ۔ آپ کے اساتذہ میں ملا علی شیر کا نام ملتا ہے جو اپنے زمانہ کے ایک فاضل اور شیخ فیضی مؤلف اکبر نامہ کے والد تھے ۔

خواجہ نظام الدین احمد نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی شعر و ادب بھی ذوق تھا گجرات بخشی ہونے کے باوجود علمار کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کرتے تھے ملا حسن علی موصلی مشہور فاضل جب گجرات پہونچے تو خواجہ نظام الدین احمد اور ان کے بیٹے محمد شریف نے ان سے استفادہ کیا ۔

ملا عبدالقادر بدایونی نے ایک واقعہ لکھا ہے جس سے خواجہ نظام الدین کے اہل علم سے بے تکلفی و علمی جستجو کا اندازہ ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ۔

ملا عالم کابلی ایک دن فتح پور میں مجھے اور مرزا نظام الدین احمد کو صبح کے وقت زبردستی اپنے مکان پر لے گئے اور وہاں انہوں نے ایک معجون کھلائی جس سے بھوک لگی اور کھانے کی خواہش بڑھتی چلی گئی۔ پھر اپنی کتابیں دکھانی شروع کیں۔ صبح سے دوپہر تک ہم دونوں نے بھوک کی مصیبت اٹھائی۔ آخر مرزا نظام الدین نے کہا کچھ کھانے کو ہو تو لاؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں سمجھا تھا کہ آپ کھانا کھا کر آئے ہونگے۔ [۱]

خواجہ نظام الدین احمد کی علم تاریخ کے سلسلہ کی تربیت اس طریقے پر ہوئی کہ انکے والد نے انہیں تاریخی کتب پڑھنے کا حکم دیا جس کی بنا پر بعد میں خواجہ نظام الدین کو علم تاریخ سے خاص مناسبت پیدا ہوگئی۔ جس کا نتیجہ طبقات اکبری کی صورت میں ظاہر ہوا اس کتاب کی تین جلدیں ہیں۔ پہلی میں غزنویوں سے سلاطین دہلی تک کے حالات دوسری میں بابر سے اکبر تک۔ تیسری میں دکن، گجرات، بنگالہ، جونپور، مالوہ کشمیر اور ملتان کے حکمرانوں کی تاریخ ہے۔ یہ کتاب ۱۰۰۲ھ میں مکمل ہوئی۔ [۲]

اکبر بادشاہ نے ان کو تاریخ الفی کے مؤلفین میں شامل کیا۔ خواجہ نظام الدین علوم شرعیہ میں بھی پوری دسترس رکھتے تھے۔ چنانچہ انکی معلومات کے ذخیرہ کی بنیاد پر ملا عبدالقادر کی مشہور کتاب نجات الرشید وجود میں آئی۔ تصوف سے بھی تعلق تھا اور مشائخ وصوفیاء سے ارادت وعقیدت سے پیش آتے تھے۔

جب خواجہ نظام الدین سن رشد کو پہنچے تو شاہی ملازمت میں آئے۔ ذخیرۃ الخوانین کے مؤلف شیخ فرید بھکری نے لکھا ہے کہ وہ شروع میں اکبر بادشاہ کے دیوان حضور رہے

---

[۱] طبقات اکبری ج ۱ [۲] ظہیر الدین بابر مسلمان وہندو مؤرخین کی نظر میں ص ۱۶۲

خواجہ صاحب آگرہ میں سید جلال قادری کے قریب رہتے تھے۔[1]

۹۹۱ھ میں مرزا نظام الدین احمد گجرات میں بخشی مقرر ہوئے چنانچہ انہوں نے خود لکھا ہے کہ:

اکبر بادشاہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اعتماد خاں نے برسوں گجرات پر حکومت کی ہے وہ گجرات کو آباد رکھنے کے طریقے دوسروں سے بہتر جانتا ہوگا اگر گجرات پر اس کو حاکم بنا دیا جائے تو ان شہروں کے حکام کی امیدواری کا سبب ہوگا جو ابھی قبضہ میں نہیں آئے چنانچہ گجرات کی حکومت اعتماد خاں کے سپرد کر دی گئی میر ابو تراب کو امین بنایا گیا۔ ملا عبد الغفار آخوند کے بھائی خواجہ ابو القاسم کو دیوانی منصب عطا رہوا۔ اور اس کمترین بندہ نظام الدین احمد مؤلف تاریخ کو بخشی گری کی خدمت پر مقرر کیا یہ عہدہ آپ کو اکبر کے انتیسویں سال جلوس میں ملا۔[2]

گجرات کی نظامت شہاب الدین کی بجائے اعتماد خاں کے سپرد ہوئی اس بات سے شہاب الدین نہ صرف ناراض ہوا بلکہ اس نے بغاوت کر دی۔ دوسرے لوگ بھی اس کے ساتھ شریک ہو کر مظفر شاہ گجراتی کے پاس پہنچے۔ اعتماد خاں اور خواجہ نظام الدین احمد نے اس شورش کو رفع کرنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔

۹۹۱ھ میں مظفر شاہ گجراتی لشکر لے کر دھولقہ آگیا۔ اس وقت اعتماد خاں اور خواجہ نظام الدین احمد شہاب الدین کو فہمائش کر کے واپس لانے کے لئے گئے ہوئے تھے۔ شہر کی حفاظت اعتماد خاں کا بیٹا شیر خاں خواجہ نظام الدین کا بیٹا محمد شریف اور میر معصوم کر رہے تھے۔ مظفر شاہ کے لشکر نے مغلیہ فوج سے مقابلہ کی کوشش کی اب شہاب الدین نے مغلوں کی طرف سے غیر معمولی طرفداری کا اظہار کیا

---

[1] طبقات اکبری ج ۲ [2] ایضاً

مگر ناکامی ہوئی۔

اس ہنگامہ کے بعد مظفر شاہ کے ایک جنرل شیر خاں فولادی کو دو ہزار سپاہیوں کے ایک دستہ سے خواجہ نظام الدین احمد نے بری طرح شکست دی۔ شیر خاں سیدھا احمدآباد کی طرف روانہ ہوگیا۔ اعتماد خاں اور نظام الدین احمد نے احمدآباد دوبارہ فتح کرنے کی کوشش کی لیکن فوج کی کمی کے باعث وہ کامیاب نہ ہوسکے۔

چنانچہ اس مہم کو کامیاب بنانے کے لئے مرزا عبدالرحیم خانِ خاناں مقرر ہوئے سرکھیج کے میدان میں زبردست مقابلہ ہوا مغلوں کو فتح نصیب ہوئی اور گجرات پر ان کا قبضہ ہوگیا۔ اس مواقع پر خواجہ نظام الدّین احمد نے نہایت جرأت و بہادری اور قابلیت وحکمتِ عملی کا ثبوت دیا۔ [۱]

ان معرکہ آرائیوں میں مرزا عبدالرحیم خانخاناں نے اکثر مواقع پر خواجہ نظام الدین احمد سے مشورہ کیا ہے۔ واضح رہے کہ خواجہ نظام الدّین احمد مرزا عبدالرحیم کے ماموں تھے۔

بہرحال ان معرکوں کے دوران مظفر شاہ گجراتی نے بعض زمینداروں کی مدد سے قلعہ جوناگڑھ کا محاصرہ کرلیا۔ چنانچہ خواجہ نظام الدین احمد سورت گئے اور انہوں نے مظفر شاہ گجراتی کو شکست دی یہ واقعہ آخر رجب ۹۹۲ھ کا ہے۔

۹۹۸ھ میں گجرات کی حکومت مرزا عزیز کوکلتاش مخاطب بہ اعظم خاں کو ملی اور خانخاناں کو جونپور اور شہاب الدین کو مالوہ ملا۔

محرم کی بیسویں تاریخ ۹۹۸ھ کو اکبر بادشاہ کابل سے روانہ ہوکر لاہور پہنچا اور خواجہ نظام الدین احمد کو بادشاہ نے اپنے پاس بلایا۔ ۱۴ رجمادی الاخری ۹۹۸ھ کو لاہور میں

---

[۱] طبقات اکبری ج ۱۔

جشن نو روز منعقد ہوا ۔ نو روز کے تیسرے دن خواجہ نظام الدین احمد ستر سواروں کی ایک جمعیت کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے لاہور پہنچے ۔ انہوں نے چھ سو کوس کا راستہ صرف بارہ دن میں طے کیا ۔ [1] چونکہ یہ ایک عجیب بات تھی اس لئے بادشاہ (اکبر) نے ان پر بہت عنایات کیں اور ان کے مرتبہ اور اعتبار میں اضافہ کیا ۔ ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ گجرات میں نظام الدین احمد نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے ۔

خواجہ نظام الدّین احمد کا قیام گجرات میں کم و بیش آٹھ سال رہا ۔ اسی زمانہ میں انہوں نے طبقات اکبری تالیف فرمائی جو ۱۰۰۲ھ میں مکمل ہوئی ۔ خواجہ نظام الدین احمد باحوصلہ امیر تھے ۔ اعلیٰ اخلاق و کردار کے مالک ، علم دوست اور ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے ۔ اکبری دور کی بے دینی و الحاد سے متنفر تھے ۔

بلکہ آپنے اس بے دینی کے خلاف ایک کتاب لکھنے کے لئے چند یادداشتیں جمع کیں لیکن کتاب نہ لکھ سکے ۔ انہیں یادداشتوں کی بنیاد پر ملا عبدالقادر بدایونی نے نجات الرشید لکھی ۔ اس کتاب کے چند عنوان ملاحظہ ہوں ۔

اصرار بر معصیت ، شرب خمر ، افتراء بر خدا ، ترک صلوٰۃ ، ترک زکوٰۃ ، اہانت انبیاء ، اہانت ملائکہ ، دروغ بر رسول ، بت پرستی ، آفتاب پرستی ، تعظیم کواکب ، غلو در علم فلاسفہ کردن ، الحاد ، سبِّ صحابہ ، سجدہ لغیر اللہ ، معنی قرآن بے علم گفتن ، تراشیدن ریش ، نکاح متعہ کردن ، ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں ان مسائل و موضوعات کو تفصیل سے لکھا ہے ۔

مرزا نظام الدین کے بہت سے لوگوں کے ساتھ اچھے اور گہرے تعلقات تھے شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے تو بے حد خلوص و محبت کے تعلقات تھے ۔ ابتدائی زمانہ میں شیخ محدث رح

---

[1] طبقات اکبری ج ۱ ۔

فتح پور سیکری میں ان کے پاس ٹھیرے تھے۔ پھر جب وہ ایک جذبہ کے تحت یک لخت بیت اللہ کی طرف چل کھڑے ہوئے تو مرزا صاحب ہی نے ان کے لئے زاد راہ کا انتظام کیا تھا اور نہایت خاطر مدارات سے ان کو احمد آباد میں اپنے یہاں سال بھر ٹھیرایا تھا۔ [1]

۱۰۰۳/۱۵۹۴ھ میں جب اکبر شکار کے لئے نکلے تو آپ ان کے ہمراہ تھے۔ ؛شاہم علی، کے قریب ان کو بخار ہو گیا۔ ان کے بیٹے ان کو لاہور لے گئے۔ لیکن آپ دریائے راوی کے کنارے پہنچ کر وفات پا گئے۔

۲۲ صفر ۱۰۰۳ھ بمطابق ۲۸ اکتوبر ۱۵۹۴ء کو ۴۵ سال کی عمر میں خواجہ صاحب نے اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔

خواجہ نظام الدین کا لاہور میں ایک وسیع و عریض نہایت خوبصورت ذاتی باغ تھا اس کے گوشہ میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا [2]

بدایونی نے لکھا ہے کہ کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو ان کے غم میں پرنم نہ ہوئی ہو۔ بقول شاہنواز خاں خواجہ نظام الدین راستی و درستی میں بے مثل اور کارگزاری و معاملہ فہمی میں اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے۔ [3]

طبقاتِ اکبر شاہی کے متعلق

خواجہ نظام الدین احمد نے ۱۵۹۲ء/۱۰۰۱ھ میں لکھی۔ اس کی تاریخ تصنیف لفظ ؛نظامی، سے نکلتی ہے۔ کتاب کا نام طبقات اکبر شاہی ہے، لیکن زیادہ تر ؛طبقات اکبری، کے نام سے مشہور ہے۔ یہ سبکتگین کے دور (۹۷۷ء تا ۱۵۹۴ء)

---

[1] حیات شیخ عبد الحق [2] ترجمہ طبقات اکبری ص ۹ [3] تاریخ ادبیات فارسی ادب ص ۱۶۴

۹۶۷ھ تا ۱۰۰۱ھ تک کے حالات پر مشتمل، ہندوستان کی ایک نہایت اہم، سنجیدہ اور مستند تاریخ ہے۔ جس میں برصغیر کے تمام علاقوں کی تاریخ لکھ کر اس کا اختتام اکبر کی فتوحات پر کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ پہلی تاریخ ہے جس میں یہاں کے بادشاہوں کا ذکر اس قدر تفصیل سے آیا ہے۔ مؤلف نے واقعات کی تحقیق میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ یہ کتاب اس لحاظ سے اور بھی مفید اور اہم ہے کہ اس میں اکبری دور کے حکماء، علماء، فضلاء، اور شعراء، وغیرہ کا تذکرہ بھی ہے۔ بعد میں آنے والے مؤرخین نے اس سے بہت استفادہ کیا ہے۔ اندازِ تحریر سادہ اور رواں ہے۔

اکبر کی فتوحات اور نظم ونسق کے بارے میں اطلاعات کے علاوہ اس دور کے عجیب وغریب واقعات اور کہیں کہیں معاشرتی اور عمرانی حالات بھی آ گئے ہیں اور کہیں کہیں اشعار سے عبارت کو آراستہ کیا گیا ہے۔ [۱]

شیخ حسن علی موصلی

آپ فتح اللہ شیرازی کے شاگرد تھے۔ شاہی ملازمت میں داخل ہوئے تو ان کو شہزادہ سلیم کی تعلیم کے لئے مامور کیا گیا۔ آپ شہزادہ کو فارسی اور علم حکمت پڑھاتے تھے۔ ملا عبدالقادر بدایونی کا بیان ہے کہ شیخ ابوالفضل نے اُن سے خفیہ طور سے ریاضی، طبعیات اور حکمت کی تعلیم حاصل کی اور ان علوم کے دقائق وغوامض معلوم کئے۔ لیکن ابوالفضل نے کبھی ان کی تعلیم نہیں کی۔

ملا صاحب کا یہ بھی بیان ہے کہ دربار کے طور طریقے بدلے تو وہ ملازمت سے علیحدہ ہو کر گجرات چلے گئے۔ جہاں طبقات اکبری کے مصنف مرزا نظام الدین احمد

---

[۱] تاریخ ادبیات فارسی ادب صفحہ ۴۹۶ ج ۱۔

کی صحبت میں رہے۔ انہوں نے اور ان کے لڑکے محمد شریف نے ان سے عقلی علوم میں استفادہ کیا۔ فتح اللہ شیرازی کی وفات ہوئی تو ابوالفضل نے ان سے کہا کہ علم و فضل کے لحاظ سے ان کے جانشین شیخ حسن علی موصلی ہی ہو سکتے ہیں۔

شاہی فرمان بھیج کر ان کو بلایا گیا اور جب وہ لاہور اکبر کے دربار میں پہنچے تو وہ کسی بہانہ سے اپنے وطن چلے گئے اور جب ان کو پھر طلب کیا گیا تو انہوں نے کہلا بھیجا۔ الحمدللہ میں نے اپنے منافق دوستوں سے چھٹکارا حاصل کر لیا ہے۔ انشاء اللہ اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاؤں گا۔ [1]

میر محوی

(م ۹۸۰ھ)

نظام الدین بخشی کے دوست تھے، مرزا خانِ خاناں کے پاس گجرات میں قیام رہا انہی کی تربیت و مدد سے حجاز گئے۔ یہ ان کے اشعار ہیں۔

تا زلف بروئے ہمچو مہ خواہد بود!
تا خط شہ حسن را سپہ خواہد بود
گر خانہ زخشت آفتابم سازند
روزی من بیچارہ سیہ خواہد بود
محوی کہ زکوئے عقل بیروں می گشت
آوارہ تر از ہزار مجنوں می گشت!
دور از تو دو رہ دیدم آں گمشدہ را
دور بادیہ کہ باد در خوں می گشت

---

[1] مآثر الامراء ص۳۰۳، ۱۳۶ منتخب التواریخ ص۳۲۶۔

من جان و دل حزیں نمی دانستم
من گریۂ آتشین نمی دانستم !
بے نام بمن گزاشتی و نہ نشاں
اے عشق ترا چنیں نمی دانستم [۱]

مُلّا حالتی [۲]

دوست نظام الدین بخشی

ایک مدّت تک بخشی (نظام الدین احمد) کے ہمراہ گجرات میں رہے، یہ آپکے اشعار ہیں۔

پیغام دوست داغ جگر تازہ می کند۔
درد و داغ و رنج و سفر تازہ می کند
عاشق رخ خویش برد ت سود و برفت
واں مہر کہ در شت با تو بنمودہ برفت
یک شب بہزار حیلہ در بزم وصال
پروانہ شمع دیدہ بکشود و برفت [۳]

---

[۱] طبقات اکبری ج ۲ صـ۵۴۳ ۔ تذکرۃ الشعراء میں نام میر محمد اور دوسرے تذکرہ توضیحات صـ۴۸ میں میر محمد یوسف المتوفی ۹۸۰ ھ ہے۔

[۲] بدایونی منتخب التواریخ صـ۴۸۹ میں "حیالی" اور تذکرۃ الشعراء صـ۳ میں "حالتی" دیا ہے۔ [۳] طبقات اکبری صـ۵۵۹ ج۲

صرفی ساوجی[1]

رفیق نظام الدین بخشی

کچھ عرصہ گجرات میں خواجہ نظام الدین احمد کے ساتھ رہے تھے۔ پھر آپ لاہور چلے آئے۔ درویشانہ وضع میں رہتے تھے۔ جس زمانہ میں فیضی دکن پر مامور ہو کر گیا تھا آپ بھی اس کے ساتھ تھے۔ آپ نے دکن ہی میں وفات پائی اپنی یادگار ایک دیوان چھوڑ گئے۔ قصیدہ و غزل میں خاص رنگ اور طرز کے مالک تھے۔

زراہ کعبہ ممنوعم وگرنہ میفرستادم
کف پائے بزحمت چینیٔ خارِ مغیلانش

گل فروشی من کہ خواہد گل بہ بازار آورد
باید اوّل تاب غوغائے خریدار آورد

گرم خواہی بسوزی آتش رخسار روشن کن
کہ از خاکستر من تا قیامت نور برخیزد [2]

بقائی

رفیق نظام الدین بخشی

آپ ولایت ایران سے آئے ہوئے تھے، دکن میں ملک قمی شاعر کے ساتھ رہنے لگے وہاں سے گجرات پہنچے اور مرزا نظام الدین کے ساتھ رہنے لگے، پہلے آپ کا تخلص

[1] تذکرۃ الشعراء ص۱۴۰ میں مولانا ناصر ساوجی لکھا ہوا ہے [2] منتخب التواریخ ص۲۰۹ طبقات اکبری ص۵۴۲/۲۶

مشغولی تھا، مرزا نے بدل کر بقائی رکھ دیا۔
آپ کے اشعار میں ایک کیفیت پائی جاتی ہے، آپ کے حالات با وضع ومتوازن ہیں۔

تا عشق زمژگاں بناں نیشتر آورد!
خون از رگ واز ریشۂ من جوش بر آورد
فریاد کہ تا چشم زدن تیر خیالش
در دید فرو رفت وسر از دل بر آورد

بجائے اشک از چشم دل افگار می بارد
ہمہ خون جگر زیں ابر آتش بار می بارد
مرغ دل تا صید چشم او شکار انداز بود
بر سر مو بر سرم چوں مرغ در پرواز بود [۱]

لطفی منجم

رفیق علامہ نظام الدین بخشی

بادشاہ کے مصاحب تھے، مگر بڑے نیک دل آدمی تھے۔ آپکو اساتذہ کے اشعار بہت یاد تھے، کسی بھی موضوع پر آپ رات بھر میں ایک ہزار اشعار سنا سکتے تھے کچھ عرصہ تک گجرات میں مرزا نظام الدین احمد کے ساتھ رہے اور ان کی مدد سے زاد راہ حاصل کرکے سفر پر چلے گئے۔

---

[۱] منتخب التواریخ

سے گل گل از تاب شراب آں رخ چوں گلزار شد ؛ گلفروشاں مژدہ بادتا آنکہ گل بسیار شد

دلم گر شعلۂ آتش شود افسردگی دارد گل بختم گراز جنت رسد پژمردگی دارد

ہر آہ کہ در حسرت بالائے تو کردم
نخل چمن آرائی پشیمانی من شد [1]

خان خاناں مرزا عبدالرحیم رح

بیرم خاں کے لائق فرزند تھے ۔ انکی والدہ میوات کے مشاہیر کی نسل سے تھیں ۔ ہمایوں بادشاہ ۹۶۱ھ نے یہ نکاح کرایا تھا اس طرح کہ حسین خاں میواتی کے چچا زاد بھائی جمال خاں جو ہندوستان کے معتبر زمینداروں میں سے تھے ۔ ان کی دو لڑکیاں تھیں بڑی لڑکی سے بادشاہ نے خود عقد کیا اور دوسری کا عقد بیرام خان سے کر دیا ۔

۱۴ رصفر ۹۶۴ھ مطابق ۷ رسمبر ۱۵۵۶ء کو لاہور میں مرزا عبدالرحیم پیدا ہوئے ۔ جب ان کے والد (بیرام خاں) پٹن، گجرات میں ایک افغان کے ہاتھ سے شہید ہوئے تو ان کی عمر چار سال تھی ۔

محمد امین دیوانہ اور بابا زنبور مرزا (عبدالرحیم) کو ان کی والدہ کے ساتھ اس پر آشوب ماحول سے نکال کر احمد آباد کی طرف روانہ ہو گئے ۔ ان کی تعلیم و تربیت پر خود بادشاہ نے توجہ فرمائی ۔

جب آپ (مرزا عبدالرحیم) سن تمیز کو پہنچے تو مرزا خان کے خطاب سے سرفراز ہوئے اور خان اعظم کوکہ کی بہن ماہ بانو کے ساتھ ان کا عقد کر دیا گیا ۔ اکیسویں سال جلوس اکبری میں گجرات کی سرداری ان کے لئے نامزد ہوئی ۔ ملکی معاملات وزیر خاں کے سپرد ہوئے ۔ ۲۵ ویں سال جلوس اکبری میں (مرزا عبدالرحیم) بادشاہ کے میر عرض مقرر ہوئے اور

---

[1] منتخب التواریخ ۔ ص ۳۹ ؁

۲۸ ویں سال جلوس اکبری میں شاہزادہ سلطان سلیم کے اتالیق مقرر ہوئے۔ اسی سال انہوں نے سلطان مظفر گجراتی پر فتح پائی۔

جب شہزادہ سلطان مراد بادشاہی حکم کے مطابق دکن کی فتح یابی کے لئے احمدآباد گجرات سے نکل کر امدادی لشکر کی انتظار میں بھروچ میں مقیم ہو گئے تو خانِ خاناں جو بادشاہ کے حکم سے شاہزادے کے ہمراہ مقرر تھے۔ کچھ عرصہ کے لئے اپنی جاگیر بھلیسہ میں قیام کرنے کے بعد اجین کو روانہ ہو گئے۔

شاہجہاں اسی زمانے میں خانِ خاناں کے لڑکے شاہ نواز خاں کی لڑکی کو اپنے عقد میں لائے۔

خانِ خاناں لاہور میں بیمار ہو گئے اور دہلی پہونچکر بہتر سال کی عمر میں ۱۰۳۶ھ مطابق ۱۶۲۷ء جہانگیری اکیسویں سال کے آخر میں فوت ہو گئے۔

"خاں سپہ سالار" تاریخ وفات ہے ۱۰۳۶ھ (۱۶۲۷ء)۔ ہمایوں بادشاہ کے مقبرے کے نزدیک دفن ہوئے۔ آپ حضرت عیسیٰ جند اللہ کے بہت معتقد تھے خانِ خاناں قابلیت اور استعداد میں یکتائے زمانہ تھے۔ عربی، فارسی، ترکی اور ہندی میں مشاق تھے۔ شعر خوب سمجھتے اور کہتے تھے۔ رحیم تخلص کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اکثر زبانوں میں جو دنیا میں مروج ہیں گفتگو کرتے تھے، ان کی سخاوت اور عالی ہمتی ہندوستان میں ضرب المثل تھی۔ ان کے متعلق اکثر عجیب حکایتیں مشہور تھیں۔

شاہانِ مغلیہ کے عہد میں خانِ خاناں کا شمار لائق ترین امراء میں ہوتا تھا۔ آپ کے دربار سے علماء و اصحاب فن وابستہ رہتے تھے۔ ان میں سے مولانا میاں وجیہہ الدین مولانا نازی خاں بدخشی، قاضی نصیر الدین برہانپوری، ملا خیر الدین رومی، مولانا جلال الدین حسن نیشاپوری، مولانا شیخ عبداللہ، مولانا شیخ ابراہیم، مولانا شیخ علم اللہ، مولانا صوفی، ملا محمد علی کشمیری، مولانا میر دوستی سمرقندی۔ میر عبدالباقی تبریزی، میر فیض

اللہ زرخورانی، ملا خوشحال تاشقندی، مرزا محمد قاسم گیلانی، آقا جلال قزوینی، قاضی عبدالعزیز ہمدانی، مولانا محمد تقی کاشانی، مولانا مقصود علی تبریزی، مولانا محمد رضائی تاج مشہدی اور حکیم کمال الدین حسین شیرازی قابل ذکر ہیں۔

آپ کی خط وکتابت حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے بھی رہی۔ جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امارت کے باوجود آپ کا دینی شعور بیدار تھا۔[۱]

خانِ خاناں (عبدالرحیم) اس (سلطنت مغلیہ) کے بڑے امیروں میں سے تھے۔ ان کا مشہور نام صفحہ زمانہ پر ہمیشہ کے لئے منقش ہو گیا۔ اکبر بادشاہ کے دور حکومت میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ان میں سے تین خاص کام فتح گجرات، تسخیر سندھ اور سہیل خاں بیجاپوری کی شکست ہیں۔

خانِ خاناں کی طرف سے چوک گلی اور بازاروں تک میں جاسوس تعینات رہتے تھے کہ جو کچھ وہ عوام میں خبریں سنتے تھے ان کو بھی تحریر کرتے تھے۔ خانِ خاناں شام کے وقت سب کو پڑھ کر آگ میں جلا دیا کرتے تھے۔[۲]

فیاضی

خانِ خاناں بیرم خاں کے لڑکے خانِ خاناں عبدالرحیم خاں اکبر اور جہانگیر کے دور میں بہت ہی معزز منصب دار بن کر رہے، اپنی شجاعت اور فہم وفراست کے لحاظ سے بہت مشہور رہے پھر اپنی سخاوت اور بخشش میں حاتم زمانہ کہلاتے تھے ایک بار ایک برہمن فقیر ان کے پاس پہنچا اور ان سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ ہم اور آپ دونوں ہم زلف ہیں، پھر آپ ہمارے حال سے اس قدر غافل کیوں ہیں خانِ خاناں نے یہ سنکر اس کو اپنے پہلو میں بلا کر بٹھایا، اور اس کا حال پوچھا، اور جب رخصت کیا

---

[۱] ہندوستان کے سلاطین ومشائخ کے حالات، پر ایک نظر ص۸۵۔ ص۸۶۔

[۲] مآثر الامراء ص۶۸۹۔

تو اتنا نقد وجنس عطا رکیا کہ اس کا افلاس جاتا رہا ۔ خان خاناں کے مقربوں نے پوچھا کہ آخر اس برہمن ہندو سے ہم زلفی کا رشتہ کیسا ہو سکتا ہے خانِ خاناں نے جواب دیا کہ سمیدا اور بٹیا دو بہنیں ہیں سمیدا سے مراد تو نگری ہے ۔ وہ تو میرے عقد میں ہے ، اور بٹیا سے مراد مفلسی ہے ، وہ برہمن کے حبالہ میں ہے (کلمات الشعراء از محمد افضل سرخوش ص ۳۵)

ادبی سرپرستی میں زرپاشی

خانِ خاناں عبدالرحیم خاں فارسی اور ہندی دونوں میں طبع آزمائی کر کے ماہرین فن سے داد حاصل کیا کرتے تھے کہ وہ جسطرح فارسی کے اساتذہ کے مقابلہ میں غزلیں کہتے تھے اسی طرح ہندی شاعروں کے مقابلہ میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے وہ ہندی شاعری کی تاریخ میں زندہ جاوید رہیں گے ، ان کے ہندی کلام کے مجموعوں میں دوہا ولی ، نگر شوبھا بروے نائکہ بھید بروے شر لگار ، سورٹھا ، پھٹکر ید اور رحیم کا ویہ اب تک مشہور ہیں ، ان کے دربار میں فارسی شعراء میں عرفی ، شکیبی ، نوعی شیرازی ، ثنائی خراسانی ، کفوی ، معزی جیسے بلند پایہ شعراء ان کی زرپاشیوں سے سیراب ہوتے رہے ۔ اسی طرح ہندی شعراء کیشو داس ، گنگ ، ہری ناتھ ، منڈن ، پرشدھ ، ہول رائے . اور مکند وغیرہ بھی کے یہاں سے بڑے بڑے صلے پاتے رہے ۔

ایک دن ان کے دربار کے مشہور شاعر نظیری نے کہا کہ میں نے لاکھ روپے کا ڈھیر نہیں دیکھا ہے ، یہ سنکر خانِ خاناں نے حکم دیا کہ خزانے سے روپے لاکر ایک لاکھ کا ڈھیر لگایا جائے ، جب یہ ڈھیر لگ گیا تو نظیری نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میں نے ایک لاکھ روپے کا ڈھیر دیکھ لیا ۔ اس کے بعد خانِ خاناں نے حکم دیا کہ یہ تمام روپیے نظیری کو دیدیئے جائیں تاکہ وہ اللہ کا شکر ادا کرتا رہے ۔ [۱]

---

[۱] مآثر الامراء جلد دوم ص ۷

ایک اور شاعر ملا نوعی ان کی شان میں قصیدے اور ساقی نامہ لکھتے رہے آپ نے ایک بار تو دس ہزار روپئے خلعت، ہاتھی، گھوڑے عطا کئے، دوسری بار اس کو سونے میں تلوادیا۔ مآثر رحیمی میں ہے کہ آپ نے جتنے انعامات فارسی کے شعراء کو دیئے اتنے ہی ہندی شاعروں کو عطار کئے [1]

ایک بار آپ نے ایک ہندی شاعر گنگ کوی کی کبتاؤں سے خوش کر اس کو چھتیس لاکھ روپے انعام میں دیئے۔ (ہسٹری آف ہندی لٹریچر از اف۔ای۔کی)

کتب خانہ خان خاناں

خانخاناں مرزا عبدالرحیم بن بیرم خاں ممکن ہے علمی قابلیت میں اپنے ہم عصروں سے کم رہے ہوں لیکن علم کی قدردانی میں ان سے بہت آگے تھے۔ ان کا کتب خانہ شروع میں احمدآباد میں تھا جب یہ وہاں کے حاکم تھے۔ یہ بہت اعلیٰ درجہ کا کتب خانہ تھا۔ کتابوں کی مرمت، اصلاح اور حفاظت کیلئے بہت سے ملازمین مقرر تھے، کاتب، جلدساز، وراق، صحاف، نقاش اکثر وہ ہوتے جو اپنے فن میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ مولانا ابراہیم نقاش اسی کتب خانہ میں ملازم تھے۔ یہ خوش نویس، طلاکار، صحاف اور حکاک بھی تھے۔ علمی استعداد بھی ان کی اچھی تھی۔ طبع موزون بھی رکھتے تھے۔ ان کی نسبت مآثر رحیمی میں ہے۔

وہ ایک مدت تک اس کتاب خانہ میں کتاب داری کے عہدہ پر ممتاز رہے ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی چیزیں، تصویریں اور طلاکاری کے نمونے بکثرت ہیں اس کے بعد (غالباً ان ہی کی جگہ) مشفق نقاش کا تقرر ہوا جو فن نقاشی میں یکتائے روزگار تھے۔

---

[1] مآثرالامراء ص۶۹۵۔

خوش نویس بہبود مرزا مشہور خوشنویس تھے جو میر علی خوشنویس کے بھائی تھے۔ نقاشی اور خوش نویسی میں ان کو کمال حاصل تھا۔ خانِ خاناں کے کتب خانہ میں اسی کام پر ملازم تھے۔

شجاع شیرازی، ان کو خطِ ثلث اور نسخ میں بڑی مہارت تھی۔ ۹۹۹ھ میں انہوں نے مقام ٹھٹھ میں شرف ملازمت حاصل کیا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد کتب خانہ کی خدمت ان کے سپرد ہوئی۔ [1]

عبدالرحیم خانخاناں (بہ حضرت خواجہ عقیدت وارادت تمام داشت) نے یہ سنکر کہ حضرت خواجہ کو حج پر جانے کی خواہش ہے ان کی خدمت میں ایک لاکھ روپیہ بھجوایا لیکن آپ نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اس طرح دوسروں سے پیسے لے کر حج پر جانا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ [2]

جانان بیگم

(وفات سنہ ۱۰۷۰ھ / سنہ ۱۶۵۹ء)

امیر عبدالرحیم بن خانخاناں کی صاحبزادی جانان بیگم جس نے اپنے والد کی امارت کے دور میں پرورش پائی۔ اور علم و کمال کے اس درجہ کو پہنچی کہ عورتوں کا کیا ذکر جہاں تک بہت سے مرد بھی نہیں پہنچ سکے اسی لئے اکبر نے اپنے بیٹے دانیال کا اس جانان بیگم سے نکاح کرایا اور دانیال کو گجرات کی طرف روانہ کر دیا۔ اور گجرات میں دانیال کا انتقال ہوا اور یہ جانان بیگم طویل عرصہ تک گجرات ہی میں رہیں۔

اُدھر دوبارہ نکاح کی ان کو رغبت نہیں تھی۔

کہتے ہیں کہ سلطان جہانگیر نے خود ان سے نکاح کا ارادہ کیا مگر جانان بیگم نے انکار

---

[1] تیموری کارنامے صـ ۲۰۲ [2] رود کوثر صـ ۲۰۳۔

کر دیا۔ آپ حج وزیارت سے مشرف ہوئیں اور آپ نے قرآنِ کریم کی تفسیر بھی لکھی ہے، نیز آپ کے فارسی کے اشعار بھی بہت مشہور ہیں۔

جانان بیگم نے ۱۰۷۰ھ میں وفات پائی۔ [1]

مولانا نظیری

(وفات:- ۱۰۲۰ھ/۱۰۲۱ھ/۱۰۲۳ھ)

نام محمد حسین اور نظیری تخلص تھا۔ احمد آباد کے رہنے والے تھے گجرات میں خانخاناں نے اپنے کتب خانہ میں تمام اساتذۂ سخن کے دواوین جمع کر رکھے تھے۔ اس دور کے تمام شعراء کی خواہش ہوتی کہ ان کا دیوان خانخاناں کے کتب خانہ میں جائے۔ نظیری بھی ان ہی شعراء میں سے تھے۔ انہوں نے جب اپنا دیوان مرتب کیا تو خانخاناں گجرات سے آگرہ منتقل ہو چکے تھے۔ نظیری نے احمد آباد سے آگرہ کا طویل سفر محض اپنا دیوان خانخاناں کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے کیا نظیری کو بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا اور بہت جلد خراسان میں انکی شہرت پھیل گئی۔ جب خراسان سے کاشان آئے تو وہاں حاتم فہمی، شجاع اور رضائی کے کلام سے فضا گونج رہی تھی۔ نظیری نے ان کے مقابلہ میں غزلیں کہکر اپنے فن کا ثبوت دیا۔

مآثر رحیمی کے مؤلف نے لکھا ہے کہ کاشان کے ایک طرحی مشاعرے میں نظیری نے بھی ایک غزل کہی جس کا ایک شعر یہ تھا۔

زخود ہر گز نیازارم دلے را ۔۔۔ کہ می ترسم درو جائے تو باشد

مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ "جائے" کا قافیہ شاعروں کی غزل میں اس طرز پر پہلے سے بندھ چکا تھا مثلاً ؎

دو عالم را بیک بار از دل تنگ ۔۔۔ بروں کردیم تا جائے تو باشد

[1] مرآۃ جہاں نما۔ نزہۃ الخواطر ۱۷۷ جلد ۵ صفحہ ۱۲۴۔

لیکن نظیری نے اول الذکر شعر میں اس قافیہ کو نئے پہلو سے باندھا نظیری نے اس شعر کا پہلا مصرعہ اس طرح کہا ہے

نیازارم زخود ہرگز دلے را

نظیری کاشان سے چل کر ھندوستان آئے اور آگرہ میں خانخاناں سے ملاقات ہوئی کیونکہ ۹۹۲ھ میں اکبر نے خانخاناں کو آگرہ طلب کرلیا تھا۔ اس وقت نظیری خانخاناں کے متوسلین میں شامل ہو کر گجرات آگئے اور احمدآباد میں قیام پذیر ہو گئے۔

بعد میں خانخاناں کی شان میں مدحیہ اشعار کہا کرتے تھے اور خانخاناں بھی آپ کو انعام واکرام سے نوازتے رہے۔ ایک مرتبہ ایک مجلس میں خانخاناں نے نظیری کو ایک لاکھ روپے عطا کئے۔ نظیری کو زیارت خانہ کعبہ کی بڑی تمنا رہی جس کا اظہار انہوں نے اس طرح کیا۔

کشتی تن شدہ طوفان زدۂ عصیانم	وائے من گر بہ حمایت نہ رسد غفرانم
گر دل ایں چشمۂ ا پناشتہ را بکشاید	بہ گریباں رسد آلودگی دانم !
بہر آبادی صدبت کدہ اش آب و گل است	از خود آلائش اگر دور کند ایمانم
صید قربانگہ عشقم بہ قفا ماندہ کجاست	کعبہ گردی کہ بہ تقصیر کند قربانم

خانخاناں نے زادراہ کے لئے روپے دیئے اور ۱۰۰۲ھ میں سورت کے راستہ سے مکہ مکرمہ پہنچے

آپ کے متعلق لکھا ہے کہ خانخاناں کے ساتھ مستقل طور پر وابستہ ہو کر احمدآباد دگجرات میں سکونت پذیر ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد حج کے لئے گئے سرو آزاد میں ہے کہ حج کرنے کے بعد پھر احمدآباد میں رہے۔ قیاس یہ ہے کہ ۱۰۰۲ھ میں حج کیا ہے حج سے واپسی پر مراد کے دربار میں رسائی حاصل کی ۱۰۱۴ھ میں اکبر کی وفات کے بعد جہانگیر تخت نشین ہوئے تو نظیری کو دربار میں طلب کیا

چنانچہ جہانگیر توزک میں ۱۰۱۹ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں۔ ''ان شعر و شاعری میں مشہور روزگار تقیری نیشاپوری کو جو گجرات میں تجارت کے ذریعے زندگی بسر کررہے ہیں میں نے دربار میں طلب کیا تھا انہی دنوں اس نے یہاں پہنچ کر آستانہ بوسی کا شرف حاصل کیا۔ وہ انوری کے اس قصیدے سے

بازایں چہ جوانی و جمالست جہاں را

کی زمین میں میری مدح لکھ کر لایا تھا۔ جسے پیش کرنے پر میں نے صلے میں ہزار روپے، گھوڑا، اور خلعت عنایت کیا۔''

بقول آزاد ایک مرتبہ جہانگیر نے انہیں ایک عمارت کا کتبہ لکھنے کے لئے کہا جس پر انہوں نے یہ غزل لکھ کر پیش کی۔

ایں خاک درت صندل سرگشتہ سران را

بادامژہ جاروب رہت تاجوران را

جہانگیر نے اس کے انعام میں کوئی تین ہزار بیگہ زمین عطا کی۔

شیخ محمد مندوی غوثی، گلزار ابرار میں لکھتے ہیں کہ آپ درویش طبیعت صوفی سیرت اور مہذب الاخلاق تھے۔ آخری عمر میں صوفیان وحدت گزار کے مانند شعر کہنے لگے تھے۔ مرنے سے بارہ سال قبل احمد آباد میں مقیم ہو کر علوم دینی حاصل کئے اور تفسیر و حدیث کے لئے مولانا حسین جوہری وارہ کی شاگردی اختیار کی۔

بدایونی ان کے متعلق لکھتے ہیں: ''لطافت طبع اور نفاست ذوق میں دوسرا شکیبی اصفہانی ہے۔'' [۱]

---

[۱] منتخب التواریخ صـ ۲۶۴ ۔ توزک جہانگیری صـ ۲۰۹ ۔ سرو آزاد صـ ۲۴ دربار ملی صـ ۲۵۴ ۔

نظیری نیشاپوری جب احمدآباد گجرات میں مقیم تھے۔ اور تمباکو کے شیدائی تھے تو اس کی تعریف میں ایک غزل لکھی جس کے چند شعر یہ ہیں۔ ؎

نے سنبل تنباکو ئی نہ آتش رخسارہ
دل بوئی خامی مید ہد بیداغ آتش پارہ
مردم گیاہ از چین مخر تنباکو آچین بخر
ہم بایۂ بے مایۂ ہم چارۂ بے چارۂ
خواہم دہد وجد آنقدر جام و نے تنباکویم
کافتم بطاق ابروئے چوں نرگس خمارۂ
اندر کمند دود او کز سنبل دلجو یاست
ہم چوں کلیم افتادہ ام اندر دم سمارۂ [۱]

۱۰۰۸ھ میں آپ گوشہ نشین ہو گئے تھے آپ کو اکبر کے ملحدانہ خیالات سے بڑی نفرت تھی۔ اکبر کے دربار سے وابستہ نہ ہونے کی وجہ یہی تھی۔

آپ نے ۱۰۲۰ھ / ۱۰۲۱ھ / ۱۰۲۳ھ میں بمقام احمدآباد وفات پائی اور تاجپورہ احمدآباد ہی میں اپنی بنائی ہوئی مسجد کے جوار میں دفن ہوئے۔ [۲]

مولانا محمد رضا شکیبی

(م سنہ ۱۰۲۰ھ - سنہ ۱۶۱۱ء)

آپ شکیبی تخلص رکھتے تھے۔ اور خواجہ عبد اصفہانی کے صاحبزادے تھے۔ معقولات کے ماہر تھے اور فن تذکرہ و تاریخ پر انہیں عبور تھا۔ فارسی زبان کے بڑے اچھے شاعر

---

[۱] مقالات شیرانی ج ۳ ص ۶۶۔ [۲] بزم تیموریہ، تاریخ ادبیات ج ۴ ص ۳۰۲ طبقات اکبری ج ۲ ص ۴۸۵۔

تھے، فنِ انشاد میں درجہ معلمی حاصل تھا۔ آپ کے جدا علیٰ خواجہ عبداللہ وہ ہیں جن کے حالات، نفحات الانس میں مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی نے لکھے ہیں۔ خواجہ عبداللہ امامی، خواجہ امین الدین حسن کے فرزند ارجمند تھے۔ اور خواجہ امین الدین حسن وہ ہیں جن کے مبارک نام پر لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی نے ایک غزل موشح کی تھی یہ دو بیت اسی غزل میں سے ہیں۔ ؎

چو در گلزار اقبالش خرامانم بحمد للہ — نہ میل لالہ ونسرین نہ برگ نسترن دارم

برندی شہرہ شد حافظ پس از چندین ورع لیکن — چہ غم دارم چو در عالم امین الدین حسن دارم

سنہ ۱۰۰۰ھ/ ۱۵۹۵ء کے آغاز میں آپ خانِ خاناں کے ساتھ دکن آئے تھے۔ مولانا نظیری نیشاپوری۔ بوتیقلی بیگ انیس ملا محب علی سندھی، [illegible] ملا کامی سبزواری، ملا نقائی۔ یہ تمام اصحاب اور دیگر اہل سخن کی ایک جماعت بھی رفاقت میں تھی۔ یہ جملہ اصحاب منڈو (مانڈو) کے راستہ سے گزرے تو مولانا غوثی سے ملاقات ہوئی۔

۱۰۱۷ھ میں پھر آپ کا گذر منڈو (مانڈہ) پر ہوا۔ چونکہ ایک مدت کے بعد ملاقات کا موقع ملا تھا اور یہ۔۔۔۔ وہ وقت تھا کہ علامہ غوثی مشائخ وقت اور بزرگان عہد کے حالات لکھ رہے تھے۔ اس لئے مولانا محمد رضا سے بھی حالات دریافت کئے جو حسب ذیل ہیں۔

سنہ ۹۶۴ھ میں ولادت ہے۔ جب زمانہ ہوش آیا تو کچھ علوم تو شیراز میں اور کچھ اپنی زاد بوم میں حاصل کئے۔ جب عمر چونتیس سال ہوئی تو شاعری اور کلام کا وزن برابر کرنے کا ملکہ پیدا ہوا۔ اور جوانی میں ہند کی سیاحت کا شوق ہوا۔ اپنے یہاں سے لاہور ہو کر ہرمز میں آئے۔ ہرمز سے بندر جیول کی کشتی میں بیٹھ کر دریا پار کر کے کنارے آ اترے۔ اور یہاں سے سپہ سالار (خانخاناں) ملازمت کے شوق میں احمدآباد گجرات آ گئے۔

ان ایام میں نواب کام بخش دارالخلافہ شہنشاہی میں تھے ۔ لہذا احمد آباد سے روانہ ہوکر نواب کے پاس پہنچے ۔

۱۰۰۶ھ میں سہیل کی لڑائی کے بعد لشکر سرونج میں آئے ۔ خونِ شکم کی بیماری کا عارضہ ہوگیا ۔ ارادہ ہوا کہ اگر صحت ہوجائے تو آئندہ دنیا کے کام کو ہاتھ نہیں لگاؤنگا اور اخروی سامان کو راہ حجاز میں صرف کرونگا ۔ اسی روز سے شفا شروع ہوئی ۔ چھ سال تدبیریں کرتے کرتے گذر گئے ۔ پھر ۱۰۱۲ھ میں حجاز کا سفر شروع ہوا تین سال کے اندر سفر پورا ہوا ۔ وہاں سے مراجعت کرکے بندر سورت کے کنارے پر آ اترے ۔ جب برہانپور میں پہنچے تو پھر خانخاناں کی مصاحبت رہی ۔ ایک مدت تک ملازمت میں رہے ۱۰۱۹ھ میں نواب نے گوشہ نشینی کی خواہش پر اطلاع پائی ۔ اور اجازت دی اور جہانگیری دربار سے درویشانہ معیشت لے کر دہلی میں گوشہ نشین ہوگئے ۔ اور فقرائے دہلی کی خدمت میں فراغ دل سے خدا کیساتھ مشغول ہوگئے۔ [۱]

آپ نے دیوان کے علاوہ ایک مثنوی خسرو شیریں یادگار چھوڑی ہے ۔

مُلّا محمد حسین ہروی

خان خاناں کے احمد آباد کے کتب خانہ کے ملازمین میں سے تھے ۔ ایسے بہترین جلد ساز تھے کہ ان کی نظیر مشکل ہے ۔ ۱۰۲۳ھ میں آپ اس کتبخانہ کے ملازمین میں سے رہے ہیں ۔ بلکہ اس زمانہ میں کتب خانہ کے سب سے بڑے ذمہ دار آپ ہی تھے ۔ [۲]

---

۱ گلزار ابرار ص۳۰۰ ۔ ۲ مآثر رحیمی ص ۱۶۸۵ ج ۳ ۔

مولانا صوفی

(وفات ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء)

مولانا صوفی گجرات کے علمائے تصوف میں سے تھے۔ علوم میں آپ کو بڑا تبحر حاصل تھا اور درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے۔ علماء کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے استفادہ کیا۔ عبدالرحیم خان خاناں کی طرف سے آپ کا وظیفہ مقرر تھا۔ اس لئے کہ ان کے احمد آباد کے کتب خانہ کے آپ ناظر تھے اس کے بعد انہیں خانخاناں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنے لگے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے خلوت نشینی اختیار کرلی۔ اور اپنے گھر کے کونہ میں پڑے رہتے۔

علامہ صادق "الصبح الصادق" میں لکھتے ہیں کہ آپ کا نام "محمد" تھا۔ اور بہت عمدہ شعر کہتے تھے۔ آپ کا فارسی میں ایک شعر ہے۔

مرا بوقت جدائی دوست مردن بہ
کہ زندہ باشم و بی دوست بنگرم جارا

(۱۰۲۴ھ/۱۶۲۴ء) میں آپ نے رحلت فرمائی اور علامہ صادق نے آپکی تاریخ وفات ان الفاظ سے نکالی۔ "رفتہ ملا محمد صوفی"۔ [۱]

میر باقی ماوراء النہری

یہ خان خاناں کے کتب خانہ کے داروغہ تھے۔ [۲]

---

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۹۲، مآثر رحیمی ج ۳ ص ۵۔ [۲] مآثر رحیمی ج ۳ ص ۱۶۸۰۔

مُلّا محمّد مؤمن

آپ ملا محمد حسین ہروی کے بھائی ہیں۔ یہ دونوں بھائی خانخاناں کے کتب خانہ سے وابستہ تھے۔ ملا محمد مؤمن خوشنویس کاتبوں میں سے تھے۔ آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کئی طویل ترین کتابیں اس کتب خانے میں موجود تھیں۔ ؎

مُلّا عبدالباقی مُصنّف مآثر رحیمی

(وفات ۱۰۴۳ھ/ ۱۰۴۴ھ/ ۱۰۴۵ھ — ۱۶۳۳ء/ ۱۶۳۴ء/ ۱۶۳۵ء)

یہ کتاب عبدالرحیم خاں خانِ خاناں کے ایماء پر لکھی گئی۔ اس کے مصنف ملا عبدالباقی جولک (نہاوند) کے مقام پر ۹۷۸ھ/ ۱۵۷۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد جولک کے رد قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اور کسی لڑائی کی بنا پر بغداد اور عراق عرب سے نکل کر شاہ اسمٰعیل صفوی کے آغاز عہد میں ایران آگئے اور اس کے ملازمین میں شامل ہو گئے تھے۔ آپ کے والد آقا بابا، شاہ عباس کی طرف سے ہمدان کے وزیر اور ناظر مامور ہوئے۔ آپ خود بھی کچھ عرصے تک رے، قزوین، کاشان اور قم کے افسر مال رہے۔ پھر اپنے بھائی آقا خضر کی جگہ وزیر بنائے گئے۔ بعد میں بادشاہ کے عتاب کے سبب ایران چھوڑ کر ۱۰۲۳ھ/ ۱۶۱۴ء میں برہان پور (خاندیس) پہنچے۔ اور عبدالرحیم خاں خانخاناں سے ملے جس نے آپ کو جاگیر اور مناسب منصب سے سرفراز کیا۔ اسی کے ایماء پر آپ نے "مآثر رحیمی" لکھنا شروع کی جو ۱۰۲۵ھ/ ۱۶۱۶ء میں مکمل ہوئی آپ ۱۰۲۹ھ/ ۱۶۱۹ء تک دکن اور برار کے امین رہے۔ پھر سلطان پرویز بن جہانگیر نے آپ کو بہار کا دیوان بنایا۔ آپ نے ۱۰۴۲ھ/ ۱۶۳۲ء اور ۱۰۴۶ھ/ ۱۶۳۶ء کے

؎ مآثر رحیمی ص ۱۶۸۰ ج ۳

درمیان وفات پائی۔

مآثر رحیمی، عبدالرحیم خاں خان خاناں کے ایما پر ۱۶۱۶/۱۰۲۵ھ میں لکھی گئی۔ یہ خاں خانخاناں کے اسلاف یعنی سلاطین قراقویونلو اور خود خانِ خاناں کے حالات پر مشتمل ہے۔ ضمنی طور پر اس میں سلاطین غزنین، بنگالہ، جونپور، مالوہ، کشمیر، ملتان، دہلی، گجرات، دکن اور خاندیس کا ذکر بھی آگیا ہے۔ علاوہ ازیں ہمعصر حکمار، اطبار، شعرار وغیرہ کا تذکرہ بھی شامل ہے۔ خانخاناں کے حکم سے جو مساجد، مدرسے اور حمام بنائے گئے ان کی تفصیل دی گئی ہے۔ مثلاً برہانپور میں ایک عظیم الشان قصرِ دلکشا، بنوایا۔ خاندیس میں بڑے بڑے ماہر باغبان باہر سے منگواکر ایک باغ تعمیر کروایا، جس میں عراق وخراسان اور ہندوستان کے مختلف علاقوں سے پھلوں اور پھولوں کے درخت منگواکر لگائے گئے برہانپور میں حمام، نہر اور جامع مسجد بنوائی۔ اس سے قبل برہانپور کے لوگ خربوزے کے نام سے بالکل ناآشنا تھے۔ خانخاناں نے عراق وخراسان سے اس کے مختلف اقسام کے بیج منگواکر بلکوارہ کے قصبے میں اس کی کاشت کرائی۔ دو سال ہی میں یہاں کا خربوزہ اتنا شیریں اور کثرت سے ہوا کہ ولایت (ایران) کے خربوزے ماند پڑ گئے۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ خانخاناں نے دوسرے شہروں، احمد آباد، لاہور، سورت دہلی وغیرہ میں بھی تالاب، باغ اور عمارات بنوائیں اور جہانگیر کے نام پر ایک شہر جہانگیر پورہ بھی آباد کیا، جس میں دلکشا منازل اور بڑی شاندار فرح افزا عمارات اور سرائیں تعمیر کرائیں اور اس شہر میں میدان اور بازار وغیرہ بھی بنوائے۔ اس کے مطابق خانخاناں ہر فتح کے موقع پر ایک عظیم الشان جشن منایا کرتے تھے۔ چنانچہ فتح گجرات کے موقع پر بھی خان خاناں نے بہت بڑے جشن کا اہتمام کیا، خاص وعام پر عیش ومسرت کے دروازے کھل گئے۔ ہر طبقے اور گروہ کے لوگوں کے لئے بارعام ہوا اس مہم میں شریک سرداروں وغیرہ کو گھوڑے، ہاتھی، مرصع خنجر اور اسی طرح کی دوسری اشیا انعام

ہیں دی گئیں ۔ یہ جشن سات روز رہا ۔ بڑے بڑے بادشاہوں کی تاریخ میں بھی ایسے جشن کی مثال نہیں ملتی ۔ یہ کتاب ببلیوتھیکا انڈیکا کے سلسلے میں خاں بہادر ہدایت حسین صاحب کی سعی اہتمام سے چار جلدوں میں شائع کی گئی ۔

ملا عبدالباقی کے حالات یہاں اس لئے لکھے گئے کہ مآثر رحیمی کے لئے اکثر مدد خصوصاً شعرار کا کلام آپ کو احمد آباد میں خانخاناں کے قائم کردہ کتبخانہ سے دستیاب ہو سکا جیسا کہ کتاب میں متعدد جگہ تصریح ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی سال تک ملا عبدالباقی اس کتب خانہ سے استفادہ کرتے رہے ۔ [1]

مولانا شکیبی بن ظہیر الدین عبداللہ امامی اصفہانی

(متوفی سنہ ۱۰۲۳ھ ۔ سنہ ۱۶۱۴ء)

آپ علامہ امیر تقی الدین محمد شیرازی کے شاگردوں میں سے ہیں ۔ شروع میں اصفہان سے خراسان پہنچے ، وہاں سے مشہد یا ہرات پہنچ کر تحصیل علوم میں مشغول رہے اور اکثر متداول علوم کی کتابیں اپنے زمانے کے علماء سے پڑھیں شعر گوئی شروع کی جس کے متعلق خواجہ حسین ثنائی مرزا قلی ، میلی ، ولی ، دشت بیاضی ۔ وغیرہ شعراء نے آپ کے کلام کو بہت پسند کیا ۔ وہاں سے شیراز پہنچ کر امیر تقی الدین محمد شیرازی کی خدمت میں پہنچے ۔ پھر ہندوستان پہنچ کر خانِ خاناں کے ساتھ رہنے لگے اور سفر حجاز کا ارادہ ہوا ۔ خانخانان نے تمام ضروریاتِ سفر مہیا کیں اور اسی ہزار روپیہ دے کر ان کو رخصت کیا خانِ خاناں کی طرف سے آپ کے ساتھ اس طرح کا معاملہ ہمیشہ رہا ۔ جیسا کہ سندھ میں جبکہ ساقی نامہ تالیف کیا گیا اس وقت بھی کافی خطیر رقم اور

---

[1] تاریخ ادبیات فارسی ج ۱ ص ۲۰۸ ۔ ۲۰۹ ۔

انعامات ان کو ملے۔ غرض یہ سفر حجاز کے لئے روانہ ہو گئے، مگر حرمین کی زیارت سے واپسی پر عدن پہنچ کر کشتی کی خرابی کیوجہ سے وہاں ٹھہرنا پڑا۔ تمام کشتی کے مسافروں کو وہاں والوں نے لوٹ لیا۔ اور کسی طرح مشکل سے جان بچا کر یہ قافلہ سورت پہنچا چونکہ وہ جہاز بھی خانِ خاناں کا تھا۔ اس لئے آپ نے ایک لاکھ محمودی سکے مولانا اور ان کے شرکائے کشتی کو نقصان کے عوض میں دیئے بلکہ جس کا جتنا نقصان ہوا تھا اتنا پورا پورا خانِ خاناں نے اپنی طرف سے دیا۔ اخیر میں مولانا شکیبی دہلی کے منصبِ صدارت پر فائز کئے گئے۔ اور ۱۰۲۳ھ ۱۶۱۴ء میں وہاں انتقال کیا۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ [1]

مُلّا خوشحال

ملّا خوشحال ابن مولانا میراں قاسم تاشقندی بن حافظ بن حافظ مسکین۔ آپ کا خاندان اپنے علاقہ میں فقر و درویشی میں ہمیشہ مشہور رہا ہے۔ مولانا خوشحال کے والد قاسم میرک ابتدا میں سمرقند سے آئے تھے۔ وہ بیت اللہ کی زیارت سے بھی کئی بار مشرف ہوچکے تھے صوم وصلوٰۃ نماز باجماعت کے بہت پابند، اور اکابر اولیا کی صحبت میں بیٹھے تھے۔ اور باطن کے شغل سے بھی غافل نہیں تھے، خود مولانا خوشحال تقریباً ۲۲ سال احمدآباد میں رہے اور ۲۲ سال احمدآباد کے مدرسہ میں رہ کر افادہ واستفادہ درس وتدریس میں مشغول رہے۔ حضرت شیخ میاں وجیہ الدین کے کسی شاگرد سے بدائع، بدیع، فقہ تفسیر، نحو، صرف، اشتقاق، معانی، بیان وغیرہ علوم حاصل کئے۔ اسی طرح شرح ہدایۃ الحکمۃ، حکمۃ العین، شرح تجرید، حاشیہ قدیم، شرح چغمینی، تحریر اقلیدس وغیرہ کتابیں ان سے پڑھیں۔

---

[1] مآثر رحیمی ص ۶۶۲۔

اسی طرح علامہ مرزا جان شیرازی کے بھی آپ دو واسطوں سے شاگرد ہیں۔ اکتساب علوم سے فراغت کے بعد ۱۰۲۰ھ میں آپ خانخاناں کے پاس چلے گئے اور ان کی خدمت میں رہ کر تشنگانِ علم کے افادے اور استفادہ میں مشغول رہے۔ خانِ خاناں بھی ان کے بڑے معتقد تھے۔ جب کوئی مسئلہ ان کے ہاں پیش ہوتا تو سب سے پہلے آپ کے سامنے اُسے پیش کیا جاتا۔ ملا خوشحال کی استعداد کی تعریف کرتے ہوئے عبدالباقی نہاوندی لکھتے ہیں کہ "ایں نشو و نما یافتہ در احمد آباد کہ بہترین بلاد و امصار ہندوستان است و دارالافاضل ایں ولایت است" [1]

مولانا شتابی جنابری

شتابی جنابری خراسان کے ایک موضع کونا باد کے رہنے والے تھے۔ نہایت خوش طبع اور بذلہ سنج تھے۔ آپ مولانا شکیبی کے مریدوں میں سے تھے۔ اپنا اکثر وقت انکی خدمت میں گذارتے۔ اس زمانے میں مولانا شکیبی سورت میں تھے۔ وہاں ان کے ساتھ تھے۔ مولانا شکیبی اصفہانی کے واسطے سے خانِ خاناں سے تعارف ہوا اور آپ کے پاس آنے جانے لگے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد مولانا شکیبی اور خانِ خاں کو چھوڑ کر کسی وجہ سے یہ دکن چلے گئے۔ اور ان کے اشعار مولانا شکیبی کے پاس تھے جنکو انہوں نے دیوان کی شکل میں مرتب کیا۔ اس کے علاوہ خود ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کچھ اشعار خانِ خاناں کے کتب خانہ میں تھے۔ جو حسب ذیل ہیں۔

---

[1] مآثر رحیمی ج ۳ ص ۳۲،۳۳،۳۴۔

زمیں سعادتِ فرخندہ روئی تقدیر
کہ گشت آئینہ دارم ز آفتاب منیر
فروز مشعلۂ دانشم فروغ جمال
نمود آئینہ خاطرم جمالِ ضمیر
سرتفاخرم از اوج منزلت بگذشت
چو یافتم شرفِ بارگاہ عرشِ نظیر
غبارش از دہ تاثیر کیمیائی خرد
حریمش از در تعظیم بر سپہر اثیر

شتابی نے دکن میں وفات پائی۔ [1]

مولانا کمال الدین حسمی

مولانا کمال الدین حسمی ہمدان کے باشندے تھے آپ کے آباء و اجداد وہاں کے اہلِ ثروت اور ذی جاہ تھے۔ موزونیتِ طبع کی بنا پر طالب علمی ہی کے زمانے سے آپ نے شعر و شاعری کے میدان میں قدم رکھا اور علامہ مرزا ابراہیم ہمدانی کی شاگردی اختیار کی، اور اکثر متداول کتابیں ان کی خدمت میں رہ کر حل کیں۔ متداول فنون کے علاوہ، فنِ خطاطی اور فن موسیقی سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ علم سیاق و حساب بھی اچھی طرح جانتے تھے۔ غرض جامع فضل و کمال تھے کہ ایسی جامعیت بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ آپ کا کلام ایک ہی طریقہ پر تھا۔ مگر وہ ہر قسم کے عیوب و خامیوں سے مبرا اور پاک ہوتا تھا۔ صفوی خاندان کے بادشاہوں کے زمانے میں امراء و سلاطین کے تقرب

---

[1] مآثر رحیمی ج ۳ ص ۱۳۵۔

کے ساتھ ساتھ وہاں بعض اوقات منصب بھی آپ کو ملا اور دیوانی میں بھی کچھ عرصہ آپ نے خدمت کی۔ اس خدمت میں آپ مخلوق کے منظور نظر رہے اور کسی سے کسی قسم کی طمع امید و لالچ نہیں رکھتے تھے۔

جب آپ کو عبدالرحیم خانخاناں کی قدردانیوں کی خبر پہنچی تو آپ نے ہمدان سے ہندوستان کا سفر اختیار کیا اور وہاں سے شیراز آئے کچھ عرصہ شیراز میں ٹھہرے اور جرون کی بندرگاہ سے کشتی میں سوار ہو کر سورت کی بندرگاہ پر اترے۔ کچھ عرصہ سورت میں رہے جہاں اہلِ ذوق سے صحبتیں رہیں پھر وہاں سے احمد آباد آگئے۔

مولانا نظیری نیشاپوری اس زمانے میں احمد آباد میں مقیم تھے۔ انکی صحبت میں رہ کر مشاعرہ بحث و مباحثہ رہا۔ اور پھر احمد آباد سے عبدالرحیم خانخاناں کی خدمت میں برہانپور خاندیس پہنچے اور ان کی صحبت میں رہنے لگے۔ آپ کے کچھ اشعار یہ ہیں۔

هست از کمان ابرویت ای ترک تنگ چشم
چوں ترکشِ نگاه توام پر خدنگ چشم
شاید که نقش رہ ات از ذوق لحظهٔ
در چشم خانه می نماید در رنگ چشم۔
تا نوش خانهٔ دل از آن لعل شکّرین
لذّت نهاده بر سر هم تنگ تنگ چشم
نه رنگ عافیت دارد نه بوی خرّمی بخشد۔
گلے کز آب و خاک این دل صد چاک میروید[1]

---

[1] مآثر رحیمی صفحہ ۹۲۔

حکیم روح اللہ

حکیم روح اللہ جہانگیر کے عہدِ حکومت میں نہایت نامور اور حاذق طبیب گزرے ہیں آپ کا وطن بھروچ گجرات تھا، اور آپ کے باپ دادا وہیں کے قدیم باشندے تھے اگرچہ آپ کا نام اکبری عہد کے اطبار میں بھی نظر آتا ہے مگر آپ کی ترقی اور نشو ونما کا اصل زمانہ جہانگیر کی حکومت کا ہے۔

حکیم روح اللہ تحصیل علوم کی طرف مائل ہوئے، فن طب سے خاص لگاؤ پیدا کر لیا اور بہت تھوڑے عرصے میں نہایت اچھی قابلیت حاصل کر لی۔ تجربہ اور فنی قابلیت کے اعتبار سے آپ اپنے ہم عصروں میں ممتاز ہو گئے جب آپ کی حذاقت اور تجربہ کی شہرت ہوئی تو قلیج محمد خان جو عہد اکبری کے بہت بڑے امرار میں شامل تھے آپ کی طرف متوجہ ہوئے، حکیم روح اللہ کچھ عرصہ ان کے پاس رہے پھر کچھ دن صادق کی خدمت میں بسر کئے اور بڑے معرکے کے علاج کئے۔ اس کے بعد شاہ مراد اور شاہزادہ دانیال کے دامن دولت سے وابستہ ہو گئے۔ جب ان دونوں شاہزادوں کا انتقال ہو گیا تو حکیم روح اللہ عہد اکبری کے سب سے زیادہ مشہور بہادر اور قدر شناس امیر عبدالرحیم خانِ خاناں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خانِ خاناں آپ کی استعداد سے آگاہ ہوئے تو انہوں نے بڑی عزت و توقیر کی اور تھوڑے ہی عرصے میں حکیم روح اللہ نے خانخاناں کی خدمت میں درجۂ اختصاص حاصل کر لیا۔

صاحب مآثر رحیمی نے لکھا ہے کہ "تحریریں بے نظیر اور بے مثال ہیں اور اپنے عہد کے عقلار میں آپ کا شمار ہوتا ہے، مدت سے خان خاناں کی خدمت میں باریاب ہیں اور بڑے بڑے انعام آپ کو ملے ہیں۔ خان خاناں کے فیضِ التفات سے حکیم کی زندگی اس قدر آرام و راحت اور شان و شوکت سے بسر ہو رہی ہے کہ اہل گجرات

کو آپ کی کامرانی پر حسد ہوتا ہے، حکیم روح اللہ بھروچ احمدآباد میں نہایت فراغت وثروت سے عمر گزار رہے ہیں۔

اور عوام کے علاج معالجے میں نہایت دلچسپی اور کوشش سے حصہ لیتے ہیں اکثر اوقات حاضر ہو کر خان خاناں کے پاس بھی رہتے ہیں اور پھر اپنے وطن چلے جاتے ہیں، ہمیشہ خان خاناں کی دولت واقبال کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں، جب جہانگیر بادشاہ کو اطلاع ملی کہ خان خاناں بہت کمزور ہو گئے ہیں تو جہانگیر نے حکیم روح اللہ کو علاج کرنے کی غرض سے برہانپور بھیجا۔ حکیم نے بہت توجہ اور خلوص سے علاج کیا۔ خان خاناں نے دو ہزار روپے دیئے۔ ایک ہاتھی اور خلعت عنایت کیا حکیم اس علاج سے فارغ ہو کر بادشاہ کی ملازمت میں چلے گئے۔

جہانگیر نے ۱۰۲۸ھ کے واقعات میں اپنی توزک میں آپ کے علاج کا ایک واقعہ لکھا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

> نورجہاں عرصے سے ایک بیماری میں مبتلا تھی۔ اور تمام مسلمان اور ہندو اطبار جو دربار سے تعلق رکھتے ہیں علاج کر چکے تھے، مگر آرام نہ ہوا تھا۔ اب حکیم روح اللہ حاضر ہوئے انہوں نے بیگم کے علاج پر ہاتھ ڈالا خدا کے

فضل سے بہت تھوڑے دنوں میں پوری صحت ہو گئی، ۱۰۳۰ھ میں جہانگیر کشمیر کے دوران قیام میں سانس کی شدید تکلیف میں مبتلا ہوئے تو حکیم روح اللہ ہی نے ان کا علاج کیا۔ بادشاہ کو بائیں جانب دل کے قریب ہوا کی نالی میں گرانی اور رکاوٹ محسوس ہوتی تھی۔ روح اللہ نے تھوڑے دنوں ہلکی گرم ادویہ کا استعمال کیا جس سے تھوڑی تخفیف ہو گئی مگر پھر مرض میں شدت پیدا ہو گئی۔ اس بار پہلے بکری کا پھر اونٹنی کا دودھ دیا گیا کسی سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اسی دوران حکیم رکنا کاشی آگرہ سے کشمیر پہنچ گئے اور اس نے علاج شروع کیا حکیم روح اللہ پہلے ہی سے بادشاہ کے مزاج شناس ہو گئے تھے۔

۱۰۲۷ھ میں جہانگیر احمد آباد گجرات میں مقیم تھے وہاں کی آب و ہوا کے اثر سے ان کی طبیعت کچھ خراب ہوئی حکیم نے کہا یہاں کی آب و ہوا آپ کے موافق نہیں ہے شراب اور افیون میں کمی کر دینی چاہیئے۔ جہانگیر نے آپ کی رائے کا احترام کیا، اور دونوں چیزوں میں کمی کر دی گئی۔ اسی دن مرض میں افاقہ محسوس ہوا جہانگیر نے اس موقع پر آپ کو سو مہر اور ایک ہزار روپے عنایت کئے۔ [1]

مولانا مقصود علی تبریزی

آپ نہایت صوفی صافی، تصوف اور عشق و محبت میں بے مثال، تذکیر اور تزکیۂ نفس، سیر فی اللہ، سلوک الی اللہ میں بے مثال تھے۔ متداول علوم نہ صرف یہ کہ حاصل کئے بلکہ ان کا کمالِ استحضار تھا اور ساتھ ہی مسکنت اور درویشی آپ کا شعار و دثار اور اوڑھنا بچھونا بن گیا تھا۔ اسی بنا پر درویش اور طلاب کی ایک جماعت ہمیشہ آپ سے افادے و استفادے میں مشغول رہتی۔ آپ بڑے زبردست صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ باوجود علائقِ دنیا سے الگ رہنے کے خانخاں سے متعلق رہے ان کی طرف سے جاگیر بھی عطا کی گئی۔ جب دکن کی فتح میں خانخاں احمد نگر میں سہیل حبشی کے ہمراہ جنگ میں تھے تو اس وقت یہ بھی ساتھ تھے۔ بعض کہتے ہیں میر بخشی منصب بھی ان کو خانِ خاناں کی طرف سے ملا ہے مگر میر عبد الباقی تبریزی کے ساتھ کچھ چپقلش رہی۔ غالباً اس کی وجہ سے یا دوسرے حاسدین کے حسد کی وجہ سے جہانگیر کی طرف سے جو آپ کو ولایت گجرات کی قضاءِ شرعی کا منصب عطا کیا گیا تھا وہ نہ صرف یہ کہ بعد میں آپ سے چھین لیا گیا بلکہ گوالیار کے قلعہ میں آپ کو

---

[1] اطبائے عہد مغلیہ ص ۹۰۔

نظر بند کر دیا گیا۔ اور کئی سال تک گوالیار کے قلعے میں آپ محبوس رہے۔ ؎۱

میر محمد ہاشم قصہ خواں

میر محمد ہاشم قصہ گو بدخشاں کے سادات میں سے تھے اور محترم آپ کا تخلص تھا قصہ گوئی میں بے نظیر تھے۔ عبدالرحیم خانخاناں جب فتح گجرات کیلئے متوجہ ہوئے۔ اس وقت سے یہ آپ کے ساتھ تھے اور ملا الہمی شیرازی کہتے ہیں کہ آٹھ دس سال یہ مرزا عبدالرحیم خانِ خاناں کی خدمت میں رہے۔ اور عبدالرحیم خانِ خاناں کی مدح میں آپ نے اشعار کہے ہیں۔ ۱۰۲۴ھ میں آپ گولکنڈہ میں تھے آپ کے کچھ اشعار یہ ہیں۔ ؎

تا بکی باشد ازیں بختِ نکو ہیدہ خصال
دامنِ وصل تہی مایہ تر از دست خیال

طبع خواہش ز طلب مایہ دہ طبع نسیم
دل مہجور زغم شعلہ کش طبع زغال

دل و دستِ ستم از مایۂ الصاف تہی!
در و دشت ہوس از شوقِ وفا مالامال

دل چناں شیفتۂ ذوق محبت کہ باد!!
ہر دم از بام و درِ دوست رسد غنچ و دلال ؎۲

؎۱ مآثر رحیمی ج ۳ صفحہ ۵۹۰۔ ؎۲ ایضاً ج ۳ صفحہ ۱۰۰۴۔

مولانا مشرقی

مولانا مشرقی ابن شیخ کبیرالدین ابن شیخ جیو ۔ شیخ جیو احمدآباد کے بڑے علماء میں سے تھے ۔ فقہ، کلام، تفسیر واصول وغیرہ کے بڑے ماہر تھے ۔ آپ کی تفسیر اس زمانے میں ہندستان میں بہت معتبر سمجھی جاتی تھی اور بڑی مشہور تھی ۔ اور ہمیشہ انکی خدمت میں عقلاء، علماء کا مجمع رہتا تھا ۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ شیخ جیو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے ہیں اور عرب سے آکر آپ کا خاندان احمدآباد میں متوطن ہوگیا تھا ۔ اور شیخ کبیر کی ولادت احمدآباد ہی میں ہوئی اور وہیں پر آپ نے علوم وفنون حاصل کئے ۔

مولانا مشرقی نے بھی ابتدائی طالب علمی کے بعد شعروشاعری شروع کی اور ۱۰۱۵ھ میں عبدالرحیم خانِ خاناں سے وابستہ ہو گئے ۔ عبدالرحیم خانخاناں کی صحبت میں رہ کر تاریخ وسیر کی کتابوں کی قرأت اور اسی طرح اخبار وروایات کی کتابوں کی قرأت آپ کے ذمہ رہی اور ان سے جاگیر پائی ۔ اس پر گذارہ تھا اس کے باوجود آپ بڑے زاہد وعابد اور بہت دیندار تھے ۔ [۱]

میر دوستی سمرقندی

آپ فاضل علماء، شعراء میں شمار ہوتے تھے ۔ ابتدائی علوم سمرقند اپنے وطن میں حاصل کئے ۔ وہاں آپ کی شہرت ہوئی اس کے بعد ہندوستان کا سفر کیا ۔ مولانا عبدالباقی نہاوندی لکھتے ہیں !

۱۰۲۶ھ میں شہزادہ خرّم جب تسخیر دکن کے ارادے سے خاندیس

---

[۱] مآثر رحیمی صفحہ ۱۳۶۸ ج ۳ ۔

پہنچے تو اس وقت نہاوندی خانخاناں کے ساتھ تھے اور میر دوستی سمرقندی، وہاں پر میر عبداللہ حاکم گجرات کے پاس تھے اس وقت وہاں ان سے ملاقات ہوئی میر دوستی سمرقندی، مولانا مشفقی بخارائی کے شاگرد تھے کہ نظم اور فن شعر ان سے انہوں نے حاصل کیا ایک مدت خانخاناں کے ساتھ رہے اس کے بعد سمرقند اپنے وطن واپس لوٹے۔ [1]

مولانا نادمی

فتح گجرات کے موقع پر شعراء کی جو جماعت عبدالرحیم خانخاناں کے ساتھ تھی اس میں مولانا نادمی بھی شامل تھے۔ آپ کا کلام نہایت متانت اور پختگی ادا ہوتا۔ متقدمین کی طرز پر ہوتا تھا۔ متاخرین کے طریق کو آپ نہیں جانتے تھے۔ کچھ عرصہ عبدالرحیم خانخاناں کی صحبت میں رہ کر آپ اپنے وطن واپس لوٹ آئے۔ [2]

میر محمد یوسف طبعیؒ

آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی میر یعقوب ہے۔ آپ کے آباء واجداد کی پیدائش بھی احمدآباد میں ہوئی..........

....گو آپ کا خاندان اصلاً بخارا سے تعلق رکھتا ہے آپ کی ولادت بھی احمدآباد میں ہوئی۔ بچپن ہی سے عبدالرحیم خانخاناں کے ساتھ تعلق رہا۔

---

[1] مآثر رحیمی ج۳ ص۶۳ ۔ [2] ایضاً ج۳ ص۱۲۷۹ ۔

کے ساتھ تعلق رہا۔ آپ کے اشعار مولانا عرفی کی روشنی پر ہوتے ہیں۔ باوجود جوانی کے درویشی کے کمال کو پہنچے ہوئے تھے اور آپ کے اشعار بڑے دلنشیں ہوتے تھے کچھ عرصہ آپ مولانا نوعی کی خدمت میں بھی رہے اور ان سے مباحثہ و مناظرہ بھی رہا اور مولانا نوعی کی آپ پر بہت زیادہ توجہ تھی۔ اور آپ سے بہت زیادہ اعتقاد رکھتے تھے۔

آپ کے چند اشعار یہ ہیں۔ ؎

عید آمد کز سرِ نو عالم آرائی کند
چار طبع و پنج حس را راحت افزائی کند

باز بانِ ماہ نو گردون ہمی گوید کہ عید
ضعف می خواران مبدل با توانائی کند

طبع مردم آنچناں آمادۂ کیفیت است
کز رہِ تاثیر در سر آب صہبائی کند

شد چناں بازارِ مستی گرم کز بس بیخودی
عقلِ ناداں در فنونِ عشق دانائی کند [1]

مولانا وامق بلخی

آپ بلخ کے باشندے ہیں، شیخ علم اللہ کے واسطے سے عبدالرحیم خانخاناں سے تعارف ہوا۔ خانخاناں کے علاوہ حیاتی، گیلانی سے برہانپور میں بھی صحبت رہی اسی طرح خان اعظم کے صاحبزادے مرزا شمس الدین کی خدمت میں کچھ عرصہ

---

[1] مآثر رحیمی ج ۳ ص ۱۲۱۲

گجرات میں رہے۔ اس کے بعد عبدالرحیم خانخاناں سے وابستہ ہوگئے۔[1]

مولانا نصیری

نصیری خانخانان کی فوج کے ایک سپاہی تھے: شاہ نامہ کی بحر میں آپ نے خانخاناں کی سلطان مظفر کے ساتھ جو جنگ ہوئی اس کے واقعات کو نظم کیا ہے۔[2]

غازی خاں بدخشی

غازی خاں بدخشان کے علماء میں سے ہیں اور شاہی منصب دار بھی رہے ہیں ہمیشہ علماء، صلحاء کی ایک جماعت آپ کے ساتھ رہتی تھی۔ اور آپ ان کی تمام سفر وحضر کی ضروریات کو پورا کرتے تھے۔ شیخ ابوالفضل سے بڑی دوستی تھی۔ اسی لئے انہوں نے اپنی ہمشیرہ کو ابوالفضل کے نکاح میں دیا۔

غازی خاں بدخشی اپنے انتقال تک خانخاناں کے ساتھ رہے اور انتقال کے وقت اپنے فرزند رشید، خواجہ حسام الدین محمد کو خانخاناں کے سپرد کیا۔[3]

ابراہیم حسین دبیر

آپکی ولادت بلخ میں ہوئی۔ اور کابل میں نشو ونما پائی، اور اپنے والد کے ساتھ بچپن میں اکبر بادشاہ کی خدمت میں پہنچے۔ مگر پھر والد کا ساتھ کسی وجہ سے چھوڑ کر خانخاناں کی خدمت میں دکن پہنچ گئے۔ فن شعرگوئی میں آپ مولانا

---

[1] مآثر رحیمی ص ۱۳۵۰ ج ۳ [2] ایضاً ص ۱۵۰۸ ج ۳ ۔ [3] ایضاً ص ۱۹ ج ۳

نوعی خبوشانی کے شاگرد تھے۔

ابراہیم حسین دیری ایک مدت تک گجرات میں عبداللہ خاں کے بخشی رہے اور ۱۰۲۴ھ میں پرویز بن جہانگیر کے ساتھ رہے۔ خانِ خاناں جب گجرات سے برہانپور گئے تو اس وقت دیری نے یہ قصیدہ کہا۔ ؎

باغ را پیرایۂ نو شد گل بسلطانی نشست
بلبلِ خوش نغمہ بر شاخِ ثنا خوانی نشست ؂۱

حکیم مشہدی

مشہد کے باشندے تھے، اور طب میں پوری مہارت رکھتے تھے، فن شعر میں بھی انہیں پورا سلیقہ حاصل تھا، اور مشاہیر شعرا میں شمار ہوتا تھا جس وقت عبدالرحیم خان خاناں گجرات کی مہم پر گئے۔ یہ نئے نئے خراساں سے آئے تھے۔ اور خان خاناں کی خدمت میں باریاب ہو کر اس کے مصاحبوں میں شامل ہو گئے، اس کے بعد بھی خان خاناں کے ساتھ رہے۔ خان خاناں نے انہیں بے حد انعامات اور صلے عطا فرمائے۔ حکیم ان کی مدح میں قصائد لکھا کرتے۔ آخر کسی وجہ سے خانِ خاناں کی ملازمت سے الگ ہو گئے۔ ؂۲

مولانا شعری

فتح گجرات کے شروع میں خانِ خانان کے ساتھ رہنے والے شعرا میں سے شعری بھی ہیں جن کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ ان کے چند اشعار حسبِ ذیل

؂۱ مآثر رحیمی ص ۱۴۲۴ ؂۲ اطبائے عہد مغلیہ ص ۱۷۹۔

ہیں ۔ ؎

بازہ بادِ سحر از طرفِ گلستان آمد
باز جان در تن مرغانِ سحر خوان آمد
باز آمد بچمن شاہد گل جلوہ کنان
بلبل نغمہ سرا از در افغان آمد
بازہ چوں خیل پری گشت شگوفہ پیدا
باز بر تختِ چمن گل چو سلیمان آمد
باز شد باغ ز بارانِ بہاری سرسبز
باز وقتِ طرب و سیر گلستان آمد [1]

مولانا حیدری

مولانا حیدری دارالسلطنت تبریز کے باشندے تھے ۔ طوفی و وقوعی اور شریف کے ہمعصر اور لسانی کے آپ شاگرد تھے ۔ جب شریف نے آپ کے استاد لسانی کے بارے میں زیادتی کی تو آپ نے اپنے استاد لسانی کا ساتھ دیا ۔ اور ان کی طرف سے قصائد کہے ۔

ایران میں کافی شہرت کے بعد تبریز سے ہندوستان پہنچے اور کافی مدت ہندوستان میں گذاری ۔ شاہانِ ہند کے شعرا میں شمار ہونے لگے ۔ بالخصوص اکبر بادشاہ کے درباری شعرا میں رہے ۔ تین مرتبہ عراق سے آپ نے ہندوستان کا سفر کیا ۔ طویل عرصہ مرزا عزیز کوکہ کے ساتھ آپ وابستہ رہے

---

[1] مآثر رحیمی ص ۱۴۴۴ ج ۳ ۔

بالآخر عبدالرحیم خانخاناں کے حملہ گجرات کے موقع پر آپ ان کے ساتھ تھے ۔ ایران پہنچ کر کاشان میں ٹھہر گئے ۔ اس لئے کہ کاشان میں ملا عبدالباقی نہاوندی کے بھائی خضر نہاوندی حکام میں سے تھے ۔ ان کے ساتھ رہے اور وہاں ایک تصنیف شروع کی اور اپنے وطن تبریز جانا مناسب نہیں سمجھا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں رومی، ترکی غالب آگئے تھے بلکہ آپنے عراق کا سفر مناسب سمجھا ۔ جو آب و ہوا اور علاقہ کی خوشگواری وغیرہ کے اعتبار سے ہر طرح سے موزوں اور مناسب تھا ۔ [1]

مولانا صیدی

خانخاناں کے شعراء میں مولانا صیدی بھی تھے ۔ جن کے تفصیلی حالات معلوم نہ ہو سکے البتہ نہاوندی لکھتے ہیں کہ : ظاہر یہ ہے کہ صیدی کشمیری تھے ۔ صیدی کے چند اشعار ہیں جو خانخاناں کی مدح میں کہے گئے ۔ ؎

آنکہ گجرات از عدالت او
خوش تر از کابل و بدخشاں است

آنکہ از ہیبت و صلابت او
تن اعدا چو بید لرزاں است

ای کہ در جود و در شجاعت و فضل
ہرچہ گویم ہزار چنداں است [2]

---

[1] مآثر رحیمی ج ۳ ص ۱۳۲۸ ۔ [2] ایضاً ج ۳ ص ۱۳۵۵

مولانا نسبتی

نہاوندی لکھتے ہیں کہ نسبتی کے حالات بالکل معلوم نہ ہو سکے کہ آپ کہاں سے ہیں۔ البتہ لوگوں کا بیان یہ ہے کہ آپ عراق سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر عراق کے کس علاقہ سے ہیں یہ معلوم نہیں۔ آپ بھی خانِ خاناں کے ساتھ گجرات میں رہے ہیں۔ [۱]

میر عہدی

میر عہدی ایران کے شہر ری سے آپ تعلق رکھتے تھے۔ فن شاعری کے علاوہ علم رمل، نجوم، عروض، قافیہ۔ سے بھی آپ کو واقفیت تھی۔ آپ کا کلام بھی نہایت پختہ ہوتا اور حکمت و دانش پر مبنی ہوتا تھا۔ فتح گجرات کے موقع پر آپ بھی خانخاناں کے ساتھ تھے اور ان کی ملازمت میں رہ کر آپ نے جاگیر بھی حاصل کی۔ [۲]

شاہ نظر بیگ اصفہانی افشاری

اصفہان کے علاقے کے رہنے والے تھے۔ ان کے آبار واجداد بھی وہیں کے تھے۔ ان کے آبار واجداد کو اس علاقے میں کافی اثر و رسوخ حاصل تھا۔ آپ میر مغیث ہمدانی کے شاگرد ہیں۔ رباعیات کہنے میں آپ کو کافی دسترس

۱؎ مآثر رحیمی صفحہ $\frac{۱۳۸۶}{۳ج}$ ۔ ۲؎ ایضاً صفحہ $\frac{۱۳۰۵}{۳ج}$ ۔

حاصل تھی۔ ۱۰۲۳ھ میں آپ ایران کی بندرگاہ اردن سے گجرات پہنچے اور خانخاناں سے وابستہ ہوئے۔ چند سال ان کے ہمراہ رہ کر بیجاپور، گولکنڈہ، دکن ہوتے ہوئے۔ اپنے وطن واپس لوٹ گئے۔ [1]

آقا جلال

آقا جلال سید شریف قزوینی کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ سید شریف قزوین کے مشہور سادات خاندان سے تھے اور قاضی جہاں سیفی قزوینی کے چچازاد بھائی تھے۔ سید شریف ابتدائے عمر میں قزوین سے ہندوستان پہنچے اور اکبر بادشاہ کی ملازمت میں رہنے لگے۔ اس زمانے میں چونکہ مرزا ابراہیم حسینی ہمدانی کا بڑا شہرہ تھا۔ اس لئے اپنے بڑے بھائی آقا تقی کی طرح سے آپ نے بھی مرزا کی شاگردی اختیار کی اور ان کے طالب علموں میں شمار ہوئے۔ چونکہ ان کے جدامجد نقیب خاں ہندوستان میں منصب عالی پر فائز تھے اور صوبہ گجرات کے حاکم تھے۔ اس لئے ان کے لئے بھی ہندوستان پہنچنا آسان ہوگیا۔ یہاں شروع میں آپ خانخاناں سے وابستہ ہوئے اس کے بعد گولکنڈہ کی سیر اور میر محمد مومن استرآبادی سے ملاقات کے بہانے دکن چلے گئے۔ [2]

مُلا احسن بینی

آپ کا کلام سوز و درد سے بھرا ہوتا تھا۔ فتح گجرات کے موقع پر آپ

---

[1] مآثر رحیمی ص ۱۴۷۱،۱۴۷۲،۱۴۷۳ ج ۳۔ [2] ایضاً ص ۱۴ ج ۳۔

بھی خانِ خاناں کے درباری شعراء میں شامل تھے۔ آپ کو جاگیر بھی عطا کی گئی تھی۔ مُلّا حزینی کے مولد و منشاء کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ حزینی تخلص رکھنے والے دو شاعر ایران میں گذرے ہیں ایک خراسان میں دوسرے نہاوند میں۔

مگر یہ دونوں بزرگ خراسانی و نہاوندی ہندوستان میں نہیں آئے۔ یہ حزینی کوئی اور ہیں۔ عبدالرحیم خانِ خاناں کے احمدآباد کے کتب خانے کے متعلق حزینی کے اشعار حسبِ ذیل ہیں۔ ؎

تا علم افراختہ شاہِ سخندان علم
رخشِ سخن تاختہ بر سر میدان علم
تیغ زبان کردہ تیز صف شکن بگیریز
خاصہ براھلِ ستیز در صف مردان علم [1]

مولانا محمود

مولانا محمود بھی عبدالرحیم خانِ خاناں سے وابستہ شعراء میں سے تھے۔ آپ کے حالات زیادہ معلوم نہیں ہو سکے۔ البتہ طویل عرصہ خانِ خاناں کے ساتھ رہے ہیں۔ [2]

---

[1] مآثر رحیمی ص ۱۱۹۵ ج ۳ [2] ایضاً ص ۱۳۷۲ ج ۳۔

فہرست مراجع

نام کتاب	تالیف / تصنیف	ناشر
طبقاتِ اکبری	خواجہ نظام الدین احمد	اردو سائنس بورڈ ۲۲۹ - اپر مال، لاہور
ظہیر الدین محمد بابر	سید صباح الدین عبدالرحمٰن	معارف پریس اعظم گڑھ
منتخب التواریخ		شیخ غلام علی اینڈ سنز، کشمیری بازار، لاہور
تاریخِ فرشتہ	محمد قاسم فرشتہ	شیخ غلام علی اینڈ سنز، کشمیری بازار، لاہور
تذکرہ اولیائے پاک و ہند	ڈاکٹر ظہور الحسن شارب	الفیصل پبلشنگ کمپنی، لاہور
بزم صوفیہ	سید صباح الدین عبدالرحمٰن	نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی
الفوائد البہیۃ		قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی
تحقیق ما للھند	ابو ریحان محمد بن احمد البیرونی	عالم الکتب
العقد الثمین	تقی الدین محمد	
خطوطِ مشاہیر	مولانا عبدالماجد دریابادی	تاج کمپنی لمیٹڈ، قرآن منزل ریلوے روڈ، لاہور
طبقات الشافعیۃ الکبریٰ		
نزھۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنو	مولانا سید عبدالحیٔ بریلوی	مقبول اکیڈمی، ۱۹۹ - سرکلر روڈ، چوک انارکلی لاہور
تاریخ ادب اردو	ڈاکٹر جمیل جالبی	مجلس ترقی ادب، کلب روڈ، لاہور
تذکرہ صوفیائے میوات	محمد حبیب الرحمٰن خان میواتی	مکتبہ مدنیہ، اردو بازار، لاہور

تزک جہانگیری	اعجاز الحق قدوسی	مجلس ترقی ادب، کلب روڈ، لاہور
نہایۃ الارب		
تذکرۃ النجاۃ		
سندھی اولیاء	سید محمد مطیع اللہ	سندھی ادبی بورڈ جام شورو حیدرآباد
مقاماتِ مظہری	حضرت شاہ غلام علی	اردو سائنس بورڈ، اپر مال، لاہور
رودِ کوثر	شیخ محمد اکرام	ادارہ ثقافت اسلامیہ ۲ کلب روڈ لاہور
طبقاتِ ناصری	منہاج سراج	
لطبقات الکبریٰ		
طبقات المفسرین		دار الکتب، بیروت
طبقات ناصری		مرکزی اردو بورڈ، گلبرگ، لاہور
انباہ الرواہ	محمد ابو الفضل ابراہیم	
تذکرہ مشائخ کرام	حسن برادرز	حسن برادرز، لاہور
سیر العارفین	حامد بن فضل اللہ جمالی	اردو سائنس بورڈ ۲۲۹، اپر مال لاہور
البدر الطالع	للقاضی العلامہ شیخ الاسلام محمد بن علی الشوکانی	
سفرنامہ ابن بطوطہ	رئیس احمد جعفری	نفیس اکیڈمی، اردو بازار کراچی
	محمود شکوی آلوسی	مرکزی اردو بورڈ، گلبرگ، لاہور
الضوء اللامع		
اخبار الاخیار	ابو المجد شیخ	مدینہ پبلشنگ بندر روڈ کراچی
تاریخ ادب اردو	ڈاکٹر جمیل جالبی	مجلس ترقی ادب کلب روڈ، لاہور
خزینۃ الاصفیار	مفتی غلام سرور لاہوری	مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، لاہور

تاریخ خان جہانی د		اردو سائنس بورڈ، ایرمال لاہور
مخزن افغانی		
المسک الاذفر	محمود شکری	
تاریخ دعوت و عزیمت	سید ابوالحسن علی ندوی	مجلس نشریات اسلام
تین تذکرے	محمد احمد فاروقی	
بزم تیموریہ	سید صباح الدین عبدالرحمن	نفیس اکیڈمی، اردو بازار کراچی
معین الارواح		
تذکرہ غوثیہ	سید غوث علی شاہ	دارالاشاعت، مولوی مسافر خانہ کراچی۔
مسلم ثقافت	عبدالمجید سالک	ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ لاہور
ابجد العلوم		
تاریخ مشائخ چشت	خلیق احمد نظامی	مکتبہ عارفین
مخدوم جہانیاں جہاں گشت	پروفیسر محمد ایوب قادری	ایچ ایم سعید کمپنی، پاکستان چوک کراچی
گلزار صوفیاء	عالم فقری	
طبقات اکبری	محمد ایوب قادری	اردو سائنس بورڈ، ایرمال لاہور
ظہیر الدین محمد بابر	سید صباح الدین عبدالرحمن	معارف پریس اعظم گڑھ

اشاریہ

☆ اسماء

☆ اماکن

☆ سنین (عیسوی)

☆ سنین (ہجری)

☆ کتب

☆ مساجد

فہرست نمبرا

اشاریہ

اسماء

اشاریہ اسماء

ا

آدم علیہ السلام ۹۳
آرام کشمیری ۹۴
آصف الدولہ، نواب ۲۵۲
آمنہ بنت سید نصر اللہ (زوجہ ماہ عالم) ۱۶۰
آمنہ بی بی بنت کریم خان بن عماد الدین ۱۴۴
خداوند خاں (والدہ شاہ عالم)
ابراہیم، مولانا شیخ ۴۲۹
ابراہیم القرانی، ملا ۳۱۱
ابراہیم بن ادہم ۱۵۹
ابراہیم بن حاجی سلیمان ۷۲، ۷۳
احمد بن دوسن، خواجہ (خلیفہ شاہ عالم) ۱۴۷، ۱۶۳
ابراہیم بن سلیمان، شیخ مخدوم ۶۶
ابراہیم بن عبدالحمد بیجاپوری ۲۹۶
ابراہیم بن محمد بن سفیان النیشاپوری ۷۴
ابراہیم حسن ابورجا (حاکم گجرات) ۸۷
ابراہیم حسن دیر ۴۵۵، ۴۵۶
ابراہیم ڈار، پروفیسر ۱۵۴
ابراہیم زبیری، قاضی ۲۹۶، ۲۹۹

ابراہیم عادل شاہ جگت گرو (بیجاپوری) ۷۹، ۸۰، ۲۹۶
ابراہیم غیاث پوری، سید (شاگرد شیخ علی متقی) ۴۱۶
ابراہیم نقاش، مولانا ۴۳۲
ابن الاثیر ۳۸۲
ابن العربی ۳۱۱
ابن العماد الحنبلی ۱۹۸، ۴۰۴
ابن الہمام ۲۱۳، ۲۵۲
ابن برہان الدین ہندی، مخدوم ۲۲۴
ابن بطوطہ ۹، ۴۱۰
ابن تغری البردی ۲۱۸
ابن حجر عسقلانی، حافظ ۷۶، ۲۰۸، ۲۰۹
ابن حجر مکی ۳۶۶، ۳۷۱، ۳۸۶، ۳۹۶
ابن خرداذبہ ۱۱
ابن عساکر، حافظ ۷۵
ابن فہد ۱۹۸
ابن قاضی شہبہ ۲۴۱
ابن مردویہ ۷۵
ابن ہشام ۱۹۷
ابواحمد محمد عیسی الجلودی النیساپوری ۷۴
ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان ۷۵
ابوالبرکات، حضرت ۲۷۱

ابوالحسن بکری، شیخ ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۷۰، ۳۸۴، ۳۸۶
۳۸۸، ۳۹۵
ابوالحسن شاذلی، قطب زمان شیخ ۳۶۶، ۴۱۰
ابوالحسن علی الندوی، مولانا ۳۳۶
ابوالحسن علی بن حسین المسعودی ۱۲
ابوالحسین عبدالغافر الفارسی النیساپوری ۴۔
ابوالخیر مبارک، شیخ ۳۵۳
ابوالعباس قصاب، شیخ ۳۵۳
ابوالعتاہیۃ ۱۱
ابوالفتح (ولد مولانا محمد تھانیسری) ۱۱۶
ابوالفتح ابن شاہ قاذن، شیخ ۳۲۸
ابوالفتح الخاطب، شیخ ۳۰۳
ابوالفتح، شیخ (خلیفہ خواجہ گیسودراز) ۲۲۶
ابوالفتح شیخ ہدایت اللہ سرمست، شیخ ۳۰۳، ۳۲۹
ابوالفرح خان ۳۵
ابوالفضل ۱۲۱
ابوالفضل شوبری، قاضی ۱۹۵
ابوالفضل مبارک، شیخ ۳۴۶، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۵۵
ابوالفضل محمد مظہر الدین گاذرونی ۲۷۲
ابوالقاسم، خواجہ (برادر ملا عبدالقادر آخوند) ۴۱۹
ابوالقاسم، سید (ماموں شیخ وجیہ الدین) ۲۷۱

ابوالقاسم، شیخ ۱۳۹

ابوالقاسم اسماعیل بن محمد القریشی الاصفہانی، ۷۵
حافظ

ابوالمجد محمد بن جعفر محبوب عالم حسینی بخاری، سید ۱۵۲، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶

ابوالمفاخر خان ۳۵

ابوبکر الصدیقؓ، سیدنا ۳۰۶، ۳۹۰، ۳۹۱، ۴۰۱

ابوبکر العامری ۲۲۴

ابوبکر بن احمد بھروچی ۱۴

ابوبکر تاج الدین، شیخ ۳۰۳

ابوبکر تغلق، سلطان ۱۲۹

ابوبکر ربیع بن صبیح سعدی ۹

ابوبکر عیدروس حضرموتی ۸۹

ابوتراب، شیخ ۲۹۶

ابوتراب، میر ۴۱۹

ابوتراب ابن کمال الدین حسینی، شیخ ۹۳

ابوتراب شیرازی لاہوری، سید (باباگدا) ۸۹، ۱۷۹، ۲۴۳، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳
۴۰۴

ابوجی، میاں (متوسل شیخ وجیہ الدین) ۲۸۳

ابوحنیفہ، امام ۱۰۸، ۱۱۱

ابوریحان بیرونی ۱۲، ۱۷

ابوسعید الجمیری ۷۴

ابوسعید بن زکریا (تاجر)　۱۲
ابوسعید عبدالجبار، شیخ (ابن شیخ غوث الدین)　۲۲۵
ابوشیرازی، شیخ　۳۸۷
ابوطاہر الکردی، شیخ　۳۱۱
ابوظفر ندوی، مولانا　۱۴، ۵۹، ۹۴، ۱۵۲، ۱۸۶، ۱۸۹، ۲۴۶، ۲۴۹
ابوعبداللہ حکیم نیسا پوری　۷۴
ابوعطاء اسکندری　۳۸۰
ابوفراس بن حمدان　۲۰۱
ابومحمد بن خضر تمیمی　۳۰۷
ابومدین مغربی، شیخ　۱۱۸، ۱۲۴، ۳۶۶
ابوہریرہؓ، حضرت　۹۷
احمد، سید　۱۹۰
احمد، قاضی　۲۵، ۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸
احمد، سید (مخدوم جہاں شاہ)　۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴
احمد، سید (نبیرہ شیخ علی متقی)　۳۸۵
احمد الدیزلی شافعی، مولانا　۳۳۷
احمد بدایونی، شیخ　۲۲۷
احمد بردزق، شیخ　۳۸۳
احمد بن برہان الدین آخر الاولیاء، شیخ　۲۲۲
احمد بن حنبل، امام　۷۵

احمد بن سلطان محمد بن مظفر، سلطان ۱۹۶، ۲۰۰
احمد بن سلیمان، مولانا ۶۲، ۶۶، ۱۸۴، ۱۸۶
احمد بن عبداللہ کھتوی (کھٹو)، (گنج بخش، جمال الدین، شہاب الدین)، شیخ ۱۹، ۲۰، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۳۲، ۴۲، ۶۱، ۶۴، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۵۳، ۱۶۹، ۱۷۸، ۲۲۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۵۱، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵
احمد بہمنی، سلطان (والی دکن) ۲۲، ۱۹۷، ۲۰۰
احمد جعفری شیرازی، سید ۸۸
احمد خان ۱۹
احمد رفاعی، سید ۸۹، ۹۷
احمد شاہ، سلطان ۱۵، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۳۲، ۳۵، ۳۷، ۳۸، ۴۱، ۵۱، ۶۳، ۹۳، ۱۰۴، ۱۲۰، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۹، ۱۹۶، ۱۹۷، ۲۰۷، ۲۱۷، ۲۳۶، ۳۹
احمد شاہ پیر، حضرت سید ۲۳۹
احمد شادی، شیخ ۳۱۱
احمد قشاشی، مولانا ۳۱۱

احمد کبیر، سید ۱۱۵

احمد کبیر رفائی، سید ۸۹، ۱۰۰

احمد کردی، مولانا ۶۹

احمد گدا (خلیفہ سید ابوتراب) ۳۰۴

احمد متوکل، شیخ (خلیفہ شیخ غوث گولیاری) ۳۴۴

احمد مجد، شیخ (ولد قاضی مجد) ۱۹۴

احمد مخدوم جہاں شاہ، سید ۱۱۷

احمد میاں مخدوم احمد بن برہان بن ابراہیم ۱۶۹، ۱۷۸، ۲۱۱
غوری، مولانا شیخ

احمد ہنکوری، بابا (نعلبندی) ۲۶

اختیار الملک سلطانی ۹۰

اخی راجگیری، شیخ ۱۰۶

ارجن جی ۱۵۴

ازرقی، حکیم ۳۱

اسحاق، شیخ (بھائی شیخ سماء الدین) ۱۰۹

اسحاق بھروچی، شیخ ۲۷۷

اسحاق سیدا پوری ۱۲

اسحاق کھوکھر، ملک (والد زوجہ شاہ عالم) ۱۵۶

اسحاق مغربی، بابا (شیخ) ۱۳۷، ۱۳۹

اسعد اللہ، شیخ (نبیرہ شیخ وجیہ الدین) ۲۹۱

اسعد خان ۹۰

اسماعیل، حضرت مخدوم عالم ۲۶۳

اسماعیل بن شاہ محمد غوث، شیخ (خلیفہ شیخ غوث گوالیری) ۳۴۳

اسماعیل بن عبداللہ اصفہانی، قاضی سید ۱۴۷، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲

اسماعیل صفوی، شاہ ۴۴۱

اسماعیل قریشی، شیخ ۱۱۷

اشرف جہانگیر سمنانی، سید ۱۰۴، ۱۰۶

اعتماد خان گجراتی ۶۸، ۹۱، ۴۱۹، ۴۲۰

اعظم خان ۳۷، ۱۷۹

افضل خان ۳۴

اکبر (جلال الدین) (شاہ) ۱۷، ۳۳، ۳۷، ۴۶، ۶۴، ۶۸، ۶۹، ۸۸، ۹۰، ۹۱، ۱۷۹، ۲۳۸، ۲۴۰، ۲۴۶، ۲۸۳، ۳۱۵، ۳۲۱، ۳۲۵، ۳۳۸، ۳۴۰، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۳۰، ۴۳۳، ۴۳۵، ۴۳۷، ۴۵۵، ۴۵۷، ۴۶۰

اکبر اعظم بن سید آدم عالم، سید ۲۴۹

اکرام الدین، قاضی (شیخ الاسلام) ۶۰، ۷۰، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۸، ۱۹۱

اکرم الدین خان ۳۵

اکمل الدین برہان، شیخ (خلیفہ شیخ غوث گوالیری)	۴۴۳
الاشتر عبداللہ بن محمد	۹
الف خاں سنجر	۲۲۳
اللہ بخش، شیخ	۱۹۰
الہ داد اکبر آبادی، شیخ	۳۰۵
الہٰ داد ابن سعد اللہ عثمانی، شیخ	۳۱۸
امان، بی بی (بنت شاہ عالم)	۱۴۶، ۱۵۶
امان اللہ، مولوی	۷۷
امانت خان	۳۴
امۃ اللہ بی بی (بنت شاہ عالم)	۱۵۶
امتیاز علی عرشی، مولانا	۷۲
امیر بن جہانگیر	۹۰
امیر تقی الدین محمد شیرازی، علامہ	۴۴۳
امیر تیمور گورگان	۱۵، ۱۰۳، ۱۲۵، ۱۳۳
امین الدین حسن، خواجہ (والد خواجہ عبداللہ امامی)	۴۳۸
امین الدین خداوند خان	۳۵، ۴۵، ۲۳۹، ۲۴۲
امین اللہ، شاہ (ابن قطب عالم)	۲۴۴
امین خان	۹۰
امین محمد، سید (خادم ماہ عالم)	۱۸۰

انیس ملا محب علی سندھی	۴۳۸
اورنگزیب عالمگیر	۱۷، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۴۰، ۴۳، ۶۱، ۶۶، ۶۸، ۶۹، ۱۵۳، ۲۰۷، ۳۰۴
اولیاء بن شیخ سراج، شیخ	۴۱۶
اولیاء کالوپوری، شیخ	۳۰۰
ایشورداس ناگر پٹنی	۶۳

ب

بابو چشتی، شیخ ۱۵۹

باجن چشتی برہانپوری، شاہ ۷۹، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۸۴، ۳۸۷، ۳۹۵

باربوسہ، سیاح ۵۵

بارک اللہ چشتی، شاہ (خلیفہ نظام الدین اولیاء) ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۵۳

باقر ماوراء النہری، میر ۴۴۰

بایزید، شیخ (ولد شیخ حسام الدین ملتانی) ۴۰۰

بایزید بسطامی، شیخ ۳۳۸، ۳۵۴

بخشی صفی خان ۵۱

بدا بوہرہ ۱۳۹

بدرالدین ابوالقاسم سہروردی، میاں ۲۷۲، ۲۷۳

بدرالدین بدایونی، شیخ ۳۱۸

بدرالدین محمد بن ابوبکر مالکی ابن دمامینی ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۴

بدر بھکری، مخدوم سید ۸۹

بدھ فتح اللہ، خواجہ ۱۰۸، ۱۱۰

بدیع الزمان سمرقندی، شیخ (خلیفہ شیخ غوث) ۳۴۳

بڈھا بن سید یعقوب، سید (والد خوندمیر) ۲۱۵، ۲۱۶

بڈھن، سید (ولد شاہ عالم) ۱۵۶

برہان (والد احمد میاں مخدوم) ۱۶۹

برہان، سید ۱۵۱

برہان، شاہ ۸۰

برہان، قاضی ۲۹۶

برہان الدین، قاضی ۶۹

برہان الدین ابو محمد عبد اللہ بخاری احمد آبادی، حضرت قطب العالم ۱۵، ۱۸، ۱۹، ۲۲، ۳۶، ۸۲، ۱۰۰، ۱۰۴، ۱۱۷، ۱۳۶، ۱۴۱، ۱۴۴، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۵۷، ۲۰۷، ۲۱۳، ۲۱۷، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۸، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۷، ۲۶۸

برہان الدین جانم ۷۹

برہان الدین حنفی شطاری ۳۶۲

برہان الدین علوی، شیخ (بھائی شاہ وجیہ الدین) ۲۹۶

برہان الدین ملتانی، مولانا ۳۱۹

برہان الملک ۲۹۷

بڑے صاحب، سید ۷۰

بڑے میاں صاحب (متولی درگاہ شیخ وجیہ الدین) ۲۸۴

بقائی، ملا (رفیق مرزا بخشی) ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۳۸

بکرماجیت، راجہ ۸۸

بندگی احمد، خواجہ (ولد خواجہ خانون) ۳۳۴

بنوسامہ ۱۰

بنوہبار ۱۰

بواخوندا (زوجہ شاہ عالم) ۱۵۶

بہادر، سلطان ۲۱

بہادر خان ۳۴

بہادر شاہ ۳۵، ۳۹، ۵۹

بہادر شاہ ابن مظفر ۸۸، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۹۶، ۳۹۷

بہادر گجراتی، سلطان ۳۵

بہادر ہدایت حسین خان صاحب ۴۴۳

بہارالدین، حاجی المخاطب بعمدۃ الملک ۳۴

بہاء ابن دمامینی ۱۹۵

بہاءالدین (ولد شیخ نورالدین) ۱۹۱

بہاءالدین، مولانا ۶۶

بہاءالدین اوچی، علامہ شیخ ۱۰۰، ۱۰۱

بہاءالدین صدیقی گوپاموی، حکیم (ہردوئی) ۱۸۹

بہاءالدین ملتانی، شیخ ۴۰۰

بہاء الدین مکی، سید (دادا شیخ وجیہ الدین علوی) ۲۷۱، ۲۸۷
بہاء الحق زکریا ملتانی، حضرت مخدوم ۹۸، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۹، ۱۱۱
بہبود مرزا (خوش نویس) ۴۳۳
بہلول، شیخ (بھائی شیخ غوث) ۳۲۹، ۳۴۰، ۳۴۴، ۳۴۵
بہلول لودھی ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳
بوبقلی بیگ ۴۳۸
بیرم خان ۳۳۹، ۳۴۰، ۴۲۸، ۴۳۰

پ

پرشدہ ۴۳۱

پرویز بن جہانگیر، سلطان ۴۴۱، ۴۵۶

پیارا، حضرت شیخ ۲۲۱

پیارن، شاہ (ابن سید محمود) ۲۴۲

پیرو، شیخ ۲۶۷

ت

تاج الافاضل (از ولد قاضی شمس الدین) ۱۹۴

تاج الدین بھکری، شیخ ۱۰۶، ۱۱۷

تاج الدین سرکھیجی، شیخ ۱۲۹

تاج الکندی ۷۵

تاج خان تریانی (نرپالی) ۱۵۱، ۱۵۵

تان سین ۸۸

تفاول خان ۳۵۸

تفتازانی، علامہ ۲۹۲

تقی الدین الفاسی ۲۱۲

تقی الدین بن حجہ ۲۰۳

تقی قزوینی، آقا (برادر آقا جلیل) ۴۶۰

تقی میر، میر ۲۵۲

تمیم ابن عقمی ۸

توکاجی رشیخ طالب (والد شیخ صلاح الدین) ۱۴۲

توکل، بابا ۲۷

ث

ثناء الدین، مولانا ۱۰۹

ثنائی ۴۳۱

ج

جاج (جھانجھ) ۱۲

جاناں بیگم (صاحبزادی خان خاناں) ۴۳۳، ۴۳۴

جام تغلق جونہ ۱۴۵، ۱۵۰، ۱۶۰، ۱۶۴

جام خیرالدین ۱۴۵

جام صلاح الدین ۱۴۵

جائسی (بادشاہ) ۹

جالکندہ/جالیلندہ، قاضی (مرید قطب عالم) ۲۶۹، ۲۷۰

جعفر، ملا ۲۰۶، ۲۰۷

جعفر بدر عالم، سید ۶۵، ۶۶، ۱۵۲، ۱۸۰، ۲۵۶

جعفر بن جلال الدین بن محمد بن جعفر مجید عالم حسینی بخاری، سید ۱۸۳

جعفر شیرازی، سید ۲۵۵، ۲۶۱، ۲۶۲

جعفر ثنی، سید ۲۳۶

جگن، قاضی ۶۹

جلال الدین، سید (بن سید محمود) (شاہ شیخ جیو) ۲۴۲، ۲۴۳، ۴۵۲

جلال الدین، سید (ولد سید محمد نبیرہ شاہ عالم) ۱۵۸

جلال الدین، شاہ ۲۲۱، ۲۲۷

جلال الدین ابو محمد ماہ عالم، حضرت ۱۶۰، ۱۷۹، ۱۸۰، ۲۷۷
سید
جلال الدین احمد بن یعقوب بن محمود ۱۰۸
بن سلیمان البتی
جلال الدین بن محمد بن جعفر حمید عالم ۱۸۲، ۱۸۳
حسینی بخاری، سید
جلال الدین دوانی، علامہ ۲۷۲
جلال الدین چشتی، شیخ ۳۴۹
جلال الدین حسن نیشاپوری، مولانا ۴۲۹
جلال الدین حسینی بخاری، شیخ ۱۸۱
جلال الدین سید ۸۵
جلال الدین مشہدی، سید ۷۰
جلال الدین ملتانی، قاضی (شاگرد شاہ ۳۱۵
وجیہ الدین)
جلال بن عبداللہ اکبرآبادی، شیخ ۳۱۵
جلال خاں براری ۳۶۰
جلال سرخ بخاری، حضرت سید ۸۵، ۱۰۰، ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۱۵
جلال قادری، سید ۴۱۹
جلال قزوینی، آقا ۴۳۰، ۴۶۰
جلال لوہانگی، شیخ ۳۰۵
جلال مقصود عالم، سید ۱۸۰
جلال نورا، حاجی ۱۵۹

جلال واصل، شیخ (خلیفہ شیخ غوث) ۳۴۳

جمال، سید مولانا ۳۵۹

جمال، شاہ (خلیفہ سید ابوتراب) ۳۰۴

جمال الدین چشتی جمن، شیخ ۲۲۶

جمال الدین خنداں رو، حضرت ۹۸، ۹۹، ۱۰۰

جمال پتھری، سید ۸۸

جمال خان (بھائی حسین خان میواتی) ۴۲۸

جمالی، شیخ ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۹

جناح الدین، مولانا ۳۷

جنید بغدادی، حضرت ۲۶۹

جنید بن عبدالرحمٰن مری ۸

جوانمرد خاں بابی ۳۶

جہاں سیفی قزوینی، قاضی ۴۶۰

جہانیاں جہاں گشت، حضرت ۱۵، ۱۶، ۸۹، ۹۷، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، مخدوم (سید جلال الدین حسین) ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۳۱، ۱۳۶، ۱۴۵، ۱۵۰، ۱۵۱، ۲۲۳، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۹

جیوہ عبدالحیٔ (خلیفہ شیخ غوث) ۳۴۳

جیو قادری، مخدوم ۴۱۴

جے سنگھ، راجہ ۵۵

ح

حاتم (شاعر) ۴۳۴

حاتم سنبھلی، شیخ ۳۱۶

حارث بن مرہ العبدی ۷

حاکم، سید (متولی مدرسہ شمع برہانی) ۲۵۰

حالتی (حیائی)، ملا (دوست مرزا بخشی) ۴۲۵

حامد، شاہ (ولد قطب عالم) ۲۴۴

حامد الکبیر بن محمود بن حسن الاوچی ۱۰۸

حامد بن سید میران بن سید مبارک بخاری، ۹۰

سید

حامد گنج بخش، حاجی ۱۱۷

حبیب بن مران ۸

حبیب بن مہلب ۸

حبیب شطاری، شیخ (خلیفہ شیخ غوث) ۳۴۳

حجاج بن یوسف ۸

حزنی، ملا ۴۶۰، ۴۶۱

حسام الدین، مولانا ۱۷۲

حسام الدین متقی ملتانی، شیخ (خلیفہ شاہ ۱۹، ۱۴۱، ۱۴۷، ۳۶۵، ۳۸۴، ۳۸۸، ۳۹۵، عالم) ۳۹۸

حسام الدین محمد، خواجہ (ولد غازی خان ۴۵۵ بدخشی)

حسام خان ۹۳
حسنؓ، حضرت ۹۶
حسن الحسنی (التوکل علی اللہ الغنی) ۷۷
حسن بن آدم، ملا ۲۰۶
حسن بن محمد اساولی، شیخ (اڈہن) ۲۱۴
حسن بن موسیٰ شطاری، شیخ (والد غوثی) ۳۲۱
حسن خان، سید ۳۶
حسن سرمست (ولد عزیز اللہ مندوی) ۲۰۹
حسن سمرقندی، حافظ ۷۴
حسن عسکری، سید ۲۳۶
حسن علی موصلی، ملا ۴۱۷، ۴۲۳، ۴۲۴
حسن فقیہ، غوث الوری ۱۴۴
حسن محمد، شیخ ۶۹
حسن محمد (ولد غوثی) ۳۲۵
حسین، شیخ (معاصر شیخ غوث) ۳۳۱، ۳۳۲
حسین بن خالد ناگوری، شیخ ۲۱۲، ۲۳۱، ۲۳۳
حسین بن سید محمد ترمذی، سید ۳۶۲
حماد بن قاضی محمد، شاہ ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰
حسین بن منصور ۲۶۹
حسین ثنائی، خواجہ (شاعر) ۴۴۳
حسین جوہری وارہ، مولانا ۴۳۶
حسین خان میواتی ۴۲۸

حسین خنگ سوار، سید ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷
حسین شیرازی، مولانا ۳۶۰
حسین لنگاہ، سلطان ۳۸
حسینی صاحب، پیر ۲۸۴
حکم بن ابی العاص ۷
حکیم بن الجبلہ العبدی ۷
حکم بن عوانہ ۸
حلوی شیرازی ۹۳
حمزہ (انڈونیشیا کے اہل کلام) ۳۱۱
حمید، شاہ (مرید شاہ قاذن) ۳۰۳
حمید الدین حصور، شیخ حاجی (مرشد شیخ غوث گولیاری) ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴
حمید الدین ناگوری، شیخ (شیخ کبیر) ۱۶۵، ۲۳۱، ۲۳۳
حمیدہ (بنت شیخ نور الدین) ۱۹۲
حیدر، شیخ (ارادت مند شیخ وجیہ الدین) ۲۸۸
حیدر صاحب، شیخ (نبیرہ شیخ وجیہ الدین) ۲۹۱
حیدری، مولانا ۴۵۷
حیاتی (شاعر) ۴۵۴

خ

خاتون، سلطان (بنت خداوند خاں) ۲۲۰، ۲۴۲

خان اعظم کوکہ ۴۲۸، ۴۵۴

خان جونپوری، شیخ ۳۰۷

خانجہاں، امام ۱۲۹

خانون، خواجہ ۳۳۴

خدا بخش، سید (چچا سید احمد مخدوم جہاں شاہ) ۲۶۳

خدا بخش، قاضی ۳۳۲

خراسانی، (درباری شاعر خان خاناں) ۴۳۱

خرم، شہزادہ ۴۵۲

خضر، حضرت ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۲۶۷، ۴۱۲

خضر، ملک ۱۷۹

خضر تمیمی، شیخ ۳۰۷

خضر نہاوندی، آقا (برادر ملا عبد الباقی) ۴۴۱، ۴۵۸

خلیق احمد نظامی، پروفیسر ۴۰۸

خوب محمد چشتی ۷۹

خوجو، بابا ۲۶

خودن، ملک ۳۶
خوش باش، ملک (ولد سلطان احمد) ۲۱۷، ۲۱۸
خوشحال بن مولانا میراں قاسم ۴۳۰، ۴۴۴، ۴۴۵
تاشقندی، ملا
خونداگوہر (والدہ ماہ عالم) ۱۷۹
خوندصاحب ۱۸۶
خوند کاردی، بی بی (والدہ سید خوند ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸
میر)
خوندمیر، سید ۸۹، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹
خیرالدین رومی، ملا ۴۲۹

د

داراشکوہ	۱۵۳
دانیال، شہزادہ	۳۴۶، ۴۳۳، ۴۴۸
داؤد بن محمد منڈوی شطاری، شیخ	۳۶۳
داؤد شاہ بن سلطان قطب الدین	۱۴۶، ۱۵۵
داؤد قریشی، شاہ	۱۱۷
داول، شاہ	۷۹
داہر، راجہ	۸
دریا خان	۳۴، ۴۰، ۴۲، ۱۶۶
دشت بیاضی (شاعر)	۴۴۳
دمیری، علامہ	۱۹۷
دوستی سمرقندی، میر	۴۵۲، ۴۵۳
دھوکل، بابا	۲۷
دین محمد (نومسلم)	۱۱۶، ۱۱۷

ذ

ذاکر محمد، سید (ابن سید محمود) ۲۴۲
ذاکر نہروالہ، بحر المعارف شیخ قطب جہاں ۳۵۲
ذہبی، علامہ ۷۵

ر

راجح بن داؤد، مولانا ۶۹، ۲۲۴، ۲۳۵

راجن ابن ملک پیرابن ملک رکن ۳۵۱
قریشی، ملک (والد شیخ لشکر محمد)

راجن جی ۸۲، ۸۳

راجی، بی بی (بنت شاہ عالم) ۱۵۶

راجی محمد عینی ، شیخ (دادا قاضی عبد ۳۱۶، ۳۱۷
العزیز)

رازی، امام ۶۵، ۱۵۲

رجب، شیخ حاجی (قطب ربانی) ۲۰۸

رجب غزنوی، حضرت حاجی ۹۷

رحمت اللہ، شیخ ۳۷

رحمت اللہ (ولد عزیز اللہ مندوی) ۲۰۹

رحمت اللہ ابن قاضی عبداللہ سندھی، شیخ ۳۶۷، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵

رحیم دادا ۳۳۹

رزق اللہ مشتاق، شیخ ۲۲۹

رستم خان ۴۷، ۴۹، ۵۰

رستم خان، عماد الملک ۹۰

رشید برہان پوری، مولانا ۳۱۶، ۳۱۷

رضائی (شاعر) ۴۳۴

رضوی خان ۳۶

رضی الدین عثمان گنج عالم، شیخ ۹۷، ۹۸
رکنا کاشی، حکیم ۴۴۹
رکن الدین، قاضی ۳۳۲
رکن الدین کان شکر، شیخ ۲۲، ۱۴۴، ۲۲۶، ۲۳۶
رکن الدین مودود گجراتی، حضرت ۲۰۸
رکن العالم ملتانی، حضرت شاہ (ابوالفتح رکن الدین) ۹۷، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳
روح اللہ، حکیم ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰
رومی خان ترکی ۵۹

ز

زاہد چشتی، شیخ	۲۲۶
زبدۃ الانام، حضرت	۱۱۳
زنبور مرزا، بابا	۴۲۸
زین العابدین، شیخ	۳۰۵
زین العابدین، مولانا	۱۷۲

س

سارنگ ۳۴
ساوجی، صرفی (رفیق مرزا بخشی) ۴۲۶
سبحان رائے ۱۷
سبکتگین ۴۲۲
سپہدار خان ۵۶
سخاوی، امام ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۲۵، ۲۲۷، ۲۲۹، ۲۳۵
سراج، شیخ (خلیفہ قطب عالم) ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸
سراج ابن الملقن، شیخ ۱۹۵
سراج الدین، شیخ ۱۰۶
سراج الدین خان، شیخ ۳۲۳، ۳۲۴
سراج محمد بدبانی، شیخ (خلیفہ شیخ غوث) ۳۴۳، ۳۶۱
سر اللہ المتعال، حضرت ۲۰۷
سعد اللہ (ولد عزیز اللہ مندوی) ۲۰۹
سعد اللہ، شیخ (مرید شیخ محمد ملاوہ) ۲۳۰
سعد اللہ بن سید مرتضی بلگرامی، مولانا ۱۸۸
سید
سعیدہ (بنت شیخ نور الدین) ۱۹۲
سکندر، شیخ ۴۹، ۵۰
سکندر، شیخ (مرید شیخ غوث گوالیاری) ۳۳۲، ۳۳۳
سکندر ابن محمد ۹۳

سکندر ابن مسعود، سید ۱۰۶

سکندر بود، شاہ ۲۰۹

سکندر لودھی ۹۱، ۱۱۲، ۲۲۸، ۲۳۰

سلیم، شہزادہ ۴۲۳، ۴۲۹

سلیم، شیخ (خسر شیخ یوسف بنگالی) ۳۱۴

سلیم الدین ۹۵

سلیمان (تاجر) ۵۴

سلیمان بن عبدالملک ۸

سلیمان رومی، سلطان (عثمانی) ۳۶۹، ۳۸۶، ۳۹۰

سلیم شاہ (ولد قطب عالم) ۲۴۵

سماء الدین، شیخ ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴

سونکلی (ام ولد شاہ عالم) ۱۵۶

سہیل حبشی ۴۵۰

سہیل خان بیجاپوری ۴۳۰

سیاح، بابا ۲۷

سیف الدین، ملک ۱۴۹، ۱۵۰

سیف خان ۳۵

سیوطی، امام ۱۹۸، ۳۶۶، ۳۸۰، ۳۹۶

ش

شادمان خان ۳۷

شادی بن سید یعقوب، سید (چچا خوند میر) ۲۱۵، ۲۱۶

شاہ جہاں ۱۷، ۴۰، ۴۸، ۵۰، ۵۵، ۵۶، ۵۸، ۶۶، ۳۰۶، ۴۲۹

شاہ رخ عالم، مولانا ۱۰۱

شاہ عالم (شاہ منجھن) ابو البرکات سراج الدین سید محمد ۱۸، ۱۹، ۳۵، ۳۶، ۴۲، ۴۶، ۶۵، ۶۶، ۸۳، ۸۸، ۱۴۱، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۲۱۱، ۲۲۰، ۲۳۹، ۲۴۷، ۲۵۴، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۳، ۲۶۸

شاہ میر، سید ۲۷۹، ۳۱۳

شاہنواز خاں (ولد خان خاناں) ۴۲۲، ۴۲۹

شبلی، مولانا ۴۴۴

شتابی جناری، مولانا ۴۴۵، ۴۴۶

شجاع شیرازی ۴۴۳، ۴۴۴

شرف الدین شاہ شہباز، ملک ۲۶۴

شرف الدین محمود تستری، شیخ ۱۰۱
شرف الدین مشہدی، سید ۸۹، ۱۰۶، ۲۳۸
شریف، سید ۸۹
شریف ابو بکر عید روس (خلیفہ شاہ عالم) ۱۴۷، ۲۵۸، ۲۶۰
شریف برکات، سلطان مکہ ۳۸۲
شریف جرجانی، میر ۱۰۹
شریف قزوینی، سید ۴۶۰
شریف کاشی (شاعر) ۴۳۸، ۴۵۷
شعبان، ملک (وزیر سلطان احمد) ۲۱۷
شعبان مریم، عمادالملک ۱۵۵
شعرانی، علامہ ۳۷۱، ۳۸۲
شعری، مولانا ۴۵۶
شکیبی بن ظہیر الدین عبد اللہ امامی اصفہانی، مولانا ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵
شمس الدین ، سید (چچا شیخ وجیہ الدین) ۲۷۱
شمس الدین التمش، سلطان ۱۲۰، ۱۲۱
شمس الدین بکری، شیخ ۳۷۱، ۳۸۶
شمس الدین ترک پانی پتی، حضرت ۹۵
شمس الدین رملی، شیخ ۳۷۱، ۳۸۶
شمس الدین شیبانی، قاضی ۱۹۳، ۱۹۴

شمس الدین شیرازی ۹۳
شمس الدین شیرازی، شیخ (خلیفہ شیخ غوث) ۳۴۳
شمس الدین علی، سید ۲۰۶
شمس الدین علی بن عماد ۷۳، ۷۶
شمس اللہ قادری ۲۷۹
شمس خان دندانی ۲۱
شہاب الدین (ناظم گجرات) ۴۱۹، ۴۲۰
شہاب الدین حمدانی، مولانا ۱۲۲
شہاب الدین خان حسینی نیشاپوری ۳۲۵
شہاب الدین خسرو ۳۳۹
شہاب الدین سندھی، شیخ ۳۵۶
شہاب الدین سہروردی، حضرت ۹۸، ۱۰۱
شہاب الدین غوری، سلطان (معز الدین محمد) ۹۷، ۱۷۸
شہاب نرخ شاہ عمری کابلی ۲۰۸
شہباز گدا (خلیفہ سید ابوتراب) ۳۰۴
شہر اللہ (ولد عزیز اللہ مندوی) ۲۰۹
شیرازی (درباری شاعر خان خاناں) ۴۳۱
شیرازی، حافظ ۴۳۸
شیرانی، مولانا ۷۰، ۸۱
شیر پیر محمد حلیم ۳۱۴

شیر خان (ولد اعتماد خان) ۴۱۹
شیر خان فولادی ۹۰، ۴۲۰
شیر شاہ سوری ۳۳۵، ۳۶۳
شیر محمد، سید (ابن سید محمود) ۲۴۲
شیر محمد بن احمد بن سید عرب، حضرت ۱۷۹
شیرد، ملک ۲۴۳
شیروانی چشتی، شاہ ۹۵

ص

صادق، ملا ۲۸۶

صادق، مولانا (مصنف الصبح الصادق) ۴۴۰

صادق خاں ۶۱

صادق خان (ارادت مند شیخ وجیہ الدین) ۲۸۸، ۲۹۰

صالح، سید (ولد قطب عالم) ۲۴۴

صالح بن محمد بن تاج چاپانیری، شیخ ۳۴۸

صالح سندھی، مولانا ۳۵۳

صبغۃ اللہ بھروچی شطاری، علامہ سید ۲۷۷، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۳۷

صدر الدین، قاضی (والد صدر جہاں) ۱۷۷

صدر الدین، مولانا (نبیرہ مولانا شہاب الدین ہمدانی) ۱۲۲

صدر الدین ذاکر، شیخ (خلیفہ شیخ غوث) ۳۳۷، ۳۴۳

صدر الدین راجو قتال، حضرت (شیخ الاسلام) ۸۲، ۸۳، ۱۰۶، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۲۰۷، ۲۳۶، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۶۲، ۲۶۳

صدر الدین عارف، شیخ ۹۸

صدر الدین محمد، سید ۱۰۰

صدر الدین محمد شاکر بڑودی، صدر ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۴۳، ۳۶۲
الذاکرین شیخ (خلیفہ شیخ غوث)
صدر جہاں حسام الدین، ملک القضاۃ ۶۵، ۱۵۲، ۱۶۹، ۱۷۲، ۱۷۷، ۱۷۸، ۲۲۲،
مولانا ۳۲۹
صفدر خان بابی ۳۵
صفدی، علامہ (صلاح الدین) ۲۰۴
صفی الدین گجراتی، شیخ ۳۰۶
صفی ساتی پوری، شیخ ۳۱۸
صفیہ، حضرت (رضی اللہ عنہا) ۲۰۱
صلاح الدین، شیخ ۱۴۲، ۱۴۳
صلاح الدین راجپوت (مرید شیخ ۱۳۵
احمد)
صلایت خان ۳۷
صیدی کشمیری، مولانا ۴۵۸

ض

ضیاءالدین، سید (والد سوز) ۲۵۲

ط

طاہر سیف الدین، سیدنا ۶۷
طاہر محمد بن شیخ یوسف سندھی، شیخ (۱۸۹، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸،
محدث پٹنی) ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۷۰
طاہر یوسف سندھی، شیخ ۳۱۴
طرفۃ بن العبد ۲۰۴
طوغان ۳۵
طوفی (شاعر) ۴۵۷
طیب، شیخ (برادر شیخ طاہر محمد سندھی) ۳۵۶
طیفور حاجی، شیخ ۳۰۳

ظ

ظہور الدین محمد جلال، شیخ ۳۲۴
ظہیر الدین محمد بابر ۵۹، ۳۳۵، ۳۳۹، ۳۴۵، ۴۱۷، ۴۱۸

ع

عالم کابلی، ملا ۴۱۸
عباد بن زیاد ۷
عباسؓ، حضرت ۴۵۲
عباس صفوی، شاہ ۴۴۱
عبد اصفہانی، خواجہ (والد شکیبی) ۴۳۷
عبدالاول (ولد غوثی) ۳۲۵
عبدالاول، میر ۳۱۹
عبدالباقی تبریزی، میر ۴۲۹، ۴۵۰
عبدالباقی نہاوندی، ملا ۲۸۶، ۴۴۱، ۴۴۳، ۴۴۵، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۸، ۴۵۹
عبدالجبار ملکاپوری ۲۱۵
عبدالجلال بن محمد ۷۵
عبدالجلیل، سید ۸۸
عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی، شیخ ۲۴۶
عبدالحق، مولوی ۱۵۴، ۲۷۹
عبدالحق محدث دہلوی، شیخ ۱۷، ۶۴، ۱۰۲، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۳۴، ۱۵۳، ۱۹۳، ۲۴۶، ۳۳۷، ۳۷۲، ۳۷۸، ۳۸۳، ۴۰۴، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۴، ۴۲۱، ۴۳۰

عبد الحکیم، شیخ (متوسل شیخ وجیہ الدین) ۲۸۳
عبدالحکیم، شیخ (ولد شاہ باجن) ۳۶۵، ۳۸۴، ۳۸۸، ۳۹۵
عبدالحلیم (ولد شیخ راجی محمد عینی) ۳۱۷
عبدالحمید (ولد شیخ راجی محمد عینی) ۳۱۷
عبدالحی، مولانا حکیم ۱۸۲، ۱۹۶
عبدالحی حسینی، حضرت مولانا سید ۹۴، ۳۱۳
عبدالحی منصور، قاضی ۱۴۳
عبدالخالق، سید ۸۸
عبدالرحمٰن (ولد شیخ راجی محمد عینی) ۳۱۷
عبدالرحمٰن بن سیدنا ابوبکر الصدیقؓ ۳۶۳
عبدالرحمٰن چشتی، شاہ ۳۳۷
عبدالرحیم، سید ۸۹
عبدالرحیم، شیخ ۳۰۳
عبدالرحیم خان بن بیرام خان خان خاناں، مرزا ۳۱، ۴۸، ۶۷، ۷۷، ۳۲۵، ۴۲۰، ۴۲۴، ۴۲۸، ۴۲۰، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱
عبدالرحیم رفاعی، سید ۳۵
عبدالرحیم (ولد شیخ راجی محمد عینی) ۳۱۷

عبدالرزاق مبارک عبدالحی، قاضی ۱۳۹

عبدالرؤف، شیخ ۳۰۳

عبد الرؤف (خلیفہ ملا ابراہیم ۳۱۱
القرانی)

عبدالشکور بن موسیٰ، سید ۱۸۴

عبدالشہید عبید اللہی، خواجہ ۲۷۷، ۴۰۱

عبدالصمد، میاں (خلیفہ شیخ علی متقی) ۳۹۳

عبدالعزیز آصف خان ۱۷، ۷۱

عبدالعزیز بن راجی محمد عینی اجینی، شیخ ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۵۳
قاضی

عبدالعزیز شافعی مالباری، شیخ ۴۱۲

عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ ۲۰۱، ۲۰۵، ۳۳۷

عبدالعزیز ہمدانی، قاضی ۴۳۰

عبدالعظیم محمد حنفی مکی، شیخ ۲۹۹

عبدالغفار، شیخ ۳۰۳

عبدالغفور، شیخ ۳۰۵

عبدالغفور سندھی، سید ۳۵۳

عبدالغنی، حافظ ۷۵

عبد الفتاح ، شیخ (خلیفہ سید ۲۱۷
علاؤالدین)

عبدالفتاح ناگوری، مولانا (خلیفہ شیخ ۳۴۳
غوث)

عبد القادر، شیخ(برادر قاضی عبد العزیز) ۳۱۶
عبدالقادر آخوند، ملا ۴۱۹
عبدالقادر بدایونی، ملا ۶۴، ۶۸، ۲۴۶، ۲۸۴، ۳۴۷، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۳۶
عبدالقادر بن احمد فاکہی، علامہ ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۸۶
عبدالقادر عیدروسی حضرمی، شیخ ۶۸، ۲۸۶، ۳۶۹، ۳۸۶، ۴۰۴
عبدالقدوس گنگوہی، شیخ ۷۹
عبد القیوم، شیخ(متوسل شیخ وجیہ الدین) ۲۸۳
عبدالکریم، شیخ (ولد شیخ راجی محمد عینی) ۳۱۶، ۳۱۷
عبدالکریم بن عطاء اللہ شیرازی، شیخ ۹۳
عبدالکریم جیلی ۳۱۱
عبدالکریم نہروالی، مولانا ۳۱۶
عبداللہ، خواجہ(قاضی القضاۃ) ۳۴
عبداللہ شطاری، شیخ ۳۰۳، ۳۲۸
عبداللہ، شیخ (خلیفہ مولانا محمد صدیق) ۱۶۴، ۱۶۵
عبداللہ، شیخ (ولد شیخ وجیہ الدین) ۲۹۱، ۳۲۷
عبداللہ، مخدوم ۱۵۱
عبداللہ، مولانا ۶۱
عبداللہ، مولانا شیخ ۴۲۹
عبداللہ الہ داد، مولانا ۱۱۳

عبداللہ امامی، خواجہ (جد اعلی شکیبی) ۴۳۸
عبد اللہ بن سعد اللہ متقی سندھی مدنی، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۹۷، ۴۰۲، ۴۰۴
شیخ
عبد اللہ بن شیخ غوث، شیخ (جانشین ۳۲۳، ۳۴۳، ۳۴۸، ۳۶۳
غوث الاولیاء)
عبداللہ بن عامر کریز ۷
عبداللہ بن محمد عمر دبیر آصفی مکی، شیخ ۱۵، ۹۴، ۱۰۴، ۱۴۰
عبداللہ بن محمود حسینی، شیخ ۲۱۴، ۲۱۶
عبداللہ حسینی بخاری، شیخ ۱۶۳
عبد اللہ حنفی بیجاپوری، قاضی (شاگرد ۳۱۴
شاہ وجیہ الدین)
عبداللہ خان (فیروز) ۴۸
عبداللہ خان، میر (حاکم گجرات) ۴۵۳، ۴۵۶
عبداللہ سندھی، قاضی (والد شیخ رحمت ۴۰۲، ۴۰۴
اللہ)
عبداللہ صوفی ہروی عثمانی شطاری، شیخ ۳۱۸
عبداللہ عثمانی سندیلوی اکبرآبادی، شیخ ۲۷۴، ۳۴۳
عبداللہ قریشی، شاہ ۱۱۱، ۱۱۲
عبداللہ مطری، شیخ ۱۰۱
عبداللہ نیازی، شیخ ۳۸۳
عبداللہ یافعی، شیخ ۱۰۱، ۲۱۳، ۳۸۵
عبداللطیف، شیخ (خلیفہ قطب عالم) ۲۵۴، ۲۵۵

عبداللطیف بن ملک محمود، داور الملک، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۶
ملک (خلیفہ شاہ عالم)
عبداللطیف بھٹائی، شاہ ۷۹
عبدالمجید (ولد شیخ راجی محمد عینی) ۳۱۷
عبدالمقتدر، شاہ ۱۵۱
عبدالمقتدر تھانیسری، قاضی ۱۱۶
عبدالملک، مولانا ۶۹
عبدالملک بن شہاب مسمعی ۹
عبدالملک بنیانی عباسی، شاہ ۲۷۱، ۳۰۰
عبدالملک شطاری سارنگ پوری، شیخ ۳۰۵
عبدالمنعم باغلطہ، مولوی ۲۸۴
عبدالنبی، شیخ ۱۵۱
عبدالنبی، ملا ۱۹۰
عبدالنبی شطاری اکبر آبادی، شیخ ۲۷۴
عبدالوہاب، حضرت حاجی ۱۱۳، ۱۱۷
عبدالوہاب، شیخ ۳۰۳
عبدالوہاب، شیخ (معاصر شیخ غوث) ۳۴۱، ۳۴۲
عبدالوہاب (قاضی القضاۃ) ۳۵
عبدالوہاب الفروی، شیخ ۱۹۵
عبدالوہاب بھورا، قاضی القضاۃ ۱۸۵

عبد الوہاب متقی، شیخ (خلیفہ شیخ علی متقی) ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۷۰، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۸۵، ۴۰۲، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶

عتیق اللہ، شاہ (بن سید محمود) ۱۵۱، ۲۴۲

عثمان، سلطان ۴۰۲

عثمان، سید ۳۶

عثمان، شیخ (بانی مدرسہ عثمانیہ) ۶۱

عثمان، شیخ (چچا زاد بھائی شیخ طاہر سندھی) ۳۵۶

عثمان بن ابی العاص ۷

عثمان بن عفان، حضرتؓ ۷

عثمان حنفی سنبھلی، مولانا (شاگرد شاہ وجیہ الدین) ۳۱۵

عثمان شمع برہانی، سید ۸۹، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۱

عرش آشیانی، حضرت ۵۲

عرفی، مولانا (درباری شاعر خان خاناں) ۴۳۱، ۴۵۴

عزت شاہ ۱۵۱

عزیز اللہ عمری مندوی، شیخ ۲۰۸

عزیز اللہ متوکل، شیخ ۸۳، ۲۲۶، ۳۶۴، ۳۶۵

عزیز کوکلتاش، مرزا (اعظم خان) ۴۲۰، ۴۵۷

عطاء اللہ، سید ۳۵
عطاء اللہ، شیخ (برادر شیخ بارک اللہ چشتی) ۱۴۸
عفیفہ (بنت شیخ نورالدین) ۱۹۲
علاؤالدین، شیخ سید ۲۱۷
علاؤالدین، مولانا ۶۹
علاؤالدین بن احمد بہمنی، سلطان ۲۳۴
علاؤالدین خان، سلطان ۲۰، ۲۱
علاؤالدین خلجی، سلطان ۲۳۳، ۲۳۴
علاؤالدین علی، شیخ ۱۰۶
علاؤالدین مکی، شیخ ۴۱۰
علائی، شیخ ۳۸۳
علم، شیخ (خلیفہ شیخ غوث) ۳۴۴
علم الدین، سید (ولد قطب عالم) ۲۴۵
علم الدین ترمذی، شیخ ۱۰۶
علم الدین چشتی، شاہ ۲۲۵، ۲۲۶
علم الدین عمری دہلوی، شیخ ۱۹۴
علم اللہ، شیخ ۴۵۴
علم اللہ، مولانا شیخ ۴۲۹
علم شاہ، سید (ولد سید زاھد بن قطب عالم) ۲۶۰
علی، حکیم ۵۲

علی، مولانا ۲۳۷

علی بن ابی طالب ۷، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۳۰

علی بن اسد اللہ، استاذ العلماء قاضی ۲۹۶، ۲۹۹
(علی محمد)

علی بن سید جلال مقصود ۲۶
عالم، سید (ناظم کتب خانہ)

علی بن محمد بن غریق الخطیب، شیخ ۴۰۳، ۴۰۴

علی جیو گا دَھنی، شاہ ۷۹، ۸۹

علی خان ۱۶۶

علی خطیب، شیخ (خلیفہ قطب عالم) ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۶، ۲۶۵

علی خوشنویس، میر ۴۳۳

علی شیر، بابا ۲۶

علی شیر، ملا (استاذ خواجہ نظام بخشی) ۴۱۷

علی شیر بنگالی گجراتی، شیخ (خلیفہ شیخ ۳۳۷، ۳۴۴، ۳۴۹، ۳۵۱
غوث)

علی شیر قانع، میر ۱۵۴، ۲۱۵

علی عادل شاہ فاروقی ۳۶۰

علیم الدین، ملک ۳۵

علی متقی بن حسام الدین قریشی، شیخ ۲۷۳، ۲۸۸، ۳۰۶، ۳۳۵، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۸۰، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۴، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۱، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶

علی محمد خان ۴۲

علی یمنی، سیدنا ۲۰۶

عمادالدین، مولانا ۶۲، ۷۱، ۷۲

عمادالملک ۲۰۸

عمرؓ ابن الخطاب، سیدنا ۷، ۳۹۰، ۳۹۱، ۴۰۱

عمر، شیخ (خلیفہ شیخ غوث) ۳۴۴

عمر بن جمل ۹

عمر بن مسلم باہلی ۸

عہدی، میر ۴۵۹

عیاض، قاضی ۱۴

عیسی، حضرت علیہ السلام ۳۸۱

عیسی جنداللہ، حضرت ۴۲۹

عین القضاۃ، شیخ ۱۱۴

عین القضاۃ ہمدانی، شیخ ۳۱۶، ۳۱۷

غ

غازی خان بدخشی، مولانا	۴۲۹
غزالی، امام	۳۵۶
غزنی، سلطان	۸۲، ۱۵۴
غلام چنگیز خان	۳۵
غلام حسن	۱۸۹
غلام سرور لاہوری، مفتی	۹۵
غلام علی آزاد بلگرامی، مولانا	۲۸۷
غلام محمد، شیخ	۱۸۹
غلام معین الدین	۲۸۶
غلام نبی	۱۸۹
غوث الدین قادری بغدادی، شیخ	۲۰۶، ۲۲۴
غوث اللہ (ولد شیخ وجیہ الدین)	۲۸۳
غیاث الدین تغلق، سلطان	۹۹، ۱۲۹

ف

فتح اللہ شیرازی ۴۲۳، ۴۲۴

فتح الملک (والد راستی خان) ۱۳۹

فخر الدین، شیخ (ولد شیخ نور الدین) ۱۹۳

فخر الدین بن ملک سیف الدین بن ۱۴۹
اژدر خان، ملک (داماد احمد شاہ)

فرید الدین، مولانا ۱۸۴

فرید الدین گنج شکر، خواجہ ۱۴۴، ۲۳۶

فرید بن عبد العزیز صوفی حمید الدین ۲۱۲
ناگوری، شیخ

فرید بھکری، شیخ ۴۱۸

فرید گجراتی، مولانا شیخ ۱۹۰

فضل الدین محمد بن قوام بلخی، مولانا ۸۰، ۸۱

فضل اللہ، شیخ ۱۱۰، ۱۱۷

فضل اللہ برہانپوری، شیخ ۳۰۷

فضل بن ماہان ۱۰

فضل علی عرف بارک اللہ ۳۴۲

فضیل بن عیاض، شیخ ۳۸۵

فقیہ احسن العرب الدابھولی ۶۱

فہمی (شاعر) ۴۳۴

فیروز شاہ تغلق ۸۳، ۸۷، ۱۱۶، ۱۱۸، ۱۲۳، ۱۲۶، ۱۲۹، ۱۳۳

فیض اللہ، مولانا ۱۷۲

فیض اللہ ترخورانی، میر ۴۳۰

فیضی ۱۷، ۱۸، ۶۴، ۲۴۶، ۴۲۶

فیضی، شیخ (مؤلف اکبرنامہ) ۴۱۷

ق

قاذن شطاری، شیخ ۲۲۶، ۲۸۸، ۳۰۳
قاسم، شیخ (برادر شیخ طاہر محمد سندھی) ۳۵۶، ۳۵۷
قاسم، میر ۳۶
قاسم بن داؤد بن محمد، شیخ ۲۳۵
قاسم بن قطلو بغا ۲۱۴، ۲۱۸، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۴
قاسم میرک (والد ملا خوشحال) ۴۴۴
قاضی خان چشتی (قاضی قاضن چشتی نہروالی) ۲۷۲، ۲۹۰، ۳۲۸
قثعم بن ثعلبہ ۸
قطب الدین، شیخ (ولد شیخ اولیاء) ۴۱۶
قطب الدین، قاضی (والد حسن فقیہ) ۱۴۴
قطب الدین، مفتی ۶۹
قطب الدین، میاں ۱۵۹
قطب الدین اویسی چشتی دہلوی، خواجہ ۳۱۸
قطب الدین بختیار کعکی، حضرت ۱۹، ۲۷، ۸۳، ۱۰۶، ۱۴۱، ۱۴۷، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۲۶، ۱۱۳
قطب الدین بن محمد بن سلطان احمد، سلطان ۴۱، ۴۵، ۵۱، ۵۲، ۸۳، ۸۷، ۱۳۸، ۱۴۰، ۱۴۶، ۱۵۴، ۱۵۵، ۲۳۹
قطب الدین بہرام ۱۰۹

قلقشندی ۲۰۶
قلیج محمد خان ۴۴۸

ک

کامی سبزواری، ملا ۴۳۸

کبیر الدین اسماعیل بخاری، ۱۱۰، ۱۱۷، ۱۶۵، ۱۶۷، ۱۶۹
شیخ (نبیرہ سید جلال الدین بخاری)

کبیر الدین بن شیخ جیو، شیخ ۴۵۲

کبیر الدین بن فرید الدین ناگوری، ۲۱۱
شیخ

کبیر الدین مجذوب، سید ۲۷۳

کرامت، بابا ۲۶

کفوی (درباری شاعر خان خاناں) ۴۳۱

کمال (خادم شیخ علی متقی) ۳۷۲

کمال الدین، شیخ ۹۶

کمال الدین بہلول (والد شیخ عبداللہ ۳۱۸
شطاری)

کمال الدین جسمی، مولانا ۴۴۶

کمال الدین جوانمرد خان ۳۷

کمال الدین حسین شیرازی، حکیم ۴۳۰

کمال الدین شیرازی، سید ۸۹

کمال الدین کرمانی، شیخ ۲۱۳

کمال الدین یعقوب کردی، قاضی ۳۱۵

کمال کرمانی، بابا ۲۷

کمال مالوی، بابا ۲۷
کمال محمد عباسی، شیخ (خلیفہ شیخ وجیہ الدین) ۳۰۰
کیرت، راجہ ۸۸
کیشو داس (درباری شاعر خان خاناں) ۴۳۱

گ

گدائی، شیخ ۳۳۹

گنگ (درباری شاعر خان خاناں ۴۳۱

گنیشیا ۶۳

گیلانی (شاعر) ۴۵۴

ل

لارو، بابا ۲۶

لال گدا (خلیفہ سید ابوتراب) ۳۰۴

لدھا، بابا ۲۷

لسانی (شاعر) ۴۵۷

لشکر محمد عارف، شیخ (خلیفہ شیخ غوث) ۳۳۷، ۳۴۳، ۳۵۱

لطفی منجم (رفیق مرزا بخشی) ۴۲۷

لطیف، شیخ ۸۳

لولوی، بابا (بابا محمد) ۲۶، ۲۷

م

مامون (خلیفہ) ۱۰

ماں، بی بی ۳۴

مان، راجہ ۸۸

ماہ، شیخ ۳۰۷

ماہ، مولانا شیخ ۲۴۳

ماہان بن فضل بن ماہان ۱۱

ماہ بانو (زوجہ خان خاناں) ۴۲۸

مبارک حسین بخاری، سید ۹۴

مبارک دانشمند شطاری گوالیاری، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۸۹، ۳۱۹، ۳۴۳، ۳۴۷
شیخ (خلیفہ شیخ غوث)

مبارک صدیقی شطاری، شیخ ۳۰۵

مبارک گجراتی، سید ۴۳

مجد، قاضی (ولد تاج الافاضل) ۱۹۴

مجد الدین، مولانا ۱۰۱

مجدد الف ثانیؒ، حضرت ۴۳۰

مجد الدین فیروزآبادی ۱۹۴

محمد ﷺ ۱۰۵، ۱۲۴، ۱۴۷، ۱۵۳، ۲۰۱، ۲۲۴، ۲۶۳

محمد، سید ۲۹۶

محمد، سید (نبیرہ شاہ عالم) ۸۵، ۱۵۷، ۱۵۸

محمد، سید (ولد شاہ عالم) ۱۵۱، ۱۵۶

محمد، سید شیخ (ولد شاہ عالم) ۱۵۶
محمد، شاہ (ولی گجرات) ۱۵۶
محمد، شیخ ۳۰۳
محمد، شیخ عرف میاں الولک ۱۵۴
محمد، ملا شیخ ۱۹۰
محمد اختیار، ملک ۱۶۵، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۲۱۹
محمد اسحاق دہلوی، شاہ ۳۳۷
محمد اصغر، سید (شاہ شیخ محمد) (ولد قطب عالم) ۲۴۴
محمد اعظم شاہ ۱۹۲
محمد افضل لاہوری، شیخ ۳۰۱
محمد الغ خان ۹۰
محمد امین، حضرت شاہ ۲۳۹، ۲۶۰
محمد امین دیوانہ ۴۲۸
محمد اویس بن شاہ محمد غوث، شیخ (خلیفہ شیخ غوث) ۳۴۳
محمد بخشی (قلعہ دار) ۳۴۴، ۳۴۵
محمد بکری شافعی ۴۱۶
محمد بن ابراہیم اسماعیل ملتانی، شیخ ۳۱۷
محمد بن احمد بن محمد ۷۲
محمد بن اسماعیل نہروالی، مخدوم العالم ۲۲۳
محمد بن اویس گوالیاری، شیخ ۳۴۹

محمد بن جعفر بن جلال الدین بن محمد محمود ۱۸۳
عالم حسینی بخاری، سید
محمد جلال، شیخ ۳۰۵
محمد بن حسن بن علی عراقی (محمود شاہ ۱۳
منگرولی)
محمد بن حسن غوثی مندوی شطاری، شیخ ۲۸۹، ۳۱۲، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵،
۳۲۹، ۳۶۰، ۴۳۶، ۴۳۸
محمد بن سلطان احمد، سلطان ۴۱، ۴۷، ۱۲۹، ۱۳۵، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۴۵، ۲۰۷،
۲۴۸
محمد بن سید حسین خدا بخش، سید ۲۰۷
محمد بن طاہر پٹنی، شیخ ۳۸۵
محمد بن سید عثمان شمع برہانی، شیخ ۲۴۹
محمد بن عبداللہ الحسینی البخاری، شیخ (بھائی ۲۲۲، ۲۵۳
قطب عالم)
محمد بن عبداللہ الحسینی گجراتی، شیخ ۱۷۰
محمد بن عبداللطیف جامی مکی، شیخ (مخدوم ۴۰۳
زادہ)
محمد بن عبدالوہاب گجراتی بیجاپوری ۲۹۹
محمد بن عثمان بلخی ۱۹۷
محمد بن فضل اللہ برہانپوری، شیخ ۲۷۷، ۳۰۶، ۳۰۸، ۳۱۱
محمد بن فضل بن ماہان ۱۰، ۱۱
محمد بن قاسم ۸

محمد بن محمد بن محمد سخاوی، شیخ ٣٦٥، ٣٩٦
محمد بن محمد مالکی، علامہ ٢٧١
محمد بھاگلپوری، شیخ ٣١٣
محمد بیگ خان ١١٧
محمد پناہ ٣٤
محمد پیش امام، مولانا ١٩٢
محمد تغلق، سلطان ١٤، ١٥، ١٠٢، ١٠٣، ١٩٣، ٢٣٤
محمد تقی کاشانی، مولانا ٤٣٠
محمد تھانیسری، مولانا ١١٦
محمد جمالی، شیخ (خلیفہ شیخ غوث) ٣٤٣
محمد جونپوری، سید ٢٨٣، ٣٨٠، ٣٨١، ٣٨٢، ٣٨٣
محمد حسن مندوی، شیخ ٣٤٩
محمد حسین نظیری نیشاپوری، مولانا (درباری شاعر خان خاناں) ٤٣١، ٤٣٤، ٤٣٥، ٤٣٦، ٤٣٧، ٤٣٨، ٤٤٧
محمد حسین ہروی، ملا ٤٣٩، ٤٤١
محمد خان غوری ١٧٨
محمد راجو، سید (ولد قطب عالم) ٢٤٤
محمد رضا شطاری لاہوری، شیخ ٣٠٥
محمد رضا شکیبی اصفہانی، مولانا (درباری شاعر خان خاناں) ٤٣١، ٤٣٦، ٤٣٧، ٤٣٨
محمد رضائی تاج مشہدی، مولانا ٤٣٠
محمد رضوی، سید ٦٩

محمد رکن الحق، قاضی (ولد شیخ نور الدین) ۱۹۳

محمد زاہد، سید (خلیفہ شاہ عالم) ۱۴۷

محمد زاہد، سید (ولد قطب عالم) ۲۳۹، ۲۴۴، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰

محمد سلطان ۹۰

محمد شاہ، پیر ۶۶، ۶۷، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۱۸۵، ۱۹۱، ۲۵۵

محمد شاہ بن مبارک شاہ فاروقی ۳۱۲

محمد شاہ فاروقی ۳۵۹

محمد شاہ گجراتی ۶۱، ۶۳، ۶۴، ۶۶، ۱۳۵، ۱۳۸، ۱۴۰، ۱۴۶

محمد شریف (ولد خواجہ نظام بخشی) ۴۱۷، ۴۱۹، ۴۲۴

محمد شیراز ۱۵۱

محمد صادق، سید (ولد قطب عالم) ۲۴۴

محمد صالح، شیخ (پیر بابا) (ولد شیخ نورالدین) ۱۹۲

محمد صالح بدخشی ۱۵۵

محمد صدیق ملتانی، مولانا (خلیفہ شاہ عالم) ۱۴۵، ۱۶۴، ۱۶۵

محمد صفی ۶۰

محمد صوفی، مولانا ۴۲۹، ۴۴۰

محمد عاشق، شیخ (خلیفہ شیخ غوث) ۳۴۳

محمد عثمان، شیخ (شیخ عثمانی) ۶۴

محمد عرفان، شیخ ۱۹۱

محمد عرف بھیکن، بیگ (ولد شاہ عالم) ۱۴۶، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۵، ۱۶۰، ۱۶۵، ۱۸۹

محمد عریس ابن امام ہمام محمد الجواد، شیخ ۲۸۷

محمد علی کشمیری، ملا ۴۲۹

محمد غوث گوالیاری شطاری، سید (غوث الاولیاء) ۸۸، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۹، ۳۰۳، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۶، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۲، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۸۲

محمد غوری، سلطان ۱۷۸

محمد فرخ سیر ۳۴، ۱۹۲

محمد فلاوہ، شیخ (ملاوہ) ۲۲۷، ۲۲۹، ۲۳۰

محمد قاسم (فرشتہ) ۳۲، ۴۳

محمد قاسم (مصنف مرقاۃ الوصول) ۱۲۱

محمد قاسم، مولانا (مرید شیخ احمد) ۱۳۴

محمد لاہوری، قاضی (خلیفہ سید ابو تراب) ۳۰۴، ۳۰۵

محمد مبارک، شیخ شاہ ۱۵۲

محمد مجیب اللہ، شاہ (پھلواری شریف) ۱۵۱

محمد مراد، سید ۱۸۴

محمد مقبول، سید ۱۵۲، ۱۶۰

محمد مقیم، خواجہ ۴۱۷

محمد موٴمن، ملا ۴۴۱

محمد میر، سید (سوز) ۲۵۲

محمد ولی، شاہ ۱۹۱

محمد ہاشم، خواجہ ۳۱۲

محمود، بابا ۲۶

محمود، سید (ولد قطب عالم) (شاہ بدا) ۲۴۲، ۲۴۳

محمود، شاہ ۸۲

محمود، شیخ ۳۰۳

محمود، مولانا (شاعر دربار خان خاناں) ۴۶۱

محمود بخاری ۹۱

محمود اول، سلطان ۳۱، ۳۴، ۳۷، ۴۳، ۵۴، ۱۳۸، ۱۴۲، ۱۵۵، ۲۴۶، ۲۸۹، ۳۲۵، ۳۶۹، ۳۷۵، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۲، ۳۹۵، ۳۹۷، ۳۹۸

محمود بن جلال گجراتی، شیخ ۳۴۸، ۳۶۳

محمود بن سعید ایرجی ۱۲۹، ۱۳۳، ۱۳۷

محمود بن سلطان محمد، سلطان ۱۶۴

محمود بن عبداللہ حسینی بخاری، شیخ (نصیر الدین ابوالحسن) ۲۲۰

محمود بن لطیف خان، سلطان ۲۵۰

محمود (بیگرہ) فتح خان، سلطان ۳۱، ۳۴، ۳۷، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۵۳، ۶۰، ۱۳۸، ۱۴۰، ۱۴۶، ۱۵۱، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۶۱، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۷۱، ۲۳۴، ۲۴۸، ۲۵۰، ۲۵۶، ۲۵۸
محمود پیارو، علامہ مدارالملک ۲۴۳
محمود تغلق، سلطان ۷۲، ۷۷، ۸۲، ۹۰، ۱۲۵، ۱۲۹
محمود ثالث، سلطان ۳۸، ۳۹، ۴۵، ۵۹، ۲۴۹، ۳۶۹
محمود ثانی، سلطان ۳۴، ۳۵، ۱۲۸، ۱۳۸، ۲۷۱
محمود دریانوش، شیخ (ولد قطب عالم) ۲۳۹، ۲۵۳، ۲۵۴
محمود دریائی بیرپوری، قاضی (خلیفہ شاہ عالم) ۷۹، ۱۴۷، ۲۶۸، ۳۵۱
محمود راجن بن علیم الدین عمری، شیخ ۲۲۶
محمود شاہ ۶۱
محمود شاہ، سلطان (کبیر) ۹۳، ۱۷۰، ۱۷۷، ۳۳۵
محمود شیرازی، سید ۱۰۶
محمود شیرانی، حافظ ۱۵۴
محمود عماد ۷۶
محمود غزنوی، سلطان ۱۳
محمود گیسودراز، سید ۲۱۷، ۲۲۶، ۲۳۹
محی الدین عبدالقادر جیلانی، سید ۸۸، ۱۰۷، ۲۲۴، ۲۶۶، ۳۰۴، ۳۱۷
مراد، شاہ ۴۹، ۴۴۸
مرادآباد، سلطان (شہزادہ) ۴۲۹

مراد بن جلال، شاہ ۳۲۷
مراد بخش (شہزادہ) ۳۵
مرزا ابراہیم حسینی حمدانی، علامہ ۴۴۶، ۴۶۰
مرزا جان شیرازی، علامہ ۴۴۵
مرزا حسن ۲۱۰
مرزا شمس الدین (ولد خان اعظم) ۴۵۴
مرزا علی الحسینی الجیلانی ۷۷
مرزا علی محمد ۹۳
مرزا قلی ۴۴۳
مرزا محمد حسن (صاحب مرآۃ احمدی) ۲۸، ۱۴۷، ۱۵۴، ۲۱۵، ۲۷۹
مرزا محمد قاسم گیلانی ۴۳۰
مرزا ہنڈال ۳۴۰، ۳۴۴، ۳۴۵
مرکی، بی بی ۴۶، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۵۰، ۱۵۶، ۱۶۰
مسعود، سید ۳۵
مسعود (شہزادہ) ۱۳
مسعود غازی، سالار ۱۶۱
مسکین، ملک ۲۱۹، ۲۲۰
مسلم، امام ۷۵
مشرقی بن شیخ کبیر الدین بن شیخ جیو، مولانا ۴۵۲
مشفق نقاش ۴۳۲
مشفقی بخارائی، مولانا ۴۵۳

مشہدی، حکیم ۴۵۶

مصطفیٰ رومی، مولانا ۳۱۹

مصطفیٰ شاعر (اولاد قطب عالم) ۲۶۱

مظفر چہارم، سلطان ۴۶، ۱۴۰

مظفر حسین، سلطان (حاکم دکن) ۴۸

مظفر شاہ، سلطان (ظفر خان) ۱۵، ۱۹، ۲۳، ۲۷، ۳۸، ۵۹، ۶۱، ۷۸، ۹۰، ۹۱، ۹۳، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۲۶، ۱۲۹، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۵۱، ۲۲۳، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۹، ۲۷۲، ۳۲۵، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۹، ۴۵۵

معاویہؓ، حضرت ۷

معتمد خان ۲۸۶

معروف، شیخ (چچازاد بھائی شیخ طاہر سندھی) ۳۵۶

معزالدین بخاری، شیخ ۳۱۸

معزی (درباری شاعر خان خاناں) ۴۳۱

معصوم قلی (شجاعت خاں) ۳۵

معمر حمید بن ظہیر شطاری، حاجی ۳۳۵

معین الدین اجمیری، خواجہ ۱۱۸، ۱۳۶، ۲۳۱

مغلی، بی بی ۴۶، ۱۴۵، ۱۴۶، ۲۱۸

مغیرہ بن ابی العاص ۷

مقریزی، علامہ ۲۰۷

مقصود علی تبریزی، مولانا ۴۳۰، ۴۵۰

مکرمت خان ۶۱

مکند (درباری شاعر خان خاناں) ۴۳۱

ملا جی ۱۴۲

ملا محمد حسین ۱۹۰

ملک احمد ۲۵، ۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸

ملک عیش (نظام الملک) ۳۶

منجھلی، بی بی (بنت شاہ عالم) ۱۵۶

منجھن، شیخ (خلیفہ شیخ غوث) ۳۴۴

منجھن بن شاہ عالم، شاہ ۸۲، ۸۳

مندلیک، راجہ ۲۰

مندھ راج ۵۵

منڈن (درباری شاعر خان خاناں) ۴۳۱

منصور عباسی (خلیفہ) ۹

منہاج الدین بن صدر الدین، مولانا ۱۷۲

مودود، شیخ (ولد شیخ اولیاء) ۴۱۶

مودود فیروز خان ۲۰

موسوی خان علی اکبر ۷۶

موسیٰ (تاجر) ۱۲

موسیٰ، مولانا (نبیرہ زکریا ملتانی) ۱۰۱

موسیٰ سہاگ، حضرت شاہ (میاں موسیٰ درویش) ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱

مہدی، امام ۳۸۱

مہدی عباسی (خلیفہ) ۹

مہلب بن ابی صفرہ ۷

ملہمی شیرازی، ملا ۴۵۱

میاں جی، مولانا ۲۷۰

میاں مخدوم، مولانا (ولد شاہ عالم) ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۶، ۱۷۷

میاں منجھو ۹۲

میاں میر لاہوری ۳۰۶

میاں وجیہ الدین، مولانا ۴۲۹

میران، سید ۴۳

میران بن اسعد اللہ (پرپوتے شاہ وجیہ الدین) ۲۹۶

میرانجی شمس العشاق ۷۹

میر دوستی سمرقندی، مولانا ۴۲۹

میر شیرازی گجراتی، شاہ ۳۴۹

میر محمد مومن استرآبادی ۴۶۰

میر محمد ہاشم قصہ خواں ۴۵۱

میر محمد یوسف، طبعی ۴۵۳

میر محوی (میر محمد یوسف) ۴۲۴، ۴۲۵

میر معصوم ۴۱۹

میر مغیث ہمدانی ۴۵۹

میلی ۴۴۳

ن

نادمی، مولانا ۴۵۳

نازد، بی بی (اہلیہ شیخ وجیہ الدین) ۲۸۳

ناصر الدین، سید (ولد قطب عالم) ۲۴۴

ناصر الدین البارزی ۲۰۳

ناصر الدین تغلق، سلطان ۱۲۹

ناصر الدین محمود، سید (محمد راجو) (ولد شاہ عالم) ۱۰۶، ۱۱۷، ۱۵۱، ۱۵۶، ۱۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹

نایک بخشو ۸۸

نجابت خان ۱۵۵

نجم الدین صدیقی، شیخ ۲۷۳

نجم الدین، قاضی (خلیفہ شاہ عالم) ۸۲، ۱۴۷

نجیب اشرف، پروفیسر ۷۰

نجیب الدین، سید (والد شاہ ابوتراب لاہوری) ۳۰۲

نجیب نساج ۱۲۲، ۱۲۳

نسبتی، مولانا ۴۵۹

نصر اللہ (ولد عزیز اللہ مندوی) ۲۰۹

نصر اللہ، شاہ (والد شیخ وجیہ الدین علوی) ۲۷۲

نصیر الدین، شیخ ۱۱۳

نصیرالدین، ملک ۱۲۳

نصیرالدین برہانپوری، قاضی ۴۲۹

نصیرالدین محمود چراغ دہلوی، حضرت ۲۷، ۹۶

نصیرالدین محمد ہمایون (شاہ) ۹۰، ۹۲، ۲۴۰، ۳۰۴، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۵، ۳۳۹، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۵۷، ۴۱۷، ۴۲۸، ۴۲۹

نصیر بن جمال نوساوری، شیخ ۲۱۴

نصیر بن شیخ سراج بدبانی، قاضی ۳۵۳

نصیر خان ۲۲

نصیری، مولانا ۴۵۵

نظام، شیخ (ولد شیخ اولیاء) ۴۱۶

نظام الدین احمد ۵۱

نظام الدین احمد بخشی، خواجہ (مؤلف طبقات اکبرشاہی) ۲۸۵، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷

نظام الدین اولیاءؒ، حضرت ۱۹، ۲۷، ۸۳، ۱۰۶، ۱۴۱، ۱۴۷، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۲۶

نظام الدین غوث الملک، شیخ ۲۳۵

نظام الدین کڑہ، مولانا ۱۰۲

نظام مفرح راستی خان (حاکم گجرات) ۱۴، ۱۰۳، ۱۳۹

نظر بدخشانی، شیخ حاجی ۳۷۴

نظر بیک اصفہانی افشاری، شاہ ۴۵۹

نعمت اللہ، شاہ ۱۵۲

نعمت اللہ کرمانی، شیخ ۲۱۳

نقیب خان ۴۶۰

نواب کام بخش ۴۳۹

نواہوں (حاکم اوچ) ۱۱۵، ۱۱۶

نور، سید ۳۰۵

نور، شیخ ۱۳۲، ۱۳۳

نوراحمد فریدی، مولوی ۲۱۵، ۲۴۶

نورالدین، قاضی (قاضی بھروچ) ۶۳، ۱۹۱

نورالدین بن محمد صالح، شیخ ۱۸۱، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۳

نورالدین جہانگیر (شاہ) ۱۶، ۱۷، ۳۴، ۳۶، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۸۵، ۱۲۱، ۱۳۷، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۷، ۱۵۸، ۲۷۸، ۲۹۰، ۲۹۱، ۳۲۱، ۳۴۰، ۳۴۴، ۳۴۸، ۴۳۰، ۴۳۳، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۴۲، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰

نورالدین رایزی (راندیری) ۳۱۱، ۳۱۲

نورالدین شیخ الکل، مولانا شیخ ۶۱، ۶۲، ۶۶، ۷۰، ۱۵۲، ۲۶۳

نور الدین ضیاء اللہ بن شاہ غوث، شیخ (خلیفہ شیخ غوث) ۳۴۳، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۶۲، ۳۶۳

نورالدین عبدالرحمٰن جامی، مولانا ۴۳۸

نور الدین علی بن سلطان القاری الہروی (ملا علی قاری) ۴۰۳، ۴۰۴

نورالہدی ابوالبرکات، شیخ ۳۴۹

نور جہاں بیگم ۳۶، ۴۴۹

نور محمد، شیخ ۳۴، ۳۴۶

نورنگ ۳۷

نوعی، ملا (درباری شاعر خان خاناں) ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۵۴

نوعی حبوشانی، مولانا ۴۵۶

نووی، علامہ ۷۵

و

واتھا　۵۵

وامق بلخی، مولانا　۴۵۴

وجیہ الدین احمد علوی گجراتی، شیخ (۶۱، ۷۰، ۸۳، ۸۴، ۸۶، ۱۱۱، ۱۱۹، ۱۲۰،
یوسف ثانی) (خلیفہ شیخ غوث)　۱۷۹، ۱۸۴، ۲۷۱، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶،
۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۳، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷،
۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۶، ۲۹۷،
۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۵، ۳۰۷، ۳۰۸،
۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۹، ۳۲۱، ۳۲۵،
۳۲۶، ۳۲۷، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۴۰،
۳۴۴، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۴۴۴

وجیہ الدین عمودی، شیخ　۳۷۱، ۳۸۶

وچین، بی بی (بنت شاہ عالم)　۱۴۶

وحید الدین، شیخ　۳۰۷

ودود اللہ مالوی، شیخ　۳۶۳

وزیر خان　۴۲۸

وقوعی (شاعر)　۴۵۷

ولایت، شاہ　۲۷

ولھرائے　۱۲

ولی (شاعر)　۴۴۳

ولی الدین خطیب تبریزی　۷۲

ولی اللہ، مولانا ۶۲
ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ ۳۱۱
ولید بن عبد الملک ۷
ولی محمد، شیخ ۳۳۷

ھ

ہاجرہ سعادت خاتون، بی بی (والدہ ۲۰۷، ۲۳۶
قطب عالم)
ہاشم، سید ۱۹۰
ہری ناتھ (درباری شاعر خان خاناں) ۴۳۱
ہشام بن عمر تغلبی ۹
ہول رائے (درباری شاعر خان ۴۳۱
خانان)
ہیبت خان ۳۴، ۹۰

ی

یٰسین، شیخ (شاگرد شیخ وجیہ الدین) ۲۷۹
یٰسین شطاری سامانوی، شیخ (شاگرد علامہ وجیہ الدین) ۳۱۳
یاقوت حموی ۷
یحییٰ، شیخ (ماموں شیخ وجیہ الدین علوی) ۲۷۳
یحییٰ ترمذی، مخدوم سید ۸۹
یحییٰ گجراتی، شیخ ۸۳
یزید ابن ابی کبشہ سکسکی ۸
یعقوب، سید ۸۹
یعقوب، میر (والد میر یوسف طبعی) ۴۵۳
یعقوب چشتی بن خوندمیر، شیخ ۲۰۶، ۲۱۹، ۲۲۰
یوسف ابن احمد ملتانی، شیخ ۲۳۵
یوسف بنگالی، شیخ (شاگرد شاہ وجیہ الدین) ۳۱۴
یوسف صاحب کھٹ کھٹے ۲۸۴

فہرست نمبر ۲

اشاریہ اماکن

ا

اجمیر ۸، ۱۱۸، ۱۲۲، ۲۳۱، ۳۴۳، ۳۶۲

اجین ۸، ۳۰، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۴۴، ۴۱۶، ۴۲۹

احمد آباد ۱۳، ۱۴، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۲، ۲۳، ۲۴،
۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۷، ۳۸،
۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۴، ۴۵، ۴۷، ۵۰، ۵۱،
۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۷، ۵۸، ۶۰، ۶۱، ۶۲،
۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰،
۷۶، ۸۵، ۸۶، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۲، ۹۵، ۹۶،
۱۱۷، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷،
۱۳۹، ۱۴۱، ۱۴۶، ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۴، ۱۵۶،
۱۶۴، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۹، ۱۸۰،
۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۸،
۱۸۹، ۱۹۱، ۱۹۶، ۲۰۳، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹،
۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷،
۲۲۰، ۲۲۲، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷،
۲۳۸، ۲۴۰، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۵۲، ۲۵۴، ۲۵۵،
۲۵۸، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۷۲،
۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۸، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۷، ۲۸۸،
۲۸۹، ۲۹۱، ۳۰۰، ۳۰۲، ۳۰۶، ۳۱۴، ۳۱۶،
۳۱۷، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۵، ۳۳۵، ۳۴۲، ۳۴۳،

۳۳۶، ۳۴۸، ۳۵۰، ۳۵۲، ۳۵۷، ۳۵۸،
۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۷، ۳۸۳،
۳۹۶، ۳۹۷، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۷، ۴۰۸،
۴۲۰، ۴۲۲، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۵،
۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۲، ۴۴۳،
۴۴۴، ۴۴۷، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۶۱

احمد پورہ ۳۰
احمد نگر ۲۱، ۳۹، ۲۹۷، ۳۵۰
ارپناپور ۳۱
ارک (قلعہ) ۶۰
اروں (بندرگاہِ ایران) ۴۶۰
ازدرپور ۲۹
اساول (ملک کوٹ) ۱۳، ۱۴، ۲۰، ۳۲، ۸۹، ۱۳۹، ۱۶۵، ۲۱۴،
۲۳۷، ۲۴۴، ۲۵۱
اسکندریہ ۱۹۵، ۲۰۰، ۲۰۳، ۲۰۵
اسلوریہ ۲۹
اسیر ۲۲
اصفہان ۴۴۳، ۴۵۹
افریقہ (مشرقی) ۵۵
افضل پور ۳۰، ۳۳
اکبرآباد ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۳، ۴۴۷، ۴۱۷
اکرم پور ۳۵

امرون ۱۶۱، ۱۶۲

اندوپور ۱۷۲

انڈونیشیا ۳۱۱، ۳۱۲

انہل واڑہ ۱۲

اوچ شریف ۹۷، ۹۸، ۱۰۰، ۱۰۷، ۱۱۵، ۱۱۷، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۹۷، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۶۲

اودھ ۳۴۹، ۳۵۰

ایثریہ ۴۹

ایدر ۲۰، ۲۱

ایران ۵۴، ۴۲۶، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱

ایرنڈاپور ۳۱

ایسرویہ ۴۹

ایلچی پور ۳۵۸

آشتہ ۳۶۳

آگرہ ۲۴۰، ۳۱۵، ۳۲۰، ۳۲۴، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۴، ۳۴۶، ۳۴۸، ۴۱۹، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۴۹

ب

بابی پور ۳۰، ۳۵

بادان باد ۴۳، ۱۲۷

باربودھ ۹

باغ ارم ۴۶
باغ چمپانیر ۴۶
باغ حویلی (شاہ جہان) ۴۶، ۴۷
باغ درخت ہلیلہ ۴۷
باغِ شاہی ۴۵، ۴۷
باغ شعبان ۴۷
باغ غسل خانہ ۴۵
باغ نگینہ ۴۶
بانکی پور ۳۷۸، ۳۷۹، ۴۰۶
بٹوہ ۳۶، ۴۵، ۱۰۰، ۲۲۰، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۴۲،
۲۴۳، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۸، ۲۶۰، ۲۶۱
بحرین ۷
بخارا ۱۳۹، ۲۶۰، ۴۵۳
بدایون ۳۱۸
بدخشان ۴۵۵
بدولی ۳۴۳
بڑاحاجی پور ۱۴۷
برار ۳۵۸، ۳۵۹، ۴۴۱
برسپور ۳۰
برلن ۲۹۹، ۳۷۹، ۴۰۵
برہان پور ۲۶۶، ۲۸۹، ۲۹۶، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۱۲، ۳۱۴،
۳۱۷، ۳۴۳، ۳۵۲، ۳۵۹، ۳۶۱، ۳۶۳،

۳۶۴، ۳۶۵، ۳۸۶، ۳۹۵، ۴۰۷، ۴۱۴،
۴۱۵، ۴۳۹، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۷، ۴۴۹، ۴۵۴،
۴۵۶

بڑودہ ۲۰، ۳۹، ۴۴، ۷۰، ۸۹، ۳۴۳

بصرہ ۹، ۱۲

بغداد ۱۲، ۱۳، ۷۵، ۲۰۶، ۲۲۴، ۴۴۱

بکلی پور ۳۰

بلخ ۱۲۵، ۴۵۴، ۴۵۵

بلکواڑہ ۴۴۲

بمبئی ۷، ۱۰، ۷۰

بندر کھوکھا ۳۹۵

بندر لاہری ۷

بنگال (بنگالہ) ۲۲۱، ۲۹۲، ۲۹۹، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۴۴،
۳۴۹، ۴۱۸، ۴۴۲

بہادر گنج ۳۵

بہار ۱۵۱، ۱۵۲، ۳۱۳، ۳۲۹، ۴۴۱

بھارمد ۸

بھالول (باغ) ۴۴

بھدر (قلعہ) ۶۲

بہرام پور ۲۷، ۲۱۳

بھروچ ۷، ۸، ۹، ۱۱، ۱۲، ۱۴، ۲۰، ۳۹، ۴۰، ۶۳،
۶۹، ۸۹، ۱۷۰، ۱۸۲، ۱۸۶، ۱۹۱، ۲۳۸، ۲۸۹،

مشائخ احمد آباد ۳۳۵، ۳۵۰، ۴۲۹، ۴۴۸، ۴۴۹

بھلیسہ ۴۲۹

بھڈاری پور ۲۹

بھوپال ۳۶۳

بھیل مان ۸، ۱۳

بوہار ۲۹۲

بیانہ ۱۱۱، ۳۲۹، ۳۴۳

بی بی پور ۳۴، ۲۱۵، ۲۱۸

بیت المقدس ۲۶۳

بیجاپور ۸۰، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۴۳، ۳۶۰

بیدر ۳۱۴

بیرمکانم ۲۷

بیکم پور (بیکن پور) ۳۰

پ

پالی (پالی تھانہ) ۱۰، ۱۱

پنڈوہ ۱۳۲

پانی پت ۵۹، ۳۱۷

پتری (سندھ) ۳۵۶

پٹن ۸، ۱۳، ۱۹، ۲۰، ۲۶، ۳۹، ۴۰، ۴۴، ۵۳، ۶۲، ۹۷، ۱۲۵، ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۴۴، ۱۳۶، ۲۰۶،

۲۰۷، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۲۰، ۲۲۳، ۲۲۶، ۲۳۶،
۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۲، ۲۵۳، ۲۵۵، ۲۵۶،
۲۶۲، ۲۶۳، ۲۷۲، ۲۸۸، ۳۱۶، ۳۲۵، ۳۲۸

پرگنہ (داہود) ۱۷

پرماپور ۳۰

پناہ پور ۳۴

پنجاب ۹۵، ۱۲۲، ۲۴۱، ۳۰۵

پھلواری شریف ۱۵۱

پور بہاء الدین پور ۳۰، ۲۲۵

پورہ رضوی خان ۳۶

پی پی پور ۸۹

پیرس ۲۹۹

پیکو ۵۵

ت

تاج پور ۲۹، ۱۶۹، ۱۷۹، ۲۲۲

تاج پورہ ۳۳، ۳۳۷

تبریز ۵۵، ۳۵۷، ۳۵۸

ترکی ۴۰۲

تریپولیا ۲۹

توت (باغ) ۳۵، ۴۷

توران ۵۴

ٹ

ٹھٹہ ۱۲۴، ۱۳۹، ۴۳۳

ج

جام نگر ۷۶

جامود ۳۶۴

جاوہ ۳۱۱

جدہ ۴۱۰

جمال پور ۱۴، ۲۹

جمال پورہ ۳۴

جمنا پور ۳۰

جنۃ المعلاۃ ۳۸۵

جہانگیر پور ۳۴، ۴۴۲

جواہر میوزیم، اوٹاوا ۱۵۴

جودھ پور ۱۲۰

جونک (نہاوند) ۴۴۱

جوناگڑھ ۲۰، ۳۹، ۴۵، ۴۲۰

جون پور ۱۱۶، ۱۳۴، ۳۰۶، ۳۶۵، ۳۹۵، ۴۱۸، ۴۲۰، ۴۴۲

جوہری باڑہ ۲۹، ۶۸، ۸۹

جے پور ۵۵، ۷۰

جیت باڑی ۴۶، ۴۸

جیتل پور ۴۸

چ

چتور ۲۱، ۹۱

چکلہ بازار ۲۹

چمپانیر ۳۹، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۱۷۲، ۲۰۷، ۲۴۴، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۸۷، ۳۳۵، ۳۴۸

چنارگڑھ ۳۲۹، ۳۳۱، ۳۳۸

چنگیز پور ۳۰، ۳۵

چین ۵۸

ح

حاجی پور ۲۹، ۳۴

حبشہ ۵۵

حجاز ۱۰۱، ۱۲۴، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۱۱، ۳۱۳، ۳۵۰، ۳۶۵، ۳۸۵، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۹، ۴۱۶، ۴۲۴، ۴۳۸، ۴۴۳، ۴۴۴

حرمین شریفین ۱۸۷، ۲۲۵، ۲۷۹، ۳۱۲، ۳۹۵، ۴۰۹، ۴۱۵، ۴۴۴

حسن آباد ۲۰۳

حسن پور ۳۱

حصار ۲۷، ۳۱۹

حمید پورہ ۳۰

حوض شمسی ۱۱۳

حیدرآباد ۲۶، ۲۵۰، ۴۱۴

خ

خان پور ۲۹، ۳۱، ۳۶، ۱۵۹، ۲۷۶، ۲۸۸

خاندیس ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۹۱، ۲۹۷، ۳۳۰، ۳۱۲، ۳۵۲، ۳۶۰، ۳۶۱، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۷، ۴۵۲

خانہ کعبہ ۱۲۹

ختا ۵۸

خراسان ۴۳۴، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۵۶، ۴۶۱

خضر پورہ ۳۱

خوان پور ۳۱

خودن پورہ ۳۶

خویدم پورہ ۳۶

د

دارالامان ۷۶

داہود ۱۷، ۳۱

دربیلہ ۴۰۲، ۴۰۴

دروازہ ایدریہ (دلی دروازہ) ۲۸، ۱۴۷

دروازہ اسلوریہ	۲۷، ۲۸
دروازہ بنداور	۲۷، ۲۸
دروازہ جمال پور	۲۸
دروازہ خان جہان	۲۸
دروازہ خان پور	۲۸
دروازہ دریاپور	۲۸
دروازہ رائے گڑھ	۲۸
دروازہ رائے پور	۲۷، ۲۸
دروازہ سہارنپور	۲۷، ۲۸
دروازہ شاہ پور	۲۷، ۲۸
دروازہ کالوپور	۲۷، ۲۸
دروازہ وسط	۱۴۸
دکن	۲۲، ۳۵، ۴۸، ۷۹، ۸۰، ۱۶۱، ۱۹۷، ۲۰۰، ۲۰۳، ۲۰۸، ۲۳۹، ۲۹۱، ۲۹۷، ۳۳۷، ۴۰۷، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۸، ۴۲۶، ۴۲۹، ۴۳۸، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۶، ۴۵۰، ۴۵۲، ۴۵۵، ۴۶۰
دلال پوری	۳۰
دہار	۳۰
دہلی	۱۵، ۱۸، ۲۷، ۹۱، ۱۰۳، ۱۰۷، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۶، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۷۸، ۱۹۳، ۲۳۰، ۲۳۲، ۲۳۸، ۲۵۲، ۲۹۲، ۳۰۳، ۳۱۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۶۳،

۳۷۸، ۳۷۹، ۴۲۹، ۴۳۹، ۴۴۲، ۴۴۴

دھندوانہ ۱۲۲

دہنوج ۸، ۱۱

دھولقہ ۲۶، ۲۷، ۱۳۴، ۴۱۹

دھیکو ۲۹

دوارکہ ۱۳

دیار ۳۲۱

دیبل ۷، ۸

دیو ۵۹

ر

راج پور ۱۲۹

راجو پور ۳۶

رادھن پور ۸

رام پور ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۹

رائے پور ۲۹، ۳۰، ۵۲

رائے گڑھ ۲۹

رائے کھیڑہ ۸۳

رحمت پور ۳۰

رحیم پور ۳۱

رستم باغ ۴۵، ۴۷، ۴۹، ۵۰

رسول آباد ۳۰، ۳۶، ۴۵، ۱۴۶، ۱۵۹، ۱۷۳، ۱۷۸

فہرست نمبر ۳

اشاریہ
سنین (عیسوی)

سنین عیسویہ

۱۳۹۸ء	۱۲۵
۱۳۹۵ء	۳۸۲
۱۵۲۶ء	۴۱۷
۱۶۳۵ء	۵۶
۱۷۵۲ء	۷۹
۱۹۲۱ء	۱۳۸، ۲۸۴

فہرست نمبر ۴

اشاریہ

سنین (ہجری)

سنین ہجریہ

۱۵ھ (۶۳۶ء)	۷
۳۹ھ (۶۵۹ء)	۷
۴۲ھ (۶۶۲ء)	۷
۴۴ھ (۶۶۴ء)	۷
۵۳ھ	۷
۸۶ھ (۷۰۵ء)	۷
۹۳ھ (۷۱۱ء)	۸
۹۶ھ	۸
۱۰۷ھ	۸
۱۴۰ھ	۹
۱۵۹ھ (۷۷۵ء)	۹
۲۱۱ھ	۱۱
۲۱۳ھ	۱۱
۳۰۳ھ (۹۱۵ء)	۱۲
۳۰۴ھ (۹۱۶ء)	۱۲
۳۰۸ھ	۷۴
۳۶۷ھ (۹۷۷ء)	۴۲۳
۳۶۸ھ	۷۴
۴۰۸ھ (۱۰۱۷ء)	۱۲
۴۱۶ھ	۱۳

۴۳۵ھ ۱۳، ۱۴
۴۴۸ھ ۷۴
۴۵۷ھ ۷۵
۵۳۵ھ ۷۵
۵۴۱ھ ۷۵
۵۴۴ھ ۱۴
۵۸۷ھ ۱۳۶
۶۰۰ھ ۷۵
۶۲۹ھ ۱۲۱
۶۳۳ھ ۱۲۰، ۱۳۶
۶۶۷ھ (۱۲۶۸ء) ۹۷
۷۰۴ھ ۲۱
۷۰۷ھ ۱۰۰
۷۰۹ھ (۱۳۳۹ء) ۳۸۰
۷۲۵ھ (۱۳۳۳ء) ۹۹
۷۲۷ھ ۱۴۰
۷۳۰ھ (۱۳۳۸ء) ۱۱۵
۷۳۷ھ ۱۲۰
۷۳۸ھ ۱۳۵
۷۴۰ھ (۱۳۳۹ء) ۱۹۳
۷۴۹ھ (۱۳۴۸ء) ۹۵، ۹۶
۷۵۲ھ ۸۷

۷۵۶ھ (۱۳۵۵ء)	۹۶
۷۶۰ھ	۲۰۰
۷۶۳ھ	۱۲۱، ۱۳۶، ۲۰۲
۷۶۳ھ (۱۳۶۱ء)	۱۱۸، ۱۹۵
۷۷۰ھ (۱۳۶۸ء)	۹۷
۷۷۶ھ (۱۳۷۴ء)	۱۱۸
۷۸۵ھ	۱۰۷
۷۸۵ھ (۱۳۸۲ء)	۱۰۰
۷۸۷ھ (۱۳۸۵ء)	۷۲، ۷۳
۷۸۹ھ	۸۷، ۲۶۴
۷۹۰ھ	۱۴۵، ۲۳۶
۷۹۲ھ (۱۳۹۰ء)	۲۳۱
۷۹۳ھ	۲۲
۷۹۵ھ	۸۰
۸۰۰ھ	۱۹۵، ۱۹۶
۸۰۱ھ	۱۵، ۱۰۳
۸۰۲ھ	۱۳۹، ۲۳۶
۸۰۳ھ	۶۴
۸۰۵ھ	۷۴
۸۰۸ھ (۱۴۰۵ء)	۷۶
۸۰۹ھ	۲۲۰، ۲۴۲
۸۰۹ھ (۱۴۰۶ء)	۱۹۳، ۱۹۴، ۲۵۳

۸۱۰ھ — ۱۵، ۲۵، ۱۰۳، ۱۲۸

۸۱۳ھ — ۱۹، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۷

۸۱۳ھ (۱۴۱۱ء) — ۲۵

۸۱۴ھ — ۱۵، ۲۰، ۱۰۴

۸۱۴ھ (۱۴۱۱ء) — ۲۱۴

۸۱۵ھ — ۳۲

۸۱۶ھ (۱۴۱۴ء) — ۲۵، ۱۲۷، ۱۲۸

۸۱۷ھ — ۲۰

۸۱۷ھ (۱۴۱۴ء) — ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۶۹

۸۱۹ھ — ۲۰، ۱۹۵

۸۲۰ھ — ۱۹۶

۸۲۱ھ — ۲۰

۸۲۲ھ — ۲۰

۸۲۵ھ (۱۴۲۱ء) — ۱۹۸

۸۲۷ھ (۱۴۲۳/۲۴ء) — ۷۶، ۱۱۵، ۱۱۷، ۱۹۵، ۱۹۸

۸۲۸ھ — ۲۰۳

۸۳۰ھ — ۲۱، ۲۰۷

۸۳۱ھ — ۲۱

۸۳۲ھ — ۲۱

۸۳۵ھ (۱۴۳۱/۳۲ء) — ۲۰۶، ۲۱۱، ۲۱۲

۸۳۷ھ — ۸۱

۸۳۸ھ — ۸۰

۸۴۵ھ	۲۲، ۶۴
۸۴۶ھ	۶۳، ۱۴۵
۸۴۶ھ (۱۴۴۲ء)	۲۰۶، ۲۰۷
۸۴۷ھ	۲۴۴
۸۴۷ھ (۱۴۴۳ء)	۱۴۶، ۲۰۷، ۲۰۸
۴۸۴ھ	۲۵۳، ۲۸۹
۸۴۸ھ (۱۴۴۵ھ)	۲۴۳، ۲۵۸
۸۴۹ھ	۱۲۰، ۱۴۵، ۱۴۷، ۱۴۰، ۱۴۶
۸۴۹ھ (۱۴۴۵ء)	۱۴۸، ۱۴۴، ۲۴۵
۸۵۰ھ	۲۷، ۲۰۸
۸۵۱ھ (۱۴۴۷ء)	۲۳۰
۸۵۲ھ (۱۴۴۸/۴۹ء)	۷۶، ۲۰۸
۸۵۳ھ	۲۴۳
۸۵۳ھ (۱۴۴۹ء)	۲۰۹، ۲۱۰
۸۵۵ھ	۵۲، ۶۴، ۱۴۵
۸۵۶ھ (۱۴۵۲ء)	۲۱۱، ۲۱۲
۸۵۷ھ	۶۴، ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۶۱
۸۵۷ھ (۱۴۵۳ء)	۲۴۶
۸۵۸ھ	۱۴۵
۸۵۸ھ (۱۴۵۴ء)	۲۱۲
۸۶۰ھ	۲۰۰
۸۶۳ھ	۶۰، ۶۱

۸۶۳ھ (۱۴۵۹ء)	۳۱، ۲۳۶
۸۶۵ھ	۳۲۸
۸۶۵ھ (۱۴۶۱ء)	۱۷۰، ۲۱۳
۸۶۹ھ (۱۴۶۴ء)	۲۳۵
۸۷۰ھ (۱۴۶۶ء)	۲۱۴
۸۷۲ھ (۱۴۶۸ء)	۲۵۲
۸۷۴ھ (۱۴۶۹ء)	۲۱۵، ۲۱۶
۸۷۶ھ	۱۵۹
۸۷۸ھ	۳۹۸
۸۷۹ھ	۱۶۳
۸۷۹ھ (۱۴۷۴/۷۵ء)	۱۶۱، ۱۶۴، ۱۶۵
۸۸۰ھ	۱۹، ۶۵، ۱۴۱، ۱۴۵، ۱۵۱
۸۸۰ھ (۱۴۷۵/۷۶ء)	۱۴۴، ۱۴۶، ۱۵۲، ۲۲۰
۸۸۱ھ (۱۴۷۶ء)	۲۲۱
۸۸۲ھ (۱۴۷۷ء)	۱۶۹، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴
۸۸۴ھ (۱۴۷۹ء)	۲۴۲، ۲۴۳، ۲۵۳، ۲۵۴
۸۸۵ھ	۳۶۵، ۳۸۵، ۳۸۶
۸۸۵ھ (۱۴۸۰ء)	۱۶۳، ۲۵۴، ۲۵۶
۸۸۸ھ	۳۶۵، ۳۸۵، ۳۸۶
۸۸۸ھ (۱۴۸۳ء)	۸۲
۸۸۹ھ (۱۴۸۴ء)	۱۶۱، ۱۶۳، ۲۳۴
۸۹۰ھ	۲۲۴

۸۹۰ھ (۱۴۸۵ء)	۱۷۸
۸۹۲ھ (۱۴۸۷ء)	۳۱، ۲۵۳، ۲۵۸
۸۹۴ھ	۱۱۲
۸۹۵ھ (۱۴۹۰ء)	۲۲۴، ۲۲۵
۸۹۷ھ (۱۴۹۱ء)	۳۰
۸۹۹ھ	۲۶۲، ۲۶۴
۹۰۰ھ	۲۲۸
۹۰۰ھ (۱۴۹۴ء)	۲۲۶، ۲۲۹، ۲۳۱
۹۰۱ھ (۱۴۹۶ء)	۱۰۸، ۱۱۲
۹۰۲ھ (۱۴۹۶ء)	۷۹
۹۰۴ھ	۳۱۸
۹۰۴ھ (۱۴۹۸ء)	۶۹
۹۱۰ھ	۲۸۳، ۲۸۷
۹۱۰ھ (۱۵۰۴ء)	۲۷۱، ۳۸۰
۹۱۲ھ	۲۰۹
۹۱۲ھ (۱۵۰۶ء)	۳۶۴
۹۱۵ھ	۹۳
۹۱۷ھ	۶۰
۹۱۷ھ (۱۵۱۱ء)	۲۳۰
۹۲۰ھ	۶۹
۹۲۲ھ (۱۵۱۶ء)	۸۲
۹۲۷ھ	۲۲۰

۹۳۰ھ (۱۵۲۳ء) ۳۳۱

۹۳۲ھ ۸۸

۹۳۴ھ ۲۷۶، ۲۸۳، ۲۸۴

۹۳۶ھ (۱۵۲۹ء) ۳۳۹

۹۴۰ھ ۳۳۴

۹۴۱ھ (۱۵۳۴ء) ۹۱

۹۴۲ھ (۱۵۳۵ء) ۲۶۱

۹۴۳ھ ۸۸، ۱۵۹

۹۴۵ھ ۳۲۹

۹۴۵ھ (۱۵۳۷ء) ۷۹

۹۴۷ھ ۳۷۱

۹۴۹ھ ۶۹

۹۵۰ھ ۲۹۲، ۳۵۷

۹۵۰ھ (۱۵۴۳ء) ۴۰۵

۹۵۱ھ ۳۵۲

۹۵۱ھ (۱۵۴۵ء) ۳۰۶

۹۵۸ھ (۱۵۵۱ء) ۴۱۷

۹۵۹ھ ۱۷۹

۹۶۱ھ ۳۹۸، ۴۲۸

۹۶۱ھ (۱۵۵۳ء) ۷۱

۹۶۲ھ (۱۵۵۴ء) ۳۲۱

۹۶۳ھ (۱۵۵۵ء) ۸۳، ۳۰۸

۹۶۴ھ	۴۳۸
۹۶۴ھ (۱۵۵۶ء)	۴۲۸
۹۶۷ھ	۳۲۸
۹۷۰ھ	۳۳۱، ۳۴۰، ۳۴۵، ۳۴۷
۹۷۰ھ (۱۵۶۲ء)	۷۹، ۳۳۴، ۳۳۹، ۳۴۹
۹۷۴ھ	۳۷۵
۹۷۴ھ (۱۵۶۶ء)	۳۶۴
۹۷۵ھ	۳۸۵، ۳۹۸
۹۷۵ھ (۱۵۶۷ء)	۳۶۵
۹۷۷ھ	۸۶، ۴۰۱، ۴۰۳
۹۷۸ھ	۴۰۴
۹۷۸ھ (۱۵۷۰/۷۱ء)	۴۱۹، ۴۳۱
۹۸۰ھ	۶۴، ۴۲۴
۹۸۰ھ (۱۵۷۲ء)	۳۱۵، ۳۱۶
۹۸۱ھ	۳۰۵، ۳۲۰
۹۸۲ھ	۷۹، ۳۰۰، ۳۵۲، ۳۶۱، ۳۶۲
۹۸۲ھ (۱۵۷۵ء)	۳۱۶، ۳۱۷
۹۸۳ھ	۳۲۰
۹۸۴ھ (۱۵۷۶ء)	۴۰۱
۹۸۵ھ (۱۵۷۷ء)	۳۶۲
۹۸۹ھ	۱۶۰
۹۸۹ھ (۱۵۸۱ء)	۲۲۹، ۲۳۰

۹۹۰ھ ۳۲۵

۹۹۰ھ (۱۵۸۲ء) ۷۹

۹۹۲ھ ۴۲۰

۹۹۲ھ (۱۵۸۴ء) ۳۶۲، ۳۶۳

۹۹۳ھ ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۳۵

۹۹۳ھ (۱۵۸۵ء) ۳۵۲، ۳۶۳

۹۹۴ھ (۱۵۸۵ء) ۴۰۲

۹۹۵ھ (۱۵۸۶ء) ۴۰۲، ۴۰۶

۹۹۷ھ (۱۵۸۸ء) ۳۴۰، ۴۰۶

۹۹۸ھ ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۸، ۲۹۲، ۴۲۰

۹۹۸ھ (۱۵۸۹ء) ۲۷۱، ۲۹۱

۹۹۹ھ ۶۹، ۲۹۷

۹۹۹ھ (۱۵۹۰ء) ۳۱۵

۱۰۰۰ھ ۶۷، ۲۷۹

۱۰۰۰ھ (۱۵۹۱ء) ۴۱۴

۱۰۰۱ھ ۴۲۳

۱۰۰۱ھ (۱۵۹۲ء) ۴۰۷، ۴۱۴، ۴۲۲

۱۰۰۲ھ ۲۶۱، ۴۱۸، ۴۲۱، ۴۳۵

۱۰۰۳ھ ۱۷۹، ۱۸۰

۱۰۰۳ھ (۱۵۹۴ء) ۳۴۹، ۴۱۷، ۴۲۲

۱۰۰۴ھ (۱۵۹۵ء) ۳۶۱، ۴۳۸

۱۰۰۵ھ (۱۵۹۶ء) ۳۰۶، ۳۱۶، ۳۴۷

۱۰۰۶ھ ۴۳۹
۱۰۰۶ھ (۱۵۹۷ء) ۳۴۵، ۳۴۶
۱۰۰۸ھ ۴۳۷
۱۰۱۰ھ (۱۶۰۱ء) ۳۰۵، ۳۱۸، ۳۲۰، ۳۶۱، ۳۶۲
۱۰۱۲ھ ۴۰۳، ۴۳۹
۱۰۱۳ھ (۱۶۰۵ء) ۳۰۰، ۳۰۱
۱۰۱۴ھ ۳۲۶، ۴۲۸، ۴۳۵
۱۰۱۵ھ ۴۵۲
۱۰۱۵ھ (۱۶۰۶ء) ۲۹۷، ۲۹۸
۱۰۱۷ھ ۴۳۸
۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ء) ۵۲
۱۰۱۹ھ ۳۶۴، ۴۳۶، ۴۳۹
۱۰۲۰ھ ۷۷
۱۰۲۰ھ (۱۶۱۱ء) ۴۳۷
۱۰۲۱ھ ۴۳۷
۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ء) ۳۲۸، ۳۶۴، ۴۱۶
۱۰۲۲ھ ۳۲۶
۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ء) ۳۴۹
۱۰۲۳ھ ۱۸۰، ۴۳۷
۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ء) ۴۴۱، ۴۴۳، ۴۴۴
۱۰۲۴ھ ۴۵۱، ۴۵۶
۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ء) ۳۰۶، ۴۴۱، ۴۴۲

۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء)	۲۹۰، ۳۵۲
۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء)	۴۱، ۴۹
۱۰۲۷ھ	۱۷
۱۰۲۹ھ (۲۰/۱۶۱۹ء)	۳۰۸، ۴۴۱
۱۰۳۲ھ	۶۰
۱۰۳۳ھ	۴۳۹
۱۰۳۴ھ (۱۶۲۴ء)	۴۴۰
۱۰۳۶ھ (۱۶۲۶ء)	۷۹، ۴۲۹
۱۰۳۷ھ (۱۶۲۸ء)	۳۱۳
۱۰۳۸ھ	۶۸
۱۰۴۱ھ	۲۵۵
۱۰۴۲ھ (۱۶۳۲ء)	۴۴۱
۱۰۴۳ھ (۱۶۳۳ء)	۴۴۱
۱۰۴۴ھ (۱۶۳۴ء)	۴۴۱
۱۰۴۵ھ	۱۶۰
۱۰۴۵ھ (۱۶۳۵ء)	۴۴۱
۱۰۴۶ھ (۱۶۳۷ء)	۴۴۱
۱۰۴۷ھ	۱۸۱
۱۰۵۴ھ	۱۸۱
۱۰۵۹ھ (۱۶۴۹ء)	۳۲۶
۱۰۶۲ھ	۶۶
۱۰۶۳ھ	۱۸۲، ۱۸۶

سنہ ۱۰۶۳ھ (۱۶۵۳ء)	۵۶، ۱۸۶
سنہ ۱۰۶۴ھ (۱۶۵۴ء)	۵۷
سنہ ۱۰۶۵ھ	۶۷
سنہ ۱۰۶۷ھ (۱۶۵۶ء)	۷۹
سنہ ۱۰۶۸ھ (۱۶۵۸ء)	۳۱۳
سنہ ۱۰۷۰ھ	۴۳۴
سنہ ۱۰۷۰ھ (۱۶۶۰ء)	۲۹۶، ۲۹۷
سنہ ۱۰۷۱ھ (۱۶۶۱ء)	۳۰۱، ۳۰۴
سنہ ۱۰۷۷ھ	۶۶
سنہ ۱۰۸۱ھ	۱۸۳
سنہ ۱۰۸۴ھ	۳۰۰
سنہ ۱۰۸۵ھ	۶۵، ۱۸۰، ۱۸۱
سنہ ۱۰۸۵ھ (۱۶۷۴ء)	۱۵۳
سنہ ۱۰۸۷ھ	۶۲، ۶۹
سنہ ھ	۶۶
سنہ ۱۱۰۲ھ	۶۰، ۷۰، ۱۸۶
سنہ ۱۱۰۴ھ	۱۸۲
سنہ ۱۱۰۹ھ	۱۸۳، ۱۸۶
سنہ ۱۱۰۹ھ (۱۶۹۷ء)	۱۸۸
سنہ ۱۱۱۱ھ	۶۰، ۶۹، ۷۰، ۱۸۱، ۱۸۲
سنہ ۱۱۱۱ھ (۱۶۹۹ء)	۱۸۸
سنہ ۱۱۱۲ھ	۱۸۹

۱۱۱۲ھ (۱۷۰۰ء) ۶۳

۱۱۱۳ھ ۱۸۹

۱۱۱۶ھ ۱۸۹

۱۱۱۸ھ (۱۷۰۶ء) ۳۰۵، ۳۰۶

۱۱۱۹ھ (۱۷۰۷ء) ۱۸۹

۱۱۳۳ھ ۲۵۲

۱۱۴۳ھ ۱۸۵، ۱۸۷

۱۱۴۷ھ ۱۹۱، ۱۹۲

۱۱۴۹ھ ۱۸۳

۱۱۵۵ھ ۶۶، ۷۱، ۱۸۷

۱۱۵۵ھ (۱۷۴۲ء) ۶۲، ۷۰، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۸

۱۱۷۴ھ ۲۶۳

۱۱۷۴ھ (۱۷۶۰ء) ۱۸۸

۱۱۹۱ھ (۱۷۷۷ء) ۱۵۱

۱۲۱۲ھ ۲۵۲

۱۲۱۳ھ ۲۵۳

۱۲۳۶ھ ۲۸۴

فہرست نمبر ۵

اشاریہ کتب

ا

آئین ابوالفضل ۱۲۱

ابجد العلوم ۳۸۵

اتحاف النقی فی فضل الشیخ علی المتقی ۳۷۰، ۳۷۵

احمد شاہی ۹۳

احیاء علوم الدین ۳۶۱

اخبار الاخیار ۱۸، ۱۰۲، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۴۱، ۱۵۳، ۲۲۱، (۲۲۲)، ۲۲۷، (۲۲۹)، ۲۳۰، ۲۴۰، (۳۲۹)، (۳۴۲)، (۳۶۴)، ۳۷۲، (۳۸۶)، (۴۰۰)، (۴۰۱)، (۴۰۸)، (۴۰۹)

اخبار الاصفیاء (۳۱۵)

اذکار ابرار (ترجمہ اردو گلزار ابرار) (۳۱۳)، ۳۳۰، (۳۶۳)

اراءۃ الدقائق فی شرح مرآۃ الحقائق ۲۹۹

اردو کی ابتدائی نشو ونما ۱۵۴، ۲۷۹

ارشاد ۳۱۹

اسرار الدعوۃ ۳۲۰

اسرار العارفین ۳۸۰

اسلامی کتب خانے (۲۸۳)

اسماء الرجال کرمانی ۳۵۹

اصول بزدوی ۹۹، ۱۰۰، ۳۱۹

اصول طریقت ۳۸۳

اطبائے عہد مغلیہ (۴۵۶)

اظہار التعلیل ۱۹۸

اعیان الحجاج (۳۱۳)، (۳۱۷)، (۳۸۶)، (۴۰۴)

اقبال نامہ جہانگیری (۲۸۶)

اکابرین گجرات (۲۲۳)، (۲۲۵)، (۲۴۳)، (۲۴۷)، (۲۵۸)،
(۲۶۸)، (۳۶۳)

اکبرنامہ ۴۱۷

الاکمال منتخب کنز العمال ۳۷۹

الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ۳۱۱

البرہان الجلی فی معرفۃ الولی ۳۷۹

البرہان فی علامات مہدی آخرالزمان ۳۷۹

التحفۃ المرسلۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۳۰۸، ۳۱۱، ۳۱۲

التعلیق الزائد علی تسہیل الفوائد وتکمیل ۲۰۰
المقاصد

التفسیر النورانی للسبع المثانی ۱۸۵

التقریب والتہذیب ۷۶

الحاشیۃ القویم علی الحاشیۃ القدیمۃ ۱۸۵، ۲۹۳

الحاشیۃ علی الشرح العضدیۃ علی مختصر ابن ۱۸۵، ۲۷۸
الحاجب

الحاشیۃ علی المواقف ۲۷۸

الحاوی ۲۸۵

الحقیقۃ المحمدیۃ ۲۹۲
الحقیقۃ الموفق الشریعۃ ۳۱۲
الرحیق المحمدیۃ فی الطریقۃ الصوفیۃ ۳۱۳
الرسالۃ فی المعراج ۳۱۲
الرسالۃ فی کراہیۃ الامرد فی الصلوۃ ۳۱۲
الشفاء (قاضی عیاض) ۱۴، ۲۸۵
الصبح الصادق ۴۴۰
الضوء اللامع ۲۰۰، (۲۲۴)، ۲۳۵
الطبقات الکبری (الشعرانی) (۳۷۱)
العنوان فی سلوک النسوان ۳۷۹
الفتح الربانی ۱۹۸
الفصول فی شرح جامع الاصول ۳۷۹
القاموس ۱۹۵
القانون ۲۸۵
القول النقی فی مناقب المتقی ۳۷۰، ۳۸۶
الکواکب السیارۃ (۳۸۲)
اللوامع ۲۳۵
المسک المقسط فی النسک المتوسط ۴۰۳، ۴۰۵
المسلک المتقسط (شرح ملا علی ۴۰۳، ۴۰۵
القاری)
المصابیح (حدیث) ۶۵
المصباح فی النحو ۲۱۱

المغلق فی النحو ۱۹۸

المناسک الکبیر ۴۰۵

المنہل الصافی فی شرح الوافی ۱۹۷، ۲۰۰

المواہب العلیۃ فی الجمع بین الحکم ۳۷۹
القرآنیۃ والحدیثیۃ

النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرۃ ۲۱۸

النہایۃ ۳۸۲

النور السافر ۶۸، ۲۸۴، (۲۸۶)، ۳۶۹، (۳۷۱)،
(۳۸۵)، ۳۸۶، (۳۸۷)، ۳۸۸، ۴۰۳،
۴۰۴، (۴۰۶)

الہدایۃ ۹۹، ۱۰۰، ۳۱۹

الہدیۃ المرسلۃ ۳۱۱

الوافی فی النحو ۱۹۷

الوسیلۃ الی شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۳۱۲

انوار الاسرار ۳۵۴

انوار المشکوۃ ۶۸

انیس المسافرین ۳۲۰

اوراد صوفیہ ۳۲۰

ب

بلیوتھیکا انڈیکا ۴۴۳
(Bibliotheca Indica)

بحر الحقائق ۸۳، ۲۷۹، ۳۲۶

بحر الحیاۃ ۳۳۹

بحر الفضائل ۸۰، ۸۱

بزم تیموریہ (۴۳۷)

بزم رفتہ کی سچی کہانیاں (۳۸۶)

بستان المحدثین ۲۰۱

بغیۃ الوعاۃ ۱۹۸

بہادر شاہی ۹۳

بہجۃ المحافل ۲۲۴

بیضاوی ۱۸۵

ت

تاریخ ابن خلکان ۲۵۰

تاریخ ادب اردو (۲۵۳)

تاریخ ادبیات (۲۱۵)، (۲۴۱)، ۲۴۷، (۳۲۷)، (۴۰۶)، (۴۳۷)

تاریخ ادبیات فارسی (۲۳۵)، ۴۲۲، (۴۲۳)، (۴۴۳)

تاریخ الفی ۴۱۸

تاریخ اولیاء دکن (۲۵۸)

تاریخ اولیاء گجرات ۲۴۲، (۲۴۳)

تاریخ تمدن گجرات ۲۴۷

تاریخ دعوت وعزیمت (۳۳۵)، (۳۳۶)

تاریخ دکن (۲۶۸)
تاریخ دمشق ۷۵
تاریخ زبان اردو ۲۷۹
تاریخ صغیر ۹۳
تاریخ صوفیائے گجرات (۲۴۰)، (۲۷۲)، (۲۷۷)، (۳۳۵)، (۳۳۸)
تاریخ گجرات ۱۴، (۳۳۸)
تاریخ گجرات اور گجرات کی تمدنی تاریخ ۹۴، (۲۴۸)، (۲۵۰)، (۲۹۲)، (۳۴۲)
تاریخ مدینہ (قاضی شہبۃ) ۲۴۱
تاریخ مظفر شاہی ۹۳، ۲۳۴
تبیین الطرق الی اللہ ۳۸۰، ۳۸۵، ۳۸۸، ۳۹۶
تحریر اقلیدس ۴۴۴
تحفۃ السعادۃ ۹۴
تحفۃ الغریب شرح مغنی اللبیب ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۹، ۲۰۴
تحفۃ الکرام ۸۳، ۱۵۴، ۲۱۵، ۲۴۰
تحفۃ المجالس ۱۱۸، ۱۲۹، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۷
تذکرۃ الحفاظ ۷۵
تذکرۃ الشعراء (۴۲۵)، (۴۲۶)
تذکرۃ الملوک ۳۳، ۴۶
تذکرہ اولیائے پاک و ہند (۲۴۰)
تذکرہ اولیائے سندھ (۳۵۶)، ۳۵۷، (۳۵۸)، (۳۵۹)
تذکرہ اولیائے شطار ۲۷۴

تذکرہ چوہڑ بندگی ۹۶

تذکرہ قاریان ہند (۲۴۰)، (۲۶۲)، (۳۰۱)، (۳۱۳)، (۳۵۷)، (۳۸۶)، (۴۱۴)

تسہیل ابن مالک ۱۹۶

تعریب الجواہر الخمسة ۲۹۹

تعلیق المصابیح ابواب جامع الصحیح ۲۰۱

تفسیر بیضاوی ۲۷۲، ۳۶۵، ۳۹۵

تفسیر جلالین ۱۸۱

تفسیر شاہیہ ۱۸۲

تفسیر مجمع البحار ۳۵۹، ۳۶۰

تفسیر مدارک ۳۵۹

تفسیر نور الہی (نور النبی) ۲۳۱

تقریب ۷۶

تلخیص البیان فی علامات مہدی ۳۷۹، ۳۸۰

تمدنی کارنامے ۲۸۳، ۲۸۴، (۴۳۳)

تنزیہ الشریعة عن الاحادیث الموضوعة ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵

توزک جہانگیری ۱۷، ۴۱، ۴۳، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۱۲۱، ۱۳۷، ۱۵۰، ۱۵۷، (۲۹۱)، (۳۰۱)، (۳۴۵)، ۴۳۶، ۴۴۹

ث

ثمرات القدس ۱۰۶

ج

جام جہاناں　۳۵۱
جامع العلوم　۱۰۴، ۱۰۷
جمع الجوامع　۳۶۶، ۳۹۶
جمع المناسک ونفع الناسک　۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵
جمع الناسک　۴۰۴
جوامع الکلم فی المواعظ والحکم　۳۷۹
جواہر البحوث فی العروض　۱۹۸، ۲۰۳، ۲۰۴
جواہر خمسہ　۳۲۴، ۳۲۹، ۳۳۶، ۳۳۷، (۳۳۹)، ۳۴۹، ۳۶۳
جواہر نامہ　۹۱

ح

حاشیہ المنہل　۱۸۵
حاشیہ تفسیر بیضاوی　۲۷۸، ۲۹۲
حاشیہ تلویح　۱۸۵، ۲۷۸، ۲۹۲
حاشیہ شرح تجرید　۲۷۸، ۲۹۲
حاشیہ شرح جامی　۲۷۸، ۲۹۲
حاشیہ شرح چغمینی　۲۷۸، ۲۹۲
حاشیہ شرح عقائد　۲۷۸، ۲۹۲
حاشیہ شرح کافیہ　۱۸۵

حاشیہ شرح مطالع	۱۸۵
حاشیہ شرح مقاصد	۱۸۵، ۲۷۸
حاشیہ شرح ملا	۲۷۸
حاشیہ شرح مواقف	۱۸۵
حاشیہ شرح نخبۃ الفکر	۲۷۸، ۲۹۲
حاشیہ شرح وقایہ	۱۸۵، ۲۷۸، ۲۹۲
حاشیہ قدیم	۴۴۴
حاشیہ قطبی	۱۸۵، ۲۷۸
حاشیہ کشف الاصول للبزدوی	۲۷۸، ۲۹۲
حاشیہ مختصر المعانی	۲۷۸، ۲۹۲
حاشیہ مطول	۱۸۵، ۲۷۸، ۲۹۲
حاشیہ ہدایہ	۲۷۸
حدیقۃ الاولیاء	۳۰۴
حسامی	۱۳۲
حکم کبیر	۳۷۳، ۳۸۰
حکمۃ العین	۴۴۴
حواشی مکلمی نامہ	۱۴۵
حیات شیخ عبدالحق	(۳۸۶)، ۴۰۸، (۴۲۲)

خ

خاتمہ مرآت احمدی ۲۶، ۲۷، ۱۰۷، ۱۷۰، ۱۸۶، ۲۱۳، ۲۱۶، (۲۱۸)، (۲۲۰)، (۲۴۲)، (۲۴۴)، (۲۴۵)، (۲۵۲)، (۲۵۶)، (۲۵۸)، ۲۵۹، ۲۶۰، (۲۶۴)، (۲۷۰)، (۲۸۷)، ۳۶۵، ۳۹۸، ۴۱۴، (۴۱۵)

خزانہ جلالی ۱۰۴

خزینۃ الاصفیاء ۹۵، ۹۶، ۱۱۳، ۱۳۵، ۲۰۹، ۲۱۲، (۲۲۲)، ۲۲۷، (۲۲۹)، (۲۷۳)، (۳۰۲)، (۳۰۶)، (۳۱۳)، ۳۳۱، (۳۴۰)، (۳۸۶)

خطہ پاک اوچ ۱۱۸، ۱۳۶، ۲۴۷، (۲۴۸)، (۲۵۴)

خلاصۃ التواریخ ۱۷، ۳۲، ۵۴

د

در منظوم ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۰۶

ذ

ذخیرۃ الخواتین ۴۱۸

ر

رسالہ صوفیہ ۳۲۰

رسالہ کنز الاسرار فی حال اشغال ۳۲۰
الشطار
رسالہ معراجیہ ۳۳۵، (۳۳۹)
رسالہ منہاج العابدین ۳۵۲، ۳۵۶
رود کوثر (۳۱۳)، (۳۳۸)، (۴۳۳)
روضات شاہی ۲۱۰
روضۃ الاولیاء (۲۹۷)، (۳۰۰)، (۳۱۵)
ریاض الصالحین ۳۵۹

ز

زادالطالبین ۳۸۰
زادالمتقین (۴۱۰)

س

ساقی نامہ ۴۴۳
سبحۃ المرجان (۲۸۷)
سراج السالکین ۳۲۰
سفینۃ الاولیاء ۱۵۳، (۳۳۸)
سنن دار قطنی ۷۵
سوانح شیخ احمد غزالی ۲۳۲، ۳۵۱
سیرالعارفین ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۳، ۲۲۷
شاہجہان نامے ۵۶، ۵۸

شجرۃ الانوار ۹۶
شجرہ چشتیہ ۹۶
شذرات ۴۰۴
شرح ارشاد النحو ۲۷۸، ۲۹۲
شرح تسہیل لابن المالکی الطائی ۱۹۶، ۲۰۳
(تاریخ الفوائد)
شرح الدعاء السیفی ۳۱۱
شرح البیہ (سخاوی) ۲۳۵
شرح القصیدۃ الخزرجیۃ ۱۹۸، ۲۰۳
شرح اللوائح للجامی ۳۱۲
شرح تجرید ۴۴۴
شرح تہذیب المنطق ۱۸۵
شرح جامی ۲۷۲
شرح چغمینی ۴۴۴
شرح جلال ۱۳۵
شرح خمسیہ ۳۵۶
شرح رسالہ غوثیہ ۳۲۰
شرح زینۃ النکات فی شرح مشکوۃ ۱۸۱
شرح صحیح البخاری ۱۹۶
شرح فصوص الحکم ۱۸۵
شرح لامیۃ العجم للصفدی ۲۰۳
شرح مخزن اسرار ۸۰

مشائخ احمد آباد

شرح مسلم للنووی ۷۵

شرح مفتاح ۲۸۵

شرح مقاصد ۳۱۹

شرح ملا ۱۸۵

شرح مواقف ۲۳۵، ۳۱۹

شرح نزہہ ۳۵۱

شرح ہدایۃ الحکمۃ ۴۴۴

شمائل نبوی ۳۷۹

شمس المغرب فی الرقص والمطرب ۱۹۸

شؤون المنزلات ۳۷۸

ص

صحیح البخاری ۱۲۸، ۱۸۵، ۳۵۹

صحیح مسلم ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶

ض

ضمائر و بصائر ۳۳۹

ضوء المصباح ۲۱۲

ط

طب فرشتہ ۴۴

طبقات اکبر شاہی (طبقات اکبری) (۲۸۶)، (۴۰۶)، ۴۱۷، ۴۱۸، (۴۱۹)، (۴۲۰)، (۴۲۱)، ۴۲۲، ۴۲۳، (۴۲۵)، (۴۲۶)، (۴۳۷)

طبقات شاہجہانی (۲۸۶)

طبقات محمود شاہی ۹۳

ظ

ظفر الوالہ بمظفر وآلہ ۱۵، ۸۶، ۹۰، ۹۱، ۹۴، ۱۰۴، ۱۴۰، ۱۵۴، ۱۹۷، ۲۰۰، ۲۰۸، (۲۴۳)، ۳۸۸

ظہیر الدین محمد بابر مسلمان و ہندو مؤرخین کی نظر میں (۳۳۹)، (۴۱۸)

ع

عجائب الاسفار (۴۱۰)

عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ (۲۹۲)، (۲۹۹)، (۳۷۸)، (۳۸۰)، ۴۰۶

عرف الورد ۳۸۰

عضدی ۲۸۵، ۳۱۹

علمی نقوش (۲۶۱)

عوارف المعارف ۹۹، ۱۰۱

عین الحیوٰۃ (خلاصہ حیوٰۃ الحیوان) ۱۹۶، ۱۹۷

عین العلم ۳۶۵، ۳۹۵

عین الوفافی ترجمۃ الشفاء ۱۴

غ

غایۃ الکمال فی بیان افضل الاعمال ۳۸۵، ۳۸۸
غنیۃ المنیۃ ۸۷

ف

فتح الجواد ۳۸۰
فتح القدیر ۲۵۲
فتوح البلدان ۱۰، ۱۱
فتوحات عالمگیری ۶۳
فخر الاولیاء ۲۲۶
فرید الزمان فی معرفۃ الالحان ۸۸
فیضان ولایت ۳۳۴

ک

کافیہ ۳۱۹
کتاب الحیوان ۱۹۷
کتاب الکبیر ۱۳۵
کتاب الہند ۱۲
کتاب الوافی ۱۹۷
کتاب الوحدۃ ۲۹۹
کتاب ہفت اقلیم ۲۸

کشف الحقائق ۳۵۷

کشف الظنون ۴۰۳

کلمات الشعراء ۴۳۱

کلید مخازن ۳۳۹

کنز العمال ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۷۹

کنز الوحدۃ ۳۳۹

کوکب فلک ۴۶

گ

گجرات کے روحانی چراغ (۲۵۸)، (۲۶۰)

گجری یا گجراتی سولہویں صدی عیسوی میں ۱۵۴

گلزار ابرار ۲۰۹، ۲۱۱، (۲۱۴)، (۲۴۰)، (۲۶۷)، ۲۸۹، (۲۹۶)، (۲۹۸)، (۳۰۱)، (۳۰۵)، (۳۱۴)، (۳۱۵)، (۳۱۶)، (۳۱۷)، ۳۲۱، ۳۲۶، ۳۲۹، (۳۴۴)، (۳۴۶)، ۳۴۷، (۳۴۸)، (۳۴۹)، (۳۵۱)، (۳۵۵)، ۳۵۶، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۲، (۳۶۳)، (۳۶۴)، (۴۰۴)، (۴۱۶)، ۴۳۶، (۴۳۹)

گلستان ۱۸۴، ۱۸۶

گھر کا اندرونی کھلا صحن (۳۸۲)، ۳۸۹

گرو گرنتھ صاحب ۷۹

ل

لباب المناسک وعباب المسالک ۴۰۳، ۴۰۶

لسان الغیب ۴۳۸

لطائف اشرفی ۱۰۱

لطائف برہانی ۲۵۵

م

مالایسع للمریدترکہ کلہ من سنن القوم ۲۹۹

مآثرالامراء (۳۴۷)، (۴۲۴)، (۴۳۰)، (۴۳۱)، (۴۳۲)

مآثر رحیمی ۳۱، (۲۸۶)، ۴۳۲، ۴۳۴، (۴۳۹)، (۴۴۰)، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، (۴۴۴)، (۴۴۵)، (۴۴۶)، (۴۴۷)، ۴۴۸، (۴۵۱)، (۴۵۲)، (۴۵۳)، (۴۵۴)، (۴۵۵)، (۴۵۶)، (۴۵۷)، (۴۵۸)، (۴۵۹)، (۴۶۰)، (۴۶۱)

مآثرمحمودیہ ۹۳

مثنوی خسروشیرین ۴۳۹

مجمع البحار ۲۰۹

مجموعہ اشعارالفواکہ البدریۃ ۱۹۸، ۲۰۳

محبوب ذی المنن تذکرہ اولیائے دکن ۲۱۵

محمودشاہی ۹۳

مخزن المعارف ۶۳

مخصت قوت القلوب ۳۵۹
مدارج المعارج ۲۴۵، ۲۴۷
مرآۃ الرؤیا فی تاویل الاحلام ۱۸۲
مرآۃ الشعراء (۲۵۳)
مرآۃ الاعلام ۱۱۵
مرآۃ احمدی ۳۳، ۴۲، ۴۴، ۴۶، ۵۳، ۵۴، ۶۰، ۶۱، ۷۸، ۹۳، ۱۳۹، ۱۴۷، ۱۴۹، ۱۵۴، ۱۹۳، ۲۱۵، ۲۲۱، (۲۲۲)، ۲۴۰، (۲۴۳)، ۲۴۶، (۲۵۳)، ۲۶۸
مرآۃ المناقب ۹۸
مرآۃ جہاں نما (۴۳۴)
مرآۃ سکندری ۲۵، ۴۳، ۴۹، ۹۳، ۱۴۷، ۱۶۰، ۱۶۳، (۲۴۰)، ۲۵۸
مرشد نامہ ۷۹
مرصاد العباد ۳۵۶
مرقاۃ الوصول الی اللہ والرسول ۱۲۱، ۱۳۹
مسند امام احمد ابن حنبل ۳۷۹
مسیح القلوب ۳۱۴
مشارق الانوار ۹۹
مشکوۃ شریف ۷۲، ۹۹، ۱۸۱
مصابیح الجوامع (شرح صحیح بخاری) ۱۹۶
معارج الولایت ۱۲۲، ۱۳۵، ۲۲۱، ۲۲۸، ۲۸۶، (۲۸۷)

مشائخ احمدآباد ۱۴۴
معارف ۱۴
معجم البلدان ۷
معراج نامہ ۳۲۸
مغنی اللبیب ۱۹۵
مفتاح الحاجات فی الاذکار والاشغال ۱۸۲
مقاطع الشرب [illegible]، ۲۰۳
مقالات شیرانی [illegible]، (۴۳۷)
مقالات عرشی (۴[illegible])
مقرر نامہ ۱۰۴
مقصود المراد ۳۲۷
مکتوبات عین القضاۃ ہمدانی ۱۱۴
ملتقط جمع الجوامع للسیوطی ۳۵۹
ملفوظات جمعات شاہی ۱۵۴
مناقب المحبوبین (۲۲۷)
مناقب الولایت ۱۱۶، ۱۱۷
مناقب برہانی ۱۰۰
مناقب غوثیہ ۳۳۱، ۳۳۲، (۳۳۳)، (۳۳۴)
منتخب التواریخ (۲۷۹)، (۲۸۵)، ۴۲۱، (۴۲۴)، (۴۲۶)، (۴۲۷)، (۴۲۸)
منتخب کنز العمال ۳۷۹
منتخب مواہب لدنیہ ۳۵۹
منتخب العمال ۳۷۹

منشور خلافت ۲۵۵

موجز القسطلانی ۳۵۹

ن

نجاۃ الرشید ۴۱۸، ۴۲۱

نجم الدرر ۳۸۰

نزہۃ الارواح ۳۴۹، ۳۵۱

نزہۃ الخواطر ۱۶۳، ۱۷۰، (۲۱۳)، (۲۱۴)، (۲۱۶)، (۲۲۱)، (۲۲۲)، (۲۲۷)، (۲۳۴)، (۲۴۷)، (۲۵۳)، (۲۹۷)، (۳۰۰)، (۳۰۱)، (۳۰۲)، (۳۰۶)، (۳۱۳)، (۳۱۴)، (۳۱۵)، (۳۱۶)، (۳۳۸)، (۳۴۷)، (۳۴۸)، (۳۴۹)، (۳۵۱)، (۳۶۲)، (۳۶۳)، (۳۶۴)، (۴۰۱)، (۴۰۴)، (۴۰۶)، (۴۳۴)، (۴۴۰)

نزول الغیث الذی انسجم فی شرح لامیۃ العجم للصفدی ۱۹۸، ۲۰۳

نعم المعیار والمقیاس فی معرفۃ مراتب الناس ۳۸۰

نفحات الانس ۴۳۸

نور العرفان ۱۹۱

نور القاری شرح صحیح البخاری ۱۸۵، ۱۸۶

نور معرفت ۱۹۱

مشائخ احمدآباد ۱۴۶
نور نامہ فارسی ۲۶۱

ہ

ہسٹری آف ہندی لٹریچر ۴۳۲
History of Hindi Literature
ہندوستان میں سلاطین و مشائخ کے حالات پر ایک نظر (۴۳۰)

و

وافیہ شرح کافیہ ۲۷۸

ی

یاد ایام ۶۹، ۹۴، ۱۸۲، ۱۹۶، ۲۸۳، ۳۱۳

فہرست نمبر ۶

اشاریہ

مساجد

مساجد

اٹھانوے گنبد کی مسجد ۴۱

جالی کی مسجد ۴۰

جامع زبید ۱۹۶

جامع مسجد (احمد آباد) ۴۱، ۴۲

جامع مسجد اسکندریہ ۱۹۵

جامع مسجد (سندان) ۱۰، ۱۱

جھوٹ کا کی کی مسجد ۴۰

رانی سپری کی مسجد ۴۰

مسجد خان جہان ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۳۱، ۱۳۲

مسجد عماد الملک رومی (احمد آباد) ۳۴۹، ۳۵۰

مسجد مدرسہ شمع برہانی ۶۴

مسجد مدرسہ ہدایت بخش ۱۸۸

مسجد نعلبند ۲۶

ولی اللہ کی مسجد (تیلیاں مل) ۶۲

مشائخِ احمد آباد

جس میں شہر کی تاسیس سے لے کر نویں صدی
تک کے بزرگوں کے حالات مذکور ہیں

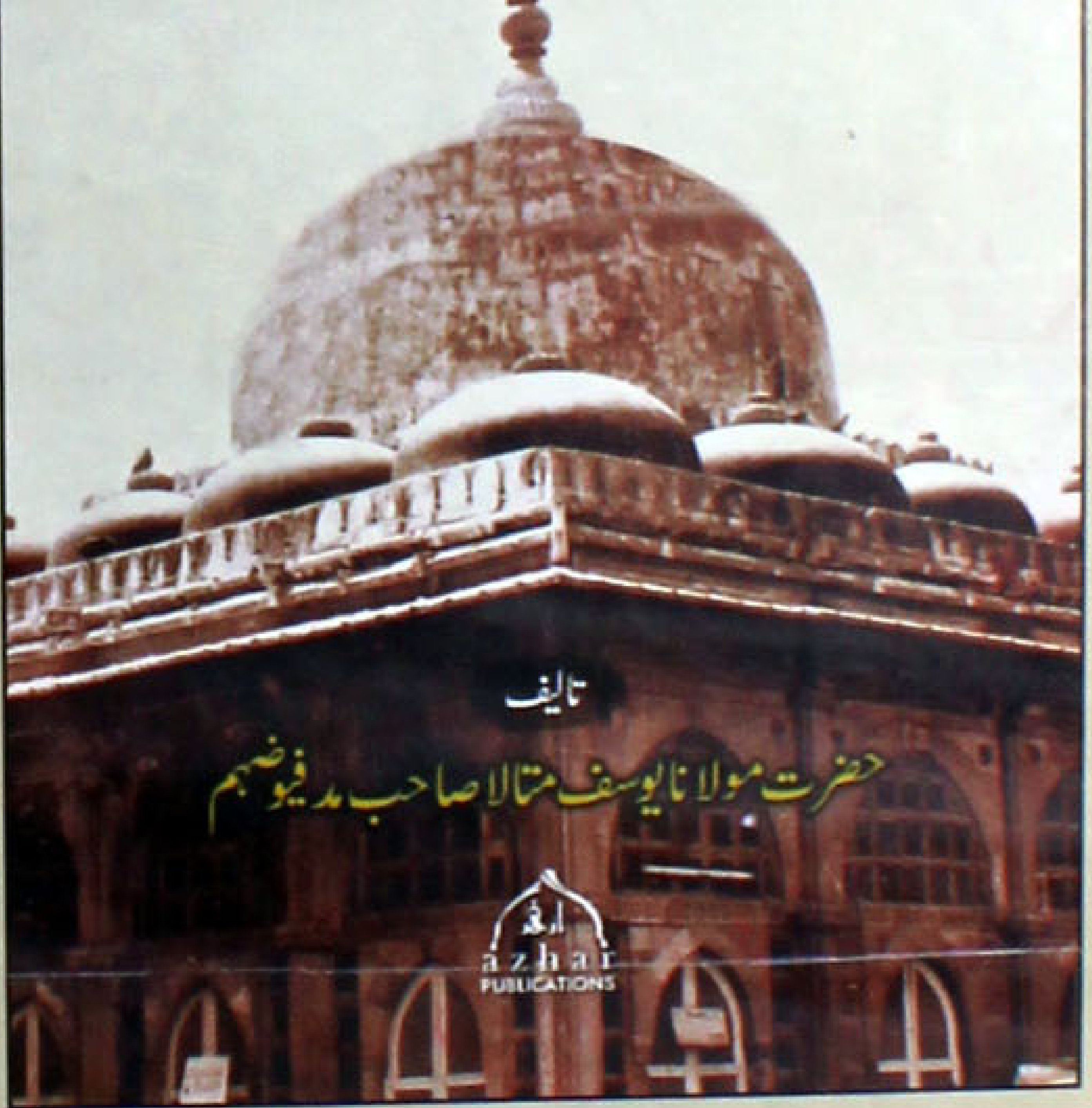

تالیف

حضرت مولانا یوسف متالا صاحب مدفیوضہم

azhar PUBLICATIONS